بسم اللہ الرحمن الرحیم

محقق دوران، محدث زمان، سیف حنفیت، حضرت مولانا علامہ

محمد زاھد بن الحسن الکوثریؒ

کی مشہور کتاب **تانیب الخطیب** کا اردو ترجمہ

سراج الامت، فقیہ الملت، امام اعظم

ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ دفاع

مترجم

حافظ عبد القدوس خان قارن

ناشر

عمر اکادمی

نزد گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ
(سورۃ الحجرات)

محقق دوراں، محدث زماں، سیف حنفیت حضرت مولانا محمد زاہد بن الحسن الکوثری المصری المتوفی ۱۳۷۱ھ کی مشہور کتاب تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب

کا اُردو ترجمہ

سراج الامت، فقیہ الملت، امام اعظم

ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ دفاع

محدث ابو بکر احمد بن علی بن ثابت المعروف بخطیب بغدادی الشافعیؒ المتوفی ۴۶۳ھ نے اپنی حدیثی، فقہی اور تاریخی خدمات کے باوجود تعصب کے سیلابی ریلے میں بہہ کر تاریخ بغداد میں متروک اور ساقط الاعتبار راویوں کی روایات پر مدار رکھ کر جو من گھڑت افسانے امام اعظمؒ اور ان کے اصحاب کے متعلق پیش کیے ہیں۔ اور بے جا قسم کے اعتراضات اور مطاعن ذکر کیے ہیں ان کا جواب علامہ کوثریؒ نے اپنی کتاب تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب میں دیا ہے۔

علامہ کوثریؒ کی اس کتاب کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ موجودہ دور کے مخالفین ابی حنیفہ اسی تاریخ بغداد سے اعتراضات لے کر جو فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا سد باب علماء کرام طلباء عظام اور دیگر عوام الناس باحسن طریق کر سکیں۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

حافظ عبد القدوس خان قارن

اصل کتاب کا نام ______ تانیب الخطیب علیٰ ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب

تالیف ______ محقق دوراں حضرت مولانا محمد زاہد بن الحسن الکوثریؒ

اُردو ترجمہ کا نام ______ سراج الامت فقیہ الملت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

مترجم ______ حافظ محمد عبد القدوس خاں قارن

طبع اوّل ______ صفر ۱۴۲۰ھ / مئی ۱۹۹۹ء

تعداد ______ ایک ہزار

مطبع ______ فائن بکس پرنٹرز لاہور

قیمت ______ ۱۴۰/ ایک سَو چالیس روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ ○ مدینہ کتاب گھر اُردو بازار گوجرانوالہ ○ مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاہور

مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶ ○ مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار لاہور ○ مکتبہ سید احمد شہید اُردو بازار لاہور

مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان ○ مکتبہ صدیقیہ حضرو ○ مکتبہ امدادیہ ملتان ○ مکتبہ مجیدیہ ملتان

اسلامی کتب خانہ اڈا کاکی ایبٹ آباد ○ مکتبہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مینگورہ سوات ○ الجمعیۃ اکیڈمی پشاور

کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

راقم اثیم نے علامہ کوثریؒ کی کتاب تانیب الخطیب کا اُردو ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام سراج الامت، فقیہ الملت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا عادلانہ دفاع رکھا ہے تو احقر اس کی نسبت اپنے تمام اساتذہ کرام کی طرف کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے جنہوں نے حتی الامکان کوششوں اور تمام تر توجہات کے ساتھ احقر کو اپنے بحار علمیہ سے سیراب کرنا چاہا، مگر احقر اپنی کمزور صلاحیتوں کے باعث ان سے صرف چند بوندیں ہی حاصل کر سکا۔ احقر کو علوم دینیہ سے جو کچھ مناسبت ہے تو وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اساتذہ کرام کی محنت کا نتیجہ ہے، دُعا ہے کہ میرے اساتذہ کرام میں سے جو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی جوار رحمت میں بلند درجات نصیب فرمائے اور جو زندہ ہیں ان کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے

آمین یا الٰہ العالمین

احقر عبدالقدوس قارن

فہرست مضامین

پیش لفظ

از پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دام مجدہم

اہل انصاف کی نذر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

پیش نظر کتاب مصر کے شہرۂ آفاق عالم حضرت مولانا محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کی بلند پایہ تصنیف تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب کا اردو ترجمہ ہے۔ مترجم ہمارے مکرم و محترم مولانا حافظ عبد القدوس خان قارن صاحب ہیں۔ جناب قارن' امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے فرزند ہیں۔ ترجمہ انہوں نے بڑی قابلیت سے کیا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں یوں تو کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن پیش نظر کتاب میں معترضین کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر مسکت جوابات دیے گئے ہیں۔ جناب قارن صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ علوم نبوی کے سب سے بڑے شارح ہیں۔ ان کی علمی تحقیقات پر عمل کرنے والوں کی تعداد بھی ہر دور میں تمام اہل مسالک سے زیادہ رہی ہے۔ یہاں تک کہ شافعی و مالکی و حنبلی حضرات نے بھی انہیں "امام اعظم" تسلیم کیا ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امت محمدیہ کے برگزیدہ اولیاء اللہ میں سے تھے۔ دنیا بھر کے اکابر اولیاء بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ہمارے ملک کے اکابر اہل حدیث وغیر مقلد بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معترف تھے اور ان کی اہانت کو روا نہ سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں صرف دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے بزرگ عالم حضرت مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ کی تحریر ملاحظہ ہو

فیض ربانی : ہر چند کہ میں سخت گنہگار ہوں لیکن یہ ایمان رکھتا ہوں اور اپنے صالح اساتذہ جناب مولانا ابو عبد اللہ عبید اللہ غلام حسن صاحب مرحوم سیالکوٹی اور جناب مولانا حافظ عبد المنان صاحب مرحوم محدث وزیر آبادی کی صحبت و تلقین سے یہ بات یقین کے رتبے تک پہنچی ہے کہ بزرگان دین خصوصاً حضرات ائمہ متبوعین سے حسن عقیدت نزول برکات کا ذریعہ ہے۔ اس لیے بعض اوقات خدا تعالیٰ اپنے فضل عمیم سے کوئی فیض اس ذرہ بے مقدار پر نازل کر دیتا ہے۔ اس مقام پر اس کی صورت یوں ہے کہ جب میں نے اس مسئلہ کے لئے کتب متعلقہ الماری سے نکالیں اور حضرت امام صاحبؒ کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتب کی ورق گردانی سے میرے دل پر کچھ غبار آگیا۔ جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا' یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ گویا ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا نظارہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحبؒ سے بد ظنی کا نتیجہ ہے' اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے' وہ اندھیرے کافور ہو گئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے حسن عقیدت نہیں ہے' کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مثال ہے کہ حق تعالیٰ منکرین معارج قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ "میں نے جو کچھ عالم بیداری میں دیکھ لیا' اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے"

ہذا واللہ ولی الہدایہ

خاتمۃ الکلام : اب میں اس مضمون کو ان کلمات پر ختم کرتا ہوں اور اپنے ناظرین سے امید رکھتا ہوں کہ وہ بزرگان دین سے خصوصاً ائمہ متبوعینؒ سے حسن ظن رکھیں اور گستاخی اور شوخی اور بے ادبی سے پرہیز کریں کیونکہ اس کا نتیجہ ہر دو جہان میں موجب خسران و نقصان ہے۔ نسئل اللہ الکریم حسن الظن والتادب مع الصالحین ونعوذ

باللہ العظیم من سوء الظن بھم والوقیعۃ فیھم فانہ عرق الرفض ۱؎ والخروج وعلامۃ المارقین ولنعم ما قیل

از خدا خواہیم توفیق ادب — بے ادب محروم شد از لطف رب

خاک پائے علماء متقدمین و متاخرین حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

(تاریخ اہل حدیث ص ۵۱، ۵۲ ۔ ناشر، مکتبہ الرحمٰن السلفیہ سرگودھا)

۱؎ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم امرتسری نے مجھ سے بیان کیا کہ جن ایام میں، میں کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری سے علم منطق کی تحصیل کرتا تھا، اختلاف مذاق و مشرب کے سبب احناف سے میری گفتگو رہتی تھی۔ ان لوگوں نے مجھ پر یہ الزام تھوپا کہ تم اہل حدیث لوگ ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرتے ہو۔ میں نے اس کے متعلق حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی یعنی شیخ الکل حضرت سید نذیر حسین صاحب مرحوم سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ ہم ایسے شخص کو جو ائمہ دین کے حق میں بے ادبی کرے، چھوٹا رافضی جانتے ہیں۔ علاوہ بریں میاں صاحب مرحوم معیار الحق میں حضرت امام صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ امامنا وسیدنا ابو حنیفۃ النعمان افاض اللہ علیہ شابیب العفو والغفران (ص ۲) نیز فرماتے ہیں، ان کا مجتہد ہونا اور متبع سنت اور متقی اور پرہیزگار ہونا کافی ہے ان کے فضائل میں۔ اور آیہ کریمہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ زینت بخش مراتب ان کے لیے ہے۔ (ص ۵)

مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ائمہ کرام کا بے حد احترام کرتے تھے

حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبد الجبار غزنویؒ کی ولایت کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔ ان کے فرزند ارجمند مولانا سید ابوبکر غزنویؒ نے اپنی تالیف "مولانا داؤد غزنویؒ" میں اس واقعہ کو مفتی محمد حسنؒ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ وہ واقعہ یوں تھا کہ امرتسر میں ایک محلہ تیلیاں تھا جس میں اہل حدیث حضرات کی اکثریت تھی۔ اس محلے کی مسجد اسی نسبت سے مسجد تیلیاں کہلاتی تھی۔ وہاں عبد العلی نامی ایک مولوی امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ مدرسہ غزنویہ میں مولانا عبد الجبار غزنویؒ سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک بار مولوی عبد العلی نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے تو میں اچھا اور بڑا ہوں کیونکہ انہیں صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں اور مجھے ان سے کہیں زیادہ یاد ہیں۔

اس بات کی اطلاع مولانا عبد الجبار غزنویؒ کو پہنچی' وہ بزرگوں کا نہایت ادب واحترام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ بات سنی تو ان کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس نالائق (عبد العلی) کو مدرسے سے نکال دو۔ وہ طالب علم مدرسے سے نکالا گیا تو مولانا عبد الجبار غزنویؒ نے فرمایا

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شخص عنقریب مرتد ہو جائے گا"

مفتی محمد حسنؒ راوی ہیں کہ ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ وہ شخص مرزائی ہو گیا اور لوگوں نے اسے ذلیل کر کے مسجد سے نکال دیا۔

اس واقعہ کے بعد کسی نے امام صاحب مولانا عبد الجبارؒ سے سوال کیا

"حضرت! آپ کو یہ کیسے علم ہو گیا کہ وہ عنقریب کافر ہو جائے گا؟"

فرمانے لگے کہ جس وقت مجھے اس کی گستاخی کی اطلاع ملی' اسی وقت بخاری شریف کی یہ حدیث میرے سامنے آ گئی کہ

مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ (حدیث قدسی)

"جس شخص نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں"

میری نظر میں امام ابو حنیفہؒ ولی اللہ تھے۔ جب اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہو گیا تو جنگ میں ہر فریق دوسرے کی اعلیٰ چیز چھینتا ہے۔ اللہ کی نظر میں ایمان سے اعلیٰ کوئی چیز نہیں

تھی اس لیے اس شخص کے پاس ایمان کیسے رہ سکتا تھا؟

("حضرت مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ" تالیف سید ابوبکر غزنوی" ص ۱۹۱۔ اشاعت اول دسمبر ۱۹۷۴ء ناشر: مکتبہ غزنویہ۔ شیش محل روڈ۔ لاہور)

مولانا محمد اسحاق بھٹی اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں۔

ائمہ کرام کا ان کے دل میں انتہائی احترام تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بے حد عزت سے لیتے۔ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر تھا کہ جماعت اہل حدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ بڑے دردناک لہجے میں فرمایا

"مولوی اسحاق! جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بد دعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہ" ابو حنیفہ" کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ" کہہ دیتا ہے۔ پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ۔ اگر کوئی بہت بڑا احسان کرے تو وہ انہیں سترہ حدیثوں کے عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں' ان میں اتحاد و یکجہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ یَا غُرْبَةَ الْعِلْمِ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ"

(حضرت مولانا داؤد غزنوی" ص ۱۴۳۔ تالیف سید ابوبکر غزنوی)

اہل انصاف سے توقع ہے کہ وہ ان تحریرات سے سبق حاصل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے اور حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔

احقر نفیس الحسینی
کریم پارک' لاہور
۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

کلمات تبرک

از شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

سراج الامت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے حالات زندگی پر

مختصر مقالہ

والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم نے یہ مقالہ جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے سالانہ جلسہ میں پڑھا۔ یہ مقالہ کئی رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کی افادیت اور موضوع سے مناسبت کی وجہ سے کلمات تبرک کے طور پر اس کو شامل کیا جا رہا ہے۔ قارن

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم 'وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

"اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ جس نے میری طرف رجوع کیا تم اس کی پیروی کرو۔"

اتباع اور تقلید کا ایک ہی مفہوم ہے۔ الکلام المفید میں اس پر ہم نے باحوالہ بحث کر دی ہے۔ ہم اور ہمارے اکابر یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جو مسائل منصوص نہیں یعنی قرآن کریم' حدیث شریف اور حضرات خلفاء الراشدین اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ان مسائل میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا ہم ایسے مسائل میں اتباع اور تقلید کے قائل ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کو باقی حضرات آئمہ کرامؒ کی تقلید پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ہم آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کی طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ اور کسی بھی دوسرے امام کو معصوم نہیں سمجھتے' مجتہد سمجھتے ہیں اور مجتہد کے بارے میں اصول فقہ کا ضابطہ یہ ہے کہ المجتہد یخطئی ویصیب اور ہم اسی ضابطہ کے قائل ہیں۔ مجھے یہ عنوان ملا ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے حالات پر کچھ عرض کروں۔ خلاف عادت اور

خلاف معمول اس دفعہ میں مقالہ کی صورت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو میں نے اپنی کتابوں مقام ابوحنیفہؒ' الکلام المفید اور شوق حدیث وغیرہ سے مرتب کیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ یہ مختصر مقالہ طبع ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے تا کہ اختصار کے ساتھ باحوالہ حالات آپ کے پیش نظر رہیں اور حضرات علماء اور طلباء کو حوالے تلاش کرنے کی تکلیف پیش نہ آئے۔

حضرت امام اعظمؒ کے مختصر حالات زندگی

آپ کا نام نعمان بن ثابت بن زوطا تھا۔ آپ کے دادا اہل کابل میں سے تھے۔ اس وقت کابل اور ایران ایک ہی ہوتا تھا۔ آپ کے والد مسلمان ہوئے اور حضرت علیؓ کے پاس بچپن میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضرت ثابتؒ اور ان کی اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔ امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ (ابوحنیفہؒ کا مطلب ہے ملت حنیفہؒ والا یعنی اس کو زندہ کرنے والا اور اس کی نشر و اشاعت کرنے والا جیسا کہ مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۶۳ وغیرہ میں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حنیفہؒ کوئی لڑکی تھی اور آپ اس کے باپ تھے جیسے بعض جاہل یہ کہتے اور سمجھتے ہیں) اور بغداد میں ۱۵۰ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی اور الخیزران کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ بغداد میں ان کی قبر معروف و مشہور ہے۔ (اکمال ص ۶۲۴) امام ابوحنیفہؒ نے حضرت حمادؒ بن ابی سلیمانؒ' عطاءؒ بن ابی رباحؒ' ابو اسحاق السبیعیؒ' محمد بن المنکدرؒ' نافع ہشامؒ بن عروہؒ اور سماک بن حربؒ وغیرہم سے علم حاصل کیا اور ان کے تلامذہ میں امام عبد اللہؒ بن المبارکؒ' وکیعؒ بن الجراحؒ' یزیدؒ بن ہارونؒ' قاضی ابویوسفؒ اور محمدؒ بن الحسن الشیبانیؒ وغیرہم معروف و مشہور ہیں۔ (ایضاً)

امام صاحبؒ تابعی تھے

امام محمد بن اسحاق بن ندیمؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے تھے۔ متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے ان کی ملاقات ہوئی اور پرہیزگاروں اور زاہدوں میں سے تھے۔ (الفہرست ص ۲۹۸)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ کا دور پایا ہے اور حضرت انسؓ بن مالک وغیرہ کو دیکھا ہے اور بعض محدثین فرماتے ہیں کہ سات صحابہ کرامؓ سے روایت بھی کی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷)

امام ابن عبد البر المالکیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا اور حضرت عبد اللہؓ بن الحارث بن جزء کو دیکھا اور ان سے سماعت حدیث کی ہے۔ (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۴۵)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے جب کہ عبد الملک بن مروان خلیفہ تھا اور حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت اس وقت زندہ تھی اور وہ بفضلہ تعالیٰ تابعین میں سے ہیں کیونکہ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔ (مناقب الامام ابی حنیفہؒ و صاحبیہ ص ۷)

اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن سعدؒ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے ...... اس لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ تابعین کے طبقہ میں سے ہیں اور دیگر ان کے ہم عصر ائمہ کو یہ وصف حاصل نہیں۔ (بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۸۳)

الغرض امام صاحبؒ کے تابعی ہونے کا انکار یا تو وہ شخص کرے گا جو بالکل جاہل ہو اور یا وہ کرے گا جو متعصب اور معاند ہو۔ اللہ تعالیٰ عناد سے بچائے۔ آمین۔

صحیحین کی حدیث کا اولین مصداق

بخاری ج ۲ ص ۷۲۷ میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمان الفارسیؓ پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا کہ:

لو کان الایمان عند الثریا لنالہ رجال او رجل من ھؤلاء

"اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو کچھ مرد یا ایک مرد ان میں سے اس کو پائے گا۔"

اور مسلم ج ۲ ص ۳۱۲ کی روایت میں ہے:

لوکان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ

"اگر دین ثریا کے پاس بھی ہو تو ایران یا ابناء ایران میں سے ایک شخص اس کو حاصل کر لے گا۔"

اور مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۲ اور موارد الظمآن ص ۵۷۴ کی روایت میں ہے لو کان العلم بالثریا لتناولہ ناس من ابناء فارس

حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک ایمان، اسلام اور دین ایک ہی چیز ہے۔ ان الدین والایمان والاسلام واحد کذا فی ھامش (بخاری ج۱ ص۱۱)

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ اگر ایمان دین اور علم ثریا ستارہ تک بھی بلند ہو جائے تو اہل فارس میں سے ایک شخص یا کئی اشخاص اس کو وہاں سے بھی حاصل کر کے دم لیں گے۔

امام سیوطی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

اقول بشّر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ۔ الخ (تبییض الصحیفہ ص ۳)

"میں کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں جس کی تخریج امام ابو نعیمؒ نے حلیۃ الاولیاء میں کی ہے (اور صحیحین میں بھی موجود ہے) امام ابو حنیفہؒ کی بشارت دی ہے۔"

اور امام ابن حجر المکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

ان الامام اباحنیفۃ ھو المراد من ھذا الحدیث ظاھر لا شک فیہ۔ (الخیرات الحسان ص ۱۳)

"اس حدیث سے امام ابو حنیفہؒ کا مراد ہونا بالکل ظاہر ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں امام ابو حنیفہؒ درین حکم داخل است اھ (کلمات طیبات ص ۱۶۸) اور نیز فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ماوراء النہر، خراسان اور اہل فارس کے آئمہ سب اس میں داخل ہیں۔ (ازالۃ الخفاء ج۱ ص ۲۷۱)

اور مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

صواب آنست کہ ہم امام ابو حنیفہؒ دراں داخل است و ہم جملہ محدثین فرس باشارۃ النص (اتحاف النبلاء ص ۴۲۴)

علامہ محمد معین سندھی باوجود غیر مقلد اور شیعہ ہونے کے لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کی بڑی فضیلت اور منقبت ہے (محصلہ دراسات اللبیب ص ۲۸۹) چونکہ امام ابو حنیفہؒ زمانہ کے لحاظ سے اقدم ہیں اس لیے وہ اس حدیث کا اولین مصداق ہیں اور بعد کو آنے والے مثلاً امام بخاریؒ بھی اس میں شامل ہیں اور اسی طرح دیگر حضرات محدثین کرامؒ و فقہاء عظامؒ بھی جن سے دین پھیلا ہے۔

فقہ میں ان کا مقام

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفۃ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۰) یعنی سب لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے خوشہ چین ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں دیکھا ہے' وہ ایسے شخص تھے کہ اگر اس ستون کو (جو ان کے سامنے تھا) دلائل کے لحاظ سے سونا ثابت کرنا چاہیں تو کامیاب ہوں گے۔ (اکمال ص ۶۲۵)

اور صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ ' عالم ' عامل ' متورع ' زاہد' عابد اور علوم شرعیہ میں امام تھے اگرچہ میں نے مشکوۃ شریف میں کوئی روایت ان کی سند سے ذکر نہیں کی لیکن پھر بھی میں نے ان کا تذکرہ کیا ہے محض ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے کیونکہ ان کا مرتبہ بہت بلند اور ان کا علم بڑا وسیع تھا۔ (اکمال ص ۶۲۵)

ہمت و استقامت

بنو امیہ کے آخری بادشاہ مروان بن محمد الحمارؒ (المتوفی ۱۳۲ھ) کے عہد حکومت میں عراق کے جابر اور خود سر گورنر یزید بن عمرو بن ھبیرہ نے سیاسی طور پر اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے امام صاحبؒ کو عہدۂ قضاء پیش کیا مگر امام صاحبؒ نے انکار کر دیا تو اس نے ایک سو دس کوڑوں کی سزا دی۔ روزانہ دس کوڑے مارے جاتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۶) امام ابو حنیفہؒ کو کئی دن جیل میں بند کیا اور مطالبہ کیا کہ قاضی القضاۃ بن جائیں مگر آپ نہ مانے۔ (مناقب صدر الائمہ المکیؒ ج ۲ ص ۱۷۳) اور یہ کہا کہ تمام بلاد اسلامیہ میں قاضی آپ کے حکم سے مقرر ہوں گے۔ (ایضاً ج ۲ ص ۱۷۲) اور یہ پیش کش بھی کی کہ بیت المال کا نظام بھی آپ کے سپرد ہوگا اور آپ ہی کی مہر سے بیت المال سے مال نکلے گا۔ (معجم ج ۲ ص ۱۷۷) اور امام صاحبؒ کو اختیار دیا گیا کہ یا تو آپ یہ عہدہ قبول کر لیں اور یا آپ کی کمر اور پیٹ پر کوڑے برسیں گے۔

فاختار عذابھم علی عذاب الاخرۃ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۷) آپ نے ان کی سزا کو آخرت کی سزا پر ترجیح دی۔

امام ابو حنیفہؒ کی والدہ ماجدہ نے بھی حالات کی سنگینی کے پیش نظر بامر مجبوری یہ عہدہ

قبول کرنے کا مشورہ دیا مگر انہوں نے فرمایا اماں جان جس بات کو میں جانتا ہوں آپ نہیں جانتیں۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزیؒ ج ۲ ص ۴۳) اور صاف لفظوں میں فرمایا' ابن ہبیرہ کی دنیوی سزا مجھ پر آخرت کے ہتھوڑوں اور گرزوں کی مار سے بہت آسان ہے۔ بخدا میں یہ عہدہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اگرچہ وہ مجھے قتل ہی کر ڈالے۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۲۲ و مناقب کردری ج ۲ ص ۲۹) اس کے بعد قاضی ابن ابی لیلیؒ ابن شبرمہؒ اور داؤد بن ابی ہندؒ وغیرہ کا ایک وفد امام ابوحنیفہؒ سے ملا اور سب نے حکومت کے عزائم اور ارادوں سے ان کو آگاہ کیا اور حالات کی انتہائی نزاکت سے باخبر کیا اور سب نے یک زبان ہو کر مخلصانہ اور ناصحانہ انداز میں کہا کہ ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالیں۔ ہم سب آپ کے بھائی اور ہم خیال ہیں اور سب اس عہدہ کو پسند نہیں کرتے مگر کیا کریں مجبور ہیں۔ امام موصوفؒ نے فرمایا کہ ابن ہبیرہ اگر مجھے واسط کی مسجد کے دروازے گننے کا حکم دے تو بھی میں اس پر آمادہ نہیں ہوں۔ (مناقب موفق ص ۲۴ ج ۲ و مناقب کردری ج ۲ ص ۲۷ والخیرات الحسان ص ۵۸) کتنی بڑی جرأت اور ہمت ہے کہ ظالم سے کلی طور پر بائیکاٹ کر کے اس کے ساتھ کسی مرحلہ میں شریک ہونا گوارا نہ کیا۔ ہر قسم کے طغیان و تعدی اور ظلم و جور کے بے پناہ طوفانوں کے مقابلہ میں ڈٹ کر خودداری' بلند ہمتی اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے گویا یہ فرما رہے ہیں کہ ۔

جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسرِ میداں مگر جھکی تو نہیں

اور سزا بھی کس طرح دی جاتی تھی اندرون جیل نہیں اور نہ ہی کسی مخفی مقام میں بلکہ تصریح موجود ہے کہ ہر روز ان کو باہر نکالا جاتا اور منادی کرائی جاتی۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تو ان کے سامنے ان کو روزانہ دس کوڑے سزا دی جاتی۔ پھر ان کو گھمایا جاتا اسی طرح بارہ دن سزا دی جاتی رہی اور ایک سو بیس کوڑے پورے کیے گئے اور بازاروں میں ان کو پھرایا جاتا رہا۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۵) اور وجہ یہ بیان کی کہ میں کیسے اس عہدہ کو قبول کر لوں جب کہ وہ کسی کی گردن مارنے کا حکم دے گا اور میں اس پر مہر تصدیق ثبت کروں گا؟ بخدا میں ہرگز اس عہدہ کو قبول نہیں کروں گا۔ (مناقب موفق جلد ۲ ص ۲۴) جب اموی دور ختم ہوا اور عباسی دور شروع ہوا تو پہلے خلیفہ عباسی سفاح (المتوفی ۱۳۶ھ) کے بعد ابو

جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کا دور شروع ہوا (جس کے زمانہ میں اسلامی حکومت کی آخری سرحد کاشغر سنکیانگ چینی علاقہ تھا یعنی تقریباً" باون لاکھ مربع میل پر اس کی حکومت تھی اور یہ سب رقبہ زیر اسلام تھا۔ بقول علامہ اقبال"

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

تو اس کو بھی اپنی حکومت و سلطنت کے استحکام اور عوام و خواص کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے امام ابوحنیفہ" کی علمی اور عملی شہرت اور قبولیت کو اپنے لیے آلہ کار بنانے کی ضرورت پیش آئی اس نے بھی امام صاحب" کو عہدہ قضاء پیش کرنا ضروری سمجھا۔

چنانچہ علامہ خطیب" بغدادی" لکھتے ہیں کہ:

ابو جعفر نے امام ابوحنیفہ" کو عہدہ قضاء قبول کرنے کی دعوت دی مگر وہ نہ مانے تو اس نے ان کو قید کر دیا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۸) اور یہ قضاء بھی معمولی نہ تھی بلکہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا کہ تمام بلاد اسلامیہ کے قاضی ان کے ماتحت ہوں گے مگر وہ صاف انکار کر گئے۔ (الخیرات الحسان ص ۶۱)

کاش کہ ابو جعفر منصور جو خلفاء عباسیہ میں بڑا عالم اور علم دوست یاد کیا جاتا ہے۔ امام مظلوم کو قید کرنے پر ہی اکتفاء کر لیتا تو پھر بھی ایک حد ہوتی لیکن اس کی آتش غضب اس پر کب ٹھنڈی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے امام موصوف کے لیے کوڑوں کی سزا تجویز کی۔

ملا علی القاری" لکھتے ہیں کہ:

منصور نے جب امام موصوف" پر عہدہ قضاء پیش کیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس نے تیس کوڑے سزا ان کو دی یہاں تک کہ خون ان کے بدن سے نکل کر ان کی ایڑیوں تک بہتا رہا۔ (مناقب صدر الائمہ ج ۱ ص ۲۱۵) ستر سال کے بے گناہ بوڑھے پر یہ ظلم و ستم ہوتا رہا مگر کوئی ظالم ٹس سے مس نہ ہوا گو امام صاحب" دل ہی دل میں یہ کہتے رہے ۔

جو ہو بے درد اس کو درد کا احساس ہو کیونکر
ستمگر کی بلا جانے ستم سے ہم پہ کیا گزری

حضرت امام احمد" بن محمد" بن حنبل" (المتوفی ۲۴۱ھ) کو جب حکومت وقت نے معتزلہ کی ریشہ دوانیوں سے مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں قید کیا اور کوڑوں سے ان کے مظلوم بدن

کو لہو لہان کیا گیا تو وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ہمت، عزیمت، استقلال و پامردی کو ایک مثالی نمونہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

امام احمدؒ جب اپنی سزا کو یاد کرتے تو رو دیتے اور امام ابو حنیفہؒ کی سزا کو یاد کر کے ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے کیونکہ ان کو بھی سزا سے سابقہ پڑا تھا۔ (بغدادی ج ۱۳ ص ۳۲۷ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۳ مناقب موفق ج ۲ ص ۱۲۹ والخیرات الحسان ص ۵۹)

حضرت امام ابو حنیفہؒ جب ظالم حکومت کے ساتھ تعاون کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو جیل خانہ میں ان کو زہر پلوا دیا گیا اور ان کی وفات ہوگئی۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۰) جیل خانہ میں جو رویہ اور طرز عمل امام صاحبؒ کے ساتھ روا رکھا گیا وہ بجائے خود قابل صد حیرت ہے۔ لکھا ہے کہ:

ان پر کھانے پینے اور قید میں انتہائی تنگی کی گئی۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۴) اور جب ان کو زہر دیا گیا تو اس حالت میں بھی ان کو پیٹا گیا تا کہ جلدی جلدی زہر کی سرایت بدن میں ہو جائے۔ علامہ کردریؒ لکھتے ہیں:

پھر منصور نے یہ حکم دیا کہ ان کو مصلوب کر کے ان کو پیٹا بھی جائے تا کہ زہر بسرعت ان کے اعضاء میں سرایت کر جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (مناقب کردری ج ۲ ص ۲۵)

عام مورخین تو زہر خورانی کے واقعہ کو امام صاحبؒ کی لاعلمی پر محمول کرتے ہیں لیکن اچھی خاصی جماعت اس رائے سے اختلاف بھی کرتی ہے۔ لکھا ہے:

ایک جماعت یوں روایت کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے سامنے جب زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا تا کہ وہ اس کو نوش کر لیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس کے اندر جو کچھ ڈالا گیا ہے مجھے اس کا علم ہے۔ اور میں اس کو پی کر خود کشی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان کو زمین پر لٹا کر زبردستی زہر پلوایا گیا اور اس سے ان کی وفات ہوگئی۔ (الخیرات الحسان ص ۶۴)

اور امام صدر الائمہ لکھتے ہیں کہ جب ان کے سامنے زہر آلود پیالہ پیش کیا گیا اور بار بار ان کو نوش کرنے کے لیے کہا گیا تو امام موصوفؒ نے فرمایا میں نہیں پیتا مجھے علم ہے جو کچھ اس میں ہے۔ میں خود کشی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ مگر ان کو لٹا کر ان کے منہ میں بزور پیالہ انڈیل دیا گیا۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۷۲)

غرضیکہ مظلومانہ طور پر جیل خانہ کے اندر ہی ۱۵۰ھ میں سجدہ کی حالت میں ان کی

وفات ہوئی اور جیل خانہ کے عملہ نے بیرونی دنیا کو یہ باور کرانے کی ناکام کوشش کی کہ امام موصوفؒ کی وفات طبعی ہے مگر بصیرت والے یہ دیکھ رہے تھے اور کانوں والے یہ سن رہے تھے کہ امام موصوفؒ کے بدن مبارک کا ایک ایک رو نگٹا بزبان حال ان ظالموں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ ۔

خون ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے
کیوں وہ بیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

پہلی مرتبہ کم و بیش پچاس ہزار کے مجمع نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ چھ مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور دفن کرنے کے بعد بھی بیس دن تک لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۸۰ و سیرت نعمانؒ ص ۴۲ شبلیؒ)

عبادت' زہد اور تقویٰ

کتب تاریخ و رجال میں تواتر سے امام صاحبؒ کی عبادت' قراءت قرآن کریم' حج و عمرہ وغیرہ کے واقعات منقول ہیں جس کا انکار نرا تعصب ہے۔ امام صاحبؒ نے اپنی زندگی میں پچپن حج کیے ہیں۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۷۸ و ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۵) اور صرف ایک رمضان میں ایک سو بیس عمرے کیے ہیں۔ گویا روزانہ چار عمرے۔ (ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۵) اور آپ ساری رات جاگتے اور ایک ہی رکعت میں سارا قرآن کریم ختم کر دیتے تھے اور رات کو خوف کی وجہ سے گریہ و زاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے پڑوسی ان پر ترس کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۵۴) اور چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۰۷ و مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۷۸) بعض تنگ نظروں نے اس بات کو بعید اور غیر معقول کہا ہے مگر یہ ان کی کم علمی اور تنگ ظرفی ہے۔ مشہور محدث یزیدؒ بن ہارونؒ نے جو الحافظ القدوۃ اور شیخ الاسلام تھے چالیس سال سے زیادہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۹۲ و بغدادی ج ۱۴ ص ۳۳۷)

اور امام سلیمانؒ بن طرحان صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸) اور چالیس سال تک ان کا یہی معمول رہا (دول الاسلام ج ۱ ص ۷۳' علامہ ذہبیؒ) امام ابوحنیفہؒ ہر ماہ ساٹھ مرتبہ اور رمضان میں باسٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۷۸) اور سات ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا ہے۔ (مفتاح

السعادۃ ج ۲ ص ۷۸ و ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۳)

رات میں قرآن کریم ختم کرنا حیرت اور انکار کی بات نہیں ہے

حضرت عثمانؓ وتر کی ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۸۔ قیام اللیل ص ۶۱ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳ و ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۳)

حضرت تمیم داریؓ رات میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۱۱ و ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۳)

اور حضرت عبد اللہؓ بن الزبیرؓ رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵ و قیام اللیل ص ۴۳)

حضرات تابعینؒ میں سعیدؒ بن جبیرؒ رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۸۔ طحاوی ج ۱ ص ۲۰۵۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۲ و ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۹۳)

امام وکیعؒ بن الجراح رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۷۰)

حضرت امام شافعیؒ رمضان میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۹)

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان دن رات میں قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۴۱ و تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۵۴ للامام نوویؒ)

حضرت امام بخاریؒ روزانہ قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ (طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۹ والحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۴۲)

امام ابوبکر بن عیاش نے اپنے گھر کے ایک گوشے میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قران کریم ختم کیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۲۴۵)

اور امام نووی لکھتے ہیں کہ:

انہوں نے اپنے گھر میں چوبیس ہزار مرتبہ قرآن کریم ختم کیا تھا۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۰)

دیانت

امام وکیعؒ بن الجراحؒ فرماتے ہیں کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس موجود تھا۔ ایک

عورت ریشمی کپڑا لے کر آئی کہ اس کو فروخت کر دیں۔ فرمایا' کتنے میں؟ وہ کہنے لگی سو میں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس کی قیمت سو سے زیادہ ہے۔ اس نے مزید سو روپیہ بتایا۔ فرمایا اس کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ اس کی صحیح قیمت پانچ سو پڑی اور وہ اتنے ہی میں بکا (مناقب موفق ج ا ص ۱۲۲) مسعر بن عبد الملک" کا بیان ہے کہ ایک شخص کپڑا لایا اور امام صاحب" پر فروخت کرنا چاہا۔ آپ نے پوچھا اس کی کتنی قیمت ہے۔ وہ بولا ایک ہزار۔ فرمایا اس کی قیمت اس سے بدرجہا زیادہ ہے۔ حتی کہ آٹھ ہزار پر معاملہ طے ہوا۔ (ایضاً" ج ا ص ۲۱۹)

ایک دفعہ امام صاحب کے ایک شاگرد نے ان کی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ کے ایک باشندہ پر چار سو روپے کا گرم کپڑا غلطی سے ایک ہزار روپے میں فروخت کر دیا۔ جب امام صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو شاگرد کو سخت تنبیہہ کی اور دوکان کے سلسلہ سے الگ کر دیا اور اس خریدار کا حلیہ پوچھ کر اس کے پیچھے ہو لیے جب اس سے جا ملے تو کافی اصرار و تکرار کے بعد چھ سو درہم اسے واپس کر دیے اور پھر واپس کوفہ لوٹ آئے۔ (مناقب موفق ج ا ص ۱۹۸)

ایک دفعہ ان کے غلام نے ان کے مال میں تجارت کی اور تیس ہزار نفع کمایا۔ مگر اس میں امام صاحب" کے خیال میں خرابی تھی۔ وہ تیس ہزار روپے انہوں نے سب کے سب فقراء پر تقسیم کر دیے۔ (ایضاً ص ۲۰۳)

امام عبد اللہ" بن المبارک" فرماتے ہیں کہ لوٹ مار کی کچھ بکریاں ایک دفعہ کوفہ آگئیں اور کوفہ والوں کی بکریوں سے ان کا اختلاط ہوگیا۔ امام صاحب" نے دریافت فرمایا کہ بکری زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ زندہ رہتی ہے۔ لوگوں نے کہا سات سال۔ چنانچہ امام صاحب" نے سات سال تک بکری کا گوشت ترک کر دیا۔ (مناقب موفق ج ا ص ۲۰۵)

امام ابن حجر مکی" فرماتے ہیں کہ صرف ایک ہی بکری ان سے بکریوں میں مل گئی تھی اور یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ امام موصوف" نے محض ورع کی بناء پر ایسا کیا کیونکہ احتمال تھا کہ وہی حرام بکری اس مدت تک رہ جاتی اور اس کا گوشت کھانے کی وجہ سے دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی۔ (الخیرات الحسان ص ۷)

امانت

امام سفیان" بن وکیع" فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ" بہت بڑے امانت دار تھے۔ (مناقب

موفق ج ۱ ص ۲۲۰) ایک دفعہ تیل کے تاجر نے ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ امام صاحب کے پاس امانت رکھا تھا۔ (ایضاً" ج ۱ ص ۲۲۲) جب آپ کی شہادت ہوئی تو لکھا ہے کہ ان کے گھر لوگوں کی پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں۔ (ایضاً" ج ۱ ص ۲۲۰)

حافظ محمد بن ابراہیم الوزیرؒ (المتوفی ۸۴۰ھ) جو غیر مقلد تھے لکھتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ کی فضیلت' عدالت' تقویٰ اور امانت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (الروض الباسم ج ۱ ص ۱۵۸)

مقبولیت

علامہ امیر شکیب ارسلانؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ) فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی پیرو اور مقلد ہے یعنی سارے ترک اور بلقان کے مسلمان روس اور افغانستان کے مسلمان' چین کے مسلمان' ہندوستان اور عرب کے اکثر مسلمان شام اور عراق کے اکثر مسلمان فقہ میں حنفی مسلک رکھتے ہیں۔ (حاشیہ حسن المساعی ص ۶۹)

علامہ محمد طاہر الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی مقبولیت کا کوئی راز اور بھید نہ ہوتا تو امت کا ایک نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا (تکملہ مجمع البحار ج ۳ ص ۵۴۷)

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی وے چنانکہ در علم دین منصب امانت دارد ہمچناں در زہد و عبادت امام سالکان است (تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)

نواب صاحبؒ بھی امام اعظمؒ کے نام سے تذکرہ کرتے ہیں اور علامہ ذہبیؒ ناقدین فن رجال ذکر کرتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ الامام الاعظم فقیہ العراق۔ الخ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل فرماتے ہیں کیونکہ آپ کا مجتہد متبع سنت متقی اور پرہیزگار ہونا ہی آپ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔ الخ۔ (الحیات بعد المماۃ ص ۵۹۳)

مولانا محمد حنیف صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہؒ علیہ جنہیں فہم و فکر کا خارقہ کہنا چاہیے ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ (الاعتصام ص ۲ کالم ۱۔ ۹ فروری ۱۹۶۱ء)

الحاصل حضرت امام ابوحنیفہ کے علمی اور عملی فضائل اور کمالات اسی قدر روشن ہیں کہ فقہی طور پر ان سے اختلاف کرنے والے بھی ان کی تعریف اور توصیف کرنے پر مجبور ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

اللہ تعالیٰ ہمیں حق اور اہل حق کے ساتھ رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد
وعلیٰ آلہ وصحبہ ومتبعیہ اجمعین

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر
خطیب جامع مسجد گکھڑ ومدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

تانیب الخطیب کے ترجمہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

(۱) راقم الحروف ایک دفعہ مکتبہ سید احمد شہید لاہور میں بیٹھا تھا کہ مکتبہ کے مالک محترم اشفاق احمد نے چند کتابیں بطور ہدیہ عنایت فرمائیں (جزاہ اللہ خیرا) ان میں ایک کتاب علامہ کوثریؒ کی الاشفاق علی احکام الطلاق بھی تھی۔ اس وقت وہاں ایک سفید ریش بزرگ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے وہ کتابیں لے کر دیکھنا شروع کردیں اور جب ان کے ہاتھ علامہ کوثریؒ کی کتاب لگی تو فرمانے لگے کہ اگر کوثریؒ صاحب کی کتاب تانیب الخطیب کا ترجمہ ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو۔ وہ سفید ریش بزرگ کون تھے۔ میں صرف اتنا ہی جان سکا کہ وہ سرائیکی زبان بولنے والے اور عرصہ دراز سے کسی مدرسہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ چونکہ میں وہاں سے اپنی مصروفیت کی وجہ سے جلدی ہی اٹھ آیا اس لیے اس سفید ریش بزرگ کے بارہ میں اس سے زیادہ نہ جان سکا۔

(۲) مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب دام مجدہم ماہوار پروگرام میں کی مسجد ڈیوڑھا پھاٹک گوجرانوالہ تشریف لایا کرتے تو علماء' طلبہ اور عوام الناس ان سے مستفید ہوتے تھے۔ کبھی کبھار راقم الحروف بھی حاضر ہوتا تو ایک دفعہ ایک ساتھی نے رقعہ دے کر حضرت مولانا سے چند باتیں دریافت کیں۔ ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ہمارے علاقہ کا ایک مولوی کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تو علم نحو میں کمزور تھے۔ ان کو تم نے خواہ مخواہ امام بنا لیا ہوا ہے تو حضرت مولانا صاحب دام مجدھم نے ترتیب وار سوالات کے جوابات دینے کے بعد فرمایا کہ اس مولوی نے یہ باتیں خطیب بغدادیؒ کی تاریخ بغداد سے لی ہیں اور ان باتوں کا مفصل جواب علامہ کوثریؒ نے اپنی کتاب تانیب الخطیب میں دے دیا ہے اور پھر مولانا صاحب نے درد بھرے لہجہ میں فرمایا کاش کوئی آدمی اس کا ترجمہ کر کے یہاں کے لوگوں پر احسان کرے اور ان پراپیگنڈہ کرنے والوں کا راستہ روک دے۔ اس وقت باقی سامعین کی

طرح راقم الحروف نے بھی صرف بات سن لی اور اس کے لیے دل میں کسی قسم کی کوئی خواہش پیدا نہ ہوئی۔

(۳) دور حاضر کے مخالفین ابی حنیفہ کے مقابلہ میں بہترین نوجوان مناظر مولانا محمد اسماعیل محمدی صاحب نے کئی بار اس کا تذکرہ کیا کہ عرب ریاستوں بالخصوص سعودی عرب سے تعلیم حاصل کر کے آنے والے حضرات اپنے ساتھ وہاں سے جو کتابیں لاتے ہیں ان میں خصوصیت سے تاریخ بغداد لاتے ہیں اور پھر اس میں سے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے خلاف اعتراض لے کر پریشان کرتے ہیں۔ اس کا کوئی انتظام ہونا چاہیے تو میں ان سے کہہ دیتا کہ اس کا انتظام علامہ کوثریؒ نے تانیب الخطیب میں کر دیا ہوا ہے تو وہ اصرار کرتے کہ اس کا ترجمہ کر دیا جائے تاکہ نئے نئے فارغ ہونے والے حضرات اور عام تعلیم یافتہ حضرات بھی اس سے استفادہ کر سکیں تو میں ان سے کہتا کہ آخر آپ بھی عالم ہیں۔ یہ خدمت آپ ہی سرانجام دے دیں تو وہ خاموش ہو جاتے۔

(۴) کچھ عرصہ قبل اہل حدیث مکتب فکر کے ایک نامور قلم کار نے سو فیصد بہتان تراشی پر مشتمل ایک مضمون علامہ کوثریؒ کے متعلق لکھا اور ایسی چیزیں علامہ کی طرف منسوب کیں جن کے ساتھ علامہ کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے تو راقم الحروف نے اس مضمون نگار کا تعاقب کیا اور حقیقت کو آشکارا کیا۔ راقم الحروف کا جوابی مضمون ماہنامہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شائع ہوا۔ اس دوران راقم الحروف نے علامہ کوثریؒ کی کتاب تانیب الخطیب اور مقالات الکوثریؒ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اور تاریخ بغداد کے اس حصہ کا بھی مطالعہ کیا جس کا جواب علامہ کوثریؒ نے دیا ہے اور پھر اس کے ساتھ تانیب الخطیب کے جواب میں علامہ عبد الرحمٰن الیمانی مرحوم نے جو کتاب التنکیل کے نام سے لکھی ہے اس کی جلد اول کا بالاستیعاب اور جلد ثانی کا سرسری مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ سے نہ صرف علامہ کوثریؒ کی علمی حیثیت اور قدر و منزلت دل میں بیٹھی بلکہ ان کی کتابوں سے بہت سے ذہنی اشکالات رفع ہوئے اور معلومات میں اضافہ ہوا۔ میں جوں جوں تانیب الخطیب کا مطالعہ کرتا جاتا تو مکتبہ سید احمد شہید لاہور میں ملنے والے سفید ریش بزرگ اور مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب دام مجدہم کے درد بھرے لہجہ میں تانیب الخطیب کے ترجمہ کی خواہش میرے دماغ میں ترجمہ کا احساس اجاگر کرنے لگی تو دل نے فیصلہ کیا کہ اس کا ترجمہ ضرور ہونا چاہیے۔ میں نے اپنی مصروفیات اور معمولات کے باعث وقت نہ نکال سکنے کی وجہ سے اس

کام کے لیے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے ایک ذی استعداد فاضل مولوی احسان الحق ایبٹ آبادی کو اس پر آمادہ کیا۔ اور انہوں نے آمادگی ظاہر کردی مگر پھر کچھ عرصہ بعد ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کردی۔ تو بندہ نے خود مناسب وقت پر یہ کام سرانجام دینے کا دل میں عہد کرلیا۔ اور پھر ادارہ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے ناظم مشتاق علی صاحب کا شدید تقاضا تھا کہ تانیب الخطیب کا ترجمہ میں خود کروں اور وضاحت طلب باتوں کی وضاحت بھی کردوں تا کہ عوام الناس بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

(۵) ہمارے ہاں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں شعبہ درس نظامی کے تعلیمی سال کا آغاز شوال المکرم کے وسط میں ہوتا ہے۔ اور اس سے پہلے اساتذہ کرام کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں اساتذہ کرام کے ذمہ اسباق تقسیم کیے جاتے ہیں۔ تدریسی سلسلہ شروع ہو جانے کے ساتھ مطالعہ کے اوقات کی ایک ترتیب قائم ہو جاتی ہے۔ اور اس ضمن میں کچھ غیرنصابی کتب کے مطالعہ اور کچھ لکھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے تو تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہی تانیب الخطیب کے ترجمہ کا عزم کرلیا۔ موسم بھی مناسب تھا تو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۲۸ شوال المکرم کو تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ شروع کیا اور اپنی تمام تر تدریسی و دیگر مصروفیات اور معمولات اور بعض فوتیدگیوں کے باعث اسفار کے باوجود بفضلہ تعالیٰ سات دن کم تین ماہ کے عرصہ میں ۲۱ محرم الحرام کو اس کام سے فارغ ہوگیا مگر اس کی اشاعت میں بعض عوارض پیش آجانے کی وجہ سے تاخیر ہوگئی۔ اور اس دوران مجھے مشہور غیرمقلد عالم مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی مرحوم کا واقعہ بار بار ذہن میں گردش کرنے لگا جو انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے کہ میں نے ایک دفعہ امام ابوحنیفہ کے خلاف کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تو دل پر غبار آگیا۔ جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دن دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا' یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا۔ گویا ظُلُمٰتٌ بَعْضُها فَوْقَ بَعْضٍ کا نظارہ ہوگیا۔ معاً خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحبؒ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو۔ میں نے کلمات استغفار دہرانے شروع کیے وہ اندھیرے کافور ہوگئے اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کردیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحبؒ سے حسن عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ (تاریخ اہل حدیث ص ۲۷ بحوالہ مقام ابی حنیفہ ص ۱۴۹) یہ واقعہ بار بار میرے ذہن میں آتا اور اپنی کیفیت پر خوشی ہوتی

اور اطمینان ملتا اس لیے کہ جس دن خیال ہوتا کہ آج کام نہیں ہو سکے گا اس دن بفضلہ تعالیٰ باقی دنوں کی بہ نسبت زیادہ کام ہوتا۔ یہ تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ پیش کرنے کے ظاہری اسباب تھے اور در حقیقت یہ کام بندہ حقیر کے ہاتھوں مقدر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب مہیا فرما دیے۔ ۔

کسی اور ہاتھ میں ڈور ہے کسی اور ہاتھ کا ہے ہنر
جو لگے ہے ظاہری آنکھ سے ہمیں پتلیوں کا کمال سا

فللہ الحمد والمنة ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور قارئین کرام سے بھی درخواست ہے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے علوم کو اطراف عالم میں پھیلایا اور امت مسلمہ کی تسکین اور عظمت کا ذریعہ بنایا اسی طرح اس کتاب کو بھی شرف قبولیت سے نوازے اور شکوک و شبہات میں مبتلا لوگوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جو لوگ خواہ مخواہ شکوک و شبہات میں لوگوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان کو ہدایت نصیب فرمایئے اور ضدی لوگوں کا فساد روکنے کے لیے اس کتاب کو بہترین ہتھیار بنائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

تانیب الخطیب کی اہمیت

جو حضرات تانیب الخطیب یا اس کے اردو ترجمہ کا مطالعہ کریں گے ان کے سامنے یقیناً اس کتاب کی اہمیت واضح ہو جائے گی۔ اور پھر جن حضرات نے راقم الحروف کو اس کا ترجمہ کرنے کا احساس دلایا ان کی خواہشات سے بھی اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یا پھر بمصداق ۔ قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری۔ اس کی اہمیت استاذ المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے داماد اور خصوصی شاگرد انوار الباری شرح بخاری کے مولف حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری رحمہ اللہ سے پوچھیں جو اس کتاب کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ امام صاحب کے خلاف جس قدر مواد جمع ہو سکتا تھا خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں اس کو یک جا جمع کیا ہے جس کو ہر جگہ کے غیر مقلدوں نے بڑی مسرت کے ساتھ شائع کیا۔ مگر علامہ کوثریؒ کے درجات خدا بلند کرے۔ تانیب الخطیب میں ہر واقعہ کی سند پر کلام کر کے اس کی قلعی کھولی ہے اور امام صاحبؒ اور اصحاب امام کے بارہ میں جس قدر جھوٹی حکایات گھڑی گئی تھیں اور شائع کی گئیں سب کا جھوٹ نمایاں کر کے امت مرحومہ پر

احسان عظیم کیا ہے۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۶۱) اور پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ خطیبؒ کے رد میں ملک معظم عیسیٰ بن ابی بکر ایوبیؒ نے السھم المصیب فی کید الخطیب لکھی۔ اور سبط ابن الجوزیؒ نے الانتصار لامام ائمۃ الامصار لکھی۔ اور ابو المؤید الخوارزمیؒ نے مقدمہ جامع المسانید میں خطیبؒ کا رد کیا۔ اور علامہ کوثریؒ نے تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب لکھی۔ یہ لاجواب کتاب قابل دید ہے جس میں ایک ایک چیز کا روایت و درایت سے جواب لکھا ہے۔ اور تحقیق و تدقیق کی پوری پوری داد دی ہے اور الحمد للہ امت پر جو خطیب کے جواب کا قرض تھا اس کو انہوں نے پورا پورا ادا کر دیا ہے۔ فجزاھم اللہ عن سائر الامۃ خیر الجزاء۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۱۵۴) اور پھر ایک مقام پر حضرت بجنوریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ موصوف کے بارے میں اتنا عرض کر دوں کہ خطیب کا رد بے مثل اور نہایت بے جھجک لکھا ہے۔ دوسرے معاندین و متعصبین کے خلاف بھی محققانہ انداز میں اتنا لکھ گئے کہ مظلوم حنفیت کی طرف سے مدافعت کا بڑی حد تک حق ادا کر دیا۔ (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۱۹)

راقم الحروف نے تانیب الخطیب کا ترجمہ کرتے ہوئے خطیب بغدادیؒ کی عبارت سے جو اعتراض ہو سکتا تھا اس اعتراض کو واضح کیا اور جہاں مناسب سمجھا جواب کا خلاصہ ذکر کر دیا تا کہ اعتراض و جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔ اور یہ عبارت بریکٹ میں ذکر کی ہے تا کہ معلوم کیا جا سکے کہ یہ عبارت اصل کتاب کی نہیں بلکہ اعتراض و جواب کا خلاصہ اپنے طور پر علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

تانیب الخطیب کے رد میں علامہ عبد الرحمٰن الیمانی مرحوم کی التنکیل کی حیثیت

علامہ عبد الرحمٰن الیمانیؒ جو کہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن میں حدیث کی کتابوں کی تصحیح کی خدمت سرانجام دیتے رہے ہیں اور پھر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں ۶ صفر ۱۳۸۶ھ بروز جمعرات وفات پائی۔ انہوں نے علامہ کوثریؒ کی کتاب تانیب الخطیب کا پہلے مختصر رد طلیعۃ التنکیل بما فی تانیب الکوثریؒ من الاباطیل لکھا جس کا جواب خود علامہ کوثریؒ نے الترحیب بنقد التانیب کے نام سے دیا۔ اور پھر علامہ الیمانی مرحوم نے تفصیلی رد التنکیل کے نام سے دو جلدوں میں لکھا۔ کتاب کا مطالعہ کرنے سے

یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ الیمانی مرحوم کا یہ رد اہمیت کے حامل دلائل پر مشتمل نہیں بلکہ انہوں نے خیالی مفروضوں کا سہارا لے کر علامہ کوثریؒ کی کتاب پر محض تنقید کا شوق ہی پورا کیا ہے۔

علامہ الیمانی نے علامہ کوثریؒ پر ایک الزام یہ عائد کیا کہ وہ راویوں کے ناموں کی مشابہت کی وجہ سے جرح نقل کر دیتے ہیں حالانکہ وہ رلوی اور ہوتا ہے جس پر جرح ہوتی ہے وہ اسی نام کا دوسرا راوی ہوتا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے سب سے پہلے ابان بن صالح کا ذکر کیا اور کہا کہ المیزان اور اللسان میں اس نام کے دو راوی ذکر کیے گئے ہیں مگر علامہ ذہبی نے ان دونوں کو ایک ظاہر کیا ہے۔ اور ابن حجر نے کہا کہ النباتی نے کہا کہ یہ دو آدمی ہیں۔ اس راوی پر علامہ کوثریؒ نے جرح نقل کی کہ ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقہ رلویوں سے موضوع چیزیں نقل کرتا تھا اور دار قطنی نے اس کو متروک کہا۔ علامہ الیمانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں' میں کہتا ہوں کہ یہ دو راوی ہیں۔ اگر خطیب کی سند میں ان دونوں کے علاوہ ہے تو ہم اس کو نہیں جانتے اور ان دونوں میں سے کوئی ہے تو وہ پہلا ہے کیونکہ حماد بن زید مصری محمد بن سلیم اور علی بن حرب موصلی کے طبقہ کا ہے۔ (التنکیل ج ا ص ۸۴) قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ جب خود کو اطمینان ہی نہیں کہ راوی کونسا ہے تو پھر تنقید کیسی؟ حالانکہ خود علامہ الیمانیؒ نے علامہ کوثریؒ کی معلومات اور بیدار مغزی کا اعتراف کیا ہے۔ (طلیعة التنکیل ص ۲۱) مگر یہاں تنکوں کے سہارے ان کے بحر علمی میں غرقابی سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اور پھر دوسرے نمبر پر ابراہیم بن بشار الرمادی کا ذکر کیا کہ علامہ کوثریؒ نے اس پر امام یحیٰی بن معین اور امام احمد کی جرح نقل کی ہے کہ وہ ابن عیینہ سے نہ سنے ہوئے الفاظ بھی بیان کر دیتا تھا۔ اس پر علامہ الیمانیؒ نے ابراہیم کی صفائی دی اور کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ سے اس نے پہلے روایت سنی ہوتی تھی اور بعد میں سفیان روایت بالمعنی کیا کرتے تھے اور یہ پہلی سنی ہوئی روایت کے مطابق روایت کرتا اور جن لوگوں نے سفیان سے بعد میں روایت سنی ہوتی تو وہ الفاظ میں فرق محسوس کرتے تو اس پر تنقید کرتے اور اس وجہ سے یحیٰی بن معین اور امام احمد نے اس کی نکیر کی۔ (التنکیل ص ۸۵) قارئین کرام غور فرماویں کہ ابراہیم کو بچاتے ہوئے علامہ الیمانی مرحوم نے چوٹی کے تین محدثین کا خصوصاً اور ابراہیم سے سننے والے اور اس پر تنقید کرنے والے سب حضرات کا کیسے

ستیاناس کر دیا کہ روایت میں گڑبڑ سفیان بن عیینہ کرتے ہیں اور وہ لوگ تنقید کا نشانہ ابراہیم کو بناتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہ ابن معینؒ اور امام احمدؒ روایت بالمعنی کی وجہ سے اس پر تنقید کرتے تھے حالانکہ روایت بالمعنی کو تو وہ جائز سمجھتے تھے۔ کیا وہ اتنا بھی فرق نہ کر سکتے تھے کہ یہ روایت بالمعنی کر رہا ہے؟ یہ ہے الیمانی تحقیق۔

اور انہوں نے راویوں سے متعلق بحث میں اسی قسم کا مظاہرہ آخر تک اسی طرح کیا ہے۔

اور پھر علامہ کوثریؒ نے لکھا کہ خطیب بغدادیؒ کی وفات کے بعد اس کی کتابیں ابو الفضل احمد بن الحسن بن خیرون کے پاس تھیں اور اس کے پاس کتابیں جل گئیں۔ پھر وہ جب بیان کرتا تو جن لوگوں نے خطیب سے تاریخ بغداد سنی تھی وہ اس میں فرق محسوس کرتے اور ابن خیرون پر طعن کرتے۔ الخ۔ اس پر بحث کرتے ہوئے علامہ الیمانی مرحوم لکھتے ہیں کہ حضرات نے یہ تو ذکر کیا ہے کہ ابن خیرون کے پاس کتابیں جل گئی تھیں مگر یہ صراحت نہیں کی کہ تاریخ بغداد بھی جل گئی تھی۔ (التنکیل ج ۱ ص ۱۰۶) عجیب بات ہے کہ جب استثناء نہیں کی گئی کہ تاریخ نہیں جلی تھی اور وہ تاریخ بغداد کے حوالے سے جو روایت بیان کرتا تھا اس پر لوگ طعن کرتے تھے تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے پاس موجود تمام کتب جل گئی تھیں۔ ورنہ استثناء ہوتی کہ باقی کتابیں تو جل گئی تھیں مگر تاریخ بغداد کا نسخہ نہیں جلا تھا۔ جب یہ استثناء ثابت نہیں ہے تو علامہ کوثریؒ پر تنقید کیسی؟ باقی رہی یہ بات کہ اور لوگوں کے پاس بھی نسخے تھے تو کیا کہیں یہ وضاحت ہے کہ ابن خیرون ان نسخوں کے مطابق روایت کرتا تھا۔ جبکہ ظاہر یہی ہوتا ہے کہ وہ دیگر نسخوں کے مطابق روایت نہیں کرتا تھا۔ تب ہی تو لوگوں نے اس پر تنقید شروع کر دی تھی۔ اور تاریخ بغداد کا موجودہ نسخہ ابن خیرون کی روایت ہی سے ہے تو علامہ کوثریؒ کا کہنا بجا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ خطیب کا نسخہ نہ ہو بلکہ ابن خیرون کا خود اضافہ شدہ ہو۔ بات تو واضح ہے مگر الیمانی مرحوم نے تنقید کا شوق پورا کیا ہے۔ اسی طرح علامہ الیمانی مرحوم نے علامہ کوثریؒ پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ انہوں نے حضرت انس بن مالکؓ پر بھی طعن کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ بے شک صحابہ سارے کے سارے عادل ہیں مگر قلت ضبط جیسے عارضہ سے معصوم نہیں ہیں۔ خواہ وہ امی ہونے کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے تو فقیہ کی روایت غیر فقیہ کی روایت پر اور غیر بوڑھے کی روایت بوڑھے کی روایت پر تعارض کے

وقت راجح ہوگی۔ اس پر علامہ الیمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضرت انسؓ بوڑھے تھے اور ان کے ضبط میں خلل تھا۔ اسی لیے یہودی کا سر کوٹنے والی روایت نہیں لی جائے گی اور میں نے کوثریؒ سے پہلے اس نظریہ والا کوئی نہیں پایا۔ (طلیعة التنکیل ص ۲۶) بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ یہاں تو علامہ الیمانی اتنا نہیں برداشت کر سکے کہ صحابی کو بوڑھا ہونے کی وجہ سے اس کے ضبط میں قلت کا قول کیا جائے حالانکہ ان خود اپنا حال یہ ہے کہ جب امام شافعیؒ کے بارہ میں کہا گیا کہ تفسیر میں ان سے غلطی ہوئی ہے تو امام شافعیؒ کی صفائی دیتے ہوئے فرماتے ہیں فغاية الامر ان يقال هو خطاء فی التفسير وذالک لا یضرنا هنا لا ان جماعة من الصحابة قد اخطاوا فی بعض التفسير ولم يعد ذالک قادحا فی فصاحتهم (التنکیل ص ۴۰۴) تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے تفسیر میں غلطی کی ہے اور یہ بات ہمیں کوئی نقصان نہیں دیتی۔ اس لیے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے بعض بعض جگہ تفسیر میں غلطی کی ہے۔ اور اس کو کسی نے ان کی فصاحت میں عیب شمار نہیں کیا۔ اب قارئین کرام خود اندازہ لگالیں کہ تعارض کی صورت میں ترجیح کے لیے بڑھاپے میں قلت ضبط کے امکان کے پیش نظر دوسری روایت کو ترجیح دینے کا جرم زیادہ ہے یا صحابہؓ کی جماعت کی طرف تفسیر میں غلطی کی واضح نسبت کرنا زیادہ جرم ہے۔ شاید اسی جیسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ چھلنی طعن دیتی ہے کوزے کو کہ تجھ میں دو سوراخ ہیں مگر اپنی حالت پر نظر نہیں۔

ہم نے صرف نمونہ کے طور پر چند مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ علامہ الیمانیؒ نے صرف تنقید کا شوق پورا کیا ہے تو ہم نے یہ بے جا نہیں کہا بلکہ حقیقت پر مبنی تبصرہ کیا ہے۔ دل تو چاہتا ہے کہ علامہ الیمانیؒ نے التنکیل اور طلیعہ میں جو ریت کے گھروندے بنائے ہیں ان کو ہوا کے جھونکے دیتے جائیں مگر طوالت کا خوف دامن گیر ہے۔ اگر کسی وقت مناسب ہوا بالخصوص اگر کسی نے التنکیل کا سہارا لے کر کچھ لکھا تو اس پر تفصیلی بحث کا حق ہم محفوظ رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز پھر تفصیل سے بات ہوگی۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے علوم کا چرچا اطراف عالم میں

علامہ ابن القیمؒ نے اعلام الموقعین میں جلیل القدر تابعی حضرت مسروقؒ کا قول نقل

کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو گہری نظر سے دیکھا تو سب کے علم کا سر چشمہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زیدؓ، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابیؓ کو پایا اور اس کے بعد زیادہ گہری نظر سے دیکھا تو ان چھ حضرات کے علوم کا خزانہ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کو پایا۔ الخ۔ کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے علم کا دور دورہ تھا اسی لیے امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کا مدار زیادہ تر حضرت ابن مسعودؓ کی فقہ پر ہے۔ اور امام صاحب ٹھوس دلائل پر مدار رکھ کر فتویٰ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ کردریؒ نے مناقب میں امام ابن جریجؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ما افتی الامام الامن اصل محکم کہ امام صاحب کا ہر فتویٰ ایک اصل محکم پر مبنی ہے یعنی قرآن و حدیث پر۔ الخ۔ اور الشیخ محمد بن محمد الواسطی الزبیدیؒ المتوفی ۱۲۰۵ھ نے عقود الجواھر المنیفۃ فی ادلۃ مذاھب الامام ابی حنیفۃ میں امام اعظمؒ کے مذہب کی موافقت احادیث صحاح ستہ سے دکھلائی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت رکھتا ہے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں تو یہ سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں آدمی سے محبت رکھتا ہے تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر اس کی مقبولیت زمین والوں کے دلوں میں بھی ڈال دی جاتی ہے۔ (مشکوۃ ۴۲۵ ۔ مسلم ج ۲ ص ۳۳۱) اسی حدیث کی روشنی میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہؒ کو کس قدر مقبولیت سے نوازا اور یہ یقیناً اس کی محبت کی علامت ہے۔ اور تابعینؒ کے مبارک دور سے لے کر آج تک اطراف عالم میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے علوم کو جو پذیرائی حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہیں ہوئی۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان مرحوم نے کتاب مسالک الممالک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ واثق باللہ نے سد سکندری کا حال معلوم کرنے کے لیے ۲۲۸ھ میں ایک ٹیم بھیجی جو سد یاجوج ماجوج تک پہنچی۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے قریب بستیاں کم تھیں مگر صحراء اور متفرق مکانات بہت سے تھے۔ سد مذکور کے محافظ جو اس جگہ تھے وہ سب مسلمان تھے اور ان کا مذہب حنفی تھا۔ زبان عربی و فارسی بولتے تھے۔ (ریاض المرتاض و غیاض الاریاض ص ۲۳۹ بحوالہ مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۱۵۲) اور امام ابو حنیفہؒ کے دور سے لے کر آج تک امت کی اکثریت ان

کو اپنا امام تسلیم کرتی چلی آرہی ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین کا کردار

جہاں عبد اللہ بن المبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ، یحیٰی بن زکریاؒ، یحیٰی بن سعید القطانؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام زفرؒ جیسے علم کے سمندر فقاہت کے پہاڑ، ورع و تقویٰ کے آسمان اور امت مسلمہ پر ہدایت کی شعاعیں پھینکنے والے چمکتے سورج امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کر کے ان کے علوم کو اطراف عالم پھیلا کر امت مسلمہ پر عظیم احسان کرتے رہے، وہاں امام ابوحنیفہؒ کے مخالفین کا کردار بھی تاریخ میں کوئی ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ کچھ تو حسد کا شکار تھے اور کچھ حاسدین کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر لا علمی کی وجہ سے مخالفت پر کمربستہ رہے اور بعض نے علمی انداز میں مخالفت کی جس کا انہیں حق حاصل تھا۔

حاسدین کا طرز عمل

امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں ہی کچھ معاندین نے امام اعظم کی کتابیں ضائع کرنے کے لیے دریا برد کرنے کی سکیم بنائی تو اس علاقہ کے قاضی کو پتہ چل گیا اور پھر بالاخر معاملہ مامون تک پہنچا تو اس نے ان کو بھی بلایا اور ان کے مخالف فریق کو بھی بلا کر ان سے بحث و مباحثہ کروایا اور چونکہ مامون خود فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا اس لیے خود احناف کی طرف سے جواب دیتا رہا اور حنفی مسائل پر احادیث سناتا رہا۔ جب مخالف لاجواب ہوگئے تو ان سے کہا کہ اگر ہم ابوحنیفہ کے اقوال کو کتاب و سنت کے مخالف پاتے تو ان کو معمول بھا نہ بناتے۔ اگر تمہارے ساتھ نضر بن شمیل نہ ہوتے تو میں تمہیں ایسی سزا دیتا کہ یاد رکھتے۔ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا (یہ واقعہ مناقب موفق میں مذکور ہے)

اور علامہ ابن حجر المکیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ امام اوزاعیؒ نے عبد اللہ بن المبارکؒ سے کہا کہ یہ کوفہ میں کون مبتدع پیدا ہوگیا ہے اور ان کا اشارہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف تھا تو عبد اللہ بن المبارکؒ نے ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوران گفتگو ان سے بعض مشکل مسائل پوچھے اور جب وہ ان کے جوابات نہ دے سکے تو خود ان کے جوابات دیے تو امام اوزاعیؒ نے ان سے پوچھا کہ یہ جوابات تم نے کس سے سیکھے ہیں تو عبد اللہ بن المبارکؒ نے کہا کہ مجھے عراق میں ایک شیخ ملا تھا اس سے سیکھے ہیں تو امام اوزاعیؒ کہنے لگے کہ وہ تو بہت قابل قدر شخصیت معلوم ہوتی ہے تم جاؤ اور اس سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔ یہ سن

کر عبد اللہ بن المبارکؒ کہنے لگے کہ وہ شیخ تو امام ابو حنیفہؒ ہی ہیں۔ پھر ایک دفعہ امام اوزاعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں مسائل کا مذاکرہ کیا جب جدا ہوئے تو امام اوزاعیؒ نے عبد اللہ بن المبارکؒ سے کہا کہ مجھے تو اس شخص کے کثرت علم اور وفور عقل پر غبطہ ہوا ہے اور میں خدا تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں کہ ان کے بارہ میں جو کچھ کہا میں غلطی پر تھا۔ (الخیرات الحسان ص ۳۰)

اس سے اندازہ کریں کہ پروپیگنڈہ کس قدر شدید تھا کہ امام اوزاعیؒ جیسی شخصیت اس پروپیگنڈہ کا شکار ہوگئی۔ حاسدین نے امام ابو حنیفہؒ کے علمی مقام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس پر کسی قسم کی کوئی دلیل دینے کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ جب امت کی اکثریت نے ان کو اپنا امام تسلیم کر لیا اور ان کو مجتہد مانا تو مجتہد کے لیے تو ان تمام چیزوں کا علم ضروری ہے جو اجتہاد کی شرائط میں سے ہیں۔ اور پھر اس کا اندازہ اس سے کر لیں کہ محدثین کرامؒ نے امام احمدؒ کو آٹھویں طبقہ میں شمار کیا ہے۔ اور ان کو ساڑھے دس لاکھ حدیثیں پہنچیں اور امام بخاریؒ کو نویں طبقہ میں شمار کیا گیا ہے اور ان کو اپنے ایک ہزار اسی اساتذہ سے چھ لاکھ حدیثیں پہنچی تھیں اور امام ابو حنیفہؒ کو پانچویں طبقہ میں شمار کیا گیا ہے۔ اور ان کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی گئی ہے۔ اگر امام بخاریؒ کے امام احمدؒ سے ایک طبقہ نیچے گر جانے کی وجہ سے ساڑھے چار لاکھ احادیث کا فرق پڑتا ہے تو اسی سے اندازہ کر لیں کہ جو پانچویں طبقہ میں ہے اس کے پاس احادیث کا ذخیرہ کتنا ہوگا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ حضرت عمرؓ وغیرہ کی طرح کثرت سے احادیث بیان نہ کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کے مخالفین میں سے بعض کا کردار انتہائی شرمناک ہے کہ انہوں نے کتابوں میں ہیرا پھیری سے بھی گریز نہ کیا اور جہاں بس چلا اپنا یہ کردار ادا کیا۔ مثلاً علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال کے مقدمہ میں خود لکھا ہے کہ میں ائمہ متبوعین ابو حنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کا ذکر نہیں کروں گا۔ مگر میزان میں امام صاحبؒ کے بارہ میں تضعیف نقل کی گئی جو یقیناً بعد والے کسی آدمی کا کارنامہ ہے اور اس پر یہ بھی کافی دلیل ہے کہ امام ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ اور تذہیب التہذیب میں امام صاحبؒ کی صرف تعریف ہی کی ہے جرح کا ایک لفظ بھی نہیں کہا تو میزان میں کیسے جرح کے الفاظ ذکر کر دیے۔ اور مخالفین کا یہ کردار بھی حیران کن ہے کہ من گھڑت واقعات بنائے اور پھر ان کی اشاعت کی۔ چنانچہ امام ذہبیؒ ازدی سے نقل کرتے ہیں کہ نعیم بن حماد تقویت سنت کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے اور امام ابو حنیفہ کے معائب میں جھوٹی حکایتیں گھڑا

کرتے تھے جو سب کی سب جھوٹ ہوتی تھیں۔ (میزان الاعتدال ص ۲۳۹ ج ۳)

امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کرنے والی بعض اہم شخصیات

ائمہ فقہاء کرامؒ تو اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اپنے فروعی مسائل میں دلائل قائم کرتے رہے اور مخالف کے دلائل کا جواب دیتے رہے۔ یہ انداز علمی اور دین کی تقویت کا ذریعہ ہے۔ مگر بعض حضرات نے عظیم المرتبت ہونے کے باوجود ایسا انداز اختیار کیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ کیا واقعی ان شخصیات نے ایسا کیا ہے؟ اور اگر کیا ہے تو کیوں کیا ہے؟

ان شخصیات میں امام بخاریؒ اور خطیب بغدادیؒ، ابو نعیم اصبہانیؒ اور ابن ابی شیبہؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ حافظ ابوبکر بن ابی شیبہؒ المتوفی ۲۳۵ھ نے ایک سو پچیس مسائل کا ذکر کیا کہ ان میں امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت کی ہے مگر ان کا کہنا درست نہیں۔ ان کے جواب میں کئی حضرات نے کتابیں لکھیں۔ علامہ کوثریؒ نے بھی "النکت الطریفہ فی التحدث عن رودو ابن ابی شیبہ" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ اور اردو زبان میں راقم الحروف کے بھتیجے فاضل نوجوان عزیزم مولوی محمد عمار خان ناصر سلمہ، فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے بہترین انداز میں امام اعظم ابو حنیفہ اور عمل بالحدیث کے نام سے کتاب لکھی جس میں ان تمام مسائل کے بارہ میں ثابت کیا ہے کہ ان میں سے کسی مسئلہ میں بھی امام ابو حنیفہ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی جن مسائل کا ذکر حافظ ابو بکر بن ابی شیبہؒ نے کیا ہے۔ اور یہ کتاب ادارہ نشرو اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے شائع کی ہے۔

امام صاحبؒ سے اختلاف کرنے والی بزرگ شخصیات کے بارہ میں نظریہ

ان شخصیات کے متعلق صرف بزرگان دین کی عبارات ہی نقل کر کے اس کے مطابق ہی نظریہ اپنانے کی عوام و خواص سے درخواست کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبد الرحمن السخاویؒ الشافعی المتوفی ۹۰۲ھ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ابو الشیخ بن حبانؒ نے اپنی کتاب السنہ میں بعض مقتدا ائمہ کے بارہ میں نقل کیا ہے یا حافظ ابو احمد بن عدیؒ نے اپنی کامل میں یا حافظ ابوبکر خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں یا ان سے پہلے ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں اور امام بخاریؒ و نسائیؒ نے لکھا ہے اور ایسی چیزیں لکھی ہیں کہ ان کی شان علم و اتقان سے بعید ہیں۔ ان امور میں ان کی اتباع و پیروی سے اجتناب و احتراز کرنا ضروری ہے۔

(الاعلان بالتوبیخ ص ۶۵)

حافظ جمال الدین ابن الجوزی الحنبلیؒ المتوفی ۵۹۷ھ کے نواسے شیخ ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی المعروف بسبط ابن الجوزی المتوفی ۶۵۴ھ لکھتے ہیں کہ خطیبؒ پر تو کوئی تعجب نہیں کیونکہ انہوں نے علماء کی ایک جماعتؒ پر طعن کیا ہے۔ زیادہ تعجب تو نانا جان (ابن الجوزیؒ) پر ہے کہ انہوں نے خطیب کا طریق کار کیوں اختیار کیا (مرآۃ الزمان بحوالہ مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۱۱۸)

علامہ ابن الجوزی نے المنتظم میں لکھا ہے کہ محدث اسماعیل بن ابی الفضل اصبہانی فرمایا کرتے تھے کہ تین حفاظ حدیث مجھ کو ان کے شدت تعصب اور قلت انصاف کی وجہ سے ناپسند ہیں۔ ایک حاکم ابو عبد اللہ اور دوسرے ابونعیم اصبہانیؒ اور تیسرے ابوبکر خطیبؒ۔ ((المنتظم ج ۸ ص ۲۶۹)

اور شیخ شمس الدین محمد بن یوسف صالحیؒ الشافعی المتوفی ۹۴۲ھ نے اپنی کتاب عقود الجمان میں لکھا ہے کہ تم خطیبؒ کی ان باتوں سے جو انہوں نے امام ابوحنیفہ کی شان رفیع کے خلاف نقل کر دی ہیں دھوکہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ خطیبؒ نے اگرچہ مادحین امام اعظمؒ کے اقوال بھی نقل کیے ہیں مگر اس کے بعد وہ امور نقل کیے جس نے ان کی کتاب کا مرتبہ بھی گرا دیا اور اس کو بڑا عیب لگ گیا جس کی وجہ سے ہر چھوٹا بڑا ان کو ہدف ملامت بنانے پر مجبور ہوا۔ (عقود الجمان ص ۳۱) نیز فرماتے ہیں کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کلام کیا ہے ان کا کلام غیبت کے زمرہ میں نہیں آتا۔ بلکہ ان کا یہ کلام غیبت ہی ہے اس لیے کہ جس امام کے علم و عبادت و زہد و تقویٰ و صدق اور ائمہ کے سردار ہونے کا حال واضح ہو چکا ہو اس کے بارہ میں ایسی کلام حسد کا نتیجہ ہی ہے اور بعض لوگوں نے تو ایسی فحش چیزیں ان کی طرف منسوب کر دی ہیں جن کا ارتکاب ادنی دین والا بھی نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ ان چیزوں سے بالکل بری ہیں اور ان لوگوں نے یہ چیزیں ذکر کر کے صرف ان کی شہرت کو نقصان پہنچانے کا ہی ارادہ کیا ہے۔ (عقود الجمان ص ۲۵)

نیز فرماتے ہیں کہ خطیبؒ نے امام ابوحنیفہ کے مطاعن میں جو روایات نقل کی ہیں ان میں سے اکثر روایات کی سندوں میں متکلم فیہ یا مجہول راوی ہیں۔ اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ ان جیسی روایات کا سہارا لے کر مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی کی عزت کو داغدار کرے۔ (عقود الجمان ص ۲۰۵)

اور علامہ شیخ عبد الوہاب الشعرانی الشافعی المتوفی ۹۷۳ھ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی کثرت علم و ورع و عبادت و دقت مدارک و استنباط پر سلف و خلف نے اجماع کیا ہے اور وہ کتاب و سنت کے خلاف رائے سے بری الذمہ تھے اور جس نے ان کی طرف ایسی نسبت کی ہے تو اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (المیزان الکبری ص ۶۲ ج ۱)

نیز فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ پر جرح کرنے والے متعصب ہیں۔ (المیزان الکبری ج ۱ ص ۶۵)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا کہ اسی لیے جارحین کی جرح امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں مقبول نہیں جنہوں نے امام صاحبؒ کو کثرت قیاس قلت عربیت یا قلت روایت حدیث وغیرہ سے مطعون کیا ہے کیونکہ یہ سب جروح ایسی ہیں کہ ان سے کسی راوی کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ (بحوالہ مقدمہ انوار الباری ج ۱ ص ۱۲۰)

امام بخاریؒ نے احناف کے خلاف رویہ سخت رکھا مگر احناف کے بغیر گزارہ ان کا بھی نہ ہوا اس کا اندازہ اسی بات سے کر لیں کہ انہوں نے اپنی صحیح میں جو تئیس ثلاثیات (وہ روایات جن میں امام بخاریؒ اور حضور علیہ السلام کے درمیان صرف تین راویوں کا واسطہ ہے) بیان کی ہیں اور صحاح ستہ کی کتابوں میں ثلاثیات بڑے اعزاز کا باعث ہیں۔ ان تئیس ثلاثیات میں سے تقریباً بیس حنفی راویوں سے ہیں۔ امام بخاریؒ عظیم المرتبت ہونے اور امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے باوجود اپنی صحیح کے علاوہ باقی کتابوں میں کئی مسائل میں خطاء سے نہ بچ سکے اسی لیے اوہام البخاری پر مستقل کتابیں لکھی گئیں اور امام ابوحاتمؒ نے خطاء البخاری فی تاریخہ کے نام سے کتاب لکھی اور امام بخاریؒ کو اپنے دور میں بعض مسائل کی وجہ سے چوٹی کے محدثین کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ائمہ محدثین امام ذھلیؒ امام ابو زرعہؒ اور امام ابوحاتمؒ نے یہاں تک کہہ دیا کہ امام بخاریؒ سے روایت ہی نہ لی جائے۔ جب اس صورت حال میں یہ تمام کچھ ہونے کے باوجود امام بخاریؒ کی شان میں کوئی فرق نہ آیا حالانکہ ان کے ساتھ اختلاف کی بنیاد موجود تھی تو اگر امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بعض اہم شخصیات نے بے بنیاد اختلاف کیا ہے تو یقیناً اس کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کی شان میں بھی کوئی فرق نہیں آتا۔ امام بخاریؒ نے احناف کے بارہ میں اپنے سخت رویہ ہی کی وجہ سے فرمایا کہ امام ابویوسفؒ متروک ہیں۔ تو اس کے بارہ میں مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق خان مرحوم نے لکھا کہ قاضی ابویوسف کوفہ کے امام ابوحنیفہ کے شاگرد فقیہ عالم اور حافظ

حدیث تھے۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ، یحییٰ بن معینؒ اور علی بن المدینیؒ تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے تو جس کو ایسے اکابر محدثین ثقہ کہیں اس کو متروک الحدیث کہنا کیسے درست ہوا۔ (التاج المکلل بحوالہ مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۳)

غیر مقلدین کے عمدۃ المحدثین مولانا نذیر حسین دہلویؒ کا سبق آموز بیان

حضرت مولانا نذیر حسین صاحب دہلویؒ رفع الالتباس عن بعض الناس ص ۳۱ و ۳۲ میں لکھتے ہیں کہ رسالہ بعض الناس کے مولف نے تنبیہہ کا عنوان قائم کر کے مسند خوارزمی سے جو خطیب بغدادی کی تشنیع نقل کر کے پانچ جواب لکھے ہیں' ہمارے نزدیک اس کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ خطیبؒ نے امام صاحبؒ کے مطاعن و معائب کا ذکر تنقیص کے ارادہ یا حسد سے نہیں کیا بلکہ یوں ہی مورخین کی عام عادت کے موافق وہ تمام باتیں جمع کر دی ہیں جو امام صاحبؒ کے بارہ میں کہی گئی ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے بھی قیاس و اصول سے بہت کام لیا ہے بلکہ جیسا کہ خود احناف نے دعویٰ کیا ہے ممکن ہے مجموعی حیثیت سے ان کے قیاسات کی تعداد امام صاحبؒ سے بڑھ کر بھی ہو مگر اصل اعتراض ان قیاسات پر ہے جو بمقابلہ اخبار ہوتے ہیں اور ان میں امام صاحبؒ کا پلہ ہی بھاری ہوتا ہے۔ (یہ مولانا مرحوم کا محض وہم ہے ورنہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ قارن) ورنہ ہم بھی امام صاحبؒ کے فضائل سے منکر نہیں ہیں اور نہ ہی ہم امام شافعیؒ کو امام ابو حنیفہؒ پر ترجیح دیتے ہیں اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ خود امام شافعیؒ نے اپنے اقرار سے سب لوگوں کو فقہ میں امام صاحبؒ کا عیال قرار دیا ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں' پھر آپ کے فضائل کا شہرہ مشارق و مغارب میں ہو چکا ہے اور آپ کے فضل و کمال کے سورج تمام اطراف و جوانب ارض کو روشن کر چکے ہیں حتیٰ کہ ان کا بیان صحراء و بیانوں کے مسافروں اور گھروں کی پردہ نشین عورتوں کی زبان زد ہو چکا۔ تمام آفاق کے لوگوں نے ان کو نقل کیا اور اہل شام و عراق نے ان کا اقرار و اعتراف کیا۔ غرض وہ امام جلیل نبیل عالم فقیہ نبیہ سب سے بڑے فقیہ تھے کہ ان سے خلق کثیر نے تفقہ حاصل کیا۔ پھر آگے لکھتے ہیں لیکن ان کی بعض لغزشوں کی وجہ سے ان کی شان میں گستاخی و سوء ادب کا معاملہ بھی جائز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مجتہد تھے اور مجتہد سے خطا و صواب لغزش و ثبات دونوں ہی ہوتے ہیں۔ پھر آگے لکھتے ہیں اور امام بخاریؒ کی وجہ سے کوئی امام صاحبؒ کو برا بھلا کہنے کا جواز نہ نکالے

کیونکہ ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ دو شیر آپس میں لڑتے ہوں تو کیا لومڑیوں بھیڑیوں کو ان کے درمیان پڑنے کا موقع ہے یا جیسے دو مضبوط پہلوان آپس میں طاقت آزمائی کر رہے ہوں تو کیا عورتوں اور بچوں کے لیے ان کے درمیان مداخلت کرنے کا کوئی وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اگر ایسی غلطی کریں گے تو خود ہی ہلاک و تباہ ہوں گے۔ (رفع الالتباس عن بعض الناس بحوالہ مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۲۲۵)

ہم تمام مسلمانوں کو عموماً" اور امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت پر کمربستہ غیر مقلدین کو خصوصاً" دعوت فکر دیتے ہیں کہ عمدۃ المحدثین کی عبارت پر غور کریں۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے امام صاحبؒ کے بارہ میں جو نقل کیا ہے اس کی حیثیت محض تاریخی ہے۔ اور یہ کہ قیاس کی وجہ سے طعن و تشنیع درست نہیں اور امام ابوحنیفہؒ پر امام شافعیؒ کو ترجیح نہیں دیتے۔ اور امام صاحبؒ سب سے بڑے فقیہ تھے۔ اور ان کی شان میں گستاخی درست نہیں۔ اور اس چیز کو بہانہ بنا کر کہ امام بخاریؒ نے امام صاحبؒ کی مخالفت کی ہے امام صاحبؒ کو برا بھلا کہنا جائز نہیں ہے۔ اور پھر جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور خود کو ہی ہلاک و برباد کرے گا۔ ہر مسلمان اپنے آپ کو نقصان سے بچائے کہ اکابر ائمہ کی گستاخی و بے ادبی سے باز رہے۔ ہم نے امام صاحبؒ کی صفائی میں سبط ابن الجوزی کے علاوہ باقی کسی حنفی عالم کی عبارت پیش نہیں کی بلکہ تمام عبارات شافعی' حنبلی اور غیر مقلد علماء واکابر کی ہیں تا کہ کوئی آدمی امام صاحبؒ کے ساتھ محض حسن ظنی کا طعنہ دے کر معاملہ کو نظر انداز ہی نہ کر دے۔ ان حضرات نے فروعات میں امام ابوحنیفہؒ سے متفق نہ ہونے کے باوجود ان کی جانب غلط منسوب کی گئی باتوں کی تردید فرمائی ہے اور علم کا حق ادا کیا ہے۔

جزاہم اللہ خیرا فی الدارین

خطیب بغدادیؒ غیر مقلدین حضرات کی نظر میں

علامہ کوثریؒ نے خطیب بغدادیؒ کی تردید میں کتاب لکھی ہے اور جو اعتراضات موجودہ دور کے غیر مقلدین تاریخ بغداد سے لے کر امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اعتراضات کرتے وقت خطیب بغدادیؒ کو عوام کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں گویا کہ ان حضرات کے نزدیک خطیب بغدادیؒ کی بات حرف آخر ہے مگر حقیقت میں ان حضرات کے نزدیک خطیب بغدادیؒ کی جو حیثیت اور مقام ہے'

اس کا اندازہ مندرجہ ذیل عبارت سے لگائیں۔ غیر مقلد عالم مولانا ابو الاشبال شاغف صاحب کراچی کا ایک مضمون "ایک غلطی کا ازالہ" کے عنوان سے غیر مقلدین کے معروف رسالہ ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں شائع ہوا' وہ امام بخاریؒ کی صفائی دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے امام بخاریؒ کے خلاف لکھا ہے۔ چنانچہ اپنے اس مضمون میں لکھتے ہیں "چنانچہ ابلیس لعین کی وساطت سے مختلف افواہیں ان کی حیات اور ان کی وفات کے بعد پھیلائی گئیں اگرچہ پھیلانے والے رسوا وذلیل ہو کر اس دار فانی سے آنجہانی ہوئے۔ اور اس امام عالی مقام کا کچھ نہ بگاڑ سکے البتہ ان افواہوں سے بعض شخصیتیں بھی متاثر ہوئیں اور ان میں غور وفکر کر کے محاکمہ کرنے کے بجائے امام عالی مقام کے اوہام سے تعبیر کر کے ان افواہوں کو جمع کر کے مستقل تصنیف کی شکل میں امت مسلمہ کے سامنے پیش کر دیا" اور پھر آگے چل کر لکھتے ہیں "چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے اہم تصنیف خطیب بغدادیؒ کی ہے۔ انہوں نے الموضح لاوہام الجمع والتفریق کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کی پہلی جلد کے کچھ صفحات کو امام بخاریؒ کے اوہام گنانے میں سیاہ کیا ہے۔" (ہفت روزہ الاعتصام' ۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ- ۱۰ تا ۱۶ جولائی ۱۹۹۸ء)

ہماری غیر مقلدین حضرات سے صرف اتنی گزارش ہے کہ جب امام بخاریؒ کے خلاف لکھنے کو اوراق سیاہ کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ امام بخاریؒ امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے باوجود ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کے مرتبہ اور پایہ کے نہیں ہیں تو امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خلاف لکھنے کی وجہ سے خطیب بغدادیؒ کو اگر اسی انداز میں پیش کر دیا جائے تو اس میں کیا حرج کی بات ہے؟ بلکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کو امام اعظمؒ پر خطیب بغدادی کے اعتراضات بیان کرتے وقت عوام کے سامنے خطیب بغدادیؒ کی ایسی حیثیت کو ظاہر کرنا چاہئے تا کہ انصاف کے تقاضے پورے ہو جائیں اور عوام الناس کسی غلط فہمی کا شکار نہ رہیں۔

علامہ محمد زاہد بن الحسن الکوثریؒ کا مختصر تذکرہ

یہاں برصغیر کے عوام الناس تو علامہ کوثریؒ کی شخصیت سے متعارف نہیں۔ بلکہ دینی تعلیمی حلقوں کا بہت سا طبقہ بھی ان کی خدمات سے آگاہ نہیں۔ اس لیے کہ وہ زیادہ عرصہ مصر میں رہے اور ان کی کتابیں عربی میں ہیں۔ مصری کتابوں کا یہاں دستیاب ہونا ہی دشوار تھا

اور پھر کتابیں عربی میں ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگ ان کی قدر و قیمت سے ناواقف رہے۔ مگر مطالعہ کے شوقین اور مسائل میں تحقیقی ذوق رکھنے والے علماء اور ارباب علم علامہ کوثریؒ کی خدمات کو عظیم سرمایہ اور امت مسلمہ پر بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔ علامہ کے اپنے ہم مسلک تو ان کو نہ پہچان سکے البتہ مخالفین ان کو خوب جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاص پروگرام اور سکیم کے تحت بے بنیاد باتیں ان کی طرف منسوب کر کے ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں اس لیے مناسب خیال کیا کہ ان کے بارہ میں چند ضروری معلومات فراہم کر دی جائیں اور عام آدمیوں سے نہیں بلکہ علم کے پہاڑوں اور آسمانوں نے ان کو جن الفاظ سے خراج عقیدت پیش کیا ان کے تعارف کے لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

راس المحدثین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے طبقات ابن سعد میں مشہور تابعی حضرت مسروقؒ کا ایک جملہ پڑھا تھا کہ میں نے حضرت محمد ﷺ کے صحابہؓ کے ساتھ مجلس کی تو ان کو علمی چشموں کی طرح پایا بعض چشموں سے تھوڑے اور بعض سے بہت زیادہ لوگ سیراب ہوتے اور بعض ایسے تھے کہ اگر روئے زمین کے سارے لوگ بھی اس پر اتر آئیں تو وہ ایک ہی چشمہ ان کے لیے کافی ہو تو میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو اسی میں سے پایا۔ حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اپنے دور میں میں نے اس جملہ کا مصداق علامہ کوثریؒ کو پایا جن کی وفات ۱۳۷۱ھ میں ہوئی جن کو وسعت علمی کے ساتھ ساتھ دقت نظر اور حیران کن یادداشت اور بے مثل حافظہ اور اعلیٰ اخلاق عاجزی، قناعت، ورع و تقویٰ اور مصائب پر صبر عطا کیا گیا تھا۔ وہ علم میں بھی مضبوط اور جسمانی طور پر بھی مضبوط جسم اور کشادہ پیشانی والے تھے اور وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ کا عملی نمونہ تھے۔ اور وہ عقائد میں سخت چٹان اور ماتریدیہ کے انتہائی طرفدار اور حنفیت پر پیش کیے جانے والے ہر طعن کا دفاع کرنے والے اور اپنے مخالفین کے خلاف چمکتی ہوئی ایسی تلوار تھے جس میں دندانے نہ پڑ سکیں (ماخوذ از مقدمہ مقالات الکوثری)

(۲) صحیح بخاری کے شارح حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ، علامہ کوثریؒ کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں۔ مشہور و معروف و محقق و مدقق جامع العلوم والفنون تھے۔ ترکی خلافت کے زمانہ میں آپ وکیل المشیخہ الاسلامیہ معہد تخصص تفسیر و حدیث میں استاذ علوم قرآنیہ، قسم شرعی جامعہ عثمانیہ استنبول میں استاذ فقہ و تاریخ فقہ اور دار الشفاقہ الاسلامیہ

استنبول میں استاذ ادب و عربیت رہے تھے۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے لا دینی فتنہ کے دور میں استنبول چھوڑ کر مصرؒ آئے اور آخر وقت تک وہیں رہے۔ مطالعہ کتب اور وسعت معلومات میں بے نظیر تھے۔ استنبول کے چالیس نوادر و مخطوطات کے کتب خانوں کو پہلے ہی کھنگال چکے تھے۔ پھر دمشق و قاہرہ کے نوادر مخطوطات عالم کو بھی سینہ میں محفوظ کر لیا۔ حافظہ و استحضار حیرت انگیز تھا۔ نہایت مستغنی مزاج تھے۔ شیخ جامعہ ازہر مصطفیٰ عبد الرزاق نے سعی کی تھی کہ جامع ازہر میں درس حدیث کی قدیم روایات کو زندہ کریں اور شیخ کوثریؒ کو اس خدمت کے لیے آمادہ کرنا چاہا مگر آپ نے منظور نہ فرمایا۔ رَحِمَہُ اللہُ رَحْمَۃً واسِعَۃً و مَتَّعَنَا بِعُلُوْمِہٖ (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۳۴۳)

اور دوسرے مقام پر علامہ عینیؒ کی عمدۃ القاری کی علمی حیثیت اور فتح الباری سے اس کے تقابل کے بعد فرماتے ہیں "یہ تمام تفصیل جو اوپر نقل ہوئی، محقق و محدث علامہ کوثریؒ قدس سرہ کے طفیل میں پیش کر رہا ہوں" (مقدمہ انوار الباری ج ۲ ص ۱۵۰)

(۳) جامعہ قاہرہ مصر کے استاذ الشریعہ الشیخ محمد ابو زھرہ فرماتے ہیں، ہر عالم کی وفات پر اس کی جگہ سالہا سال تک خالی رہتی ہے مگر جس قدر خلا علامہ کوثریؒ کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے اتنا خلا کسی اور کی وفات کے بعد میرے علم میں نہیں ہوا۔ بے شک الامام الکوثریؒ بہت بڑے امام تھے اور جدید نظریات کے حامل نہیں بلکہ سختی سے سلف صالحین کی اتباع کرنے والے تھے اور وہ اس پابندی میں رہتے ہوئے جدت کے قائل تھے بے شک وہ حق گو عالم تھے اور میرا ان سے تعلق ان کی ملاقات سے پہلے ہی ان کی کتابوں اور حواشی کا مطالعہ کرنے سے ہوگیا تھا جن سے علم کی روشنی پھوٹتی ہے اور ان کے لکھے ہوئے حواشی کو ایک نظر دیکھنے والا ہی جان لیتا ہے کہ ان کا علم کتنا راسخ اور ان کی معلومات کا دائرہ کس قدر وسیع تھا اور پڑھنے والوں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کتابوں کا لکھنے والا غیر عربی ہے بلکہ یہی احساس ہوتا ہے کہ اس نے عرب میں ہی نشو و نما پائی ہے اور عربی ماحول کے علاوہ کسی اور ماحول کا سایہ تک اس پر نہیں پڑا۔ حالانکہ وہ اصل میں ترکی تھے۔ علامہ کوثریؒ کی زندگی مجاہدانہ اور تکالیف پر صبر کرنے والی تھی۔ موصوف اپنی علمیت کی وجہ سے ترکی میں مشیخۃ الاسلام کے وکیل کے عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر اپنے آپ پر باطل کا لیبل لگوانے سے پہلے ہی معزول ہوگئے۔ اور جب ان کے علاقہ میں الحاد پھیلنا شروع ہوا تو سخت کبیدہ خاطر ہوئے اور اس علاقہ میں دین پر باقی رہنا ایسا دشوار ہوگیا جیسے انگارے ہاتھ میں پکڑنا تو ایسے حالات

میں ان کے لیے تین ہی راستے تھے کہ ان میں سے کسی کو اختیار کرلیں۔ یا تو گرفتاری دے کر اپنے علم کو قید خانہ میں ہی بجھا دیتے اور لوگوں کو اس سے محروم رکھتے یا پھر چاپلوسی اور مداہنت سے کام لے کر حکومتی کارندوں کے ساتھ وابستہ رہتے مگر یہ دونوں صورتیں ایک عالم کو زیب نہیں دیتیں اور تیسری صورت یہ تھی کہ اپنا علاقہ چھوڑ کر ہجرت کر جائیں اور اسی کو علامہ کوثریؒ نے اختیار کیا۔ پہلے مصر پھر شام پھر قاہرہ پھر دمشق اور پھر مستقل طور پر قاہرہ میں ہی ڈیرہ ڈال دیا۔ اور وہ جہاں بھی رہے علم کے پیاسے ان سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ میں ایک دفعہ ان کی ملاقات کے لیے گیا تو علمی گفتگو ہوئی تو جب میں واپس آیا تو یہ کہنے پر مجبور تھا کہ اس شخص کے جسم میں بہت عظیم روح مقید ہے۔ بالآخر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے اور مصائب پر صبر کرتے ہوئے اس مقام کی طرف کوچ کر گئے جہاں نیک صدیق لوگ جاتے ہیں۔ فرضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

(۴) قاہرہ کے عظیم واعظ الشیخ محمد اسماعیل عبد رب النبی فرماتے ہیں کہ علامہ کوثریؒ نے مصر کے محلہ العباسیہ میں ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۷۱ھ بروز اتوار وفات پائی اور بہت بڑے محقق علم میں راسخ اور کئی علمی کتابوں کے مولف تھے۔ ملحدوں اور گمراہ فرقوں کے خلاف ننگی تلوار تھے۔ ان کو ہر علم میں فوقیت حاصل تھی۔ بالخصوص فن الجرح والتعدیل اور احوال الرجال کی معرفت اور علماء کے حالات اور فرق اسلامیہ کی تاریخ میں ان کو بلند مقام حاصل تھا۔ وہ انتہائی کریم الطبع اور تواضع والے تھے اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کا عملی نمونہ تھے اور جب بھی ان سے انتہائی مشکل مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اس کی تمام گرہیں کھول کر اس کو واضح فرما دیتے تھے۔ اور وہ خوبصورت جسم کے مالک اور میل جول میں انتہائی اچھے اور حق بات ظاہر کرنے میں بہت بہادر تھے اور حق کے راستہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ میں جب بھی ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کے لیے گیا تو وہاں ان سے استفادہ کرنے والوں کا جم غفیر پایا۔ جہاں لوگ ان سے استفادہ کرنے والے تھے' وہاں بعض لوگ ان سے حسد کرنے والے بھی تھے۔ اور انہوں نے ان کو حنفیت میں متعصب شمار کر رکھا تھا حالانکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کسی وقت کسی نے حنفیت کے خلاف ناجائز طور پر حملہ کیا تو وہ اس پر ذرا بھی رحم نہ کھاتے تھے اور انہوں نے ملت اور ائمہ اور حق و علم کے دفاع کو ہی اپنی زندگی کا مشن بنایا ہوا تھا۔

(۵) مصر کے معروف عالم احمد خیری صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ کوثریؒ ۲۷ یا ۲۸ شوال

۱۲۹۶ھ بروز منگل فجر کی اذان کے وقت بستی الحاج حسن آفندی میں پیدا ہوئے۔ (اور یہ بستی علامہ کوثریؒ کے والد کے نام پر مشہور تھی اور ترکی کے علاقہ آستانہ کے قریب تھی) اور ابتدائی علوم دوزجہ کے شیوخ سے حاصل کیے پھر آستانہ چلے گئے اور پھر ۱۳۲۵ھ کو سند فراغت حاصل کرنے کے بعد تدریس میں مشغول ہوگئے اور پھر ایک پاکباز خاتون سے شادی کی جو ہر حال میں ان کی غم خوار اور معاون رہی۔ اور اس سے ایک بچہ اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بچہ اور ایک بیٹی تو ان کے ہجرت کرنے سے پہلے آستانہ میں ہی فوت ہوگئے اور دو بیٹیاں مصر میں فوت ہوئیں ان میں سے ایک ۲۰ شوال ۱۳۵۳ھ کو ٹائی فائیڈ میں مبتلا ہو کر اور دوسری ۷ رجب ۱۳۶۷ھ میں شوگر کے مرض کی وجہ سے انتہائی کمزوری کی وجہ سے فوت ہوئی۔ علامہ کوثریؒ اپنی آخری عمر میں شوگر اور بلڈ پریشر کے عارضہ میں مبتلا ہوئے مگر اس کے باوجود تالیف اور تلامذہ سے ملاقات وغیرہ معمولات میں فرق نہ آنے دیا۔ اور آخری عمر میں نظر کمزور ہونے کی وجہ سے آنکھ کا آپریشن کروایا اور پھر پیشاب بند ہوجانے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوئے۔ اور میں نے جب ان سے آخری ملاقات کی اور ان کے ہاں ۲۷ رمضان کا روزہ افطار کیا تو اس موقع پر میں نے ان پر انتہائی ضعف کے آثار دیکھے مگر ان کے حواس ٹھیک تھے اور یادداشت بہت تیز تھی۔ اور انہوں نے مجھے آستانہ کے مکتبہ طو.بقبو کے بارہ میں بعض فائدہ کی باتیں لکھوائیں حالانکہ ان کو وہ مکتبہ چھوڑے ہوئے تیس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اور پھر شوال میں دوبارہ پیشاب بند ہوا تو ہسپتال میں داخل ہوئے اور پھر اپنی رہائش گاہ میں منتقل ہوئے۔ اور وفات سے ایک دن پہلے ہفتہ کے دن بخار کا حملہ ہوا تو ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد بتلایا کہ ان کو انفلوئنزا ہے اور دوائی تجویز کی اور اتوار کی رات کو بخار تیز ہوگیا اور کمزوری حد سے بڑھ گئی اور اتوار کے دن الشیخ عبد اللہ جو کہ علامہ کی تیمارداری پر مامور تھے انہوں نے محسوس کیا کہ کچھ دوست احباب کو بلا لیا جائے اور وہ احباب کو اطلاع دینے کی غرض سے گئے اور اس دوران علامہ کے پاس ان کی بیوی تھی جس کو انہوں نے تلقین کی تھی کہ روح نکلنے کے وقت سورۃ الفاتحہ پڑھتی رہے۔ اور اس وفا شعار بیوی نے اسی طرح کیا اور بالآخر علامہ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور سوموار کے دن ظہر کی نماز سے پہلے الجامع الازہر میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور نماز جنازہ الشیخ عبد الجلیل عیسیٰ نے پڑھائی جو کہ جامع ازہر میں کلیہ اللغۃ العربیہ کے شیخ تھے۔ اور پھر علامہ کو الرضوان روڈ پر الشیخ ابراہیم سلیم کے باغیچہ میں امام شافعیؒ کے ساتھ دفن کیا گیا۔

اور احمد خیری صاحب نے علامہ کوثریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی علمی خدمات میں ان کی تالیفات اور مختلف کتابوں پہ حواشی اور مقدمے جو انہوں نے لکھے ان کی تعداد ایک سو سولہ بتائی ہے۔ اور ان کے اساتذہ میں سے بعض مشہور حضرات اور ان کے مشہور تلامذہ کا ذکر کیا ہے اور پھر ایک فصل میں علامہ کوثریؒ کی سند امام ابو حنیفہؒ کے واسطہ سے حضور ﷺ تک بیان کی ہے۔

اور احمد خیری صاحب نے مختلف قصیدوں میں علامہ کوثریؒ کو خراج عقیدت پیش کیا جن میں سے بعض اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔

ونشأت فیها عالما ومعلما وحییت مثل الشمس بین الانهر

اور تو نے اس علاقہ میں علم سیکھتے سکھاتے نشو و نما پائی اور تو نے اس طرح زندگی گزاری جیسے سورج طلوع اور غروب کے وقت کے درمیان ہوتا ہے۔

ونشرت علما طول عمرک داعیا کل الانام الی الصراط الانور

اور تو نے ساری عمر علم پھیلایا اس حال میں کہ تمام لوگوں کو سب سے روشن راستہ کی طرف دعوت دیتا رہا۔

رغمت انوف الحاسدین بعلمه وبحسن سیرته و صدق المخبر

تو نے اپنے علم، حسن سیرت اور سچی خبروں کے ساتھ حسد کرنے والوں کے ناک خاک آلود کر دیے۔

فی فقهه کالبزدوی محمد او مثل عبد الله او کالکردری

تو فقہ میں امام محمد بزدوی کی طرح یا عبد اللہ (ابوالبرکات النسفی) یا (محمد بن عبد الستار) الکردری کی طرح تھا۔

احییت علم ابی حنیفة فی الوری وجلوت ما اخفاه منه الممتری

تو نے لوگوں میں ابو حنیفہؒ کے علم کو زندہ کیا۔ اور جس کو شک ڈالنے والوں نے چھپا دیا تھا تو نے اس کو روشن کیا۔

القمت خصمان الامام حجارة فی شدة ونفاسة کالجوهر

تو نے امام (ابو حنیفہؒ) کے دشمنوں کا ایسی کلام سے منہ بند کیا جو سختی میں پتھر کی طرح اور نفاست میں جوہر کی طرح تھی۔

یا معشر الاحناف مات فقیهکم من کان یدفع عنکم من یفتری

اے حنفیو! تمہارا فقیہ اس دنیا سے چلا گیا جو تمہاری طرف سے بہتان تراشی کرنے والوں کے بہتان کا دفاع کرتا تھا۔

کیف الاحاطة بالفضائل والحجا　　　والعلم والاخلاص دون تعثر

تو نے کیسے احاطہ کر رکھا تھا فضائل اور عقلمندی اور علم اور ایسے اخلاص کا جس میں ذرا بھی لغزش نہ تھی۔

(ان تمام بزرگوں کے بیانات مقالات الکوثریؒ کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں)

علامہ کوثریؒ کا طرز تحریر

علامہ کوثریؒ کی ٹھوس دلائل پر مشتمل تحریر کا صحیح اندازہ تو ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا ہی کر سکتا ہے۔ انہوں نے اپنے مخاطب سے بہت محتاط لہجہ اختیار کیا۔ البتہ تانیب الخطیب میں بعض جگہ لہجہ کچھ سخت بھی ہے اس لیے کہ خلاف واقعہ لکھنے والے حضرات کا اپنی شان کے برخلاف انتہائی گھٹیا درجہ کی کلام پر اترنے کی حالت پر ناقدین کا لہجہ نقد کے وقت سخت ہو ہی جاتا ہے جیساکہ مستدرک میں امام حاکمؒ پر نقد کرتے ہوئے کئی مقام میں امام ذہبیؒ کہتے ہیں کہ کیا مولف کو شرم نہیں آئی کہ اس نے ایسی بات کہہ دی ہے۔ اسی طرح علامہ ابن الجوزیؒ نے خطیب بغدادی کی ایک بات پر نقد کرتے ہوئے کہا کہ کیا خطیب کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ اگر اسی قسم کا لہجہ علامہ کوثریؒ نے اختیار کیا ہے تو ان کو معذور سمجھا جائے اس لیے کہ خطیب بغدادیؒ نے امام صاحب سے متعلق جو باتیں کہی ہیں وہ من گھڑت بھی ہیں اور خطیب بغدادی نے اپنی شان سے انتہائی نیچے گر کر ان کو لکھا ہے۔ مگر اس کے باوجود جگہ جگہ علامہ کوثریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے اور جن کے بارہ میں انہوں نے باتیں کہی ہیں ان کے دل میں ڈال دے کہ ان کو معاف کر دیں۔ اسی سے اندازہ کرلیں کہ اپنے سخت ترین مخالفین کے بارہ میں بھی علامہ کوثریؒ اپنے دل میں کس قدر خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ یا الہ العالمین۔

اظہار تشکر

میں پیر طریقت حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحب دام مجدہم کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری درخواست پر پیش لفظ کے طور پر قیمتی کلمات تحریر

فرمائے۔ اور میں ان تمام حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے تانیب الخطیب کے اردو ترجمہ کی طرف توجہ دلائی اور اپنے بھتیجوں عزیزم مولوی محمد عمار خان ناصر اور حافظ ناصر الدین خان عامر سلمہما الرحمٰن جنہوں نے بڑی محنت سے کتاب کی کمپوزنگ کی اور محترم جناب مولوی عبد الرحیم صاحب مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اور مولوی حافظ عبد الواحد متعلم مدرسہ نصرۃ العلوم اور جناب ماسٹر محمد اشرف صاحب کا جنہوں نے پروف ریڈنگ میں احقر سے تعاون فرمایا اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے مفتی محمد اقبال صاحب اور دار العلوم تبلیغی مرکز کے مولوی ریاض احمد صاحب جنہوں نے وقتی طور پر کتاب کی اشاعت کے لیے تعاون فرمایا' میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور تمام قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ راقم الحروف کے والدین و جمیع اساتذہ کرام کے لیے خصوصی دعا فرمائیں کہ جو فوت ہو چکے ہیں ان کے درجات اللہ تعالٰی بلند فرمائے اور جو زندہ ہیں ان کا سایہ صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت باکرامت فرمائے۔ اور راقم الحروف کی اس محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور دینی خدمت کی زیادہ سے زیادہ ہمت اور جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

احقر حافظ عبد القدوس خان قارن

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر وبک نستعین یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے سردار حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور سب صحابہ پر خصوصی رحمتیں نازل فرمائے۔

اما بعد! پس بیشک ائمہ متبوعین رضی اللہ عنہم ایک خاندان کی طرح تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی شریعت کی خدمت میں ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ ایک دوسرے کی علمی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ فقہ اسلامی کا پھل ان کے ہاتھوں مکمل طور پر پک گیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس چیز کی چھان بین کی طرف پوری توجہ کرتے تھے جو سنت میں وارد ہے اور یہ سلسلہ فضیلت والے زمانے کے بعد اس وقت تک جاری رہا جب تک بے جا مداخلت کرنے والے لوگ پیدا نہیں ہوئے تھے (اور فقہ اسلامی کے ان کے ہاتھوں پکنے کی) ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے عظیم الشان معانی اور دور رس مقاصد کے سمجھنے میں بڑی سختی سے آگے بڑھتے رہے اور یہ سلسلہ لغت میں ایسے طریقے ایجاد ہونے سے پہلے تک جاری رہا جن طریقوں نے اس لغت کو ایسے معانی سے انتہائی دور کر دیا جو نزول وحی کے زمانہ میں ایک دوسرے سے گفتگو کے دوران سمجھے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا ان ائمہ پر بہت بڑا فضل تھا کہ ان کو اس عظیم کام کے لیے منتخب کیا اس مرتبہ کے مطابق جتنی اللہ تعالیٰ نے ان کو انتہائی ذہانت' حافظہ کی قوت' معانی کی تہہ تک پہنچنے کی خوبی عطا فرمائی اور غور و فکر کے بعد پوشیدہ حقائق کو روشن کرنا اور مسائل سمجھنے اور سمجھانے میں انتہائی فریفتہ ہونا اور تیز طبیعت ہونا (دل میں بہت جلدی معلومات جمع کر لینا) اور عمدہ انداز میں بات دوسرے تک پہنچانا اور شیریں بیان اور وسیع ملکیت اور کامل صحت والا ہونا اور گھیر لینے والی عافیت نصیب ہونے کی خوبیوں سے نوازا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اخلاص میں عظمت کے ساتھ ان ائمہ کو نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانے کے قریب زمانے والا ہونا بھی نصیب فرمایا اور وہ راوی جو ان ائمہ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان روایت کرنے والے ہیں' ان کی تعداد اکثر روایات میں صرف دو ہے۔ ایک ان کا استاد اور دوسرا استاذ الاستاذ (اور پھر آگے صحابی راوی ہے) اس صورت حال میں ان کے لیے ان دو راویوں کے حالات کو اور جو ان کے طبقہ کے ہیں' ان کے حالات کو ایسے انداز سے پہچاننا انتہائی آسان تھا کہ شک کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔

بہرحال وہ لوگ جن کا زمانہ ان ائمہ کے زمانے سے متاخر ہے اور ان میں سے کسی نے ان راویوں کے بارے میں کلام کیا ہے' بالخصوص بڑے بڑے فتنوں کے رونما ہونے اور تعصب کے عام ہو جانے کے بعد تو ایسے آدمی پر آسان نہیں ہے کہ اس کا کلام ان کے بارے میں کماحقہ ان کے احوال اور اقوال جاننے کے بعد ہو۔ پس ان رجال کے بارے میں جو ان ائمہ کے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان تھے' ائمہ کے نظروفکر کی جانب دل زیادہ میلان رکھتا ہے کیونکہ ان کو ان کے ساتھ بہت اتصال اور کتابوں سے ان کے احوال کو پڑھنا پڑھانا حاصل تھا۔ بخلاف اس کے کہ جس کا زمانہ متاخر ہو اور وہ ان کے بارے میں جرح کرے۔ کیونکہ اس کا کلام ملاوٹ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

اور ان ائمہ کے ذی شان اصحاب تھے جنہوں نے ان کے علوم کو بہترین انداز میں بعد والے لوگوں تک پہنچایا اور اسی طرح ان کے اصحاب کے اصحاب بھی تھے اور یہ سلسلہ ان کے زمانہ سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ میں سے ہر ایک کے مقام کے مناسب درجہ بدرجہ امت کے دلوں میں اسی زمانہ سے قدر بٹھا دی ہے جب سے ان کے علوم کے سورج چمکے اور ان کی ذہانتوں کے پھل پکے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں' ان کو وہی جاننے والا ہے۔

امام ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۲ میں فرمایا ہے اور بیشک لوگوں نے ان کے فضائل کو جمع کیا ہے اور ان کی سیرتوں اور حالات پر مشتمل کتابیں لکھی ہیں۔ پس جس شخص نے صحابہ کرامؓ اور تابعین کے فضائل کے بعد امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے فضائل پڑھے اور ان کی حفاظت کی اور ان کی معزز سیرتوں اور ان کی راہنمائی پر واقفیت حاصل کی تو اس کے لیے ترقی کی جانب نشو ونما پانے والا عمل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب کی محبت کے ساتھ نفع عطا فرمائے۔ امام ثوریؒ نے فرمایا کہ نیک لوگوں کا ذکر کرتے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور جس شخص نے ان حالات کو محفوظ نہ کیا بلکہ حسد یا لغزش اور غصہ یا نفسانی خواہشات کی بنا پر وہ صرف ان چیزوں کو یاد رکھتا ہے جو ان کی ایک دوسرے کے بارے میں سبقت لسانی کی وجہ سے باتیں ظاہر ہوئیں اور ان کے فضائل کی پرواہ نہیں کرتا تو ایسا آدمی نیکی کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔ اور غیبت میں داخل ہو جاتا ہے اور سیدھے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنائے جو بات کو سنتے ہیں اور پھر اس کی احسن انداز میں پیروی کرتے ہیں۔ اور بیشک رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ پہلی امتوں کی بیماریاں حسد اور بغض تمہارے اندر سرایت کر جائیں گی۔

اور ہمارا یہ کہنا کہ ائمہ کرامؒ اللہ تعالیٰ کی شریعت کی خدمت میں ایک خاندان کی طرح تھے' اس کی دلیل یہ ہے کہ بیشک دار الہجرۃ (مدینہ منورہ) کے عالم امام مالک بن انس ؓ فقیہ ملت امام ابو حنیفہ ؓ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور علم کا ان سے تکرار کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے پاس امام ابو حنیفہؒ کی وساطت سے حاصل ہونے والے مسائل کی تعداد ساٹھ ہزار تک جمع کر رکھی تھی جیسا کہ آپ اس بات کی سچائی کی گواہی اس میں پا سکتے ہیں جو کہ ابو العباس بن ابی العوامؒ السعدی نے سند کے ساتھ اس کتاب میں تحریر کیا ہے جو اس نے اپنے دادا کی کتاب فضائل ابی حنیفۃ واصحابہ میں اضافہ کیا ہے اور اس میں بھی آپ اس بات کی سچائی کی گواہی پا سکتے ہیں جو ابو عبد اللہ الحسین بن علیؒ الصیمری نے اپنی کتاب اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ میں بیان کیا ہے اور اس میں جس کو الموفق الخوارزمیؒ نے اپنی کتاب مناقب ابی حنیفۃ میں اور مسعود بن شیبہ [۱] نے کتاب التعلیم میں اور ان کے علاوہ دیگر ثقہ اہل علم حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

اور میں (علامہ کوثریؒ) نے اس کو بڑی تفصیل کے ساتھ اقوم المسالک میں بیان کیا ہے جو کہ احقاق الحق کے ساتھ شائع کی گئی ہے اور اسی طرح امام ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ کے بیان کردہ مسائل کا مطالعہ کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ کی الجرح والتعدیل [۲] کے مقدمہ میں ہے۔

---

[۱] اور جو مسعود بن شیبہؒ نے اپنی کتاب التعلیم میں کہا ہے' اس کا خلاصہ امام طحاویؒ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے ہمارے اصحاب کی روایات الدراوردی سے جمع کی ہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے پاس امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے ساٹھ ہزار مسائل ہیں اور اس مسعود بن شیبہؒ کو ابن حجرؒ نے مجہول کہا ہے حالانکہ وہ حافظ عبد القادر القرشیؒ اور ابن دقماق المورخؒ اور التقی المقریزیؒ اور علامہ بدر الدین العینیؒ اور الشمس بن طولونؒ الحافظ وغیرہم کے ہاں معروف ہے اور علامہ ابن حجرؒ کی اس کاروائی کو اس زمرہ میں شمار کرتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت کی خاطر معروف کو مجہول قرار دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خواہشات نفسانیہ کی اتباع سے بچائے۔

[۲] یہ کتاب آستانہ کے مکتبہ مراد ملا میں محفوظ ہے اور دار الکتب المصریہ میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے مگر اس کی ابتدا کے کچھ صفحات نہیں جس کی وجہ سے اس کی ابتدا ناقص ہے۔

اور عظمت والے امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے امام مالکؒ سے حدیث اور امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان سے اتنا علم حاصل کیا کہ ان کتابوں کو طاقتور بختی اونٹ بھی بمشکل اٹھا سکتا جیسا کہ بہت سے ثقہ لوگوں نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ ان سے روایت کی ہے اور اس کا ذکر کرنے والوں میں علامہ ذہبیؒ بھی ہیں جنہوں نے امام محمد بن الحسنؒ کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مسائل اور احادیث کا اتنا ذخیرہ لکھا کہ ان سے تین بڑے بڑے تھیلے بھر جائیں اور وہ دقیق اور مشکل مسائل کے جوابات امام محمد بن حسنؒ کی کتابوں سے چنتے تھے اور انہوں نے فقہ میں امام شافعیؒ کو لازم پکڑا جیسا کہ خطیبؒ وغیرہ نے سند کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ اور جس کے علم میں یہ ساری مذکورہ باتیں آ جائیں تو وہ شرم محسوس کرے گا کہ ان میں سے کسی کے مذہب کی پیروی کرتے ہوئے ایسا طریق اختیار کرے جو دوسروں کے ساتھ تصادم اور لڑائی کا ذریعہ بنے۔ ہاں غیر مجتہد کو یہ حق تو ہے کہ اپنے سامنے ظاہر ہونے والے اسباب کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے اور پھر مسائل اجتہادیہ میں اس کی پیروی کرے لیکن یہ اسباب جو اس کے لیے ظاہر ہوئے ہیں' وہ اس پر دلالت نہیں کرتے کہ جس کو اس نے اختیار کیا ہے' وہ نفس الامر میں بھی دوسروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

مثلاً" جس آدمی نے امام ابو حنیفہؒ کا انتخاب اس وجہ سے کیا کہ بیشک وہ تابعی ہیں (اور دیگر ائمہ میں سے کوئی اور تابعی نہیں ہے) اور وہ صاف ستھرے چشموں سے صاف ستھری خبروں کو حاصل کرنے کے زیادہ لائق ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ کے قریب ہیں تو اس آدمی کے لیے جائز ہے کہ اس کو اپنے اختیار کا سبب بنائے لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے غافل رہے کہ بیشک یہ فضیلت مطلقاً علم میں رجحان کو مستلزم نہیں ہے اس لیے کہ تابعین میں سے کتنے ہی ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنا زمانہ مقدم ہونے کے باوجود گمنام ہیں (اور ان کی بہ نسبت ان کے بعد والے آدمیوں کو علم زیادہ حاصل ہوا)

اور جس شخص نے امام مالکؒ کو پسند کیا اس وجہ سے کہ وہ ایسی جگہ میں پیدا ہوئے ہیں جہاں وحی اترا کرتی تھی (مدینہ منورہ) تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہے مگر اس کو اس بات سے غفلت برتنا درست نہیں ہے کہ باقی شہروں کے علماء بھی حجاز کے علوم میں ان کے

ساتھ شریک ہیں یا تو بکثرت حج کرنے کی وجہ سے (کہ بار بار حج کے لیے آتے رہے اور حجاز کے علوم حاصل کرتے رہے) یا حرمین کے آس پاس رہنے کی وجہ سے بلکہ وحی کے اترنے کی جگہ میں رہنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو وہ فضیلت حاصل نہ ہو سکی (جو فضیلت دوسرے شہروں کے لوگوں نے حاصل کر لی) بلکہ کئی بلند ہمت لوگ بھی درجہ میں امام مالکؒ کے برابر نہیں ہو سکے باوجودیکہ ان کو اس کے ساتھ مدینہ منورہ میں اقامت کی شرکت حاصل تھی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ صحابہؓ کے مختلف شہروں میں متفرق ہو جانے کے بعد اور فقہاء سبعہؒ کا زمانہ گزر جانے کے بعد وہاں (مدینہ منورہ) ٹھہرنے کو حضور علیہ السلام اور حضرات صحابہ کرامؓ اور ان فقہاء کرامؒ کے زمانہ میں ٹھہرنے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا (اس لیے کہ ان دونوں زمانوں میں علمی لحاظ سے کافی فرق ہے)

اور جس شخص نے امام شافعیؒ کی پیروی کی یہ نظریہ رکھتے ہوئے کہ بیشک وہ قریشی ہیں تو اس شخص کو یہ حق حاصل ہے لیکن یہ امتیازی حیثیت علم میں زیادہ ہونے کو واجب نہیں کرتی۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا اس کو اس کا نسب سبقت نہیں دے سکتا۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ اگر فضیلت کا معاملہ نسب کی وجہ سے ہوتا تو ان علماء کو جو بالاتفاق قریشی ہیں' ان کو ان علماء پر فضیلت ہوتی جن کے قریشی ہونے میں اختلاف ہے (حالانکہ اس نظریہ کا حامل کوئی نہیں ہے)

اور جس شخص نے امام احمد بن حنبلؒ کی پیروی اس وجہ سے کی کہ وہ کثرت سے احادیث بیان کرنے والے ہیں تو اس کو یہ حق حاصل ہے لیکن صرف احادیث کو کثرت سے بیان کرنا جبکہ وہ (صحیح و ضعیف کی) پرکھ اور معانی کی تہہ تک پہنچنے پر مشتمل نہ ہوں تو یہ کثرت سے احادیث بیان کرنا کوئی زیادہ نفع کا باعث نہیں ہے۔ اور مقلد آدمی دوسروں کو چھوڑ کر اپنے امام کی متابعت کے لیے جس سبب کو اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن مجتہدین میں سے کسی ایک کو اپنے خیال کے مطابق ترجیح دینا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو دوسروں پر نفس الامر اور حقیقت میں بھی ترجیح حاصل ہے (کیونکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس کو فضیلت حاصل ہے) بلکہ ان کے درمیان فضیلت ثابت کرنے میں غور و فکر کرنا بھی حکمت سے دور ہے اور اگر ہم امام ابو حنیفہؒ کو فضیلت دینے میں وہ طریق اختیار کریں جو المدارک والے قاضی عیاضؒ نے اپنے امام کو

فضیلت دینے میں یا مغیث الحق کے مصنف نے امام شافعیؒ کو فضیلت دینے میں یا ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب مناقب الامام احمدؒ میں اپنے امام کی فضیلت میں اختیار کیا ہے تو کلام کو دوڑانے کا میدان اس میں بہت وسیع تھا (کہ ہم ان سے بھی زیادہ حیثیت سے امام ابو حنیفہؒ کی فضیلت کو بیان کر سکتے تھے) لیکن حکمت سے دور ہونے والوں کے ساتھ شامل ہو کر ہم حکمت سے دوری اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی ان ائمہ کرامؒ کے درمیان فضیلت ثابت کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو کر یہ کام کرتے ہیں بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سارے کے سارے اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر تھے اور ہم لوگوں کو ان کی حالت پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ان کی جائے پیدائش یا ان کے علوم کے اعتبار سے اپنی چاہت اور ذوق اور میلان کے مطابق ان میں سے جس کی چاہیں اتباع کریں (اس لیے کہ لوگوں کی چاہتیں اور ذوق اور طبعی میلان مختلف ہیں) اور ہم خیال کرتے ہیں کہ جس نے ان میں سے کسی کی پیروی کی تو وہ مطلقاً بری الذمہ ہو گیا خواہ اس نے اپنے امام کو درست پایا یا غلطی کا مرتکب پایا۔ اور استنباط کیے ہوئے مسئلے میں صحیح صورت کو پالینے کی حالت میں اس کے امام کے لیے دو اجر ہوں گے اور غلطی کی صورت میں ایک اجر ہوگا اور دونوں حالتوں میں پیروی کرنے والا بالاتفاق بری الذمہ ہوگا۔

اور جب غیر مجتہد آدمی کے لیے مسائل میں عمل کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی اتباع ضروری ہے تو وہ ان میں سے کسی کو ایسے سبب کی وجہ سے منتخب کرے گا جو اس کے لیے ظاہر ہوگا' پھر وہ اس کی اتباع کرے گا۔ اور بہرحال اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا امام ہی حقیقت میں تمام مسائل میں ٹھیک رائے والا ہے تو یہ بے سمجھے بات کرنے والا ہے۔ اور عمل کی صحت کے لیے غلبہ ظن ہی کافی ہے اور ظن سے یقین پیدا کر لینا (علماء کی شان نہیں بلکہ) عوام کی حالت ہے۔ اور جس کے بارے میں ہم یہ اقرار کرتے ہیں کہ بیشک وہ مجتہد ہے تو ہم اعتراف کرتے ہیں کہ یقیناً وہ اپنی وسعت کے مطابق کوشش کرنے کے بعد غلطی کرنے اور درست بات کو پالینے دونوں حالتوں میں اجر دیا جائے گا تو مجتہدین میں سے کسی ایک کے بارے میں یہ کہنا کہ بیشک وہ مطلقاً مصیب (ہر مسئلہ میں درست بات کو پانے والا) ہے تو یہ بے تکی بات ہے جس سے منصف مزاج اہل علم بری الذمہ ہیں اس لیے کہ یہ نظریہ تو اس امام کو معصوم ہونے کے مقام تک پہنچاتا ہے حالانکہ یقینی بات ہے کہ معصوم ہونا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات مقدسہ کے لیے

ہے (روافض کا اپنے اماموں کے بارے میں نظریہ اہل السنت والجماعت سے مختلف ہے۔ وہ اپنے اماموں کو معصوم مانتے ہیں) اور امت کی جماعتیں ان ائمہ کی تعظیم بجالانے کی حالت میں گزرتی رہیں وہ مسائل کو لینے اور مسائل میں دلائل کے رد میں ان ہی ائمہ پر اعتماد کر کے بے نیاز ہونے والے تھے اور ہر گروہ کی دلیلوں کے درمیان موازنہ کرنے والے تھے (کہ کس کی دلیل وزنی ہے) جیسا کہ علم کی امانت اس کا تقاضا کرتی ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ مامون عباسی کے دور میں خلق قرآن کا فتنہ رونما ہوا۔

بعض غیر فقیہ محدثین کا ذکر

اور حدیث کے راویوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو غور و فکر میں پختہ نہیں تھے اور نہ ہی وہ ادلہ سے احکام استنباط کرنے میں مہارت رکھتے تھے پس جب ان میں سے کسی سے کسی ایسے فقہی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا جس سے چھوٹے چھوٹے فقیہ بھی ناواقف نہ ہوتے تھے تو وہ اس کا ایسا جواب دیتے جو ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیب اور عار بن جاتا (یعنی معمولی فقہی مسائل سے بھی وہ ناواقف تھے)

پس ان میں سے ایک ایسا محدث بھی تھا جو استنجاء کرنے کے بعد نیا وضو کیے بغیر وتر پڑھتا اور اپنے اس عمل پر حضور علیہ السلام کے اس فرمان کو دلیل کے طور پر پیش کرتا مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ (اس نے اس کا معنی یہ سمجھ لیا کہ جو استنجاء کرے تو وہ اس کے بعد وتر پڑھے حالانکہ) اس سے مراد استنجاء کے وقت پتھروں کی تعداد طاق رکھنا ہے' استنجاء کرنے کے بعد بغیر وضو صلوٰۃ وتر ادا کرنا نہیں ہے۔ اور ان میں سے ایک صاحب نے چالیس سال تک یہ نظریہ اپنائے رکھا کہ نماز جمعہ سے پہلے حلق (سر منڈوانا) درست نہیں ہے اور اس نے اس حدیث سے یہ مفہوم سمجھا نَهٰى عَنِ الْحَلَقِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (اس نے اس حدیث کا یہ معنی سمجھا کہ حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن نماز سے پہلے سر منڈوانے سے منع فرمایا ہے حالانکہ) یہ حلق لام کے فتحہ کے ساتھ ہے تو اس سے مراد حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع کرنا ہے جو کہ جماعت کی تنگی کا باعث بنتے ہیں (کہ جمعہ کے دن خطیب کے سامنے حلقے بنا کر مت بیٹھو اس لیے کہ پھر جماعت کی صف بندی میں دقت پیش آتی ہے) اور اس کا سر منڈوانے کے ساتھ ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔ اور ان میں سے ایک نے اس حدیث نہی ان یسقی الرجل ماءہ زرع غیرہ (کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی

اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب کرے اور مراد اس سے یہ ہے کہ جس عورت کے پیٹ میں حمل ہو تو جس سے اس عورت کو حمل ٹھہرا ہے' اس کے علاوہ دوسرا آدمی اس سے وطی مت کرے خواہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا ہو یا اپنی ملکیت میں لایا ہو) سے یہ مفہوم سمجھا کہ پڑوسیوں کے باغات کو اپنے پانی سے کوئی سیراب نہ کرے حالانکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قید کر کے لائی گئی حاملہ باندیوں سے کوئی وطی نہ کرے۔ (جب تک کہ استبراء رحم نہ ہو جائے)

اور ان میں سے ایک بڑے آدمی سے حدیث بیان کرنے کی مجلس میں پوچھا گیا کہ کنویں میں مرغی گر جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ تو اس نے سوال کرنے والے سے کہا کہ تو نے اس کنویں کو ڈھانپ کر کیوں نہ رکھا تا کہ اس میں کوئی چیز نہ گرتی۔ پھر اس محدث کبیر کی جانب سے اس کی مجلس میں موجود ایک فقیہ نے جواب دیا تا کہ اس محدث کے احکام سے جہالت پر پردہ ڈالا جا سکے۔

اور ان میں سے ایک محدث سے علم میراث کا مسئلہ پوچھا گیا تو اس نے فتویٰ میں لکھا کہ اللہ کے فرائض کے مطابق تقسیم کیا جائے (حالانکہ یہ عبارت بھی درست نہیں اور نہ ہی اس مسئلہ کا جواب تھا) اور ان میں سے کسی محدث سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی قسم اٹھاتا ہے کہ اپنی ازار (تہہ بند) صدقہ کروں گا تو وہ کیا کرے تو اس محدث نے اس سائل سے پوچھا کہ تو نے وہ ازار کتنے کی خریدی تھی تو اس نے کہا بائیس درہم کی تو اس محدث نے کہا کہ جا بائیس روزے رکھ تو جب وہ آدمی چلا گیا تو وہ محدث اپنے جواب کی تاویلیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہو گئی ہم نے ظہار کے کفارہ کا اس کو حکم دے دیا ہے (حالانکہ بائیس روزے ظہار کا کفارہ بھی نہیں بنتے)

اور ان ہی جیسے ایک اور محدث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ کنویں میں چوہا گر جائے تو کیا کیا جائے تو وہ کہنے لگے البئر جبار (حالانکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے اپنی مملوکہ زمین میں کنواں کھودا ہے اور کوئی آدمی اس کنویں میں گر کر مر جائے تو کنواں کھودنے والے پر کچھ تاوان نہ ہوگا) اور ان شیوخ سے کلام میں بہت سی ایسی لغزشیں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں صادر ہوتی رہیں جن کا بیک وقت عقل اور شرع دونوں رد کرتی ہیں۔

مامون کا علماء سے امتحان لینا

پس ایک دفعہ مامونؒ نے محدثین اور راویوں کا ایک ایسے مسئلہ میں امتحان لیا جس کو وہ واضح مسائل میں سے سمجھتا تھا تا کہ وہ حدیث نقل کرنے میں ان کے مقام کو پہچان سکے کہ وہ جو روایت کرتے ہیں' اس کے بارہ میں ان کا اعتقاد کیا ہے۔ پس اس نے ان سے قرآن کے مسئلہ میں امتحان لینا شروع کیا۔ وہ ان کو قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کرنے کی دعوت دیتا تھا اور اس کے لیے ان پر دباؤ ڈالتا تھا۔ وہ اس مسئلہ کو امتحان کا ذریعہ بنانے میں قابل مذمت تھا۔ اس بارہ میں اس کا ارادہ پسندیدہ نہیں تھا (یعنی اس کا ان علماء کا امتحان لینا اور امتحان کے لیے خلق قرآن کے مسئلہ کو لینا اس کا اچھا اقدام نہیں تھا) اور یہ فتنہ مامونؒ کے زمانہ سے المتوکل العباسیؒ کے زمانہ تک چلتا رہا۔ اور اس طویل مدت میں راویوں کو مختلف قسم کی سختیاں اٹھانی پڑیں۔ پس ان میں سے بعض نے معنی کو سمجھے بغیر مغلوب ہو کر اس کی بات کو مان لیا اور بعض نے اس چیز میں گفتگو کرنے سے بچنا چاہا جس میں سلف گفتگو کرنے میں مشغول نہ ہوئے۔

قرآن کریم کے بارہ میں نزاع

اور لوگوں کا جھگڑا ظاہر کے لحاظ سے اس میں تھا جو لوگوں کے ہاتھ میں تھا (یعنی قرآن کریم کا وہ معنی جس کو کلام نفسی کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس میں جھگڑا نہ تھا بلکہ جس کو لوگ پڑھتے پڑھاتے تھے اور کلام لفظی جس کو کہا جاتا ہے اس میں لوگوں کا جھگڑا تھا کہ یہ قدیم ہے یا حادث ہے) اور اس کے قدیم ہونے کا دعویٰ نری ضد ہے۔ بہرحال وہ کلام (کلام نفسی) جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور وہ اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو اس کی دیگر صفات ذاتیہ ثبوتیہ کی طرح اس کے قدیم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور بے شمار دفعہ امام احمدؒ نے صراحت فرمائی کہ بیشک قرآن اللہ تعالیٰ کے علم میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے۔ اور انہوں نے وضاحت فرمائی کہ بیشک قرآن اپنے وجود کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علم میں قدیم ہے لیکن راویوں کی ایک بہت بڑی جماعت محل نزاع کو سمجھنے سے قاصر رہی اور معانی پر گہری نظر رکھنے والوں اور محض الفاظ نقل کرنے والوں کے درمیان نسل در نسل اس کی وجہ سے دوری رہی کیونکہ نقل کرنے والے حضرات نصوص میں پائے جانے والے دوسرے معانی کو پیش نظر رکھے بغیر ان ہی کلمات کے ظاہر

سے دلیل پکڑنے والے تھے جو وہ روایت کرتے تھے اور جب انہوں نے دیکھا کہ دوسرے لوگوں کا بیان کردہ مفہوم ہمارے مفہوم کے مطابق نہیں تو ان (معانی میں نظر کرنے والوں) کی جانب سنت کو رد کرنے کی نسبت کرنے لگے۔

حدیث کے معانی میں تفقہ ضروری ہے

اور حدیث کے معانی میں سمجھ اور تفقہ کا اہتمام کیے بغیر کثرت سے احادیث بیان کرنے والوں ہی کے بارہ میں امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی ایسے آدمی کو دیکھتا جو اہل حدیث (معانی اور مفہوم کی پروا کیے بغیر حدیث پڑھانے والا) ہوتا تو اس کے آنے کی وجہ سے خوش ہوتا مگر آج میں اس حالت کو پہنچ گیا ہوں کہ ان میں سے کسی کو دیکھنے سے بڑھ کر کوئی اور چیز مجھے بری نہیں لگتی (یعنی سب سے زیادہ ناگوار ان میں سے کسی کو دیکھنا گزرتا ہے) اور حضرت سفیان بن عیینہؒ ایسے لوگوں کے بارہ میں فرماتے تھے کہ تم آنکھ کی جلن ہو۔ اگر تمہیں اور ہمیں حضرت عمر بن الخطابؓ پا لیتے تو ضرور سخت پٹائی کر کے سزا دیتے۔

اور امام ثوریؒ فرماتے تھے حدیث کا طلب کرنا موت کی تیاریوں میں سے نہیں ہے۔ اور اسی طرح فرماتے تھے کہ اگر یہ حدیث خیر ہوتی تو خیر کے ناقص ہونے کی طرح یہ بھی ناقص ہوتی۔ اور لیثؒ کے شیخ عمرو ابن الحارثؒ کہتے تھے کہ میں نے کوئی علم ایسا نہیں دیکھا جو بہت زیادہ بزرگی والا ہو اور اس علم والے کم عقل ہوں سوائے اہل حدیث کے (کہ حدیث کا علم تو بزرگی والا ہے مگر معانی اور مفہوم اور تفقہ کا لحاظ کیے بغیر اس سے وابستہ کم عقل ہی ہیں) ان کے علاوہ اور بھی اس قسم کے اقوال ہیں جو ابن عبد البرؒ کی جامع بیان العلم اور رامہرمزیؒ کی المحدث الفاصل میں اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے بیان کیے ہیں۔

فریقین میں ضد بازی کی وجوہ

اور ان چیزوں میں سے جو فریقین (فقیہ علماء اور غیر فقیہ محدثین) میں ضد بازی میں اضافہ کا باعث بنیں' ایک چیز ان قاضیوں کے اپنے امتحان کے وقت مسئلہ قرآن کے بارہ میں جوابات تھے اور ان قاضیوں کی اکثریت فقہ میں تو امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو ترجیح دیتی تھی مگر وہ امتحانی مسائل (مسئلہ قرآن وغیرہ) میں معتزلہ کی جانب میلان رکھتے تھے۔ اور جب متوکل کے زمانہ میں آزمائشی دور ختم ہوا اور کام اپنی فطری گزرگاہ کی طرف لوٹنا شروع

ہوا اور مامون نے جس مقصد کے لیے کام شروع کیا تھا' اس کو فریقین میں تعصب بڑھانے اور حد اعتدال سے ہٹانے کے سوا کچھ فائدہ نہ ہوا اور متوکل" کے زمانہ میں معاملہ اس کے الٹ ہو گیا اور وہ اس کے خلاف نظریہ پر مجبور کرتا تھا جس پر پہلے مجبور کیا جاتا رہا اور اہل روایت پر مسائل کے بارے میں کم فکری غالب تھی اور وہ نظریاتی تصادم میں اپنا دفاع کرتے جب کبھی وہ دلیل میں بے بس ہو جاتے اور ان کو دلیل یا شبہ دلیل اپنے نظریہ پر نہ ملتی تو وہ ان قاضیوں پر تنقید کی تلوار سونت لیتے جنہوں نے ان کو امتحان میں ڈالا تھا اور اس کا ان کو حق تھا مگر وہ ان قاضیوں کے فقہی اماموں پر بھی ناحق تنقید کرتے جن کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا نہ اس معاملہ میں ان کی لونڈیاں تھیں اور نہ اونٹ (یعنی ان کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہ تھا) یہاں تک کہ انہوں نے تنقید میں ان قاضیوں اور ان کے بری الذمہ اماموں کو برابر کر دیا۔ اور امام ابو حنیفہ" اور ان کے اصحاب بزبان حال کہنے لگے

غیری جنی وانا المعذب فیکم

فکاننی سبابة المتندم

"جرم کسی اور نے کیا اور تمہارے اندر سزا میں بھگت رہا ہوں۔ پس گویا کہ میں ہی سب سے زیادہ گالیاں دینے والا پشیمان ہونے والا ہوں"

پس انہوں نے اس (امام ابو حنیفہ") اور اس کے اصحاب پر ایک ہی کمان سے تیر اندازی کی۔ من گھڑت سندوں کے ساتھ ایسے مختلف عیوب پر مشتمل کتابیں مدون کیں جن عیوب کا القاء ان کی طرف ان کے ظالمانہ غصب نے کیا پس انہوں نے آخرت میں اپنی گردنیں ابو حنیفہ" اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ میں دے دیں۔ وہ چاہیں گے تو ان سے چشم پوشی کریں گے اور اگر چاہیں گے تو ان سے بدلہ لیں گے جیسا کہ دنیا میں ان کی گردنیں ان کے دور کے قاضیوں کے ہاتھوں میں تھیں جس کا ان کو خود اعتراف ہے۔ اور ان حضرات سے یہی توقع ہے کہ وہ معاف ہی کر دیں گے اس لیے کہ زیادتی کرنے والے جاہلوں کے ساتھ امام ابو حنیفہ" اور ان کے اصحاب کا کشادہ دلی اور عمدہ اخلاق کا برتاؤ ہی معروف ہے۔ اور ان لوگوں نے طعن کرتے وقت ان کو غلطی پر خیال کر کے طعن کیا اور یہ خیال کرتے رہے کہ یہ لوگ خود راہ راست پر ہیں اور ان کے حالات کو جاننے والا بسا اوقات ان کو اس میں معذور ہی خیال کرتا ہے۔ اس اختلاف کی نوعیت اس سے مختلف ہے جو اہل فقہ میں سے ان (احناف) کے ساتھ اختلاف کرنے والے ہیں اس لیے کہ بیشک احناف کا اور ان کا

اعتقاد ایک جیسا ہی ہے۔ اور فقہ کے مدارک (جہاں سے فقہی مسائل اخذ کیے جاتے ہیں) فریقین کے ہاں قریب قریب ہیں۔ اور جہاں نص وارد نہیں ہوتی' وہاں سب ہی قیاس سے دلیل پکڑتے ہیں۔ پس جب ان میں سے کوئی تنقید میں حد سے تجاوز کرتا تو دلیل کے ساتھ دلیل ٹکتی رہی (یعنی پورا پورا جواب دیا جاتا) اور جن لوگوں نے اپنے مقاصد پھیلانے کے لیے عیوب کے گھڑنے میں طویل کلام کیا تو ان کے لیے کوئی عذر نہیں ہے (یعنی ایسے لوگ یقیناً قابل ملامت ہیں)

ائمہ کرامؒ کا امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا ذکر اچھے کلمات سے کرنا

اور فقہ کے اماموں اور ان کے اصحاب سے صحیح چیز جو ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے بارے میں اچھے کلمات ہی کہے ہیں۔ اور امام مالکؒ سے جب لیثؒ بن سعد نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ عراقی ہو گئے ہیں تو انہوں نے ان الفاظ سے جواب دیا کہ اے مصری میں ابو حنیفہؒ کے ساتھ عراقی ہو گیا ہوں۔ بیشک وہ فقیہ ہیں جیسا کہ یہ واقعہ قاضی عیاضؒ کی مدارک میں ہے۔ اور فقیہ اس کو کہتے ہیں جو کتاب وسنت' اجماع واختلاف کے مقامات اور قیاس کے طریقوں کے علم میں فوقیت رکھنے والا ہو۔ اور جس نے کسی کے حق میں یہ اعتراف کر لیا کہ بیشک وہ فقیہ ہے تو یہ اس کے حق میں ہر قسم کی خیر کا اعتراف ہے۔

اور امام مالکؒ سے بعض غیر فقیہ راویوں نے بعض ایسی چیزیں روایت کی ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں عیب ظاہر کرنا مقصود ہے تو اس کو نفسانی خواہشات کی خاطر بعض ایسے کمینے لوگوں نے تحریری شکل میں پیش کر دیا جو دوسروں کے عیوب تلاش کرنے والے ہیں۔ لیکن ان کی خوشی اس وقت جاتی رہی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ بیشک یہ سب امام مالکؒ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ وہ روایات ایسی اسناد سے کی گئیں جن میں کم عقل اور بے برکت قسم کے راوی ہیں جن کے فہم اور فکر کا کنارہ بالکل تنگ ہے۔ پس انہوں نے اپنی کم فہمی کے ساتھ دینی کمزوری کو جمع کرنے میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ اہل فہم وفکر کسی دوسرے کے بارے میں عیوب کو مباح سمجھتے ہیں (اس لیے کہ عقلاً وشرعاً کسی کے عیوب کے پیچھے پڑنا درست نہیں تو من گھڑت عیوب کا بیان یقیناً کم عقلی اور کمزور دینی کی دلیل ہے) ابو الولید الباجیؒ نے شرح الموطا ج ۷ ص ۳۰۰ میں کہا کہ عبد الملک بن حبیبؒ نے روایت کی

ہے کہ مجھے مطرف نے بتلایا کہ بیشک اس نے امام مالکؒ سے الداء العضال کی تفسیر پوچھی جو اس حدیث کے الفاظ ہیں جو کعب الاحبارؒ سے ہے ان بالعراق الداء العضال کہ بیشک عراق میں عاجز کر دینے والا مرض ہے تو امام مالکؒ نے جواب دیا کہ الداء العضال سے مراد ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشک یہ دو طرح سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ ایک ارجاء کی وجہ سے اور دوسرا اس لحاظ سے کہ وہ رائے کی وجہ سے سنت کو رد کر دیتے ہیں۔

اور ابو جعفر الداوودیؒ نے کہا کہ جو بات ابن حبیب نے ذکر کی ہے' اگر اس کا غلطی سے محفوظ ہو جانا ثابت ہو جائے اور یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جائے تو یقیناً ایسی بات امام مالکؒ سے غصہ کے وقت میں ہوگی کہ اس پر ان کو ایسی چیز نے مجبور کر دیا ہوگا جو ان کے بارہ میں ان کے سامنے ذکر کی گئی ہو اور وہ بات ایسی ہوگی جس کو امام مالکؒ اچھا نہ سمجھتے ہوں گے تو اس کی وجہ سے سینہ تنگ ہو جانے کے بعد یہ الفاظ کہہ دیے ہوں گے۔ اور عالم پر کبھی تنگ دلی کی حالت آجاتی ہے پھر وہ ایسی بات بھی کہہ دیتا ہے جس سے بعد میں استغفار کرتا ہے جبکہ اس کا غصہ دور ہو جاتا ہے۔ قاضی ابو الولیدؒ نے کہا کہ بیشک میرے نزدیک یہ روایت امام مالکؒ سے صحیح ہی نہیں اس لیے کہ امام مالکؒ عقل اور علم اور فضیلت اور دین داری میں اسی طرح تھے جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ وہ لوگوں کے بارہ میں بات کرنے سے خاموش ہی رہتے تھے سوائے ان باتوں کے جو ان کے ہاں صحیح اور ثابت ہوں تو ممکن ہی نہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں ایسی بات کریں جو ثابت نہ ہو۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ بھی ہیں اور امام مالکؒ سے ان کا اکرام اور ان کی فضیلت بیان کرنا مشہور ہے۔ اور بیشک یہ بھی معلوم ہو چکا کہ امام مالکؒ نے امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسائل کو جاننے والے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نے ان سے احادیث لی ہیں اور امام محمد بن الحسنؒ نے ان سے الموطا پڑھا ہے۔ (تو اگر امام مالکؒ ان کو الداء العضال سمجھتے تو ان کے ساتھ ایسے تعلقات کیوں رکھتے؟)

اور بیشک امام ابو حنیفہؒ کا عبادت میں اور دنیا سے بے رغبتی میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہونا مشہور ہے اور بیشک جب وہ آزمائش میں ڈالے گئے تو وہ ثابت قدم رہے۔ اور ان کو اس وجہ سے کوڑے مارے گئے کہ ان کو قاضی بننے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا

اور اس جیسی حالت میں امام مالکؒ سے صرف ایسی کلام کی توقع کی جا سکتی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کے فضل کے لائق ہو اور ہمیں معلوم نہیں ہو سکا کہ امام مالکؒ نے اہل الرائے میں سے کسی پر جرح کی ہو۔ انہوں نے تو صرف روایات نقل کرنے کے لحاظ سے احادیث بیان کرنے والے بعض راویوں پر ہی کلام کیا ہے (اس لیے کہ حدیث کے راویوں پر جرح وتعدیل فن حدیث کا حصہ ہے اور اس کے بغیر صحت اور ضعف کے لحاظ سے حدیث کا مرتبہ معلوم نہیں ہو سکتا اور قاعدہ کے مطابق راویوں پر جرح اور ان کے عیوب کو ظاہر کرنا نہ تو غیبت ہے اور نہ ہی یہ ضد اور تعصب کے زمرہ میں آتا ہے۔ یہ تو امام مالکؒ سے ثابت ہے اور اس کے علاوہ کسی کے بارے میں سخت کلامی کا تصور امام مالکؒ جیسی عظیم الشان شخصیت سے نہیں کیا جا سکتا)

اور الباجیؒ کا مقام حدیث اور فقہ اور نظر اور تاریخ میں ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اس کے ہم مذہب لوگ ہی نہیں بلکہ دیگر اہل علم کی بہت بڑی جماعت بھی اقرار کرتی ہے اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ الباجیؒ نے اس خبر پر صحیح نہ ہونے کا جو حکم لگایا ہے تو اس کی وجہ مطرف بن عبد اللہ الیساری الاصمؒ اور عبد الملک بن حبیبؒ ہیں جن کا تذکرہ ان کتابوں میں کیا گیا ہے جن میں ضعیف راویوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اور صحاح ستہ والوں میں سے جس نے مطرف سے روایت لی ہے تو اس نے صرف وہی روایت لی ہے جو الموطا میں مسند ہے اور اس کے ساتھ روایت کرنے میں راویوں کی ایک اور جماعت بھی شریک ہو (صرف اس کی روایت پر مدار رکھ کر صحاح ستہ میں کوئی روایت نہیں لی گئی)

اور بہرحال امام شافعیؒ کا قول ان کے اصحاب کی بہت بڑی جماعت کے واسطہ سے تواتر سے ثابت ہے کہ الناس کلھم عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ فقہ میں سارے لوگ امام ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے فرمایا کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے کئی اصحاب سے فقہ کا علم حاصل کیا اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماموں امام مزنیؒ کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور امام مزنیؒ سے پوچھا گیا کہ کیا امام شافعیؒ کے اصحاب امام ابو حنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اہل عراق تو ان کے سردار ہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ان سے زیادہ احادیث جاننے والے ہیں یا فرمایا کہ وہ ان (اصحاب شافعی) کی بہ نسبت حدیث کی زیادہ اتباع کرنے والے ہیں اور امام زفرؒ بن الھذیل کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ ان کی بہ نسبت

قیاس میں زیادہ گہری نظر رکھنے والے ہیں۔ اور امام محمدؒ کے متعلق فرمایا کہ وہ ان کی بہ نسبت دلائل سے فروعی مسائل زیادہ نکالنے والے ہیں۔ تو امام مزنیؒ نے ان حضرات کے ایسے اوصاف بیان کیے جو خصوصیت سے ان میں پائے جاتے تھے۔

اور ابو العباس احمد بن سریجؒ نے اس آدمی سے کہا جو امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گستاخی کرتا تھا کہ کیا تو ایسے آدمی کی شان میں گستاخی کرتا ہے کہ ساری امت اس کے لیے علم کا تین چوتھائی حصہ تسلیم کرتی ہے اور وہ ان کے لیے باقی ایک چوتھائی بھی تسلیم نہیں کرتا جیسا کہ امام سرخسیؒ کی مبسوط اور الموفقؒ کی مناقب اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہے۔ اور حافظ جمال الدین بن عبد الہادیؒ کی کتاب تنویر الصحیفة فی مناقب ابی حنیفة تو امام ابو حنیفہؒ کی شان میں حنابلہ کی نصوص سے مستغنی کر دیتی ہے (یعنی اس میں حنابلہ کی جانب سے اس قدر صراحت سے اقوال نقل کیے گئے ہیں کہ کسی اور کتاب سے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی) اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ بیشک ہم نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں سلیمان بن عبد القوی الحنبلیؒ کا کلام ابو حنیفہ کے حق میں نقل کیا ہے۔

تعصب کی ابتدا

اسی طرح مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ اور حنفیہ کے مابین بھائی چارہ عرصہ دراز تک رہا اس لیے کہ یقیناً ان کے علم کا سرچشمہ ایک ہی تھا اور ان کی سوچ ایک تھی اور سب کا مقصد اخلاص تھا اور معاملہ ابو حامد الاسفرائینیؒ کے آخر زمانہ تک اسی صفائی پر چلتا رہا۔ ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے بغض نہیں رکھتا تھا سوائے ان راویوں کے جو حشویہ مبتدعہ تھے۔ پھر دیگر مذاہب کے لوگوں میں سے بعض نے حنفی قاضیوں کے ساتھ جھگڑنا شروع کر دیا اور اس پر ان کو دنیا کی حرص نے جوش دلایا جو ان کے دلوں میں پوشیدہ تھی۔ یہ کوئی خطا اور صواب کا نزاع نہیں تھا اور نہ ہی باطل کے مقابلہ میں حق کا دفاع کرنا تھا۔ (بلکہ صرف اپنے گروہ کو اجاگر کرنا تھا) پھر بعض ایسے لوگوں نے جنہوں نے اپنے خیال کے مطابق فقہ اور حدیث کو جمع کیا انہوں نے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے خلاف کھلے جھوٹوں پر مشتمل کتابیں لکھیں اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا اور انہوں نے دنیا کی خاطر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کر کے دین کے بارہ میں اپنی کی گئی خالص خدمات کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ اور مورخ تقی الدین المقریزی الشافعیؒ نے الخطط ج ۴ ص ۱۴۵ میں کہا کہ بیشک خلیفہ قادر

باللہ ابو العباس احمدؒ کے زمانہ میں جب ابو حامد الاسفرائینیؒ حکمرانی پر براجمان ہوا تو اس کے ساتھ ابو العباس احمد بن محمد البارزی الشافعیؒ کی خلافت پختہ ہوئی بہ نسبت ابو محمد بن الاکفانی حنفیؒ کے جو کہ بغداد کا قاضی تھا تو الاکفانیؒ کی رضا کے بغیر ہی اس کو جواب دے دیا گیا (اور اس میں ابو حامد کا کافی دخل تھا۔ اس نے ادھر یہ کاروائی کی اور ادھر یہ کیا) اور ابو حامدؒ نے سلطان محمود بن سبکتگینؒ اور اہل خراسان کو لکھ دیا کہ بیشک خلیفہ نے حنفیوں سے قضاء کے عہدے چھین کر شافعیوں کو دے دیے ہیں تو یہ بات خراسان میں مشہور ہو گئی اور اہل بغداد دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور اس کے بعد جب ابو العلاء صاعد بن محمدؒ خراسان آئے جو کہ نیساپور کے قاضی اور احناف کے سردار تھے تو احناف اس کے پاس آئے تو ان کے اور ابو حامدؒ کے ساتھیوں کے درمیان ایسا جھگڑا شروع ہو گیا کہ اس کا معاملہ سلطان تک جا پہنچا تو خلیفہ قادر نے معززین اور قاضیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک ایسا خط پیش کیا جو اس بات پر مشتمل تھا کہ بیشک الاسفرائینیؒ نے امیر المومنین کے خلاف خفیہ سازش کی ہے۔ اس کو اس خط میں نصیحت اور شفقت اور امانت کے وہم میں ڈالا حالانکہ درحقیقت وہ خط تہمت اور خیانت پر مبنی تھا (یعنی بظاہر اس کے ساتھ خیر خواہی کا مظاہرہ کیا اور اس آڑ میں اپنا مطلب نکال کر اس کو مصیبت میں ڈال دیا) پس جب اس کے سامنے اس کا معاملہ واضح ہو گیا اور اس کی بد عقیدگی کھل کر سامنے آگئی اور امیر المومنین کا اپنے اسلاف کے طریق سے عدول کرنا ظاہر ہوا یعنی حنفیوں کو ترجیح دینا اور ان کی تقلید کرنا اور ان کو عامل بنانا تو اس نے البارزیؒ کو برطرف کر دیا اور معاملہ اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا اور اپنے پرانے طریق کار پر جاری ہو گیا۔ اور اس نے حنفیوں کو اسی عنایت و کرامت اور حرمت اور اعزاز سے نوازا جس پر وہ پہلے تھے اور ان کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ ابو حامدؒ سے نہ ملا کریں اور نہ اس کا اعزاز کریں اور نہ اس کو سلام کا جواب دیں۔ اور اس نے ابو محمد الاکفانیؒ کو خلعت پہنائی اور ابو حامدؒ کو دار خلافت سے نکال دیا اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اس سے روگردانی کی۔ الخ

اور یہ عمل شافعیہ میں سے عراقی شیخ الطریقہ کا تھا اور بہرحال خراسانی شیخ الطریقہ القفال المروزیؒ تو اس کا چاند اس چیز پر رک گیا جو اس نے احناف کی نماز کے بارے میں اپنے فتویٰ میں لکھا ہے۔ اور مغیث الخلق کے مؤلف نے ذکر کیا ہے کہ بیشک اس نے وہ نماز التفرید فی الفقه الحنفی کے مولف سلطان محمود غزنویؒ کے سامنے پڑھی پس اگر یہ

بات ثابت ہو جائے تو یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک ان شوافع میں سے خراسانی شیخ الطریقہ اور عراقی شیخ الطریقہ دونوں اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے کا طریقہ ایجاد کرنے میں اور دیگر مذاہب پر بزور تسلط حاصل کرنے میں گھڑدوڑ کے دو گھوڑوں کی طرح تھے (یعنی ہر ایک سبقت لے جانے کی کوشش میں تھا) اور صحیح بات یہ ہے کہ بیشک القفالؒ نے اپنے فتویٰ میں تو اس نماز کا نقشہ کھینچا ہے لیکن سلطان کے سامنے وہ نماز نہیں پڑھی اور اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو اس عالم دین بادشاہ کی جانب سے اس کو سرعام کھڑا کرنا ضرور ثابت ہوتا (کہ وہ اس کو مجمع کے درمیان کھڑا کر کے تنبیہہ کرتا) اور اس بارہ میں جو خبریں یکے بعد دیگرے نقل کی جاتی ہیں کہ شہر والے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو گئے تھے تو یہ حدیث خرافہ ہے (حدیث خرافہ اس کو کہتے ہیں کہ بے عقلی کی ایسی بات جس پر خواہ مخواہ ہنسی آئے) اور من گھڑت پراپیگنڈہ ہے۔ اور ابو حامد الاسفرائینیؒ کی طرف سے یہ حرکت پوشیدہ اشتعال انگیزی تھی۔ پس اس کے ہم مذہب محدث اور مورخ چیلنج بازی پر اتر آئے یہاں تک کہ وہ امام شافعیؒ کے مناقب میں جھوٹے سفرنامہ اور فقیہ ملت (امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں مختلف عیوب پر مشتمل کتابیں مدون کر کے اپنے مخالفین کے بارہ میں اپنے سینوں میں چھپے غصہ کو نکالنے کی حالت تک اتر آئے اور آدمی پر یہ بات گراں گزرتی ہے کہ وہ ابو نعیمؒ اور بیہقیؒ جیسی شخصیات کو اس صف میں پاتا ہے کہ ان دونوں نے ایسے سفرنامہ کو مدون کیا جس کا جھوٹا ہونا واضح ہے اور انہوں نے اس کو عبد اللہ بن محمد البلوی جیسے راوی سے نقل کیا ہے جس کا کذاب ہونا مشہور ہے۔ اور اس کی سند میں احمد بن موسیٰ النجار راوی ہے جس کے بارے میں امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ وہ وحشی جانور ہے اور بعض دفعہ دلیل میں عبد الملک بن الجوینیؒ اور امام غزالیؒ اور امام رازیؒ جیسے ان لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا روایات کی پرکھ میں کوئی مقام ہی نہیں (کہ انہوں نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے) جبکہ دراصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات ابو نعیمؒ اور بیہقیؒ کی جانب سے اس واقعہ کو ذکر کرنے سے دھوکہ کھا گئے اور انہوں نے حنفیہ کے خلاف قسما قسم کی سختیوں کی بنیاد رکھی۔ (یہ لوگ جو نقد روایات میں پرکھ نہیں رکھتے' یہ تو معذور ہو سکتے ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اور لوگوں کے ہاں اس سفرنامہ کو مدون کرنے میں ان لوگوں کا کیا عذر ہو سکتا ہے جو کہ حفاظ ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ باطل ہے اور حقیقت کا سایہ بھی اس پر نہیں ہے۔

خطیب بغدادیؒ کا کردار

اور امام ابو حنیفہؒ کو برا بھلا کہنے میں خطیب بغدادیؒ کا بہت بڑا حصہ ہے جبکہ اس نے اپنی تاریخ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے جلیل القدر اصحاب کے بارے میں ایسے عیوب کا ڈھیر جمع کر دیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کے میدانوں کو بھی پاک رکھا ہے جیسا کہ ہم اس کی وضاحت اپنی اسی کتاب میں کر رہے ہیں جس کو ہم نے خاص کر خطیب بغدادیؒ کی تاریخ کے اس حصہ کے رد میں لکھا ہے جو حصہ اس نے امام ابو حنیفہؒ سے متعلق لکھا ہے۔

پس پہلے ہم خطیب بغدادیؒ کی امانت و دیانت اور اس کی استقامت کی حد بیان کریں گے تا کہ معلوم ہو سکے کہ آیا وہ ان لوگوں میں شامل ہے جن کا قول جرح و تعدیل میں قبول کیا جاتا ہے یا اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کا انتہائی تعصب ظاہر ہونے اور اپنی خواہش کے مطابق حدیث کو اپنی دلیل بنانے اور لوگوں کے بارے میں بے سروپا کلام ظاہر ہونے کی وجہ سے جن کو رد کر دیا گیا ہے۔ اور بد ترین طریقہ سے اپنی خواہش کے مطابق خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا جن کی جانب منسوب ہو اور جن کی بات ترک کرنے اور جن کو برے عمل میں ابو نواس جیسے لوگوں کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ پھر وہ خاص کر اپنا تعصب پھیلانے میں امانت کے مقام سے گر گیا ہو۔ اس کے ہم مذہب لوگوں میں سے جن کو صلح کن ذکر کیا جاتا ہے ان کا اس کے قول و فعل میں ایسی خرابی کے داخل کرنے پر خاموشی اختیار کرنا انتہائی ناپسندیدہ ہے جبکہ علم میں امانت داری اس کے خلاف کا تقاضا کرتی ہے اور محض اس پر اعتماد کر کے ان روایات کی تشہیر کرنے والوں کا تشہیر کرنا بھی ناپسندیدہ ہے جن سے وہ خود ناواقف ہیں۔

خطیب بغدادیؒ کے حالات پر مختصر کلام

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیبؒ ۳۹۲ھ میں پیدا ہوئے اور ابو حامد الاسفرائینیؒ کی جس فتنہ پروری کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے' اس سے ایک سال پہلے یہ پیدا ہوئے۔ یہ پیدائشی طور پر حنبلی تھے پھر شافعی بن گئے اور فقہ کی تعلیم لینے کے لیے ابو الطیب الطبریؒ اور خلیفہ ابو حامد الاسفرائینیؒ کے ہاں حاضر ہوئے اور ایک بہت بڑی جماعت سے حدیث لکھی اور اس نے بغداد کی تاریخ لکھی اور وہ اس کی کتابوں میں عمدہ کتاب ہے مگر اتنی بات ہے کہ اس نے اپنے مذہب کے مخالف بہت سے علمی پیشواؤں کے حالات بیان کرنے میں خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرتے ہوئے اس کتاب کا حلیہ بگاڑ دیا ہے اور ان کے بعض عیوب کا ذکر کیا ہے

حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے جو ان کی اسناد میں مختلف قسم کی علتیں اور طرح طرح کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ بلکہ جن راویوں سے اس نے یہ روایات لی ہیں' ان میں سے شاذ ونادر ہی کوئی ہوگا جو اس کی زبان سے محفوظ رہا ہو یہاں تک کہ خاص کر امام ابو حنیفہؒ کے قدیم اصحاب کے بارہ میں اس کی زبان درازی عام ہو گئی اور اس کتاب میں اس نے امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں جو کچھ ذکر کیا ہے' اس کا مطالعہ کرنے والا انتہائی تعجب کرتا ہے جس کی آگے تفصیل آ رہی ہے۔ اور حنابلہ اور اس کے درمیان حالات ناخوشگوار تھے اور احناف اس کی زبان درازی سے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے اور اس سے یوں گزر جاتے جیسے باعزت آدمی لغو کلام سے گزر جاتا ہے اور جب بساسیریؒ ۴۵۰ھ میں بغداد پر غالب آیا اور اس نے ابو یعلی حنبلیؒ کو قاضی مقرر کیا تو خطیب بغدادیؒ صاحب بھاگ کر شام چلے گئے اور گیارہ سال کے بعد ہی عراق واپس لوٹ سکے۔

اور خطیب بغدادیؒ کا شمار ان لوگوں میں ہے جو بکثرت کتابیں تالیف کرنے والے ہیں اور ابن الجوزیؒ نے ابو الحسین بن الطیوریؒ سے روایت کی ہے کہ بیشک خطیب بغدادیؒ کی تاریخ کے علاوہ باقی تمام کتب الصوریؒ (حافظ محمد بن عبد اللہ الساحلی جن کی وفات ۴۴۱ھ میں بغداد میں ہوئی) کی کتابوں سے لی گئی ہیں۔ ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب التحقیق میں کہا ہے کہ خطیب بغدادیؒ نے قنوت کے بارے میں تصنیف کی گئی کتاب میں ایسی احادیث بھی پیش کی ہیں جن میں اس کا تعصب ظاہر ہوتا ہے۔ پس ان میں سے ایک روایت اس نے اس سند سے درج کی ہے: عن دینار بن عبد اللہ خادم انس بن مالک (یعنی خطیب کے خیال کے مطابق یہ دینار حضرت انسؓ کے خادم تھے) عن انس ۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات تک ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ پھر ابن الجوزیؒ نے کہا کہ اس حدیث کے بارے میں جرح سے خاموشی اختیار کرنا اور اس کو دلیل میں پیش کرنا بہت بے شرمی اور دبی ہوئی عصبیت اور کمزور دینی کی علامت ہے اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ بیشک یہ روایت باطل ہے۔ ابن حبانؒ نے کہا کہ یہ دینار حضرت انسؓ سے ایسے موضوع اقوال نقل کرتا تھا جن کا کتابوں میں ذکر کرنا ہی جائز نہیں ہے مگر اس ارادہ سے کہ ان پر جرح کی جا سکے۔ پس خطیب پر بہت ہی تعجب ہے۔ کیا اس نے وہ صحیح حدیث نہیں سنی کہ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا) جس نے میری جانب منسوب کر کے کوئی جھوٹی بات کی حالانکہ وہ جانتا بھی ہے کہ یہ جھوٹی بات ہے تو وہ کاذبین میں سے ہے۔

اور اس (طرز عمل) میں اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو ایک ردی قسم کا موتی خرچ کرتا ہے اور اس کا عیب چھپاتا ہے پس بیشک لوگوں کی اکثریت تو صحیح اور کمزور کو نہیں پہچان سکتی اور یہ عیب صرف پرکھ رکھنے والے حضرات کے ہاں ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پس جب کوئی محدث حدیث پیش کرتا ہے اور کوئی حافظ اس کو دلیل بناتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں یہی بات آئے گی کہ یہ حدیث صحیح ہی ہے۔ اور جس آدمی نے قنوت کے مسئلہ میں، بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے کے مسئلے میں اور بادل کے دن روزہ رکھنے کے مسئلہ میں اس کی تصنیف کی گئی کتابیں دیکھی ہیں اور اس کا ایسی احادیث سے دلیل پکڑنا جن کا بطلان واضح ہے تو وہ اس کے انتہائی تعصب اور کمزور دینی پر اطلاع پالے گا۔ الخ (یہاں تک ابن الجوزیؒ کی عبارت مکمل ہوئی)

پھر ابن الجوزیؒ نے اس کی نقل کردہ کچھ اور احادیث ذکر کی ہیں جو ساری کی ساری حضرت انسؓ ہی سے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ وفات تک ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے اور اس کی سندوں پر جرح کی ہے۔ اور اسی طرح ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب درء اللوم والضیم فی صوم یوم الغیم میں کہا کہ ابو زرعہ طاہر بن محمد بن طاہر المقدسیؒ نے ہمیں خبر دی اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے اسماعیل بن ابی الفضل القومسیؒ سے سنا اور وہ حدیث کی معرفت رکھنے والوں میں سے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ حفاظ میں سے تین شخص ایسے ہیں کہ ان کے انتہائی تعصب اور ناانصافی کی وجہ سے میں ان سے محبت نہیں رکھتا۔ ایک ابو عبد اللہ الحاکمؒ اور دوسرے ابو نعیم الاصفہانیؒ اور تیسرے ابوبکر الخطیبؒ۔ اور اس کا ذکر ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب السہم المصیب میں بھی کیا ہے۔ پھر کہا اور بہرحال خطیبؒ تعصب اور بدنیتی میں دونوں سے بڑھا ہوا ہے اور اسی لیے اس کی کتابوں میں برکت نہیں ہے اور قریب نہیں کہ ان کی جانب التفات کیا جائے حالانکہ ان میں اچھی کتابیں بھی ہیں اور اگر ہم اس کی اغلاط اور جو اس نے تعصب کا مظاہرہ کیا ہے' اس کا تذکرہ شروع کر دیں تو کلام بہت طویل ہو جائے گا۔ پھر اس نے (ابن الجوزیؒ) کہا کہ بیشک خطیبؒ نے بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے کے بارے میں کتاب لکھی ہے تو اس میں ایسی احادیث بھی بیان کر دی ہیں جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ احادیث صحیح نہیں ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن زیاد بن سمعانؒ کی حدیث حالانکہ محدثین نے اس کی حدیث ترک کرنے پر اجماع کیا ہے۔ پس امام مالکؒ نے فرمایا کہ وہ کذاب تھا۔ اور جیسا کہ حفص بن سلیمان کی

حدیث جس کے بارہ میں امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اور میں نے اس کی کتاب پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں اس (خطیب) کی بیان کردہ تمام احادیث پر میں نے خاصی بحث کی ہے اور میں نے ان کی کمزوریاں بیان کر دی ہیں۔ پس یہاں میں ان کا اعادہ نہیں کرتا اور اسی قسم کی کاروائی اس نے کتاب القنوت میں کی ہے اور جس آدمی کی عصبیت اس حد تک پہنچ چکی ہو جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی حق کو چھپانا اور مخلوق پر بات کو خلط ملط کرنا تو مناسب نہیں ہے کہ اس کی جرح اور تعدیل قبول کی جائے اس لیے کہ بیشک اس کے قول اور فعل سے کمزور دینی جھلکتی ہے اور بیشک میں نے اس کے خط سے چند اشعار نقل کیے ہیں جو اس نے کہے ہیں الخ (ابن الجوزیؒ کی عبارت مکمل ہوئی)

پھر ابن الجوزیؒ نے ان میں سے چند چیزیں ذکر کی ہیں جن کے ذکر کرنے سے ہم اعراض کرتے ہیں اور خطیبؒ کے رد میں جو کتاب الملک المعظمؒ نے لکھی ہے اس میں وہ چیزیں منقول ہیں اور وہ ہندوستان اور مصر میں چھپ چکی ہے۔

اور اسی طرح ابن الجوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں لکھا ہے کہ ابوبکر الخطیب امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب پر تھا تو جب ہمارے اصحاب نے دیکھا کہ اس کا میلان بدعتی فرقہ کی جانب ہے تو اس پر طعن کیا اور اس کو تکلیف پہنچائی تو وہ امام شافعیؒ کے مسلک کی طرف منتقل ہو گیا اور ان کے خلاف اپنی تصانیف میں تعصب کا مظاہرہ کیا اور ان کی مذمت کے اشارات کیے اور جہاں تک اس کا بس چلا' صراحت سے بھی لکھا ہے۔ الخ (ابن الجوزیؒ کی عبارت یہاں مکمل ہوئی)

اور اسی طرح اس (ابن الجوزیؒ) نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ خطیبؒ میں دو چیزیں پائی جاتی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ جرح اور تعدیل میں عام (سطحی قسم کے) محدثین کی عادت کے مطابق بے باک تھا جو ایسی باتوں کو بھی جرح سمجھ لیتے ہیں جو جرح نہیں شمار ہوتیں اور یہ ان کی کم فہمی کی وجہ سے ہے۔ اور دوسری چیز یہ کہ خطیبؒ میں تعصب پایا جاتا ہے اور بیشک اس نے بسم اللہ کو جہر سے پڑھنے کے مسئلہ پر جو کتاب لکھی ہے' اس میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں اور یہی انداز اس نے کتاب القنوت میں بھی اختیار کیا ہے۔ اور بادل والے دن روزہ رکھنے کے مسئلے میں اس نے ایک ایسی حدیث ذکر کی ہے جس کو وہ جانتا ہے کہ بیشک وہ موضوع ہے پھر اس کو دلیل بھی بنایا ہے اور اس پر کوئی جرح بھی نقل نہیں کی۔ الخ (ابن الجوزیؒ کی عبارت مکمل ہوئی)

پھر اس کے متعلق چند اور چیزیں بھی ذکر کی ہیں پھر کہا کہ جو شخص اس کا مطالعہ کرے گا تو وہ اس کے انتہائی تعصب اور کمزور دینی پر اطلاع پالے گا۔ الخ (ابن الجوزیؒ کی عبارت مکمل ہوئی)

اور وہ (خطیبؒ) حافظہ کے اعتبار سے بھی کچھ نہ تھا پس جب اس سے کسی چیز کے بارے میں مسئلہ پوچھا جاتا تو بہت کم فوراً جواب دیتا بلکہ کئی کئی دن تک جواب میں تاخیر کر دیتا تھا اور اس کی کئی لفظی غلطیاں اور اوہام مشہور ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم کتاب کے آخر میں اشارہ کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

اور معجم الادباء ج ۴ ص ۲۹ میں اس پر شراب کی چسکی لگانے کا اتہام بھی ہے۔

اور سبط ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب مرآۃ الزمان میں کہا ہے کہ محمد بن طاہر المقدسیؒ نے کہا کہ جب بساسیریؒ کے بغداد میں داخل ہونے کے وقت خطیب بغدادؒ سے بھاگ کر دمشق آیا تو ایک خوبصورت نوجوان اس کا ساتھی بنا جو اس کے پاس آتا جاتا تھا تو لوگوں نے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں اور اس کا بہت چرچا ہوا یہاں تک کہ معاملہ شہر کے والی تک پہنچا جو کہ مصریوں کی طرف سے شیعہ تھا تو اس نے پولیس والے کو حکم دیا کہ خطیب کو پکڑے اور اس کو قتل کر دے اور پولیس والا سنی تھا تو اس نے اس پر اچانک چھاپہ مارا تو لڑکے کو اس کے پاس دیکھا اور وہ دونوں تنہائی میں تھے تو اس نے خطیب سے کہا کہ بیشک والی نے تیرے قتل کا حکم دیا ہے اور میں تجھ پر رحم کھاتا ہوں اور میرے پاس تیرے بارہ میں اور کوئی حیلہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں جب تجھے لے کر نکلوں اور شریف بن ابی الحسن العلوی کے گھر کے پاس سے گزروں تو تم بھاگ کر اس میں داخل ہو جانا کیونکہ مجھے تیرے پیچھے اس کے گھر میں داخل ہونے کی ہمت نہ ہوگی۔ تو جب وہ خطیب کو لے کر نکلا اور شریف کے گھر کے پاس سے گزرا تو خطیبؒ چھلانگ لگا کر دہلیز کے اندر ہو گیا اور اس کی اطلاع والی کو ہوئی تو اس نے شریفؒ کو پیغام بھیجا اور اس نے خطیبؒ کو طلب کیا تو شریفؒ نے کہا کہ تو میرا عقیدہ اس کے بارے میں اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں خوب جانتا ہے اور وہ میرا ہم مذہب نہیں ہے (شریف شیعہ تھا اور خطیب سنی تھا) اور بیشک اس نے مجھ سے پناہ طلب کی ہے نیز اس کے قتل میں کوئی مصلحت بھی نہیں ہے کیونکہ عراق میں اس کا شہرہ اور ذکر ہے پس اگر تو اس کو قتل کرے گا تو وہ لوگ ہمارے کئی ساتھیوں کو قتل کر دیں گے اور وہ ہمارے اجتماع کی جگہوں کو برباد کر دیں گے۔ تو اس والی نے اس کو

کہا کہ اس کو شہر سے نکال دے۔ تو انہوں نے اس کو نکال دیا تو وہ صور کی جانب چلا گیا اور اس لڑکے کی محبت میں بہت بے چین ہوا تو اس بارہ میں اس نے اشعار کہے جن میں سے چند اشعار یہ بھی ہیں

بات الحبیب وکم له من لیلة
فیها اقام إلی الصباح معانقي
ثم الصباح اتی ففرق بیننا
ولقلما یصفو السرور لعاشق

"دوست نے رات گزاری اور اس کی کتنی ہی راتیں ایسی تھیں کہ ان میں صبح تک اس کا میرے گلے سے لگا رہنا باقی رہتا تھا پھر ایک صبح ایسی آئی کہ اس نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی اور عاشق کو خالص خوشی بہت کم نصیب ہوتی ہے۔"

اور اس طرح کے اس کے اور بھی بہت سے اشعار اس نے ذکر کیے ہیں اور کس قدر ظلم کی بات ہے کہ اس جیسا آدمی جرح وتعدیل کے علماء میں سے شمار کیا جاتا ہے اور اللہ کے دین کے بارہ میں اس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

خطیبؒ کی بعض کتابوں کا رد

اور بے شک ابن الجوزیؒ نے ان حنابلہ کی جانب سے اپنی کتاب السہم المصیب میں دفاع کیا ہے جن کے بارے میں خطیبؒ نے طعن کیا ہے اور اس کے اور حنابلہ کے درمیان بد ترین حالات تھے۔ ان میں سے کچھ نمونہ کے طور پر سبط ابن الجوزیؒ کی کتاب مرآۃ الزمان میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ اور ابن طاہرؒ نے کہا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد منصور میں خطیبؒ کے حلقہ میں حنابلہ کی ایک جماعت آئی تو انہوں نے ایک خوبصورت لڑکے کو ایک دینار دیا اور کہا کہ اس کے سامنے کچھ دیر کھڑا رہ اور اس کو یہ رقعہ دے دے تو لڑکے نے وہ رقعہ اس کو دے دیا تو اس میں وہ کچھ لکھا تھا جس کا ذکر سبط ابن الجوزیؒ نے کر دیا ہے اور یہاں اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر کہا کہ وہ لوگ وہاں جمعہ کے دن پانی پلانے والے کو کچھ کاغذ کے ٹکڑے دیتے تو وہ اس کے سامنے دور کھڑا ہو جاتا اور ان اجزاء کو بھگو دیتا تو وہ اجزاء برباد ہو جاتے (یہ بھی خطیب کو پریشان کرنے کی ان کی ایک سکیم تھی) اور وہ رات کے وقت اس کے گھر کے دروازہ پر کیچڑ لیپ کر آتے تھے۔ پس بعض دفعہ

اس کو فجر کی نماز کے وقت غسل کی حاجت ہوتی (اور وہ سستی کا مظاہرہ کرتا) تو اس سے نماز فوت ہو جاتی اور بیشک اس نے ائمہ میں سے بہت ساروں کے بارے میں طعن کیا ہے۔

پس اس نے امام مالکؒ کے بارے میں کہا کہ وہ حافظہ میں کمزور تھے اور حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے بارے میں کہا کہ وہ قدری تھے اور مالک بن دینارؒ کو ضعیف کہا اور اس کی زبان سے شاذ ونادر ہی کوئی بچا ہوگا۔ سبط ابن الجوزیؒ نے اس کے بعد اور کچھ بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس بحث میں بیک وقت خطیبؒ کے احوال اور حنابلہ کے احوال کے لحاظ سے کئی عبرتیں ہیں۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے فقیہ الملت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے جلیل القدر اصحاب جیسی شخصیات کے خلاف زبان درازی کی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے بادشاہوں کے عالم الملک المعظم عیسیٰ بن ابی بکر الایوبیؒ نے اپنی کتاب السہم المصیب فی کبد الخطیب میں دفاع کیا ہے۔ اور جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ کتاب سبط ابن الجوزیؒ کی تالیف ہے تو اس کا خیال باطل ہے۔ ہاں سبط ابن الجوزیؒ کی امام ابو حنیفہ کے دفاع میں دو جلدوں پر مشتمل کتاب الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے اور بیشک اس میں اس نے خطیبؒ کا سیر حاصل رد کیا ہے۔ اور اسی طرح جامع المسانید کے مقدمہ میں ابو المؤید الخوارزمیؒ نے خطیب کا بہت عمدہ رد کیا ہے۔

خطیب کی وفات

اور خطیب بغدادیؒ کی بغداد واپسی ۴۶۱ھ میں ہوئی اور وہاں ہی ۴۶۳ھ میں اس نے وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کا معاملہ فرمائے اور جن لوگوں پر خطیبؒ نے بہتان تراشی کی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ڈال دے کہ وہ اس کے بارے میں چشم پوشی اور معاف کر دینے کا طریق اختیار کریں۔

خطیبؒ کی تاریخ کے بارے میں من گھڑت خوابیں

اور اس کی جمع کردہ تاریخ میں یقیناً جھوٹی خبریں اور باطل احادیث بھی ہیں اور قباحت کی حد تک پہنچی ہوئی بے پروائی میں سے یہ بات ہے کہ بعض لوگوں نے ایسی خوابیں بھی تحریر کی ہیں جن کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ اس مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے جس مجلس میں خطیب اپنی کتاب کو پڑھتا تھا۔ اور یہ صرف اس کو پھیلانے کے لیے دھوکہ دہی کا طریقہ ہے جس کے اندر کھلی باطل چیزیں پائی جاتی ہیں اور ان خوابوں کے

مرکزی راوی خطیبؒ کی حالت اس لڑکے کے ساتھ واضح ہو چکی جس کے بارے میں غزلیں پڑھتا تھا نعوذ باللہ من الخذلان ہم رسوائی سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

اور تفصیلی جواب شروع کرنے سے پہلے امانت ودیانت میں خطیبؒ کے حالات سے اتنی ہی واقفیت کافی ہے۔ اور خطیبؒ کے ہیر پھیر کی یقینی خبر آگے آ رہی ہے۔

تفصیلی جواب شروع کرنے سے پہلے ایک ضروری بات

تاریخ بغداد کی طباعت کے نگران عملہ کے ایک سربراہ نے قلعہ مصر میں میرے گھر پر مجھ سے ملاقات کی جبکہ کتاب کی تیرھویں جلد کی طباعت قریب تھی جس میں امام ابو حنیفہؒ کے حالات ہیں اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر مجھے پہلے معلوم ہو جاتا کہ خطیبؒ امام اعظم کے خلاف جھوٹ باندھنے اور ظلم کی اس حد کو پہنچا ہوا ہے جو اب مجھے نظر آ رہا ہے تو میں خطیب کی تاریخ کی طباعت میں طبع کرانے والوں کے ساتھ شریک ہونے کی جرات نہ کرتا۔ لیکن اب میں ایسے راستہ پر چل نکلا ہوں کہ واپسی مشکل ہے تو میں کیا کروں؟ تو میں نے اس کو کہا کہ خطیب کا رد جو الملک المعظم عیسیٰ بن ابی بکر الایوبیؒ نے کیا ہے' وہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے اور اس کا ایک اور نسخہ استنبول کے مکتبہ محمد اسعد میں ہے تو دونوں نسخوں کا تقابل کر کے اس کو خطیبؒ کی تاریخ کے اس حصہ کے حاشیہ میں شامل کر دے جو امام ابو حنیفہؒ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں خطیبؒ کا کافی رد ہے۔ پھر اس نے تاریخ بغداد کی طباعت کے دیگر شرکاء سے مشورہ کیا لیکن انہوں نے اس سے موافقت نہ کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس رد کو اس کے ساتھ شائع کرنا کتاب کی فروخت کے لیے کافی نقصان دہ ہوتا۔ پھر وہ دوبارہ میرے پاس آیا تو میں نے اپنا نام ذکر کیے بغیر ایسا مختصر سا حاشیہ لکھ دیا جو موقف کو بچا لیتا اور اس موضوع پر کماحقہ تفصیل سے میں نے نہ لکھا کیونکہ اس کی طباعت پر نگران عملہ کے حضرات تجارتی مصلحت کی خاطر خطیبؒ کے خلاف سخت لہجہ اختیار کرنے سے انکاری تھے۔ پھر جب کتاب طبع ہو چکی تو میں نے دیکھا کہ میرے لکھے ہوئے حاشیہ کو برباد کر دینے والے ہیر پھیر کے ساتھ طبع کیا گیا ہے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ائمہ سنت کے دشمنوں میں سے ایک جاہل حشوی نے اپنے بدعتی ساتھیوں میں سے کسی کے اشارہ پر یہ کھیل کھیلا ہے اور وہ اعزازی طور پر کام کرنے والے کی طرح مطبع میں پروف ریڈنگ کا کام کرتا تھا اور اس نے حاشیہ میں اپنی خواہش کے مطابق ایسا ہیر پھیر کیا کہ اس کی قدر ومنزلت ہی ختم کر دی۔ اور اسی طرح تاریخ کی تیرھویں جلد منظر عام پر آجانے اور بہت سے نسخے

تقسیم ہو جانے کے بعد مذکورہ جلد کے باقی ماندہ نسخوں پر مصری حکومت نے چھاپہ مارا اور باقی کتاب کی طباعت پر پابندی لگا دی یہاں تک کہ ان کو ازہر کے بزرگوں کی زیر نگرانی حواشی کے ساتھ مذکورہ جلد دوبارہ طبع کرنے کا پابند بنایا اور یہ الشیخ الاحمدیؒ کے زمانہ میں ہوا۔ اور اس کے ساتھ ان کو پابند کیا کہ الملک المعظمؒ کی کتاب جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے' اس کو کتاب کے ضمیمہ کے طور پر طبع کیا جائے۔ بالاخر کافی عرصہ کے بعد یہ کام مکمل ہوا۔

پس میں نے اس دوبارہ طبع شدہ جلد کا مطالعہ کیا جیسا کہ اس کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ ان حواشی سے مقصد حاصل نہیں ہوتا اگرچہ اس کے امور کے نگرانوں نے میرے ان حواشی کو درج کر دیا تھا جو میں نے کتاب کی طباعت کے نگران کے حوالے کیے تھے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ بیشک وہ جلد جس پر پابندی لگا دی گئی تھی' اس کے اسی طرح کے نسخے عملی طور پر اطراف عالم میں پھیلائے جا رہے ہیں جو پابندی سے پہلے تھے اور وہ معمولی حواشی پر مشتمل تھے جو میری تعلیقات سے مختصر کیے گئے تھے۔ تو میں نے اپنے علم کے مطابق خطیب کا مکمل جواب لکھنا ضروری سمجھا ان حقوق میں سے بعض کو ادا کرنے کے لیے جو امام اعظمؒ کے ہم پر ہیں۔ اور اس بات کو آشکارا کرنا ضروری سمجھا کہ اس امت کے نصف طبقہ کے امام کے خلاف بلکہ اس امت کی دو تہائی اکثریت کے امام کے خلاف عرصہ دراز تک ناانصافی کرنا اس امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیة والسلام) کی توہین ہے جس پر خاموشی جائز نہیں ہے۔ تو میں نے دونوں نسخوں کے صفحہ نمبر کا اشارہ کرتے ہوئے یہ رد لکھا ہے (یعنی پابندی لگایا ہوا نسخہ اور وہ نسخہ جس پر تعلیقات شامل کی گئی ہیں) تا کہ مطالعہ کرنے والے پر اصل کی طرف مراجعت آسان ہو جائے۔ اور اب مقصود میں شروع ہونے کا مرحلہ ہے اور توفیق دینا اور سیدھا راستہ دکھانا اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔

تنبیہ : امام ابو حنیفہؒ وہ شخصیت ہیں جن کی فقہ میں امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا التحیة والتسلیمات) کا نصف طبقہ بلکہ دو تہائی اکثریت زمانوں کے لگا تار گزرنے کے باوجود پیروی کرتی ہے۔ پس احناف ہندوستان اور سندھ میں ساڑھے سات کروڑ سے کم نہیں ہیں۔ (یہ تعداد اس دور کی ہے جب علامہ کوثریؒ نے کتاب لکھی تھی اور ملکوں کی آبادی کم تھی۔ آبادی میں اضافہ کے ساتھ ساتھ احناف کی تعداد میں کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا ہے) اور چین میں پانچ کروڑ اور روس کے شہروں اور القوقاس اور القزان اور بخارا اور سائبریا اور اس کے

اطراف میں بھی پانچ کروڑ اور رومان کے شہروں اور الصرب اور بوسنیا اور ہرسک اور البان اور بلغاریہ اور یونان اور قدیم سلطنت عثمانیہ کے تینوں براعظموں میں بھی پانچ کروڑ سے کم نہ ہوں گے۔ اور یہ تعداد ان کے علاوہ ہے جو افغانی شہروں اور بلاد حبشیہ اور مصر اور مغربی طرابلس اور تیونس اور جنوبی افریقہ وغیرہ مقامات میں آباد ہیں۔ اور امت کا باقی حصہ باقی ائمہ کا پیروکار ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ اپنی امامت ودیانت میں ضرب المثل ہیں اور ان کی ثقاہت اور امانت کا متواتر ہونا اور ان کی شب بیداری اور بے دار مغزی کی شہرت اور ان کے پیروکاروں کی اکثریت اور ان کی فقہ کا عام ہونا اور ان کے مذہب کا اطراف عالم وممالک میں پھیلنا اور ان کی عقل کا کامل ہونا اور ان کے علم کا وسیع ہونا ایسا ضرب المثل ہے کہ اس میں ہر وہ شخص جو تیز چلنے والا اور زمین پر رینگنے والا ہے کوئی بھی الٹ بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہے اور بالخصوص ان چیزوں کو جاننے کے بعد جو ان کے مخالف اپنے گرد جمع کرنے والے ہیں یعنی کم فہمی اور کمزور دینی کی وجہ سے عیوب گھڑ کر بد باطنی میں اضافہ کرنا۔ پس تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی شخص اس چیز کو جو خطیب نے اپنی تاریخ میں اور اس جیسے لوگوں نے ان کے عیوب سے متعلق روایات کی ہیں ان کو ان روایات کے مقابل ٹھہرائے جو تواتر سے ان کے مناقب کے بارے میں روایت کی گئی ہیں۔ مگر جب من گھڑت خبر منظم طریقہ سے پھیلائی جائے تو وہ (عام لوگوں کی نظر میں) خبر متواتر کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ یا خیالات اور وساوس ان حقائق کو بھی ملیا میٹ کر دیتے ہیں جو حس سے معلوم کیے جاتے ہیں۔ اور خبر واحد صحیح بھی ہو تو خبر مشہور کے معارض نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ وہ خبر متواتر کے معارض قرار دی جائے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ جو روایات اس نے امام ابو حنیفہ ؓ کے عیوب میں پیش کی ہیں ان کی اسناد میں طرح طرح کی کمزوریاں اور خرابیاں ہیں جن کی وضاحت ہم ان شاء اللہ تعالیٰ کریں گے اور ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز لینے یا رد کرنے کے بارے میں تفصیل سے جو بحث کی ہے' وہ تحقیق اور سوچ بچار کرنے والے کو ہر اس چیز کے قبول کرنے میں دعوت فکر دیتی ہے جو وہ کتب جرح میں پائے یہاں تک کہ وہ جرح کے تشابہات اور اس کے اسباب سے مضبوطی حاصل کر لے (یعنی کسی کی بات پر اعتماد کرنے یا رد کرنے میں ہم نے جو طریق اختیار کیا ہے' وہ ائمہ جرح وتعدیل کے اصولوں کے مطابق ہے۔ محقق آدمی کتب جرح کی جانب مراجعت کر کے تسلی کر سکتا ہے) واللہ سبحانہ ھو الھادی

اعتراض ۱ : (کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے صرف حضرت انسؓ کو دیکھا ہے' کسی اور صحابی کو نہیں دیکھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی سن ولادت کو دیکھتے ہوئے دیگر صحابہ کرامؓ کو دیکھنا بھی ان سے ثابت ہوتا ہے)
خطیبؒ نے ج ۱۳ ص ۳۲۴ میں کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے اور عطاء بن ابی رباحؒ سے سماعت کی ہے۔

الجواب : خطیبؒ نے یہاں ابو حنیفہ کے حضرت انسؓ کو دیکھنے اور حضرت عطاءؒ سے ان کی سماعت کو تسلیم کیا ہے۔ پس ان کا حضرت انسؓ کو دیکھنے کا اقرار حمزہ سہمیؒ کی روایت میں دار قطنی نے بھی کیا ہے جیسا کہ اس کو علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب تبییض الصحیفة فی مناقب ابی حنیفة کی ابتدا میں نقل کیا ہے۔ اور ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم ج ۱ ص ۴۵ میں اپنی سند کے ساتھ ایک خبر نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس کو امام ابو حنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزءؓ سے سنا ہے۔ اور واقدیؒ کے کاتب ابن سعدؒ نے ذکر کیا ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبد اللہ بن الحارث بن جزءؓ کو دیکھا ہے تو اس سے پتہ چلا کہ حضرت ابن جزءؓ ان صحابہ میں سے ہیں جن کی وفات آخر میں ہوئی اور اس سے بدرجہ اولیٰ یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے عبد اللہ بن ابی اوفیؓ کو دیکھا ہو اس لیے کہ وہ کوفہ میں ہی رہائش پذیر تھے اور وہاں ہی ان کی وفات ہوئی۔ اور ابو نعیم الاصفہانیؒ نے صحابہ کی جماعت میں سے جن کو امام ابو حنیفہؒ نے دیکھا ہے' ان میں حضرت انسؓ حضرت عبد اللہ بن الحارثؓ اور حضرت ابن ابی اوفیؓ کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سبط ابن الجوزیؒ نے عن ذاکر بن کامل عن ابی علی الحداد کی سند سے اپنی کتاب الانتصار والترجیح میں روایت کی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ فرض کیا جائے کہ امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہے اور بہرحال جب یہ فرض کیا جائے کہ ان کی ولادت ۷۱ھ یا ۷۰ھ میں ہے جیسا کہ یہ دونوں روایتیں ابن زواد اور ابن حبان سے ہیں تو اس صورت میں ان کے صحابہ کو دیکھنے کا دائرہ اور بھی وسیع ہو جاتا ہے۔ اور ابو القاسم بن ابی العوامؒ نے اپنی کتاب فضائل ابی حنیفہؒ واصحابہؒ میں پہلی روایت کو لے کر ان کے زمانہ میں پائے جانے والے صحابہؓ کی لمبی تفصیل بیان کی ہے پس جو اصل کتاب دیکھنا چاہے' وہ دمشق کے ظاہریہ کتب خانہ میں اندراج ۶۳ کی طرف رجوع کر

سکتا ہے۔ اور یہاں خطیب کا امام ابو حنیفہؒ کے حضرت انسؓ کو دیکھنے کا اقرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خطیبؒ کی جانب ج ۴ ص ۲۰۸ میں جو یہ بات منسوب کی گئی ہے' وہ کسی خطاکار ہاتھ نے تبدیلی کی ہے کہ اس نے حمزہ السہمیؒ سے نقل کیا کہ بیشک اس نے کہا کہ اس نے دار قطنیؒ سے پوچھا کہ کیا ابو حنیفہؒ کا حضرت انسؓ سے سماع صحیح ہے یا نہیں تو اس نے کہا کہ نہ سماع صحیح ہے اور نہ ان کو دیکھنا صحیح ہے۔ اور طباعت کی پروف ریڈنگ کرنے والے کی غلطیاں کتاب میں بہت ہیں۔ اور یہ اصل کلام یوں تھا کہ اس نے دار قطنی سے پوچھا کہ کیا ابو حنیفہؒ کا سماع حضرت انسؓ سے صحیح ہے تو اس نے کہا لا الا رؤیتہ نہیں مگر اس کا ان کو دیکھنا ثابت ہے تو خطا کار ہاتھ نے الا رؤیتہ کو ولا رؤیتہ سے بدل ڈالا اور اس پر دلیل امام سیوطیؒ کا قول ہے جو تبییض الصحیفۃ کی ابتداء میں ہے کہ حمزۃ السہمیؒ نے کہا کہ میں نے دار قطنیؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ نے صحابہؓ میں سے کسی سے ملاقات نہیں کی مگر یہ بات ہے کہ بیشک اس نے حضرت انسؓ کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے مگر ان سے سماعت نہیں کی۔ الخ (سیوطیؒ کی عبارت مکمل ہوئی) اور امام ابو حنیفہؒ کا حضرت انسؓ کے علاوہ کسی دوسرے صحابیؓ کو دیکھنے کی جو دار قطنیؒ نے نفی کی ہے اور حضرت انسؓ کو دیکھنے کا اثبات کرنے کے بعد ان سے سماعت کی جو نفی کی ہے تو یہ صرف دعویٰ ہے اور نفی پر شہادت ہے اور مقصد یہاں اس بات کی وضاحت ہے کہ بیشک امام دار قطنیؒ امام ابو حنیفہؒ کے حضرت انسؓ کو دیکھنے کا اعتراف کرنے والے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اپنے فتووں میں ان کے حضرت انسؓ کو دیکھنے کا اقرار کیا ہے' ان میں ابن سعدؒ' دار قطنیؒ' ابو نعیمؒ الاصفہانی' ابن عبد البرؒ' خطیب بغدادیؒ' ابن الجوزیؒ' السمعانیؒ' عبد الغنی المقدسیؒ' سبط ابن الجوزیؒ' فضل اللہ التورپشتیؒ' امام نوویؒ' امام یافعیؒ' امام ذہبیؒ' الزین العراقیؒ' ولی الدین العراقیؒ' ابن الوزیرؒ' بدر الدین العینیؒ اور ابن حجرؒ شامل ہیں جن کو امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب تبییض الصحیفۃ میں اور الشہاب القسطلانیؒ اور سیوطیؒ اور ابن حجر مکیؒ وغیرہم نے نقل کیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے تابعی ہونے کا انکار کرنا محض سینہ زوری اور ان نصوص سے ناواقفیت ہوگی۔ اور رہی یہ بات کہ امام ابو حنیفہؒ کا حضرت عطاءؒ سے سماع ثابت ہے تو اس بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کی قبر پر حاضری دینا

اور خطیبؒ نے ج ۱۳ ص ۳۲۴ میں کہا ہے کہ وہ یعنی امام ابو حنیفہؒ اہل کوفہ میں سے

ہیں۔ ان کو ابو جعفر منصور نے بغداد کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ پھر انہوں نے وفات تک وہاں ہی اقامت رکھی اور مقبرہ خیزران کے مشرقی کنارہ میں ان کو دفن کیا گیا اور وہاں ان کی قبر ظاہر مشہور ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مناسب یہ تھا کہ خطیب یہاں وہ واقعہ نقل کر دیتا جو اس نے ج ۱ ص ۱۲۳ میں ذکر کیا ہے یعنی امام شافعیؒ کا امام ابو حنیفہؒ کے وسیلہ سے برکت حاصل کرنا جہاں اس نے قاضی ابو عبد اللہ الحسین بن علی الصیمریؒ، عمر بن ابراہیم المقریؒ، مکرم بن احمدؒ، عمر بن اسحاق بن ابراہیمؒ، علی بن میمونؒ کی سند سے نقل کیا ہے کہ علی بن میمونؒ نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بیشک میں ابو حنیفہؒ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں اور میں اس کی قبر پر روزانہ حاضری دیتا ہوں پس جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور ان کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور اس قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرتا ہوں تو مجھے زیادہ عرصہ نہیں لگتا یہاں تک کہ وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے الخ (یہاں تک ج ۱ ص ۱۲۳ کا حوالہ مکمل ہوا) اور اس سند کے سارے راوی خطیب کے ہاں ثقہ ہیں اور ابو العلاء صاعد بن احمد بن ابی بکر الرازیؒ نے اپنی کتاب الجمع بین الفتوی والتقوی فی مہمات الدین والدنیا میں شافعی المسلک فقیہ شرف الدین الدمشقیؒ سے روایت کی ہے اور وہ بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں مدرس تھے کہ انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی اس روایت کا تجربہ کیا (یعنی انہوں نے بھی اسی جیسا عمل کیا) ایسی مصیبت میں جس نے ان کو پریشان کر دیا تھا تو بہت جلدی اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل ہو گیا۔

اعتراض ۲: (کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے والد نصرانی پیدا ہوئے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نرا جھوٹ ہے اس لیے کہ خود خطیبؒ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے والد مسلمان پیدا ہوئے تھے اور ان کے دادا حضرت علیؓ کا جھنڈا اٹھانے والوں میں سے تھے)

اور خطیب نے ج ۱۳ ص ۳۲۴ میں محمد بن احمد بن رزقؒ، محمد بن عباس بن ابی ذہل الہرویؒ، احمد بن محمد بن یونس الحافظؒ، عثمان بن سعید الدارمیؒ، محبوب بن موسیٰؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ محبوب بن موسیٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن اسباطؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ اور ان کے والد نصرانی پیدا ہوئے تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہؒ اپنی ولادت کے وقت دین میں اپنے باپ کے تابع تھے پس اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو کسی مسلمان کو اس کی وجہ سے عار دلانا تو جاہلیت کے دور کی کاروائی ہے اور صحابہ و تابعین میں کتنے ہی ایسے ہیں جن کے باپ مشرک یا نصرانی یا یہودی یا مجوسی تھے اور ایک شخص کو اس سے بھی کم درجہ کی عار دلانے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ بیشک تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے۔ اگر امام صاحب کے بارے میں یہ درست بھی ہوتا تو عار دلانا درست نہ تھا تو جب یہ بات صحیح ہی نہیں بلکہ کھلا جھوٹ ہے تو پھر عار دلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اور اگر ہم کھلے تعصب اور خفیہ ہیرپھیر کے باوجود خطیبؒ کو ثقہ مان لیں تو اس روایت میں اس کے شیخ ابن رزق کو پاتے ہیں کہ اس کے پاس خطیب کا آنا جانا اس کے اندھا اور بوڑھا ہو جانے کے بعد شروع ہوا اور اس جیسے آدمی سے جو افراط پایا جاتا ہے' وہ کسی سے مخفی نہیں ہے نیز اس کی سند میں جو عثمان بن سعیدؒ ہے' وہ بھی قابل اعتراض ہے۔ مجسم ہے (اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے) اور اس کی بے گناہ ائمہ کے ساتھ دشمنی کھلا معاملہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اٹھنا بیٹھنا اور حرکت کرنا اور اس کا بوجھل ہونا اور اس کے لیے استقرار مکانی (کہ ایک جگہ میں اس کا قرار ہے) اور اس کی حد بندی وغیرہ کھلے لفظوں میں ثابت کرتا ہے اور اس جیسا آدمی جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاہل ہے' وہ اس لائق ہی نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ اور اس کا شیخ محبوب بن موسیٰؒ جو ہے' وہ ابو صالح الفراءؒ ہے جو حکایات کو جمع کرنے والا ہے' جس کے بارے میں ابو داؤدؒ نے فرمایا کہ اگر یہ کتاب سے پیش نہ کرے تو اس کی حکایات قبول نہیں کی جا سکتیں اور اس کا شیخ یوسف بن اسباطؒ تو کم عقل صوفیاء میں سے تھا۔ اس کی کتابیں دفن کر دی گئی تھیں اور وہ اختلاط کا شکار تھا۔ اور معاملہ اس پر ٹھہرا کہ اس سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ نیز یہ سند اس سند کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے جو خود خطیبؒ نے اس کے قریب نقل کی ہے جس میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے والد ثابت مسلمان پیدا ہوئے تھے چہ جائیکہ ایسی بات ابو حنیفہؒ کے بارے میں کہی جائے کہ وہ مسلمان پیدا نہیں ہوئے تھے تو اس جیسی روایت کو اس ثقہ اور ثابت راویوں کی روایت کے معارضہ میں لانا بے شرمی کی بات ہے جس کو خود خطیبؒ نے اور دوسرے حضرات نے لکھا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے دادا نعمانؒ بن قیس بن المرزبان بن زوطی بن ماہ' نہروان کے دن حضرت علیؓ کا جھنڈا اٹھانے والے تھے یعنی ان کے لشکر میں شریک ان کے علم بردار تھے۔ جیسا کہ اس کا

ذکر خطیبؒ کے ہم عصر الفقیہ المورخ ابو القاسم علی بن محمد السمنانیؒ نے اپنی کتاب روضہ القضاۃ میں کیا ہے اور وہ مصر کے دار الکتب میں موجود ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے دادا کے زمانے میں امام صاحب کے والد کے لیے حضرت علیؓ کا دعا کرنا تو ان حقائق میں سے ہے جن کو خطیبؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اس نے ص ۳۲۵ میں قاضی ابو عبد اللہ الحسین بن علی الصیمریؒ عمر بن ابراہیم المقریؒ مکرم بن احمدؒ احمد بن عبید اللہ بن شاذان المروزیؒ قال حدثنی ابی عن جدی تک اپنی سند بیان کر کے روایت نقل کی کہ شاذان المروزیؒ نے کہا کہ میں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان فارس کے آزاد آباؤ اجداد کی نسل سے ہوں۔ اللہ کی قسم ہم پر کبھی غلامی کا دور نہیں آیا اور پھر آگے خبر بیان کی۔ اور یہاں میں نے صرف خبر کا ابتدائی حصہ ہی نقل کیا ہے تا کہ تمام مطبوعہ نسخوں میں سند کی جو غلطی ہے اس کی تصحیح ہو جائے۔ پس ابو حنیفہؒ اور ان کے والد دونوں مسلمان پیدا ہوئے تھے اور ان کا دادا بھی مسلمان تھا بلکہ ان کے آباؤ اجداد میں تو کوئی نصرانی ہے ہی نہیں اس لیے کہ بیشک وہ تو اوپر سے نیچے تک نسب میں فارسی نسل سے ہیں اور اس بات کو باقی لوگوں کی بہ نسبت خطیب زیادہ جانتا ہے (مگر اس کے باوجود اس نے من گھڑت روایت ذکر کر دی ہے) ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی مانگتے ہیں۔

اعتراض ۳: (کہ امام ابوحنیفہؒ کا پہلے نام عتیک تھا انہوں نے خود بدل کر نعمان رکھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت ہے)

اور خطیب نے ص ۳۲۵ میں ابو نعیم الحافظؒ ابو احمد الغطریفیؒ الساجیؒ محمد بن معاویہ الزیادیؒ تک اپنی سند نقل کرکے آگے بیان کیا کہ محمد بن معاویہؒ الزیادی نے کہا کہ میں نے ابو جعفرؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ کا نام عتیک بن زوطرہ تھا پھر اس نے خود اپنا نام نعمان اور اپنے باپ کا نام ثابت رکھ لیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ تعجب کی بات ہے کہ خطیبؒ کے پاس جتنی طاقت اور حیلے بہانے ہیں ان تمام کے ذریعہ سے وہ ہر اس چیز میں عیب نکالنا چاہتا ہے جس کا تعلق نعمان کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کو بھی عیب لگانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ تعصب کو تباہ و برباد کرے کہ اس نے اس کو کس قدر بے شرم بنا دیا ہے۔ بہرحال

اس سند کے راویوں میں سے ابو نعیم الاصفہانیؒ وہ شخص ہے جس نے امام شافعی ؓ کی طرف جو سفرنامہ منسوب کیا جاتا ہے' اس کو حلیہ الاولیاء میں ایسی سند کے ساتھ درج کیا ہے جس میں احمد بن موسیٰ النجارؒ اور عبد اللہ بن محمد البلویؒ ہیں اور یہ دونوں راوی مشہور جھوٹے ہیں اور جس سفرنامہ کا ذکر کیا گیا ہے' اس کے جھوٹا ہونے پر پرکھ رکھنے والوں نے اتفاق کیا ہے اور اس میں ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کا سازش کرنا اور ان دونوں کا رشیدؒ کو امام شافعیؒ کے قتل پر برانگیختہ کرنے کا ذکر ہے حالانکہ بیشک امام شافعیؒ کا عراق کی طرف منتقل ہونا امام ابو یوسف کی وفات کے دو سال بعد ۱۸۴ھ میں ہوا اور امام شافعیؒ کے ساتھ محمد بن الحسنؒ کی شفقت اور ان کو فقیہ بنانے میں ان کا کوشش کرنا اور ان سے حد درجہ کی غم خواری کرنا ان چیزوں میں سے ہے جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جیسا کہ آپ اس کی تفصیل بلوغ الامانی میں دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ امام محمد بن الحسنؒ ہی کی شخصیت ہے جس نے امام شافعیؒ کو آزمائش سے چھڑایا تھا یہاں تک کہ ابن العمادؒ الحنبلی نے ابن عبد البرؒ سے نقل کرنے کے بعد اپنی کتاب شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ امام محمد بن الحسنؒ نے امام شافعیؒ کو قتل سے کیسے چھڑایا۔ پس ہر شافعی پر قیامت کے دن تک واجب ہے کہ وہ امام محمد بن الحسنؒ کا یہ احسان مانے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرے لیکن ابو نعیم اس احسان کے بدلے برائی کو مباح سمجھتا ہے اور جھوٹے آدمی کی خبر کو ذکر کرتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سفرنامہ یقینی طور پر جھوٹ ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا مرتب ہو سکتا ہے یعنی اس کا اس خبر کو ذکر کر کے اپنے ہم مذہب لوگوں کو دھوکا دینا ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اور ان کو فتنہ میں ڈالنے کی اس کوشش کرنا ہے جیسے مقتول کے ورثاء کی قاتل سے خون کا بدلہ لینے کی کوشش ہوتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت مانگتے ہیں۔

اور ابو نعیمؒ کی مشہور عادت ہے کہ وہ جھوٹی خبروں کو ان کے جھوٹ پر تنبیہ کیے بغیر سندوں سے نقل کر دیتا ہے اور اس کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ ایسی روایت کو نقل کر دیتا ہے جس میں ایک طریق سے اس کو صرف اجازت ہوتی ہے اور دوسرے طریق سے سنا ہوتا ہے اور وہ دونوں میں حدثنا کہہ دیتا ہے حالانکہ یہ کھلے طور پر جھوٹ کو سچ سے ملانے والی بات ہے اور اس کے بارہ میں ابن مندہؒ کی جرح ایسی نہیں ہے کہ صرف امام ذہبیؒ کی خواہش کی وجہ سے اس سے چشم پوشی کی جائے۔ اور بہرحال اس کا راوی ابو احمد محمد بن احمد الغطریفیؒ تو یہ صاحب مناکیر ہے اور حضرات محدثین کرام نے اس کی اس حدیث کو منکر کہا ہے جو اس

نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو جہل کا اونٹ ہدیہ دیا تھا اور ابو نعیمؒ گمان کیا کرتا تھا کہ بیشک فلاں اور فلاں سے اس نے اس خبر کو حاصل کیا ہے مگر اس کے اصل کی تخریج نہیں کرتا تھا اور اسی طرح حضرات محدثین نے اس روایت کو بھی منکر کہا ہے جو اس نے مسند ابن راہویہ سے اس کے اصل کے بغیر نقل کی ہے اور یہ ابو العباس بن سریجؒ سے ایسی احادیث نقل کرنے میں متفرد ہے جن کو اس کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ اور ابن الصلاحؒ نے اس کو اختلاط کا شکار ہو جانے والوں میں شمار کیا ہے مگر اس ساری صورت حال کے باوجود وہ (الغطریفی) اور ابو نعیمؒ اور خطیبؒ ان کے مذہب والوں کے ہاں پسندیدہ بھی ہیں اور مقبول بھی۔

اور بہرحال اس کا راوی الساجیؒ تو وہ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الساجی البصریؒ ہے جو کتاب العلل کا مولف ہے اور متعصبوں کا استاد ہے اور مجہول راویوں سے منکر روایات کرنے میں بہت منفرد واقع ہوا ہے اور آپ تاریخ بغداد میں مجہول راویوں سے منکر روایات کرنے میں اس کے انفراد کے کئی نمونے پائیں گے اور امام ذہبیؒ کا اس کی طرف سے دفاع کرنا تجاہل عارفانہ ہے اور ابو الحسن بن القطانؒ نے کہا کہ حدیث میں اگر یہ آ جائے تو اس کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے اور دوسروں نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ابو بکر الرازیؒ نے اس کی سند سے روایت نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس میں الساجی منفرد ہے اور وہ مامون نہیں ہے اور اس آدمی کا تعصب میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہونا معلوم کرنے کے لیے اس کی کتاب العلل کا ابتدائی حصہ مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے اور الزیادیؒ ان لوگوں میں سے ہے جن سے صحاح ستہ والوں نے اپنی کتابوں میں روایت لینے سے اعراض کیا ہے اور ابن حبان کی عادت کسی کی توثیق کے بارے میں یہ ہے کہ اگر کسی کے بارے میں اس کو جرح نہ ملے تو اس کی بھی توثیق کر دیتا ہے پس اس (ابن حبان) کا اس کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا ذرا بھی فائدہ نہیں دے گا اور اس روایت کا ایک راوی ابو جعفرؒ مجہول ہے۔ ان تمام تر کمزوریوں کے باوجود خطیب نے اس افسانے کو اپنی کتاب میں لکھنا جائز سمجھا اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے والد کے نام کے بارے میں جو ثابت شدہ روایات ہیں ان کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کی۔

اعتراض ۴: (کہ امام ابو حنیفہؒ نبطی تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے اور صحیح روایات کے خلاف ہے اس لیے کہ صحیح روایات میں ہے کہ امام ابو

حنیفہؒ فارسی النسل تھے جبکہ نبطی تو عراق کے اصل باشندے ہیں)

اور خطیبؒ نے ص ۳۲۵ میں محمد بن احمد بن رزقؒ، احمد بن جعفر بن محمد بن سلم الختلیؒ، احمد بن علی الابارؒ، عبد اللہ بن محمد العتکی البصریؒ، محمد بن ایوب الذراعؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن ایوب الذراعؒ نے کہا کہ میں نے یزید بن زریعؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ نبطی تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ یہ جمہور کی روایت کے خلاف ہے اور بیشک روایات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اس نظریہ کو مضبوط کرتی ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فارسی النسب تھے۔ عراق کے اصل باشندوں آرامیین میں سے نہ تھے۔ اور النبط نون کے فتحہ کیساتھ ہے اور اس کے بعد باء ہے اور عراق کے اصل باشندوں کو آرامیوں کہا جاتا ہے۔ اور کبھی نبطی عراقی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اگرچہ وہ ان میں سے منحدر الدم (کہ اوپر سے نیچے تک تمام کے تمام عراقی) نہ ہو جیسا کہ یہ بات سمعانیؒ کی کتاب انساب سے سمجھی جاتی ہے اور جس شخص نے یہ جھوٹی خبر نقل کی تا کہ وہ ان کے نسب میں طعن کرے تو وہ ہمیشہ سے جاہلیت کے طور طریقہ پر ہے اور لوگ برابر ہیں ان کے درمیان درجہ اور فضیلت صرف تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ اور اس روایت کے راوی ابن رزقؒ کا حال (دوسرے اعتراض میں) پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور الابار ان راویوں میں سے تھا جن کو دعلج بن احمد البغدادیؒ نامی ایک تاجر وظیفہ دیتا تھا۔ پھر وہ اصول و فروع میں اس کے مخالفین پر غلبہ کے لیے وہ کچھ لکھتے جو اس کو پسند ہوتا۔ پس آبار کا قلم کرایہ کا ہے اور اہل حق کے ائمہ کی غیبت میں اس کی زبان تیز تھی۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اس کی انتہا درجہ کی عداوت اور تعصب پہچاننے کے لیے مطالعہ کرنے والوں کے لیے وہی حصہ کافی ہے جو ان روایات میں ہے جو خطیبؒ نے اس سے کی ہیں اور جرح و تعدیل والوں کے نزدیک متعصب مخالف کی روایت مردود ہوتی ہے تو اس روایت کا کیا حال ہوگا جس کو وہ مجہول بلکہ کذاب راویوں سے روایت کرے جیسا کہ آپ اس روایت کو دیکھ رہے ہیں۔ تو اس راوی کا سقوط پہچاننے میں قارئین کرام کسی چیز کی طرف محتاج نہیں ہیں۔ البتہ اس کی وہ روایات قابل اعتبار ہوں گی جو امام صاحب کی امامت اور امانت کو ثابت کرتی ہیں (اس لیے کہ متعصب کی روایت حق میں معتبر اور مخالفت میں مردود ہے) فَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (پس کفایت کی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی لڑائی سے)

اور اس روایت کے راوی العتکی اور الذراع دونوں مجہول ہیں اور دعلج اعتقاد اور فقہ میں ابن خزیمہؒ کے مذہب پر تھا اور ابن خزیمہؒ کا اعتقاد کتاب التوحید سے ظاہر ہے جو کئی سال پہلے مصر میں طبع ہو چکی ہے اور اسی کے بارے میں تفسیر کبیر والے (امام رازیؒ) نے لیس کمثلہ شئی کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ وہ کتاب الشرک ہے۔ پس نہ وہ پسندیدہ ہے اور نہ قابل قدر۔

اعتراض ۵: (کہ جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۶۱ھ بتائی ہے' اس قول کا کوئی متابع نہیں ہے۔اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ جمہور کا قول یہی ہے کہ امام صاحبؒ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی مگر کئی حضرات سے اس کے علاوہ اقوال بھی ہیں اور ان اقوال کو تسلیم کرنے کے قرائن موجود ہیں)

اور خطیبؒ نے ص ۳۳۰ میں القاضی ابو عبد اللہ الصیمریؒ' حسین بن ہارونؒ الضبی' ابو العباس بن سعیدؒ' عبد اللہ بن ابراہیم بن قتیبہؒ' الحسن بن الخلالؒ کی سند نقل کر کے بیان کیا کہ الحسن بن الخلالؒ نے کہا کہ میں نے مزاحم بن زواد بن علبہؒ سے سنا' وہ اپنے باپ یا کسی اور کے متعلق ذکر کر رہے تھے کہ انہوں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ خطیبؒ نے کہا کہ میں ایسا قول کرنے والے کا کوئی متابع نہیں جانتا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ تاریخ بغداد کے تینوں ایک ہندی اور دو مصری مطبوعہ نسخوں میں داود بن علیہ درج ہے حالانکہ درست زواد بن علبہؒ ہے۔ پہلے اسم (زواد) میں ذال کا فتحہ اور واؤ مشدد ہے اور دوسرے اسم (علبہ) میں پہلے عین پر ضمہ اور اس کے بعد لام ساکن اور اس کے بعد باء ہے۔ پس اس روایت کے مطابق امام ابو حنیفہؒ کی پیدائش ۶۱ھ میں ہے۔ اور قدماء کی ایک جماعت نے امام ابو حنیفہؒ کی بالمشافہ حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت سے احادیث کی روایت میں تحریرات لکھی ہیں۔ ان قدماء میں ابو حامد محمد بن ہارون الحضرمیؒ' ابو الحسین علی بن احمد بن عیسیٰؒ النہفقی ' ابو معشر عبد الکریم الطبری المقریؒ اور ابوبکر عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد السرخسیؒ وغیرہم جیسی شخصیات ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی ولادت کے بارے میں ان حضرات کا میلان اسی روایت کی طرف ہے ورنہ تو ان کے لیے جائز نہ ہوتا کہ ان احادیث میں سے بعض کو بالمشافہ ان صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے مسموعات کے زمرہ میں بیان کرتے۔ پہلی تین قسم کی روایات المعجم المفہرس میں ابن حجرؒ کی مرویات میں سے ہیں۔

جیسا کہ وہ الفہرست الاوسط میں ابن طولونؒ کی مرویات میں سے ہیں۔ اور آخری الانتصار والترجیح میں سبط ابن الجوزیؒ کی مرویات میں سے ہیں۔

اور ابن حبانؒ نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے جو کہ مکتبہ الازہر میں موجود ہے کہ بیشک ابو حنیفہؒ کی پیدائش ۷۰ھ میں ہے اگرچہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں میں سے کسی نے حاشیہ میں نئی لکھائی کے ساتھ ۸۰ھ لکھ کر اس کو درست کیا ہے۔ اور مادۃ الخزاز جو کہ ابن السمعانیؒ کی کتاب انساب سے متعلق ہے جو الزنکغراف میں شائع کی گئی ہے اس میں بھی ان کی ولادت ۷۰ھ ذکر کی گئی ہے اگرچہ کتاب میں کئی جگہ ان کی ولادت ۸۰ھ ذکر کی گئی ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ کتاب کی کئی جگہوں میں روایات مختلف نقل کی گئی ہوں اور ابن الاثیرؒ کی کتاب اللباب میں صراحتاً" مادۃ الخزاز سے ۸۰ھ کا حوالہ دیا گیا ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ آیا یہ نسخہ صحیحہ اسی طرح ہے یا اس نے مشہور قول پر اعتماد کرتے ہوئے اس عدد کو درست کیا ہے اور خطیبؒ کے ہم عصر ابو القاسم السمنانیؒ نے روضہ القضاۃ میں ذکر کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ کی ولادت کے بارے میں دو قول ہیں۔ ایک میں ۷۰ھ ہے اور دوسرے میں ۸۰ھ ہے۔ اور عبد القادر القرشیؒ الحافظ نے الجواہر المفیۂ میں امام ابو حنیفہؒ کی ولادت کے بارے میں تین روایات ذکر کی ہیں۔ ۶۱ھ اور ۶۳ھ اور ۸۰ھ۔ اور بدر الدین العینیؒ نے اپنی تاریخ الکبیر میں ان کی ولادت کے بارے میں تین روایات نقل کی ہیں۔ ۶۱ھ اور ۷۰ھ اور ۸۰ھ اور پہلے زمانے کے لوگوں کی سن ولادت کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں کیونکہ ان کا زمانہ اس دور سے پہلے کا ہے جس دور سے لوگوں کی تاریخ ولادت لکھی جاتی ہے اور یہی صورت صحابہ کی وفات کے بارے میں پائی جاتی ہے چہ جائیکہ ان کی ولادت کے معاملہ کو لیا جائے۔

اور ابن عبد البرؒ کا قول اپنی کتاب الانتقاء میں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی سن ولادت میں کوئی اختلاف نہیں۔ بیشک وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵ شوال کی رات کو وفات پائی۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے ان روایات پر اطلاع نہیں پائی۔ اور یہ روایات اس کو معلوم نہ ہو سکنے کا عذر یہ ہے کہ یقینی بات ہے کہ اس نے مشرق کی طرف سفر ہی نہیں کیا تو اس کا سفر نہ کرنا مشرقی روایات کو معلوم کرنے میں رکاوٹ بن گیا اور اکثر حضرات اسی کے قائل ہیں کہ بیشک امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اس کی وجہ ان روایات کو ترجیح دینا ہے جو ولادتوں کے بارے میں نئی ہیں (یعنی بعد کا سال ثابت کرنے والی ہیں) اور وفات

کے بارے میں ان روایات کو لینا جو پرانی ہیں (یعنی جن سے وفات پہلے ثابت ہوتی ہے) اور یہ اتصال یا انقطاع کے کلی حکم میں زیادہ احتیاطی پہلو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ ایسی چیز نہ پائی جائے جو کہ ان روایات میں سے کسی ایک کی موید ہو اور یہاں کئی قرائن ایسے ہیں جو اس قول کو مجروح کر دیتے ہیں جو جمہور کا ہے۔

پہلا قرینہ ان میں سے یہ ہے کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن مخلد العطار" المتوفی ۳۳۱ھ نے اپنی کتاب ما رواہ الاکابر عن مالک" (یعنی امام مالک" سے عمر میں بڑے ہونے کے باوجود جن حضرات نے امام مالک" سے روایات لی ہیں ان راویوں کا ذکر) میں حماد بن ابی حنیفہ کو بھی ان اکابر میں شمار کیا ہے۔ پھر حماد بن ابی حنیفہ" عن مالک" کی سند سے حدیث بیان کی ہے اور حماد" کی وفات اگرچہ امام مالک کی وفات سے تین سال پہلے ہے لیکن ان کو اکابر میں شمار کرنا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ان کی ولادت بھی امام مالک" سے پہلے ہو تو ضروری ہے کہ امام ابو حنیفہ" کی ولادت ۸۰ھ سے کم از کم دس سال پہلے ہو تا کہ ان کے بیٹے حماد" کی ولادت امام مالک" کی ولادت سے پہلے ثابت ہو سکے (امام مالک کی ولادت ۹۳ھ ہے تو ان کی ولادت کے وقت جمہور کے قول کے مطابق امام ابو حنیفہ" کی عمر ۱۳ سال بنتی ہے۔ اور اگر امام ابو حنیفہ" کے بیٹے حماد" کی ولادت امام مالک" سے پہلے کی ہے تو اس وقت امام ابو حنیفہ" کی عمر اتنی نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے زیادہ ہوگی تو ابو عبد اللہ محمد بن مخلد" کا حماد" کو امام مالک" سے اکابر میں شمار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابو حنیفہ" کی ولادت ۸۰ھ سے پہلے کی ہے)

اور ابن مخلد" کوئی معمولی شخصیت نہیں بلکہ بلند مرتبہ حفاظ اور دار قطنی" کے شیوخ میں سے ہے تو یہ جو لکھا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ" کی ولادت ۸۰ھ سے پہلے کی ہے تو یہ قول تحقیق سے ہٹا ہوا نہیں ہے۔ اور ابن مخلد" کی یہ مذکورہ جزء دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے جس کا رجسٹر میں اندراج ۹۸ ہے۔ اور اس پر روایات اٹھانے والوں کے بہت سے نشانات اور تسمیعات ہیں۔

دوسرا قرینہ ان میں سے یہ ہے کہ بیشک العقیلی" نے حماد بن ابی سلیمان" کے ترجمہ میں روایت نقل کی ہے کہ ابراہیم بن یزید النخعی" جب فوت ہوئے تو اہل کوفہ میں سے پانچ آدمی جمع ہوئے ان میں عمر بن قیس الماصر" اور ابو حنیفہ" بھی تھے تو انہوں نے چالیس ہزار درہم کے قریب جمع کر کے حماد بن ابی سلیمان" کو دیے تا کہ وہ ان سے اپنی گزر اوقات کرے اور علم میں اعلیٰ مقام کے لیے وقف رہے۔ اور ابراہیم" نخعی کی وفات ۹۵ھ میں

ہے اور اگر امام ابو حنیفہؒ کی ولادت ۸۰ھ ہو تو امام نخعیؒ کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ سال بنتی ہے اور اتنی چھوٹی عمر کے آدمی سے نہیں تصور کیا جا سکتا کہ وہ امام نخعیؒ کے خلیفہ بننے والے کی طرف اتنی توجہ دے بلکہ ضروری ہے کہ اس جیسے معاملہ کے لیے امام نخعیؒ کے بڑے بڑے شاگرد ہی اٹھ کھڑے ہوں اور ان لوگوں کے ساتھ اس چیز میں امام ابو حنیفہؒ کا حصہ ڈالنے کو دیکھتے ہوئے ضروری ہے کہ ان کی عمر اس سے زیادہ ہو۔ (آگے علامہ کوثریؒ ایک اشکال کا جواب دیتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی یوں کہے کہ پندرہ سال کی عمر میں امام شافعیؒ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے تھے تو امام ابو حنیفہؒ سے اتنی عمر میں امام نخعیؒ کے خلیفہ کے لیے یہ اہتمام کیوں نہیں ہو سکتا) اور جو کہا جاتا ہے کہ بیشک امام شافعیؒ اتنی (پندرہ سال) عمر میں اجتہاد کے درجہ کو پہنچ گئے تھے تو یہ مناقب کے باب سے ہے جس پر تساہل برتتے ہوئے خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے ورنہ حقیقت کو دیکھا جائے تو اگر یہ بات صحیح ہوتی تو پھر امام شافعیؒ اس کے بعد طلب علم میں امام مالکؒ کو لازم نہ پکڑتے اور نہ ہی امام محمد بن الحسنؒ کو لازم پکڑتے جن سے انہوں نے چونتیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد علم حاصل کیا (یعنی جب امام شافعیؒ اجتہاد کے درجہ کو پہنچ گئے تھے تو پھر کسی دوسرے سے علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟)

تیسرا قرینہ ان میں سے یہ ہے کہ بیشک روایات ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اس بات کو مضبوط کرتی ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ فقہ کی جانب لوٹنے سے پہلے مناظر تھے اور علم کلام کے ساتھ مشغول تھے یہاں تک کہ وہ بیس کے قریب مرتبہ بصرہ میں آئے تا کہ قدریہ فرقہ وغیرہ کے لوگوں سے مناظرہ کریں پھر وہ اس سے علیحدہ ہو کر فقہ کی جانب مشغول ہو گئے اور جس آدمی کی عمر امام نخعیؒ کی وفات کے وقت اتنی (پندرہ سال) ہو جو ہم نے ذکر کی ہے تو اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ فقہ کی جانب لوٹنے سے پہلے کافی عرصہ فن مناظرہ کے ساتھ مشغول رہا ہو تو ان اسباب کی وجہ سے ترجیح دی جا سکتی ہے کہ بیشک ان کی ولادت ۸۰ھ سے پہلے کی ہے اور شاید کہ راجح یہ بات ہو کہ ان کی ولادت ۷۰ھ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اعتراض ۶: (کہ امام ابو حنیفہؒ علم نحو میں کمزور تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خطیبؒ شافعی المسلک ہے جن کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہوتی اور اس روایت کا مرکزی راوی ابراہیم بن اسحاقؒ ہے جس کی ملاقات امام ابو حنیفہؒ سے نہیں ہے اور اس کے دیگر

راویوں پر بھی خود خطیبؒ کی جرح موجود ہے۔ نیز امام ابو حنیفہؒ کے علم نحو سے ناواقف ہونے کی جو مثال پیش کی گئی ہے' وہ تو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے خلاف ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ من گھڑت ہے اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ابو پر باء داخل ہونے کے باوجود اس کو الف کے ساتھ ابا پڑھنا امام کسائی اور الاخفش جیسے ائمہ عربیت سے ثابت ہے اس لیے امام ابو حنیفہؒ پر اس کی وجہ سے اعتراض نری جہالت ہے)

اور خطیبؒ نے ص ۳۳۲ میں العنیقی' محمد بن عباسؒ ابو ایوب سلیمان بن اسحاق الجلابؒ کی سند نقل کر کے بیان کیا کہ سلیمان بن اسحاقؒ نے کہا کہ میں نے ابراہیم الحربیؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ اپنے ابتدائی دور میں علم نحو حاصل کرتے تھے تو اس میں قیاس کرنا شروع کر دیا اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس میں استاد بن جائیں تو وہ کہنے لگے قلب کی جمع قلوب ہے اور کلب کی جمع بھی کلوب ہے تو ان سے کہا گیا کہ کلب کی جمع کلاب ہے تو انہوں نے اس علم کو حاصل کرنا چھوڑ دیا اور فقہ میں مشغول ہو گئے اور ان کو نحو کا علم حاصل نہیں تھا۔ تو ایک آدمی نے ان سے مکہ میں پوچھا کہ اگر کوئی آدمی دوسرے کو پتھر مار کر اس کا سر پھوڑ دے تو اس کی کیا سزا ہے؟ تو جواب میں کہا کہ یہ خطا ہے اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ لو انه حتی یرمیه بابا قبیس لم یکن علیه شئی اگر بیشک وہ اس پر ابو قبیس بھی پھینکے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے (خطیب کا اعتراض اس میں یہ ہے کہ بابی قبیس کی جگہ امام ابو حنیفہ نے بابا قبیس کہا جو اس کی دلیل ہے کہ وہ نحو میں کمزور تھے)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس روایت کے مرکزی راوی ابراہیم بن اسحاقؒ کی وفات ۲۸۵ھ ہے تو اس کے اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان تو بیابان ہیں (یعنی ایسے راوی ہیں جن کا سر پاؤں معلوم نہیں) تو یہ خبر مقطوع ہے اور خبر مقطوع تو ان (خطیبؒ کے ہم مذہب شوافع حضرات) کے نزدیک مردود ہے (تو خطیبؒ کیسے اس کو پیش کر رہا ہے) پھر اس کی سند میں جو محمد بن العباسؒ ہے' وہ ابن حیویہؒ الخراز ہے اور خودج ۳ ص ۱۲۲ میں خطیبؒ نے ازہریؒ سے اس کا یہ ترجمہ ذکر کیا ہے کہ اس میں تسامح تھا۔ بعض دفعہ کچھ پڑھنے کا ارادہ کرتا تو اس کلام کا اصل اس کے پڑھے ہوئے کلام کے قریب بھی نہ ہوتا تھا پھر وہ اس کو ابو الحسن بن الرزازؒ کی کتاب سے پڑھتا کیونکہ اس کو اس کتاب پر اعتماد تھا اگرچہ اس میں اس کو سماع نہیں تھا لیکن ایسا آدمی ثقہ کیسے ہو سکتا ہے جو اس حدیث کو بیان کرے جس میں اس کو سماع نہیں

ہے اور ہو سکتا ہے کہ کتاب میں کمی بیشی یا تبدیلی یا اس جیسی کوئی اور خرابی ہو گئی ہو اور ابن جیسا ان (شوافع) کے نزدیک مردود التحدیث ہے (کہ اس کی بات کو رد کر دیا جاتا ہے) علاوہ اس کے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ابو الحسن بن الرزاز جس کی کتاب پر وہ اعتماد کرتا تھا وہ علی بن احمد ہے جو ابن طیب الرزاز کی کنیت سے مشہور تھا اور یہ معمر آدمی تھا اور اس کی وفات خزاز سے بعد میں ہوئی۔ اور خود خطیب نے ج ۱۱ ص ۳۳۱ میں صراحت سے لکھا ہے کہ اس کا ایک بیٹا تھا جس نے اس کی اصل کتابوں میں نرم قسم کی سنی سنائی باتیں شامل کر دی تھیں تو کیا قیمت ہو سکتی ہے اس شخص کی بات کی جو اس پر اعتماد کرے اس کے اصول میں سے بیان کرتا ہے اور کتنے ہی اہل علم گزرے ہیں جن کا مسودہ اگر ایک رات بھی غائب ہو جاتا تو وہ اپنے مسوّدہ سے روایت کا انکار کر دیتے تھے چہ جائیکہ اس کے مسودہ کے علاوہ سے روایت کی جائے اور ان (شوافع) کا اپنے اصول و قواعد میں انتہائی حریص ہونا خود خطیبؒ نے اپنی کتاب الکفایہ میں لکھا ہے (مگر یہاں کچھ پاسداری نہیں) اور متساہل کا درجہ قبول سے ساقط ہونا تو ان کے ہاں متفقہ بات ہے۔ اور یہ تو اس میں سند کے لحاظ سے بحث تھی۔ اور رہی بات متن کے لحاظ سے تو خبر میں انتہائی کمزوری ہے اور یہ خلاف ہے اس کے جو تواتر سے امام ابو حنیفہؒ سے ثابت ہے اس لیے کہ مثقل (بوجھل بھاری) چیز کے ساتھ قتل تو خیمہ کی لکڑیوں کے ساتھ قتل کی طرح ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شبہ عمد ہے جس کی وجہ سے قاتل پر کفارہ اور اس کی عاقلہ (برادری یا ہم پیشہ لوگ) پر دیت مغلّظہ واجب ہوتی ہے اور اسی طرح ایسے پتھر کے ساتھ قتل کرنا جو شیشہ کی طرح تیز کناروں والا نہ ہو۔ اور خطیبؒ شجّ (زخمی کرنا) کے متعلق بحث کر رہا ہے اور اس کی نسبت امام ابو حنیفہؒ کی طرف کر رہا ہے کہ بیشک مثقل چیز کے ساتھ قتل ان کے نزدیک قتل خطا ہے حالانکہ تواتر سے ان کا جو مذہب ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ خطا نہیں بلکہ خطا عمد ہے اور اسی کو شبہ عمد کہتے ہیں۔ (تواتر سے امام صاحب کا جو مذہب ثابت ہے' اس سے یہ شبہ عمد بنتا ہے جبکہ خطیب کی روایت اس کو قتل خطا ثابت کرتی ہے تو یہ روایت متواتر روایت کے خلاف ہے) اور اسی طرح خطیبؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی جانب نسبت کی ہے کہ بیشک مثقل چیز کے ساتھ قتل کی صورت میں قاتل پر کوئی چیز لازم نہیں حالانکہ ان کے مذہب میں تو اس پر کفارہ اور اس کی عاقلہ پر دیت مغلّظہ واجب ہوتی ہے۔ اور خطیبؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف یہ نسبت بھی کی ہے کہ ان کا کلام

تیز کنارے والے اور غیر تیز کنارے والے میں فرق کیے بغیر مطلقاً پتھر کے بارہ میں ہے حالانکہ ان کے مذہب میں تو تیز کنارے والے پتھر کے ساتھ قتل اور جو تیز کنارے والا نہ ہو' اس کے ساتھ قتل میں فرق ہے۔ پھر خطیب نے لکھا کہ سائل نے یہ سوال ان سے مکہ میں کیا تھا جبکہ دیگر روایات میں ہے کہ یہ سوال حجاز میں نہیں بلکہ عراق میں ہوا اور اسی طرح یہ سوال کرنے والا نہ تو مجہول آدمی تھا اور نہ ہی حجازی تھا بلکہ معروف تھا اور عراقی تھا اور وہ امام ابو عمرو بن العلاء البصریؒ تھے جیسا کہ خطیبؒ سے اس خبر سے متعلق پہلے کے حوالہ جات میں مذکور ہے۔ اور مثقل چیز کے ساتھ قتل کرنے کے متعلق سوال تو فقہاء کے درمیان معروف ہے نہ کہ مطلقاً پتھر کے ساتھ قتل کرنے کے بارے میں۔ اور یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو ابراہیم الحربیؒ جیسے آدمی سے مخفی نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ فقہ اور حدیث میں امام تھا تو اس روایت کا بوجھ یقیناً اس سے نچلے کسی راوی نے اٹھایا ہے اور لو انہ حتی یرمیہ کے الفاظ خطیب کی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب میں' میں نے نہیں دیکھے اور وہ ان کو نقل کرنے میں منفرد ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ کس لغت کے الفاظ ہیں۔ عبرانی زبان کے ہیں یا سریانی زبان کے (کیونکہ عربی لحاظ سے یہ کلام درست نہیں ہے) اور جو الجاحظؒ کی کتاب البیان والتبیین اور ابن عبد ربہؒ کی کتاب العقد الفرید وغیرہ ادب کی کتابوں میں سوال اور جواب کے صیغہ سے مذکور ہے تو اس میں اس جیسا خلط ملط نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف جو یہ نسبت کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا لَا وَلَوْ رَمَاهُ بِأَبَا قُبَيْسٍ تو یہ الفاظ مطلقاً کسی کتاب میں وارد نہیں ہوئے کسی ایک ایسی سند کے ساتھ جس میں اس سند جیسی خرابیاں ہوں۔ اور ادب کی کتابیں ایسے طریقہ پر لکھی گئی ہیں جو گہری سوچ و بچار کا طریقہ نہیں ہے اور پہلی وہ کتاب جس میں ہم نے یہ واقعہ دیکھا وہ الجاحظ البصریؒ کی کتاب ہے اور شاید اس نے یہ واقعہ ابو عمرو بن العلاء البصریؒ کے کسی ساتھی سے سنا ہو اور اس کے الفاظ دوسروں کے الفاظ سے علیحدہ ہوں پھر اس کلمہ کی وجہ سے مخالفین بہت خوش ہوئے تا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کی لغت میں کمزوری پر دلیل بنا سکیں اور عربی شاعر کا قول شواہد عربیہ میں معروف ہے (یعنی کسی کلام کے مطابق عربی شاعر کا کلام ثابت ہو جائے تو اس کلام کا عربی میں صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو یہاں بھی شاعر کا کلام ثابت ہے اس لیے اس کلام کو غلط قرار دینا کوئی دانشمندی نہیں ہے) ان اباها و ابا اباها ۔ قد بلغا فی المجد غایتاها "بے شک اس عورت کا باپ اور دادا دونوں بزرگی میں انتہا درجہ کو پہنچے۔" (اگر

اعتراض ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے باء جارہ داخل ہونے کے باوجود ابا قبیس پڑھا ہے تو اس شعر میں بھی وابا اباھا میں پہلا ابا مضاف ہے اور آگے ابیھا ہونا چاہیے۔ مگر شاعر اباھا ہی کہہ رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب پر اگر جارہ داخل ہو تو اس کو الف کے ساتھ ابا پڑھا جا سکتا ہے) اور اب اگر یا متکلم کے علاوہ کسی اور اسم کی طرف مضاف ہو تو اضافت کے وقت اس کو تمام حالتوں (رفعی' نصبی اور جری) میں الف کے ساتھ اس کا استعمال عرب کے کئی قبائل کی لغت میں پایا جاتا ہے جیسا کہ حنین بن نزار' قیس عیلان اور بنی الحارث بن کعب اور یہی لغت ہے اہل کوفہ کی۔ اور امام ابو حنیفہ بھی کوفی ہیں۔ (تو اگر انہوں نے اپنی لغت کے مطابق کلام کیا ہے تو اعتراض کیسا؟) بلکہ یہ لغت تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی بھی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا انت ابا جھل (حالانکہ مشہور قاعدہ کے مطابق ابو جاہل ہونا چاہیے تھا) جیسا کہ ان کی یہ کلام صحیح بخاری میں ہے۔ اور امام کسائیؒ نے یہ لغت بنی الحارث اور زبید اور خثعم اور ہمدان کی طرف منسوب کی ہے اور ابوالخطاب نے اس لغت کی نسبت بنوکنانہ کی طرف کی ہے اور ان میں سے بعض نے بنوالعنبر اور بنو الجہم اور ربیعہ کے بعض خاندانوں کی طرف اس لغت کی نسبت کی ہے نیز کسائیؒ ابو زیدؒ ابوالخطابؒ اور ابوالحسن الاخفشؒ جیسے ائمہ عربیت سے یہ لغت منقول ہے تو اس کے بعد انکار کے حیلے بہانے کرنا یقیناً مردود ہے۔ اگر آپ اس بارہ میں تفصیل دیکھنا چاہتے ہیں تو امام بدر الدین العینیؒ کی الشواھد الکبری کی طرف مراجعت کریں تو جو کلام عرب کے اتنے قبائل کی لغت کے موافق ہو تو اس کو صرف وہی آدمی غلطی شمار کرے گا جو علم نحو کی چند مختصر کتابوں کے علاوہ باقی کتابوں سے ناواقف ہو۔

پھر یہ بات بھی قابل وضاحت ہے کہ امام صاحبؒ کی کلام میں ابی قبیس سے مراد وہ بلند پہاڑ نہیں جو مکہ میں ہے اس لیے کہ مسعود بن شیبہؒ نے اپنی کتاب التعلیم میں روایت کی ہے کہ ابن الجہم نے فراءؒ کے واسطہ سے قاسم بن معنؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ابا قبیس اس لکڑی کا نام ہے جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے (یعنی قصاب جس پر عام طور پر گوشت لٹکاتے ہیں اس لکڑی کو ابا قبیس کہتے ہیں) اور ابو سعید السیرافیؒ نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے اپنی کلام میں ابا قبیس سے یہی لکڑی مراد لی ہے۔ الخ (التعلیم کا حوالہ مکمل ہوا)

تو ابو قبیس خیمے اور چھت کے ستونوں والی لکڑی کے قبیل سے ہے۔ اور شاید کہ اس جیسی لکڑی کو ابو قبیس نام دینے کی وجہ یہ ہو کہ وہ لکڑی کے ستونوں کی قسم سے ہے

جن کا، حالت تو یہ ہونی چاہیے کہ ان کو آگ سینکنے کے لیے جلانا چاہیے اور اس واقعہ میں مکہ کا ذکر نہیں ہے اور پختہ بات ہے کہ اس کا اضافہ اس آدمی نے کیا ہے جو وہم پیدا کرنا چاہتا ہے کہ بے شک اس سے مراد ابو قبیس پہاڑ ہے تا کہ مثقل چیز کے ساتھ قتل کے بارہ میں امام ابو حنیفہ پر بہت زیادہ عیب لگایا جا سکے۔ حالانکہ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ پہاڑ تو آلہ ضرب بن ہی نہیں سکتا اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے مثقل چیز کے ساتھ قتل کے بارہ میں وہی ہے جو امام محمدؒ نے کتاب الاثار میں نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حمادؒ کے واسطہ سے حضرت ابراہیم نخعیؒ کا یہ قول ہمیں نقل کیا کہ قتل کی تین صورتیں ہیں۔ قتل خطاء اور قتل عمد اور قتل شبہ عمد۔ پس قتل خطاء یہ ہے کہ تو اسلحہ یا کسی اور (تیز دھار) چیز کے ساتھ کسی چیز کو مارنا چاہے اور وہ (یعنی جو مرا ہے اس کو مارنے کا ارادہ نہ تھا) تیسرے صاحب (یعنی کسی آدمی) کو لگ جائے اور وہ مر جائے تو اس میں دیت ہے جس میں پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے۔ (بیس اونٹ ایسے جن کی عمریں چار اور پانچ سال کے درمیان ہوں اور بیس اونٹ تین اور چار سال کی درمیانی عمر والے اور بیس اونٹ دو اور تین سال کی درمیانی عمر والے اور بیس اونٹنیاں دو اور تین سال کی درمیانی عمر والی اور بیس اونٹنیاں ایک اور دو سال کی درمیانی عمر والی)

اور قتل عمد یہ ہے کہ جو مرا ہے، اسی کو مارنا مقصود تھا۔ پھر اس کو اسلحہ کے ساتھ مارا تو اس میں قصاص ہے (یعنی اس کو بدلہ میں قتل کیا جائے گا) مگر یہ کہ مقتول کے ورثاء صلح کر لیں یا معاف کر دیں۔ اور قتل شبہ عمد یہ ہے کہ تو کسی کو اسلحہ کے علاوہ کسی اور چیز کے ساتھ مارنے کا ارادہ کرے تو اس میں قاتل کی عاقلہ (برادری یا ہم پیشہ لوگ) پر دیت مغلظہ ہوگی جبکہ اس صورت میں وہ آدمی مر جائے جس کو ضرب لگی ہے۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ اسی نظریہ پر ہمارا عمل ہے۔ مگر ایک بات میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایسی چیز کے ساتھ مارا کہ وہ اسلحہ تو نہیں مگر اسلحہ کے قائم مقام یا اس سے سخت ہو سکتی ہے تو اس میں بھی قصاص ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا پہلا قول یہی تھا۔ اور ان کا آخری قول یہ ہے کہ صرف اسلحہ سے مارنے کی صورت میں قصاص ہے۔ الخ۔ (کتاب الآثار کا حوالہ مکمل ہوا) اور اس سے واضح ہو گیا کہ امام ابو حنیفہؒ نے بالآخر اس مسئلہ میں امام ابراہیم نخعیؒ کے قول کی اتباع کی ہے۔ اور اسلحہ کے ساتھ قتل جس میں عمد کا معنی کامل پایا جاتا ہے اس میں اور اسلحہ کے بغیر کسی اور چیز سے قتل کرنے میں فرق کیا ہے تا کہ ناحق کسی کو قتل

کرنے کے بارے میں جو تشدید وارد ہوئی اس سے بچ جائیں اور مثقل چیز کے ساتھ قتل کے حکم میں امام ابو حنیفہؒ کے دلائل ان کے مذہب پر لکھی گئی کتابوں میں اور ان کتابوں میں موجود ہیں جن میں مسائل کے بارہ میں پیش کی گئی احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ اور خصوصاً" نصب الرایہ ص ۳۴۰ ج ۴ اور ابوبکر الرازیؒ کی احکام القرآن ص ۲۲۸ ج ۲ میں تفصیل سے موجود ہیں۔ اور پھر اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اکیلے نہیں ہیں بلکہ اس مسئلہ میں ان کے ساتھ ائمہ سلف میں سے ابراہیم النخعیؒ' امام شعبیؒ' حماد بن ابی سلیمانؒ' الحکم بن عتبہؒ امام ثوریؒ' الحسن بن صالحؒ وغیرہم جیسے بہت سے حضرات ہیں جس کی تفصیل مصنف ابن ابی شیبہؒ وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور بے شک نسائی' ابو داؤد' ابن ماجہ' ابن حبان' مسند احمد' مسند ابن راہویہ اور ابن ابی شیبہ وغیرہ میں اس مذہب کی تائید کرنے والی صحیح احادیث اور آثار موجود ہیں۔ اور بہرحال وہ روایت جس میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس یہودی کا سر پتھر کے ساتھ کچل دیا تھا جس نے ایک لڑکی کا سر پتھر کے ساتھ کچلا تھا۔ تو امام ابوحنیفہؒ نے اس روایت کی کمزوریوں کو واضح کیا ہے جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

پس اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ پر طعن و تشنیع کرنے کی وجہ سے ان ائمہ پر بھی طعن و تشنیع ہوگی جو اس مسئلہ میں ان کے ساتھ ہیں اور ان احادیث پر بھی طعن و تشنیع ہوگی جن کو انہوں نے دلیل بنایا ہے۔ اگرچہ اس بارہ میں حنفی مذہب میں فتویٰ تو امامین (امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) کی رائے کے مطابق ہے کہ مثقل چیز کے ساتھ جان بوجھ قتل کرنے کی صورت میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ اور مسائل اجتہادیہ میں (دلائل سے کسی پہلو کو راجح قرار دینا تو درست ہے مگر) طعن و تشنیع درست نہیں ہے۔

پس جو شخص اس واقعہ کے سیاق و سباق کے ساتھ خبر کا احاطہ کرے گا تو وہ یقیناً جان لے گا کہ اس مذکورہ خبر کا بالفرض ثبوت بھی ہو جائے تب بھی امام ابو حنیفہؒ پر طعن و تشنیع کرنا ان مخالفین کو فائدہ نہیں دیتا۔ نہ مثقل چیز کے ساتھ قتل کرنے کے بارہ میں ان کی رائے کے لحاظ سے اور نہ ان کو عربیت میں کمزور ثابت کرنے کی دلیل کے لحاظ سے جیسا کہ بہت سے مالکیہ اور شوافع نے کیا ہے۔ بلکہ عربیت میں ضعیف وہ ہے جس نے علوم عربیہ کی گود کے علاوہ کسی اور گود میں تربیت پائی اور عرب کے قبائل کے محاورات اور ان کے استعمال کے وجوہ سے متعلق ائمہ کی لکھی ہوئی چیزوں سے ناواقف ہے۔ اور واضح عربی زبان کی وسعت پر اس کی معلومات حاوی نہیں ہیں تو ایسا آدمی جب طعن و تشنیع کرتا ہے تو انتہائی

سخت قسم کی طعن و تشنیع خود اسی کی طرف لوٹتی ہے اور اس قسم کی ایک اور عبارت ہے جو الاصمعیؒ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض اوقات وہ بھی ان (مخالفین) میں سے بعض کے ہاں امام صاحب کی لغت میں کمزوری پر دلیل کے طور پر پیش کی جاتی ہے جو صاحب قاموس مجد الدین الفیروز آبادیؒ نے عقل کے مادہ کے بارہ میں کہی ہے جہاں اس نے کہا۔ اور شعبی کا قول لا تعقل العاقلة عمدا و لا عبدا "قتل عمد کی اور غلام کی دیت عاقلہ نہیں دیتی) اور یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ جوہری نے وہم کیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آزاد آدمی غلام پر جنایت کرے (تو عاقلہ پر اس کی دیت نہ ہوگی) نہ یہ کہ غلام آزاد آدمی پر جنایت کرے (کہ کوئی غلام آزاد آدمی کو مار ڈالے تو غلام کی عاقلہ پر دیت نہیں ہے) جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نے وہم کیا ہے اس لیے کہ اگر معنی وہ ہوتا جو وہ (ابوحنیفہؒ) کرتے ہیں تو کلام اس طرح ہوتی لا تعقل العاقلة عن عبد حالانکہ کلام اس طرح نہیں ہے بلکہ کلام ہے ولا تعقل عبدا اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے اس بارہ میں ابویوسفؒ سے رشیدؒ کی موجودگی میں پوچھا تو وہ عقلته اور عقلت عنه کے درمیان ایسا فرق نہ کر سکے کہ میں اس کو سمجھ سکتا۔

پس مجد الدینؒ کا قول کما توهم ابو حنیفة یہ امام اعظم کی شان میں بے ادبی ہے جیسا کہ البدر القرافیؒ نے القول المانوس میں کہا ہے۔ اور الاکملؒ نے العنایہ میں کہا ہے کہ عقلته کا جملہ عقلت عنه کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حدیث کا سیاق لا تعقل العاقلة عمدا اور اس کا سیاق ولا صلحا ولا اعترافا یہ دونوں اس پر دلالت کرتے ہیں اس لیے کہ بے شک اس کا معنی یہ ہے کہ عاقلہ اس کی طرف سے بھی دیت برداشت نہیں کرتی جس نے جان بوجھ کر قتل کیا۔ اور جس نے صلح کی اور جس نے قتل کا اعتراف کیا۔ الخ اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام ابو یوسفؒ نے کتاب الاثار میں نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے حمادؒ کے واسطہ سے امام ابراہیمؒ سے نقل کیا کہ بے شک انہوں نے فرمایا لا تعقل العاقلة العبد اذا قتل خطأ "غلام کی عاقلہ دیت برداشت نہیں کرتی جبکہ اس نے خطا سے قتل کیا ہو) اور وہ روایت بھی تائید کرتی ہے جو امام محمد بن الحسنؒ نے الموطا میں اس سند کے ساتھ نقل کی ہے عن عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیه عن عبید الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس قال لا تعقل العاقلة عمدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما جنى المملوک (عاقلہ اس کی دیت نہیں برداشت کرتی جس نے جان بوجھ کر قتل کیا اور نہ اس کی جس نے صلح کر کے مال اپنے ذمہ لیا اور نہ ہی اس کی

جو قتل کا اعتراف کرتا ہے اور نہ اس کی جو مملوک نے جنایت کی) امام محمد نے فرمایا اور اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ اور ہمارے اکثر فقہاء کا الخ۔ اس میں ولا ما جنی المملوک نص ہے اس بات پر کہ ان کے قول ولا تعقل العاقلۃ عبدا سے مراد یہ ہے کہ عاقلہ اس غلام کی طرف سے دیت نہیں دیتی جس نے جنایت کی ہے اور یہ غلط بات منسوب کرنے والے کے لیے رسوائی ہے۔

اور امام بیہقیؒ نے شعبیؒ کے طریق سے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے العمد والعبد والصلح والاعتراف لا تعقلہ العاقلۃ قتل عمد اور غلام کی جنایت اور صلح اور قتل کے اعتراف کی صورت میں عاقلہ دیت برداشت نہیں کرتی۔ اور پھر فرمایا کہ یہ روایت منقطع ہے اور محفوظ یہ ہے کہ یہ امام شعبیؒ کا قول ہے الخ۔ اور امام بیہقیؒ کے قول پر مدار رکھ کر ہی مجد الدینؒ نے اس کے حدیث ہونے کی نفی کی ہے اور غلطی کا مرتکب ہوا جیسا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے متعلق غلطی کا مرتکب ہوا۔ اور یہ بات جو مجد الدینؒ نے الاصمعیؒ سے ذکر کی ہے یہ مختار الصحاح اور المصباح اور النہایہ اور العباب اور التہذیب میں مذکور ہے لیکن ہم نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا کہ اس کی سند اس تک (مجد الدین سے الاصمعیؒ تک) نقل کی گئی ہو۔

اور امام ابو عبید القاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب غریب الحدیث کے آخر میں کہا جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے کہ حضرات نے العبد کی تاویل میں اختلاف کیا ہے پس امام محمد بن الحسنؒ نے کہا جو کہ ابو عبیدؒ کے مشائخ میں سے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ غلام کسی آزاد آدمی کو قتل کرے تو اس کی جنایت (جرم) کی وجہ سے غلام کے مالک کی عاقلہ پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ اور پختہ بات ہے کہ یہ تلافی اس غلام کے رقبہ ہی سے کی جائے گی اور اس کے لیے امام محمد بن الحسنؒ نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا حدثنی عبد الرحمن بن ابی الزناد عن ابیہ عن عبید اللہ بن عبد اللہ عن ابن عباس قال لا تعقل العاقلۃ عمدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما جنی المملوک کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قتل عمد اور جو رقم صلح کی صورت میں قاتل ذمہ لے اور قتل کا اعتراف کرے اور جو جنایت مملوک کرتا ہے' ان میں عاقلہ دیت برداشت نہیں کرتی (بلکہ قاتل خود برداشت کرے گا) امام محمدؒ نے فرمایا اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ کا۔ اور ابن ابی لیلیٰؒ نے کہا کہ پختہ بات ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ غلام پر جنایت کی جائے یعنی اس کو کوئی آزاد آدمی قتل کر دے یا اس کو

زخمی کر دے تو جنایت کرنے والے کی عاقلہ پر کوئی چیز لازم نہیں آتی بلکہ اس غلام کی قیمت جنایت کرنے والے کے مال ہی سے ادا کرنا ہوگی۔ ابو عبیدؒ نے کہا کہ میں نے الاصمعیؒ سے اس بارہ میں تکرار کیا تو اس نے کہا کہ میرے نزدیک بات وہ صحیح ہے جو ابن ابی لیلیٰؒ نے کہی ہے اور اسی پر کلام عرب شاہد ہے اور اگر معنی وہ لیا جائے جو امام ابو حنیفہؒ نے لیا ہے تو عبارت اس طرح ہوتی لا تعقل العاقلة عن عبد حالانکہ اس طرح نہیں ہے بلکہ عبارت ہے ولا تعقل عبدا الخ۔

اور جو بات ابو عبیدؒ نے الاصمعیؒ سے نقل کی ہے' اس میں صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ابن ابی لیلیٰؒ کی رائے کی تائید کی ہے بخلاف اس کے جو صاحب قاموس اور اس کے ساتھیوں نے ذکر کی ہے پس بیشک اس میں تو جہالت کے ساتھ اجتہاد کے مقام پر جرات سے جا پڑنا لازم آتا ہے۔ (یعنی جہالت کا شکار آدمی جرات کرتے ہوئے اجتہاد کے مقام پر فائز شخصیت پر حملہ آور ہوتا ہے)

اور ہم نے جو وضاحت سے الآثار کے حوالہ سے لکھا ہے اس سے اسی مفہوم کا درست ہونا ظاہر ہوتا ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے سمجھا ہے اور جو آدمی تدبر سے کام لیتا ہے اس کے لیے محمد بن الحسنؒ کی وہ دلیل بہت ہی مناسب ہے جو پہلے گزری ہے اور اس مفہوم اور کلام عرب میں جو عقل عنه ودى عنه کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ان کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ بلکہ اس باب میں عقله مطلقاً عقل عنه کے معنی میں ہے خواہ عن کو حذف کریں یا اس کو ذکر کریں اس لیے کہ بیشک اصل کلام یہ ہے عقل فلان قوائم الجمال ليدفعها دية عن فلان کہ فلاں آدمی نے اونٹوں کے پاؤں باندھ دیے ہیں تا کہ وہ فلاں کی دیت میں دے دے۔ تو مفعول صریح سے بے نیاز ہوئے اور عن کو حذف کر کے اس کلام کو مدفوع عنه سے ملا دیا اور اس کو عقله پڑھنے لگے اور معنی یہ ہے کہ اس آدمی نے اس کی جانب سے دیت دی۔

اور یہ عربی زبان کے اسرار میں سے ہے جن کو سمجھنا ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے جو لغت عربی میں ماہر ہے اور عربیت میں لوگوں کے مقام کا درجہ بتانے میں رائے رکھتا ہے اور جو آثار حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ' ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ کے روایت کیے گئے ہیں' ان تمام کا مقصد ایک ہی ہے اور وہ وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے سمجھا ہے۔

اور الاصمعیؒ ایسا نہیں ہے کہ ابو یوسف کے سامنےؒ اس طرح کی کم عقلی کا مظاہرہ کر

سکے بلکہ وہ تو ان کے ساتھ انتہائی ادب سے پیش آتا تھا۔ پس نوادر الاصمعی میں ہے کہ اصمعیؒ نے کہا کہ ہم آپس میں اپنی دلی آرزوؤں کا اظہار کر رہے تھے تو میں نے ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھے جس مقام تک پہنچا دیا ہے' کیا تو نے کبھی اس سے زائد کی تمنا بھی کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں میں چاہتا ہوں کہ جمال میں ابن ابی لیلی جیسا اور زہد (پرہیز گاری) میں مسعر بن کدام جیسا اور فقہ میں ابو حنیفہؒ جیسا ہو جاؤں۔ اصمعی نے کہا کہ میں نے اس کا ذکر امیر المومنین یعنی الرشید کے سامنے کیا تو اس نے کہا کہ ابو یوسف نے جو آرزو کی ہے' وہ تو خلافت سے بھی بڑھ کر ہے۔

اور اگر ہم فرض کریں کہ بیشک الاصمعی ان لوگوں میں سے تھا جو امام صاحب کے ساتھیوں اور ساتھیوں کے ساتھیوں کے سامنے تو ایسی باتیں نہ کہتا تھا مگر دوسرے لوگوں سے کرتا تھا اور سامنے خوشی ظاہر کرتا اور پس پشت طعن و تشنیع کیا کرتا تھا اور ہم اس سے اس چیز کو بعید نہیں سمجھتے تو اس جیسے آدمی کی بات کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ پس اگر آپ اس تفصیل کو کافی نہیں سمجھتے جو ضعفاء کے بارہ میں لکھی گئی کتابوں میں ابو زید الانصاری جیسے آدمی کا اس کے متعلق قول ہے تو آپ ابو القاسم علی بن حمزۃ البصری کی کتاب التنبیھات علی اغالیط الروایات کا مطالعہ ضرور کریں تا کہ آپ اس حلق سے بزور بات نکالنے والے کی غلطیوں پر اور لوگوں کا کلام نقل کرنے میں اس کی امانت داری پر مطلع ہو جائیں۔ اور جو الاصمعی سے روایت کی گئی ہے اس کے رد کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ لغت میں ابو حنیفہؒ کو کمزور ثابت کرنے کے باب میں ابو قیس والے افسانہ کو اور فلم یفرق بین عقلتہ وعقلت عنہ حتی فھمتہ والی بناوٹی بات کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لیے کہ ائمہ (اربعہ) میں امام ابو حنیفہؒ ہی وہ ہیں جنہوں نے علوم عربیہ کے گہوارہ میں نشو ونما پائی اور عربی گھرانے میں پرورش پائی اور اسرار عربیہ میں راسخ ہیں یہاں تک کہ بیشک ابو سعید السیرافی اور ابو علی الفارسی اور ابن جنی جیسے عربیت کے ستونوں نے باب الایمان میں پائے جانے والے ان کے الفاظ کی شرح میں کتابیں لکھی ہیں اور ان کے لغت عربیہ میں اطلاع کا دائرہ وسیع ہونے پر وہ انتہائی متعجب ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اہل بصرہ اور اہل کوفہ کو عرب کے دیگر شہروں میں فصیح قبائل کی لغت نقل کرنے اور اس کو مدون کرنے اور اس کو علم اور فن بنانے میں امتیازی حیثیت عطا فرمائی ہے جیسا کہ امام سیوطیؒ کی کتاب المزہر ج ۱ ص ۱۲۸ میں ہے اور اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ غیر

عربی جماعتوں کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور ان کا مصر، شام، یمن اور بحرین کے مختلف عجمیوں اور حجاز اور طائف کے شہریوں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ان میں سے کس سے لغت لی جا سکتی ہے اور کس سے نہیں لی جا سکتی۔ اور اس کا کچھ حصہ فارابی کی کتاب الالفاظ سے نقل کیا گیا ہے اور اس مقام میں اس کی صراحت نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

اور امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب المزہر ج ۲ ص ۲۵۹ میں یہ بھی کہا ہے کہ ابو الطیب لغوی نے اپنی کتاب مراتب النحویین میں کہا ہے کہ عربیت کا علم صرف ان دو شہروں کوفہ اور بصرہ میں ہے۔ پس رہا مدینہ الرسول ﷺ تو ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں عربیت کا کوئی امام ہو۔

اور الاصمعی نے کہا کہ میں مدینہ میں کافی عرصہ ٹھہرا رہا۔ میں نے وہاں ایک بھی قصیدہ صحیحہ نہیں دیکھا (جو اغلاط سے پاک ہو) یا تو مصحفة تھا (کہ اس میں لفظی غلطیاں تھیں) یا مصنوعہ (بناوٹی) تھا الخ۔

اور بدیہی بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں کسی کے لیے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ فقہ میں بڑے بڑے فقہاء کو اپنے پیچھے چلائے جب تک کہ اجتہاد کے تمام اطراف میں اس کا علم وسیع نہ ہو چہ جائیکہ وہ لغت عربیہ میں کمزور ہو اور علم بیان پہلی چیز ہے جس کی جانب ایک عالم دعوت دینے میں محتاج ہوتا ہے بلکہ ہر زمانہ میں معاملہ اسی طرح رہا ہے۔ پس کم عقلی اور کمزور دینی ہے کہ ابو حنیفہؒ کی عربیت میں کمزوری کی طرف نسبت کی جائے اور اس کے لیے صرف دو افسانوں کو دلیل میں پیش کیا جائے۔ اور بنو امیہ کے آخر زمانہ میں حجاز میں کافی عرصہ ٹھہرنے نے بھی ان کی لغت کو برباد نہیں کیا اگرچہ حرمین کے شیوخ میں بہت سے ایسے تھے جو بہت سی غلطیاں کرنے والے تھے ان لوگوں کی کثرت کی وجہ سے جو عجم سے آتے رہے (تو ان سے میل جول کی وجہ ے زبان صاف نہ رہی) اور یہ سلسلہ تابعین کے آخر زمانہ تک رہا اور وہاں ایسے ائمہ بھی نہ پائے جاتے تھے جو لغت میں غلطی کو درست کرنے کے لیے فارغ ہوتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پس آپ نافعؒ کو جو حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور ربیعہؒ اور ان کے اصحاب ہی کو لے لیں کہ کتابوں میں کس قدر ان کی اغلاط کی نشاندہی کی گئی ہے اور لغت میں امام شافعیؒ کی حالت ظاہر ہونا ہی تو ابن فارس کے ان کے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کا سبب بنا تھا اور ابن دریدؒ اور

الازہریؒ کا ان کلمات معروفہ کو درست کرنے کی کوشش کرنا واضح ہے اور امام شافعیؒ کی لغت کے بارے میں امام الحرمین کا قول البرہان میں واضح ہے۔

رہے امام احمدؒ تو آپ مسائل ابی داؤد اور اسحاق بن منصور الکوسج اور عبد اللہ بن احمدؒ کو لے لیں تو آپ ایک صفحہ بھی قواعد کی صحت کے مطابق نہ پڑھ سکیں گے بلکہ لغت اور نحو میں غلطیوں کی کثرت آپ کا سر جھکا دے گی اور اگر فرض کر لیا جائے کہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف جو روایات منسوب کی گئی ہیں' وہ ثابت ہیں اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ الفاظ غلط ہیں تو کیا ان سے زندگی بھر میں ان کے سوا کوئی اور غلطی شمار کی گئی ہے۔ اور باقی ائمہ سے چشم پوشی اور امام ابو حنیفہؒ سے جو روایت کی گئی ہے اس کی تشہیر کرنے میں بد ترین تعصب کے سوا آخر کیا راز ہے؟ اور کون ہے جو کلام کرتے وقت ذرا بھی غلطی نہ کرے۔

اور ابو عمرو بن العلاء سے حکایت کی گئی ہے کہ بیشک وہ جب اپنے گھر والوں سے کلام کرتا تو اعراب کے لحاظ سے درست کلام نہ کرتا پھر جب وہ جامع مسجد پہنچتا تو اعراب کو خلط ملط کرتا پھر جب وہ المربد جو کہ بصرہ میں ادب کا بازار تھا وہاں پہنچتا تو اس پر ایک حرف کا مواخذہ نہ کیا جاتا اور جب اس بارہ میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ جب ہم ان سے ان کی طبیعتوں کے خلاف کلام کرتے ہیں تو ہم ان کے نفوس پر بوجھ ڈالتے ہیں (اس لیے لحاظ رکھ کر بات کرنا پڑتی ہے)

اور فراء کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ بیشک وہ رشید کے پاس گیا اور کلام میں غلطی کی پھر اس نے کہا اے امیر المومنین بیشک دیہاتیوں کی طبیعت اعراب کا لحاظ رکھنا ہے اور شہریوں کی طبیعتیں غلطی کر جاتی ہیں۔ پس جب میں بہت سوچ بچار سے بات کروں تو غلطی نہیں کرتا اور جب طبیعت کی جانب لوٹتا ہوں تو غلطی کرتا ہوں تو رشید نے اس بات کو بہت پسند کیا۔

اور مبرد نے اپنی کتاب اللحنہ میں ذکر کیا ہے کہ محمد بن القاسم التمامی نے الاصمعی سے روایت کی ہے کہ الاصمعی نے کہا کہ میں مدینہ میں حضرت مالک بن انس کے پاس گیا تو میں کبھی کسی سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوا جتنا ان سے ہوا تو جب انہوں نے کلام کیا تو غلطی کرنے لگے پس کہا مطرنا البارحة مطرا ای مطرا تو اس کے بعد ان کا مقام میری نظر میں گر گیا۔ تو میں نے کہا اے ابو عبد اللہ! بیشک آپ علم کے اس مقام کو پہنچ گئے ہیں پس کاش کہ آپ اپنی زبان بھی درست کر لیں تو انہوں نے کہا پس کیسے ہوتا اگر تم نے ربیعہ کو دیکھا

ہو تک ہم اس کو کہا کرتے تھے کہ آپ نے صبح کس حال میں کی تو وہ کہتے بِخَیرًا بِخَیرًا اصمعی نے کہا کہ اس وقت انہوں نے اپنے لیے غلطی میں اس کو پیشوا اور عذر بنا لیا۔

اور احمدؒ بن فارس نے اپنی کتاب الصاحبی ص ۳۱ میں کہا جبکہ وہ برا کہنے والا تھا اس کو جو امام مالکؒ پر اپنی عام گفتگو میں غلطی کرنے کا عیب لگانے والا تھا کہ انہوں نے کہا مطرنا البارحة مطرا ای مطرا ابن فارس نے کہا کہ لوگ ہمیشہ غلطی کر جاتے ہیں اور امام مالکؒ بھی باہمی گفتگو میں غلطی کر جاتے تا کہ ظاہر کریں کہ وہ بھی عوام کی عادت پر ہیں تو جو آدمی خواص سے انصاف کرتا ہے وہ اس کا عیب ان پر نہیں لگاتا اور پختہ بات ہے کہ عیب اس پر ہے جو لغت کے لحاظ سے ایسی غلطی کرتا ہے کہ جس سے شریعت کا حکم ہی بدل جاتا ہو واللہ المستعان لخ

کیا مخالفین میں کوئی ایک بھی رجل رشید نہیں جو اس طرح کا مستحسن عذر امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے پیش کر دیتا (جس طرح کا عذر ابن فارس نے امام مالکؒ کی طرف سے پیش کیا ہے) بجائے اس کے کہ وہ سارے تعصب اور پروپیگنڈہ کے بگل میں پھونکیں مارتے جاتے۔ اگر زندگی بھر میں ان سے ایک آدھ غلطی فرض کر بھی لی جائے تو باقی عمر کا کلام تو درست ہے لیکن لوگ سرچشمہ ہیں (جو ان کے اندر ہوتا ہے' وہی باہر نکلتا ہے)

اور ابن فارس لغت کا مشہور امام ہے اور وہ ایسی شخصیت ہے جس کے بارے میں المیدانی نے کہا کہ بیشک اس نے جب امام شافعیؒ کے غلط الفاظ کو درست کرنا شروع کیا تو اس سے اس بارہ میں پوچھا گیا تو اس نے کہا ھذا اصلاح الفاسد یہ برباد کی اصلاح ہے (یعنی مشکل کام ہے) اور جب اس پر ان اغلاط کی بہتات ہو گئی تو وہ ان کے مذہب سے نفرت کرنے لگا اور امام مالکؒ کے مذہب کی طرف منتقل ہو گیا تو اس کو کہا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا تو اس نے کہا کہ اس بات کا خوف کھاتے ہوئے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ یہ مال ودولت یا عہدہ کے لالچ میں ان کے مذہب کی طرف منتقل ہوا ہے (اس لیے کہ اس وقت حنفی حکمرانوں کا دور دورہ تھا) جیسا کہ مسعود بن شبہ کی کتاب التعلیم میں ہے۔

اور امام شافعیؒ کے کلام میں سے جس پر گرفت کی گئی ہے' یہ بھی ہے جو انہوں نے ان لا تعولوا کی تفسیر لا یکثر عیالکم سے کی ہے (کہ تمہارے عیال زیادہ نہ ہو جائیں) حالانکہ اس کا معنی الفراء' الکسائی' الاخفش' الزجاجی' الرمانی اور ابو علی الفارسی وغیرہم

جیسے ائمہ جمہور کے نزدیک اَنْ لَاَ تَمِیلُوا ہے (یعنی اگر تمہیں ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں لانے کی صورت میں خوف ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو ایک ہی عورت پر اکتفا کرو یہ بات زیادہ قریب ہے کہ تم ایک کی طرف نہ جھک پڑو گے)

اور انہوں نے نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ میں مؤصدة کی تفسیر حارة سے کی ہے حالانکہ اس کا معنی محیطة احاطہ کرنے والی ہے اور اس میں علماء کا اتفاق ہے۔

اور (وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ) مُكَلِّبِينَ کی تفسیر انہوں نے مُعَلِّمِي الْكِلَاب سے کی ہے (سکھائے ہوئے کتے) حالانکہ اس کا معنی مُرْسِلِي الْكِلَاب (چھوڑے ہوئے کتے) ہے۔

اور حضرت عمرؓ کا قول ہے لا شفعة فی البئر ولا فی الفحل کہ کنویں اور فحل میں شفعہ نہیں ہے تو امام شافعیؒ نے فحل کا معنی نر اونٹ اور بیل کیا ہے حالانکہ یہاں الفحل سے مراد فحل النخل ہے (یعنی کھجوروں کے درخت کہ زمین کے بغیر صرف درختوں میں شفعہ نہیں ہے)

اور تصریه کے بارے میں ان کا قول ہے کہ یہ ربط سے ہے (یعنی باندھنا) حالانکہ بیشک یہ جمع الماء فی الحوض سے ہے (یعنی حوض میں پانی جمع کرنا) یہاں تک کہ ابو عبید نے کہا کہ اگر مصرّاة اس کے مطابق ہوتا جو انہوں نے خیال کیا ہے تو یہ لفظ مصرّاة نہ ہوتا بلکہ مصرورة ہوتا۔

اور حضرت عمرؓ کا قول کانهم الیهود قد خرجوا من فهرهم (گویا کہ یہود بیشک نکلے اپنے عبادت خانوں سے) تو امام شافعیؒ نے فہر کا معنی کیا کہ ایسا گھر جو بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہو حالانکہ اس کا معنی ان کی عبادت گاہ یا ان کے اجتماع گاہ اور ان کی درس گاہیں ہیں خواہ عمارت میں ہوں یا صحراء میں۔

اور وہ پانی کی صفت المالح کے ساتھ کرتے ہیں حالانکہ بیشک اس کے ساتھ اس کی وصف نہیں کی جاتی اور قرآن کریم میں ملح اجاج ہے۔ اور بہرحال المالح تو اس کے ساتھ مچھلی وغیرہ کی وصف کی جاتی ہے۔

اور ان کا یہ کلام بھی ہے ثوب نسوی لفظة عامیة اور ان کا یہ قول بھی ہے کہ العفریت عین کے فتحہ کے ساتھ ہے حالانکہ ایسا کسی نے نہیں کہا۔

اور ان کا کلام ہے کہ اشلیت الکلب میں اشلیت زجرت کے معنی میں ہے

حالانکہ یہ معنی درست نہیں۔ درست یہ ہے کہ یہ اغریت کے معنی میں ہے جیسا کہ ثعلب وغیرہ نے کہا ہے۔ (اور زجر اور اغراء کے معنی میں فرق بالکل واضح ہے کہ زجر ڈانٹنے کو کہتے ہیں اور اغراء ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کے معنی میں ہے) اور ان کا قول مختصر المزنی میں ولیست الاذنان من الوجه فیغسلان ہے حالانکہ یہ فیغسلا ہونا چاہئے اور امام شافعیؒ کے اس کلام میں فیغسلان کے آخر میں نون ہے مگر کتاب کے طبع کرنے والے نے اپنے ہیر پھیر سے اس کو حذف کر دیا ہے اور اس طابع کی علم میں امانت اسی طرح ہے جیسا کہ اس کی امانت مرحوم مصطفیٰ باشا کے واقعہ میں ہے جو کہ علمی مجالس اور کچہریوں بلکہ بہت چلنے والی خبروں میں بھی مشہور ہے۔

اور امام شافعیؒ کا قول کہ واؤ ترتیب کے لیے اور باء تبعیض کے ہے' یہ ایسی بات ہے کہ ائمہ لسان میں سے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا بلکہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے اور باء الصاق کے لیے آتی ہے۔ اور ان (امام شافعیؒ) کی اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں جن سے چشم پوشی کی جاتی ہے جیسا کہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں چشم پوشی سے کام لیا ہے اور الاتقانی جیسے حضرات نے اصول میں لکھی گئی اپنی کتابوں میں اس پر سختی کا برتاؤ کیا ہے بلکہ محمد بن یحییٰ نے جاحظ سے نقل کیا ہے کہ بیشک اس نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا وہ آواز دے رہے تھے یَا مَعْشَرَ الْمَلاَّحُوْنَ تو میں نے ان سے کہا تیرا گھر تباہ ہو تو نے کلام میں غلطی کی ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ اہل سیف الحجاز (حجاز کے ساحل والوں) کی زبان ہے تو میں نے کہا کہ اسناد میں غلطی کرنا تو پہلی غلطی سے بھی بڑی ہے جیسا کہ یہ واقعہ کتاب التعلیم میں ہے۔

اور ہم لغت کے لحاظ سے امام اعظم کے مقام پر دیدہ دلیری سے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں ان کو وہ چیزیں یاد دلا کر جو ان کے ائمہ کے بارے میں لوگوں نے تحریر کی ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ ائمہ متبوعین عظمت میں اس حد سے بہت بلند ہیں کہ کوئی ان پر لغت میں ضعف کا عیب لگائے اس لیے کہ ان میں اجتہاد کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں اور ان شرائط میں لغت کو اس طرح جاننا شرط ہے جس طرح جاننے کا حق ہے اور بیشک امت کسی اور کی نہیں بلکہ ان ہی کی اتباع پر متفق ہے۔ اور زمانہ در زمانہ امت محمدیہ کمی بیشی کے ساتھ ان کے حصہ میں آتی رہی۔ اور اگر اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی مخفی راز نہ ہوتا تو اس طرح زمانہ در زمانہ امت ان کی پیروی نہ کرتی۔ ذلیل ہوں حیلے کرنے والے جو

بہت کم ہیں مگر بیشک بات سے بات نکلتی ہے (اس لیے یہ بحث طویل ہو گئی) لکھنے میں قلم جو حد اعتدال سے تجاوز کر گیا' اس میں اللہ تعالیٰ ہم سے بھی اور ان سے بھی چشم پوشی کا معاملہ فرمائے اور وہ ہمیں بھی اور ان کو بھی تمام احوال میں معاف فرمائے۔ اور ان چیزوں کے ذکر سے مقصد صرف حق کو اس کے نصاب کی طرف لوٹانا ہے اور الملک المعظم کی کتاب ج ۴ ص ۴۸ میں الجامع الکبیر وغیرہ کے حوالے سے بہت صراحت کے ساتھ اس بارہ میں تفصیلی بحث ہے جو امام صاحب کی لغت عربیہ میں براعت (فوقیت) اور اسرار عربیہ میں ان کی مہارت پر دلالت کرتی ہے اور یہ پرکھے ہوئے دلائل ہیں جن کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو بیمار حس والا ہو اور ذاتی کینہ ہو۔

اعتراض ۷ : (کہ امام ابو حنیفہؒ نے تُرْزَقَانِہٖ کی بجائے تُرْزَقَانُہٗ کی قراءۃ کو صحیح کہا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قراءۃ جو امام صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے' وہ ان کے مذہب میں لکھی گئی کسی کتاب میں نہیں ہے اور اس قراءۃ کو منسوب کرنے والے راوی کمزور ہیں تو اس قراءۃ کی امام صاحب کی طرف نسبت کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو بھی جائے تو پھر بھی اس قراءۃ کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ قراءۃ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قراءۃ ہے)

اور خطیبؒ نے ص ۳۳۲ میں برقانی' محمد بن العباس الخزاز' عمر بن سعد' عبد اللہ بن محمد' ابو مالک بن ابی بہز البجلی' عبد اللہ بن الصلح کی سند نقل کر کے بیان کیا کہ عبد اللہ بن صالح حضرت امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ لوگ سورۃ یوسف میں ایک جملہ پڑھتے ہیں تو اس میں غلطی کرتے ہیں تو میں نے کہا وہ کون سا جملہ ہے؟ تو انہوں نے کہا لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖ تو میں نے کہا کہ اس کا اصل تلفظ کس طرح ہے تو انہوں نے کہا تُرْزَقَانُهٗ

الجواب : میں کہتا ہوں کہ عام قراءۃ میں ترزقانه ہاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے جو قراءۃ بتائی' اس میں ہاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس روایت کی سند میں الخزاز ہے اور اس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس میں جو عمر ابن سعد ہے' وہ القراطیسی ہے اور عبد اللہ بن محمد وہ ہے جو ابن ابی الدنیا کے نام سے مشہور ہے اور ابو مالک جو ہے' وہ محمد بن الصقر بن عبد الرحمٰن بن بنت مالک بن مغول ہے جو ابن مالک بن مغول کے ساتھ

مشہور ہے۔ پس الصقر اور عبد الرحمٰن دونوں کذاب مشہور ہیں اور عبد اللہ بن صالح یہ لیث کا کاتب تھا اور اختلاط کے عارضہ میں مبتلا تھا۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے جو قراءۃ بتائی ہے' اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور پختہ بات ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی قراءۃ وہی ہے جو عاصم کی روایت ہے جس کو ابی عبد الرحمٰن السلمی اور زر بن حبیش نے روایت کیا ہے۔ پس تر زقانہ کی قراءۃ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اور دوسری تر زقانہ کی قراءۃ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس میں کسی قسم کے اعتراض والی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ جو قراءۃ خطیبؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کی ہے' وہ قراءۃ ان سے (ان کے مذہب میں لکھی گئی) شاذ کتابوں میں بھی نہیں اور نہ اس کتاب میں مذکور ہے جو ابو الفضل محمد بن جعفر الخزاعی نے امام ابو حنیفہؒ سے منقول قراءۃ کے بارے میں لکھی ہے۔ اور اس قراءۃ کی طرف زمخشری اور نسفی نے بھی کان نہیں لگائے حالانکہ انہوں نے ہر اس روایت کی توجیہ کرنے کی اپنے آپ پر ذمہ داری لی جو امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہیں۔ ان دونوں نے یہ خیال کیا کہ الخزاعی نے امام ابو حنیفہؒ کی قراءۃ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے' اس نے سچ کہا ہے حالانکہ بیشک ائمہ نے اس کو اس نسبت کرنے میں جھوٹا قرار دیا ہے جو اس نے قراءۃ کے بارے میں امام صاحب کی طرف نسبت کی ہے۔ پس اس قراءۃ کی توجیہ جو الملک المعظم نے کی ہے اس کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اعتراض ۸: (کہ سراج امتی والی روایت موضوع ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلم شریف وغیرہ کی روایت لوکان الایمان عند الثریا لتنا ولہ رجال من فارس میں بہت سے محدثین نے اس کا مصداق امام ابو حنیفہؒ کو قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں بشارت حدیث میں موجود ہے اور ھو سراج امتی والی روایت کو بہت سے راوی بیان کرتے ہیں۔ تو احادیث کے مجموعہ کو ملحوظ رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کا ان الفاظ کے ساتھ نہ سہی مگر اس کا اصل ہے (جیسے حضرت علیؓ کی شجاعت کے بارہ میں اگرچہ فرداً فرداً تمام روایات ضعیف بلکہ بعض موضوع ہیں مگر مجموعہ احادیث سے محدثین کرام حضرت علی کی شجاعت کی اصل ضرور مانتے ہیں۔ تو اسی طرح اگر کہہ دیا جائے کہ اس روایت کی کوئی نہ کوئی اصل ہے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں)

اور خطیبؒ نے ص ۳۳۴ میں ایک سند نقل کی عن عمر بن الخطاب۔ میں (علامہ

کوثری) کہتا ہوں کہ یہ درست نہیں ہے بلکہ صحیح سند اس طرح ہے عن ابراہیم عن اصحاب عمر بن الخطاب (اس لیے قارئین کرام کو خطیبؒ کی اس قسم کی کوتاہیوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے) اور اس (خطیب) نے ص ۳۳۵ میں القاضی ابوالعلاء محمد بن علی الواسطی، ابو عبد اللہ احمد بن احمد بن علی القصری، ابو زید الحسین بن الحسن بن علی بن عامر الکندی، ابوعبد اللہ محمد بن سعید البورقی المروزی، سلیمان بن جابر بن سلیمان بن یاسر بن جابر، بشر بن یحییٰ، الفضل بن موسیٰ السینانی، محمد بن عمرو کی سند نقل کر کے بیان کیا کہ محمد بن عمرو حضرت ابو سلمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان فی امتی رجلا "کہ بے شک میری امت میں ایک آدمی ہوگا" اور القصری کی حدیث میں ہے یکون فی امتی رجل اسمہ النعمان و کنیتہ ابوحنیفۃ کہ "میری امت میں ایک آدمی ہوگا جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہؒ ہوگی ھو سراج امتی ھو سراج امتی "وہ میری امت کا چراغ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا" مجھے ابوالعلاء الواسطی نے کہا کہ مجھ سے یہ حدیث القاضی ابوعبد اللہ الصیمری نے لکھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کے روایت کرنے میں البورقی منفرد ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ بدرالدین العینیؒ نے اپنی تاریخ کبیر میں اس کی ساری سندیں بیان کی ہیں۔ اتنی کثرت سے اس کی اسناد ہونے کی وجہ سے اس پر وضع کا حکم لگانا مشکل ہے۔ اور اس نے اپنی تاریخ کبیر میں حدیث کی اسناد نقل کرنے کے بعد کہا ہے۔ پس یہ حدیث جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، بے شک مختلف سندوں اور مختلف متون کے ساتھ روایت کی گئی ہے اور یہ روایت نبی کریم ﷺ سے متعدد راویوں نے کی ہے۔ پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا اصل ہے۔ اگرچہ بعض محدثین بلکہ ان کی اکثریت اس روایت کو منکر اور بعض اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور بسا اوقات یہ تعصب کا اثر بھی ہوتا ہے۔ اور اس حدیث کے راویوں کی اکثریت علماء حضرات کی ہے اور وہ امت کا بہترین طبقہ ہیں پس ان کی شان کے لائق نہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھیں۔ باوجودیکہ وہ اس وعید کو جانتے ہیں جو ایسے شخص کے بارہ میں روایت کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے۔ الخ

اور اسی طرح اس نے صراحت کے ساتھ اس کو اپنی اس کتاب میں امام ابو حنیفہؒ کے ترجمہ (حالات) میں بھی لکھا ہے جو اس نے طحاوی کے راویوں کے بارہ میں لکھی ہے جس کا

نام مغانی الاخیار ہے اور ان سندوں میں سے ہر سند کئی کئی طریقوں پر ہے۔ متن میں بھی اور سند میں بھی۔

جن سب کو ہم نے اپنی تاریخ البدری میں بیان کیا ہے اور محدثین اس حدیث کا انکار کرتے ہیں بلکہ ان کی اکثریت اس کے موضوع ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ لیکن اس کے مختلف طرق اور متون اور رواۃ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الخ۔ اور وہ عالم جو اپنی زندگی کا اکثر حصہ مظلوم رہا اور اسکی موت اس حال میں آتی ہے کہ وہ قید خانہ میں محبوس ہے اس کے باوجود اس کا علم مشرق سے مغرب تک جہان کے تمام اطراف میں پھیلتا ہے اور امت محمدیہ (علی صاحبہا التحیۃ والتسلیمات) کا نصف بلکہ دو تہائی طبقہ زمانہ در زمانہ مسلسل فقہ میں اس کی اتباع کرتا ہے۔ باوجودیکہ ایسے فقیہ' محدث اور مورخ مخالفین لگاتار اس سے اختلاف کرتے رہے جو اس کے لیے دشمنوں کے مرتبہ کے تھے تو یہ بہت بڑی خبر ہے۔ بعید نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں خبر دی ہو اس بنا پر کہ یہ غیبی خبروں میں سے ہے۔ اور اس کی فقاہت کی بادشاہت ان چیزوں میں سے ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہیں۔ اور علم میں ان کا مرتبہ پہچاننا ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ وہ ایسی حدیث کی طرف محتاج ہو جس میں علماء اختلاف کرتے ہیں۔ اور پختہ بات ہے کہ میں نے یہ کلام صرف ان کے بارے میں لوگوں کے اقوال بتانے کے لیے کی ہیں اور امام سیوطیؒ نے اپنی کتاب تبییض الصحیفہ میں فرمایا کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق خوش خبری دی ہے اس حدیث میں جس کو ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں نقل کیا ہے جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوکان العلم معلقا بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس کہ "اگر علم ثریا ستارہ کے ساتھ بھی معلق ہو تو فارس کے باشندوں میں سے کچھ لوگ ضرور اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے" اور الشیرازی نے اپنی کتاب الالقاب میں قیس بن سعد بن عبادہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا ستارہ کے ساتھ بھی لٹکا ہوا ہو تو فارس کے باشندوں کی ایک جماعت ضرور اس کو وہاں سے بھی حاصل کر لے گی۔ اور حضرت ابوہریرۃؓ کی حدیث کا اصل صحیح بخاری اور مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ ہے لوکان الایمان عند الثریا لتناولہ رجال من فارس "اگر ایمان ثریا ستارہ کے پاس بھی ہو تو فارس کے باشندوں میں سے کچھ لوگ ضرور اس کو حاصل کر

لیں گے۔ اور مسلم شریف کے الفاظ اس طرح ہیں لوکان الایمان عند الثریا لذهب به رجل من ابناء فارس حتی لتناوله کہ "اگر ایمان ثریا ستارہ کے پاس ہو تو فارسی نسل کا ایک آدمی ضرور وہاں تک پہنچ جائے گا" یہاں تک کہ اس کو حاصل کر لے گا۔ اور حضرت قیس بن سعد کی روایت معجم الطبرانی الکبیر میں ان الفاظ کے ساتھ ہے لوکان الایمان معلقا بالثریا لا تناله العرب لناله رجال من فارس کہ "اگر ایمان ثریا ستارہ کے ساتھ معلق ہو تو عرب اس کو حاصل نہ کر سکیں گے مگر فارسی نسل کے کچھ لوگ ضرور اس کو حاصل کر لیں گے۔"

اور معجم طبرانی میں ہی حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوکان الدین معلقا بالثریا لتناوله ناس من ابناء فارس کہ "اگر دین ثریا ستارہ کے ساتھ بھی معلق ہو تو فارسی نسل کے کچھ لوگ ضرور اس کو حاصل کر لیں گے۔" تو یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت کے باب میں اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ امام سیوطیؒ کی بات یہاں ختم ہوئی۔ مگر یہ بات محفوظ رکھنی چاہیے کہ مسلم کے الفاظ لوکان الدین کے ہیں۔ (اور امام سیوطیؒ نے لوکان الایمان کے الفاظ نقل کیے ہیں جو درست نہیں مگر اس کی توجیہ یہ کی جا سکتی ہے) کہ بے شک دین اور ایمان دونوں علم کی کوہان کی چوٹی ہیں۔ تو روایات معنی میں متحد ہیں اور جو کچھ صحیحین میں ہے وہ ماسوا سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ اور اس زمانہ میں جس آدمی نے حدیث کو کمزور کہا ہے تو اس نے اپنے ساتھ ظلم کیا اور وہ اہل علم کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے اور اس نے بے عقلی کی بات کی ہے۔ اور اس نے مومنوں کے راستہ کے علاوہ کی پیروی کی اور پختہ بات ہے کہ اس حدیث کے مصداق میں اختلاف ہے کہ لتناوله رجل من ابناء فارس میں رجل سے کون مراد ہے اور اسی طرح عالم المدینہ والی حدیث میں اور عالم قریش والی حدیث کی مراد میں اہل علم کے درمیان اختلاف مشہور ہے اور یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں ہے۔

اعتراض ۹: کہ امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ائمہ متقدمین کا نظریہ سراج امتی کے خلاف ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ عبارت تاریخ بغداد میں بعد میں اضافہ کی گئی ہے اور تاریخ بغداد میں خطیبؒ کی وفات کے بعد اضافہ کا اعتراف بہت سے محدثین نے کیا ہے)

اور خطیبؒ نے پہلے مصری طبع کے ص ۳۶۹ اور دوسری طبع کے ص ۳۷۰ میں کہا اور اسی طرح جب میں صفحات کے دو نمبر ذکر کروں تو یہی مراد ہو گا کہ یہ دو مختلف طبعوں کے

صفحات ہیں (خطیبؒ نے کہا) کہ حدیث نقل کرنے والے ائمہ متقدمین اور جن لوگوں کا حدیث کے راویوں میں ذکر کیا گیا ہے ان کا نظریہ امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس کے خلاف ہے (اور قاعدہ ہے کہ جب راوی کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت یا تو اس کے نزدیک ثابت نہیں ہوتی یا وہ روایت مؤول ہوتی ہے اور خطیبؒ صاحب بھی اس عبارت سے اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں)

الجواب: مجھے اس میں شک ہے کہ یہ الفاظ خطیبؒ نے خود کہے ہوں بلکہ راجح بات یہ ہے کہ یہ اس اضافہ کا حصہ ہے جو خطیبؒ کی وفات کے بعد تاریخ میں کر دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ میرا اس کے بارہ میں خیال یہ ہے کہ وہ خواہش کے جس مقام کو بھی پہنچ جائے اپنے لیے یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس جیسے کھلے تناقض میں واقع ہو۔ حالانکہ اس نے اپنی اسی کتاب میں ان راویوں پر ضعیف یا جھوٹا ہونے کی کلام (جرح) کی ہے جن سے (امام صاحب پر) طعن والی روایات ہیں جیساکہ اس کو الملک المعظم نے اپنی اس کتاب میں نقل کیا ہے جو اس نے خطیبؒ کے طرز میں لکھی ہے اور اسی طرح ہم نے بھی اس کا کلام نقل کیا ہے تو خطیبؒ اپنی بات بھولا نہیں ہوگا کہ ان ہی مطعون راویوں سے مروی روایات کو محفوظ روایات قرار دے دے۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے ہی ایسا کیا ہے تو ہم ان راویوں کے حالات سے متعلق صرف اسی (خطیب) کو ہی حاکم مان لیتے ہیں جو راوی ائمہ متقدمین کی زبان سے مطعون ثابت ہو چکے ہیں (تو قاعدہ کے مطابق تو روایت محفوظ نہیں ہو سکتی) ہاں اگر محفوظ سے مراد اس کی وہ ہے جو حدیث نقل کرنے والوں میں سے تعصب میں گھسی ہوئی جماعت کے ہاں محفوظ ہے تو پھر بات الگ ہے۔

اور بہرحال خطیبؒ کی تاریخ میں قلموں کا ہیر پھیر ایسا معاملہ ہے جو منہ توڑ دلائل سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اور بے شک الحافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی نے احمد بن الحسن پر جرح کی ہے جو کہ ابن خیرون کے لقب سے مشہور ہے اور یہ خطیبؒ کی وفات کے وقت اس کا وصی تھا۔ اور خطیبؒ نے اپنی کتابیں اس کے سپرد کر دی تھیں تو وہ کتابیں اس وصی کے گھر میں جل گئی تھیں اور ان میں خطیبؒ کا لکھا ہوا تاریخ بغداد کا نسخہ بھی تھا۔ یہاں تک کہ لوگ ابن خیرون کے نسخہ سے خطیبؒ کی تاریخ سے روایت کرنے لگے نہ کہ اس نسخہ سے جو کہ خطیبؒ کا لکھا ہوا تھا اور انہوں نے اس میں وہ باتیں بھی پائیں جو اس سے زائد تھیں جن کو انہوں

نے خطیبؒ سے سنا تھا تو انہوں نے کہا کہ بے شک ابن خیرون ہی نے اس میں اضافہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ ابوالفضل المقدسی نے ابن خیرون کا انتہائی برے الفاظ سے ذکر کیا۔ اگرچہ یہ بات امام ذہبیؒ کو اچھی نہیں لگی مگر انہوں نے خود میزان الاعتدال میں ابن الجوزی سے نقل کیا ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ میں نے اپنے مشائخ سے سنا ہے' وہ کہتے تھے کہ بے شک خطیبؒ نے ابن خیرون کو وصیت کی تھی کہ اس کی تاریخ میں کچھ ایسے اوراق کا اضافہ کرے جن کو وہ اپنی زندگی میں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ اس تاریخ بغداد میں زیادتی ایسی کھلی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن وہاں روایت ہے کہ بے شک اس نے وصیت کی تھی تو بعد میں اضافہ کا ہونا خود مولف کی گردن پر ہے یا زیادتی کرنے والا ابن خیرون ہی ہے تو ابوالفضل المقدسی کی رائے کے مطابق ابن خیرون اس درجہ سے ساقط ہوگیا کہ اس کی روایت مقبول ہو اور ہم یہاں ذہبیؒ اور ابن الجوزی کی کلام کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی سمجھتے ہیں اور صرف ابوالفضل کے کلام کو پیش کیا ہے تا کہ دیکھنے والا اس جیسی وصیت میں اور اس زیادتی کے بارہ میں اپنی رائے قائم کر سکے۔ اور عجیب بات ہے کہ تاریخ بغداد میں امام ابوحنیفہؒ کے جن عیوب کا ذکر کیا گیا ہے وہ عالم الملوک الملک المعظم عیسیٰ الایوبی کے حنفی ہونے کے بعد ہی مشہور کیے گئے ہیں اور اسی لیے وہ پہلا شخص تھا جس نے ان کا رد کیا اور اگر یہ عیوب اس سے پہلے مشہور ہو جاتے تو علماء ان کی تردید میں دیر نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے عبد القاہر البغدادی اور ابن الجوینی اور ابوحامد الطوسی وغیرہ سے کیا ہے۔ اور سبط ابن الجوزیؒ نے بھی اپنی کتاب میں خطیبؒ کا رد الملک المعظم کے زمانہ میں ہی کیا ہے جس کا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار رکھا اور یہ دو جلدوں میں ہے۔

اعتراض ۱۰: (کہ بڑے بڑے محدثین نے امام ابوحنیفہؒ کی تردید کی ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ محدثین کرام کی اکثریت نے امام ابوحنیفہؒ کی تعریف کی ہے اور خطیبؒ نے امام صاحب کی تردید کرنے والوں میں بہت سے حضرات کے نام غلط شامل کیے ہیں اس لیے کہ صحیح روایات کے مطابق ان سے امام صاحب کی تعریف ثابت ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۶۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۷۰ میں محمد بن احمد بن رزق۔ ابوبکر احمد بن جعفر بن محمد بن سلم الختلی۔ ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار کی سند

نقل کر کے بیان کیا کہ ابوبکر احمد بن جعفر کہتے ہیں کہ ہمیں جمادی الاخری ۲۸۸ھ میں ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار نے لکھوایا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے ابوحنیفہؒ کی تردید کی ہے۔ ان میں ایوب السختیانی' جریر بن حازم' ہمام بن یحییٰ' حماد بن سلمہ' حماد بن زید' ابو عوانہ' عبد الوارث' سوار العنبری القاضی' یزید بن زریع' علی ابن عاصم' مالک بن انس' جعفر بن محمد' عمر بن قیس' ابو عبد الرحمٰن المقری' سعید بن عبدالعزیز' امام اوزاعی' عبد اللہ بن المبارک' ابو اسحاق الفزاری' یوسف بن اسباط' محمد بن جابر' سفیانؒ ثوری' سفیانؒ بن عیینہ' حماد بن ابی سلیمان' ابن ابی لیلیٰ' حفص بن غیاث' ابوبکر بن عیاش' شریک بن عبد اللہ' وکیع بن الجراح' رقبہ بن مصقلہ' الفضل بن موسیٰ' عیسیٰ بن یونس' حجاج بن ارطاۃ' مالک بن مغول' قاسم بن حبیب اور ابن شبرمہ جیسی شخصیات ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اگر مقصد یہ ہے کہ دلیل کو دلیل کے مقابلہ میں پیش کرنا تو اس بارہ میں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اہل علم کے لیے میدان بہت وسیع رہا ہے اس لیے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا دین مجتہدین میں سے کسی ایک پر موقوف نہیں ہے اور فقہاء میں سے ہر ایک کے کلام میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور رد کیا جا سکتا ہے (جس کی کسی بات پر نہ مواخذہ ہو سکے اور نہ اس کو رد کیا جا سکے) یہ مقام تو صرف اس شخصیت کو حاصل ہے جو مدینہ منورہ میں خوشبو دار مزار میں تشریف فرما ہے ﷺ۔ اور اگر اس سے مراد بہتان تراشی کے ساتھ عیب لگانا ہے اور اس میں ایسے سلف کی طرف نسبت کر کے دشنام طرازی کرنا ہے جن کی زبانیں اس تہمت سے پاک ہیں جیسا کہ خطیبؒ کا الابار کی سند سے نقل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے تو دنیا اور آخرت میں اس کا دکھ وہی برداشت کرتا ہے جو جھوٹ گھڑنے والا بہتان تراش ہو۔ اور خطیبؒ کا اس روایت کو ناقلین کے ہاں محفوظ روایات کے زمرہ میں ذکر کرنا گہری نظر رکھنے والے حضرات پر ظاہر کر دے گا کہ وہ ان شرائط کا کس قدر لحاظ رکھنے والا ہے جو اس نے اپنے لیے لازم کی تھیں۔ بھلا ابن رزق عن ابن سلم عن الابار کی سند سے مروی روایت بھی محفوظ ہو سکتی ہے؟

پس ابن رزق جو ہے وہ ابو الحسن بن رزقویہ ہے اور پختہ بات ہے کہ خطیبؒ نے اس کے پاس آنا جانا اس کے بوڑھا ہو جانے اور نابینا ہو جانے کے بعد شروع کیا تھا اور نابینا آدمی سے وہی چیز لی جا سکتی ہے جو اس کو ازبریاد ہو یعنی قرآن کریم یا حدیث اس لیے کہ اس جیسے آدمی سے ان ہی چیزوں کو یاد کرنا عادةً جاری ہے حالانکہ اس میں بھی ممکن ہے کہ اس کو یاد

رکھنے یا اس کے ہاں اس چیز کے ثابت ہونے میں اس سے خطا ہو۔ بہرحال تاریخی کتابیں اور قصے کہانیاں اور لمبے چوڑے واقعات تو ان کو یاد رکھنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا جس کی بینائی درست نہ ہو اور علماء میں سے وہ جو اپنی آنکھ اور اعضا میں کچھ نقص نہیں پاتا وہ بھی طاقت نہیں رکھتا کہ ان چیزوں کو ان کی سندوں کے ساتھ درست بیان کر سکے چہ جائیکہ ایسا آدمی جس کے اعضاء جواب دے چکے ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہو اور آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی ہو اور وہ نظر جیسی نعمت سے محروم ہو تو وہ کیسے ان کو سندوں کے ساتھ صحیح بیان کر سکے گا اور اس قسم کے نابینا آدمی سے کثرت سے صرف وہی آدمی روایات کرے گا جو اپنی کسی ذاتی غرض کی وجہ سے روایت میں تساہل سے کام لینے والا ہو اور اس کو اپنے شیوخ کے اندھاپن کے بدلے میں اس کی خواہشات نے اندھا کر دیا ہو۔ آگاہ رہو کہ بیشک خطیبؒ کی کتاب اس نابینا کی روایات سے بھری پڑی ہے اور بہت ہلکے الفاظ جو اس کے شیخ ابن سلم کے بارے میں کہے گئے ہیں' یہ ہیں کہ بیشک وہ بصیرت سے اندھا متعصب تھا اور اس روایت کے راوی الابار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حشوی تھا بہت بہتان تراش تھا اور اس کا قلم اجرتی تھا (یعنی جو بھی رقم دے کر اپنی مرضی کا لکھوانا چاہتا' یہ لکھ دیتا تھا) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹ میں کہا کہ جن محدثین کرام نے امام ابو حنیفہؒ سے روایات کی ہیں اور ان کی تعریف کی ہے ان کی تعداد زیادہ ہے ان سے جنہوں نے ان پر جرح کی ہے اور محدثین کرام میں سے جن حضرات نے ان پر کلام کیا ہے تو انہوں نے (کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ) صرف ان کے رائے اور قیاس میں مبالغہ کرنے اور ان کو مرجئہ قرار دینے کی وجہ سے کلام کیا ہے اور جو ان کے بارے میں لوگوں کی آراء (تعریف وطعن میں) مختلف ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے تو اس طریق کار کو تو گزرے ہوئے زمانہ سے آدمی کی عظمت پر دلیل بنایا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا آپ حضرت علی بن ابی طالب کی طرف نہیں دیکھتے کہ ان کے بارے میں دو قسم کے لوگ تباہ و برباد ہوئے۔ ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والے (کہ انہوں نے ان میں خدائی صفات بھی مان لیں) اور ان سے بہت بغض رکھنے والے (کہ معاذ اللہ وہ ان کو خلیفہ راشد بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں) اور بیشک حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس (حضرت علیؓ) کے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے' بہت زیادہ محبت کے دعویدار اور افتراء باندھنے والے بغض رکھنے والے۔ اور عظمت والے لوگوں کی اور ان کی جو دین اور فضل میں انتہائی درجہ کو پہنچے

ہوئے ہوں' ان کی یہی حالت ہوتی ہے (کہ لوگ یا تو ان کے ساتھ ناجائز حد تک عقیدت رکھتے ہیں یا دشمنی کرتے ہوئے ان کے عیوب بیان کرتے ہیں) واللہ اعلم الخ

اور قیاسوں میں غالب ہونا تو محدثین کے معلومات پر بلند ہوتا ہے (یعنی ایسے شخص کا علم محدثین کی معلومات سے زیادہ ہوگا) اور جس ارجاء کی نسبت امام صاحب کی طرف کی گئی ہے اس کی تحقیق آگے آ رہی ہے۔ ابن عبد البرؒ کا کلام کہاں (جو امام صاحب کی تعریف میں ہے) اور خطیبؒ کا طریق کار کہاں؟

اور اگر خطیبؒ حقیقتاً اس بارہ میں محفوظ روایت کو ذکر کرنے کا ارادہ کرتا تو ضرور وہ روایت ذکر کرتا جو صاحب العقیلی نے ذکر کی ہے اور اس کی روایت ابو یعقوب یوسف بن احمد الصیدلانی المکی الحافظ نے کی ہے جو ابن الدخیل المصری کے نام سے مشہور ہے جس کی وفات ۳۸۸ھ ہے۔ یہ روایت اس نے اپنی اس کتاب میں ذکر کی ہے جو اس نے امام ابو حنیفہؒ کے مناقب میں العقیلی کے خلاف لکھی ہے جبکہ اس نے امام صاحب کے خلاف دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا جیسا کہ ابن عبد البرؒ نے اپنی کتاب الانتقاء میں نقل کیا ہے جو اس نے اپنے شیخ الحکم بن المنذر عن ابن الدخیل کی سند سے روایت بیان کی ہے اور مختلف سندوں کے ساتھ اس نے اہل علم کے اقوال ان کے مناقب میں نقل کیے ہیں۔ اور پختہ بات ہے کہ ابن الدخیل نے اس کتاب کے لکھنے اور اس کو مشہور کرنے کی مشقت اس شخص کی وجہ سے اٹھائی جو اپنے علم اور پرہیزگاری کی وجہ سے اس چیز کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے جو العقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں لکھی ہے۔ وہ کتاب جس کی عقیلی سے روایت کرنے میں ابن الدخیل منفرد تھا اور ابن الدخیل متہم نہیں ہے اس چیز کو نقل کرنے میں جو اس نے مناقب ابی حنیفہؒ میں بیان کیا ہے اور نہ ہی وہ ان کا ہم مذہب ہے تا کہ گمان کیا جائے کہ اس نے ان کی طرفداری کی ہے اور بیشک اس نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں ان لوگوں کے زمرہ میں جنہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے' ان میں ابو جعفر محمد الباقر' حماد بن ابی سلیمان' مسعر بن کدام' ایوب السختیانی' الاعمش' شعبہ' الثوری' ابن عیینہ' مغیرہ بن مقسم' الحسن بن الصالح بن حی' سعید بن ابی عروبہ' حماد بن زید' شریک القاضی' ابن شبرمہ' یحیٰی بن سعید القطان' عبد اللہ بن المبارک' قاسم بن معن' حجر بن عبد الجبار' زہیر بن معاویہ' ابن جریج' عبد الرزاق' امام شافعی' وکیع' خالد الواسطی' فضل بن موسیٰ السینانی' عیسیٰ بن یونس' عبد الحمید الحمانی' معمر بن راشد' النضر بن محمد'

یونس بن ابی اسحاق' اسرائیل بن یونس' زفر بن الهذیل' عثمان البتی' جریر بن عبد الحمید' ابو مقاتل حفص بن سلم' ابو یوسف القاضی' سلم بن سالم البلخی' یحییٰ بن آدم' یزید بن ہارون' ابن ابی رزمہ' سعید بن سالم القداح' شداد بن حکیم' خارجہ بن مصعب' خلف بن ایوب' ابو عبد الرحمٰن المقری' محمد بن سائب' حسن بن عمارہ' ابو نعیم الفضل بن دکین' حکم بن ہشام' یزید بن زریع' عبد اللہ بن داؤد الخریبی' محمد بن فضیل' زکریا بن ابی زائدہ' اور اس کا بیٹا یحییٰ' زائدہ بن قدامہ' یحییٰ بن معین' مالک بن مغول' ابوبکر بن عیاش' ابو خالد الاحمر' قیس بن الربیع' ابو عاصم النبیل' عبید اللہ بن موسیٰ' محمد بن جابر' الاصمعی' شقیق البلخی' علی بن عاصم' ابو یحییٰ بن نصر جیسے حضرات کا ذکر بھی کیا ہے۔

ان تمام حضرات نے اس (امام ابوحنیفہ) کی تعریف کی ہے اور مختلف الفاظ میں ان کی مدح بیان کی ہے ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ان کے اکثر تعریفی الفاظ نقل کرنے کے بعد کہا کہ یہ اس کے شیخ الحکم بن المنذر القرطبی نے ابن الدخیل المکی سے روایت کیے ہیں۔ اور ان سب الفاظ کو ابو یعقوب یوسف بن احمد بن یوسف المکی نے اپنی اس کتاب میں ذکر کیا ہے جو اس نے امام ابوحنیفہؒ کے فضائل اور ان کی اخبار کے بارہ میں تالیف کی ہے اور ابویعقوب ابن الدخیل کے لقب سے مشہور ہے اور العقیلی کی مرویات کا راوی ہے۔ اور ابن عبد البرؒ نے اپنی سندیوں بیان کی حدثنا الحکم بن المنذر عنہ الخ اور ابن عبد البرؒ اور الحکم بن المنذر اور ابن الدخیل ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے مناقب میں کسی بھی ذریعہ سے غیر محفوظ روایت کرنے کے ساتھ متہم ہوں اور امانت اور حفظ میں ان کے حالات معروف ہیں۔ اور نہ ہی یہ حضرات ان کے ہم مذہب ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے بارہ میں ان کی طرفداری کا وہم کیا جائے۔ اور ابن الدخیل الصیدلانی تو العتیقی کے اساتذہ میں سے ہے جو کہ خطیبؒ کا شیخ ہے۔ اور ابن عبد البرؒ المالکی کے طریق کار اور خطیبؒ الشافعیؒ کے عمل میں عبرت کا مقام ہے۔ بے شک پہلے (ابن عبد البرؒ) نے مناقب ابی حنیفہؒ میں الانتقاء میں وہ کچھ ذکر کیا ہے جو اس نے ثقہ اور امین راوی ابن الدخیل سے لیا ہے۔ اور دوسرے (خطیب) نے ان چیزوں کو نقل کرنا کافی سمجھا جس کو الابار نے لکھا جو کہ متہم بھی ہے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے بارہ میں بدظنی کی وجہ سے ناپسندیدہ بھی ہے۔ اور اسی سے دین اور امانت میں ان دونوں (ابن عبد البرؒ اور خطیبؒ) کے درمیان فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ (ابن عبد البر) اندلسی ہے جو کہ خبروں کو صاف ستھرے

مصادر سے نقل کرتا ہے اور یہ (خطیب) مشرقی ہے جو انتہائی تاریک چشمہ سے پانی نکالتا ہے (یعنی کہیں نقل کرتا ہے) جو ناتجربہ کار کا مقصود ہوتا ہے۔

اور بے شک الحافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعیؒ نے اپنی کتاب عقود الجمان میں کہا "آپ خوب جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی اور آپ پر بھی رحم فرمائے۔ بے شک امام ابوحنیفہؒ کے بارہ میں خطیبؒ نے جو طعن کی روایات نقل کی ہیں ان میں سے اکثر روایات کی سندیں یا تو متکلم فیہ راویوں سے خالی نہیں یا ان میں مجہول راوی ہیں اور کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ اس جیسی روایات کے ساتھ کسی مسلمان کی عزت کو داغ دار کرے۔ تو مسلمانوں کے اماموں کے امام کی عزت کو ان روایات کے ساتھ داغدار کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ جس کا قول نقل کیا گیا ہے اس سے وہ قول ثابت ہے تو اگر وہ قائل امام ابوحنیفہؒ کا ہم زمانہ نہیں تو اس نے نہ ان کو دیکھا اور نہ ان کے احوال کا مشاہدہ کیا بلکہ اس نے مخالفین کی جانب سے لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کی تقلید کی۔ تو ایسے آدمی کی بات کی طرف بالکل توجہ نہیں کی جا سکتی اور اگر وہ قائل امام ابوحنیفہؒ کا ہم زمانہ ہے' اور ان سے حسد کرنے والا ہے تو اس کی بات کی طرف بھی توجہ نہیں کی جا سکتی۔ اور بے شک ان میں سے بہت سے حضرات نے انتہائی کوشش کی کہ ابوحنیفہ کو امام کے مرتبہ سے گرا دیں اور ان کے ہم زمانہ لوگوں کے دلوں کو ان کی محبت سے پھیر دیں۔ مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکے اور امام صاحب کے بارہ میں ان کا کلام موثر نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے کہا پس ہم نے معلوم کر لیا کہ بے شک یہ (امام صاحب کا عزت و وقار) آسمانی فیصلہ ہے اس میں کسی کا کوئی حیلہ نہیں ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ بلند کرے مخلوق اس کو ذلیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔ امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں کہا اور ان کی پیروی کرتے ہوئے ابن حجرؒ نے بھی اللسان میں کہا کہ ہمسر لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کے بارہ میں جو کلام کی اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ بالخصوص جبکہ یہ آشکارا ہو جائے کہ بے شک وہ کلام (جس کے بارہ میں کہی گئی ہے) اس کی یا اس کے مذہب کی عداوت کی وجہ سے ہے۔ الخ

اور جو بات کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نہیں تو خطیبؒ کیسے اس کی طرف دعوت دیتا ہے؟ اور اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک خطیبؒ امام صاجب کے مذہب والوں

کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس پر ابو حامد الاسفرائینی کے زمانہ میں قاضی کی طرف سے آزمائش پہنچی جس کے رونما ہونے کا ذکر المقریزی کی تحریرات سے نقل کرتے ہوئے پہلے ہو چکا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اس قسم کی بے تکی باتیں نہ کرتا اور اس قدر پستی میں نہ جاتا۔ اور یہی نتیجہ ہوتا ہے دنیاوی لالچ رکھنے والے کا جبکہ پرہیزگاری درمیان میں رکاوٹ نہ ہو۔

اعتراض ۱۱: (کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ ہم یہاں بھی مومن ہیں اور اللہ کے ہاں بھی مومن ہیں اور وکیعؒ نے اس قول کو پسند نہیں کیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وکیعؒ کا قول نقل کرنے میں ہیر پھیر سے کام لیا گیا ہے اور امام ابو حنیفہؒ جیسا نظریہ ابن عمرؓ کا بھی مروی ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۰ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۱ میں الخلال کے بھائی الحسین بن محمد بن الحسن' جبریل بن محمد المعدل بہمذان' محمد بن جبویہ النخاس' محمود بن غیلان۔ وکیعؒ کی سند ذکر کر کے کہا کہ وکیعؒ کہتے ہیں کہ میں نے سفیانؒ ثوری سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم مومن ہیں اور ہمارے نزدیک اہل قبلہ بیاہ و شادی' وراثت' نماز اور اقرار کے احکام میں مومن ہیں اور ہمارے گناہ بھی ہیں اس لیے ہم نہیں جانتے کہ ہمارا حال اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ہے؟ وکیعؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ جو شخص سفیانؒ جیسا قول کرتا ہے وہ ہمارے نزدیک شک کرنے والا ہے نحن المؤمنون هنا وعند الله حقا "ہم یہاں بھی مومن ہیں اور اللہ کے ہاں بھی پکے مومن ہیں۔" وکیعؒ نے کہا کہ ہم تو سفیانؒ کی بات کو پسند کرتے ہیں اور ابو حنیفہؒ کا قول ہمارے نزدیک بے باکی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ مطبوعہ تینوں نسخوں میں راوی کا نام حیویہ لکھا ہوا ہے اور یہ تصحیف ہے کیونکہ صحیح نام جبویہ جیم کے فتحہ اور باء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور محمد بن العباس الخزاز جو ابن حیویہ کے ساتھ مشہور ہے وہ تو بہت بعد زمانہ کا ہے اس نے بالکل محمود بن غیلان کو نہیں پایا۔ پس دوسری طبع کے حاشیہ میں جو یہ تعلیل کی گئی ہے کہ خبر اس کے ذریعہ سے ہے تو یہ محض وہم ہے اور درست بات یہی ہے کہ اس سند میں جو محمد ہے وہ ابن جبویہ النخاس الہمذانی ہے اور تلخیص المستدرک میں امام ذہبیؒ نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے مینا کی حدیث میں کہا کہ ابن جبويه متهم بالكذب کیا پس مولف (یعنی امام حاکمؒ) کو شرم نہیں آتی کہ ان افسانوں کو ان احادیث کے ضمن میں پیش کر رہا ہے جن

میں اس نے شیخین کی شرائط کے مطابق ان سے چھوٹ جانے والی روایات ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ الخ۔ تو اس جیسی سند کے ساتھ وکیعؒ سے یہ خبر صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور ان سے جو صحیح طور پر مذکور ہے وہ روایت ہے جو الحافظ ابوالقاسم بن ابی العوامؒ نے جو کہ نسائی اور طحاوی کا ساتھی ہے' اس نے اپنی کتاب فضائل ابی حنیفۃؒ واصحابہ میں پیش کی ہے جو کتاب دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے اور اس پر بہت سے بڑے بڑے اکابر علماء کی تحریرات اور ان کی سماعات (کہ انہوں نے صراحت کی ہے کہ یہ فلاں سے سنی ہے) اور وہ کتاب السلفی کی مرویات میں سے ہے۔ اس نے محمد بن احمد بن حماد' ابراہیم بن جنید' عبید بن یعیش' وکیعؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ وکیعؒ نے کہا کہ سفیانؒ ثوری سے جب پوچھا جاتا امومن انت "کیا آپ مومن ہیں؟" تو وہ کہتے نعم "ہاں" تو جب ان سے پوچھا جاتا عند اللہ "کیا آپ اللہ کے ہاں بھی مومن ہیں؟" تو وہ کہتے ہیں ارجو "مجھے امید ہے کہ اللہ کے ہاں بھی مومن ہوں گا۔" اور ابوحنیفہؒ کہا کرتے تھے انا مومن ھھنا وعند اللہ "میں یہاں بھی اور اللہ کے ہاں بھی مومن ہوں۔" وکیعؒ نے کہا کہ سفیانؒ کا قول ہمیں زیادہ اچھا لگتا ہے۔ الخ۔ اس قول کی اس (خطیبؒ کے ذکر کردہ قول) سے کیا نسبت ہے؟ (یعنی اس سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے) تو اس سے ظاہر ہوگیا کہ خطیبؒ نے ابن حیویہ کذاب کی سند سے جو نقل کیا ہے اس میں ہیر پھیر ہے۔ (روایت کی حالت تو بالکل واضح ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں محفوظ روایت اس جیسی ہوتی ہے۔ نسال اللہ العافیۃ "ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔"

اور اس مقام کے مناسب ہے وہ جو الحافظ شرف الدین الدمیاطیؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے جس کا نام العقد المثمن فیمن یسمی بعبد المومن ہے۔ جیسا کہ اس کو اس سے الحافظ عبدالقادر القرشی نے اپنی طبقات میں روایت کیا ہے۔ جہاں اس نے ذکر کیا ہے کہ مجھے الحافظ عبدالمومن الدمیاطیؒ نے بتلایا اور میں اس کو اس کی تحریر سے نقل کر رہا ہوں جو اس نے اپنی مذکورہ کتاب میں لکھی ہے کہ ہمیں عجیبہ بنت محمد بن ابی غالب نے اپنی اس ابی احمد معمر بن عبد الواحد بن الفاخر۔ ابو المحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی' الحافظ ابونصر عبد الکریم بن محمد الشیرازی ابن بنت بشر الحافی' ابوالقاسم الحسین بن احمد بن محمد بن فضلویہ الرامخانی القاضی' ابوحنیفہ عبد المومن التیمی حنفی' عبد الرحمٰن بن یزید الفقیہ' ابوالحسن علی بن نصر' محمد بن توکرد الرویانی' محمد بن سلمہ ابویوسف القاضی' امام ابوحنیفہ' موسیٰ بن ابی کثیر کی سند

کے ساتھ لکھ کر بھیجا کہ موسیٰ بن ابی کثیر نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ہمارے سامنے اپنی بکری نکالی تو ایک آدمی سے کہا کہ اس کو ذبح کر تو اس سے چھری پکڑی تا کہ اس کو ذبح کرے تو حضرت ابن عمرؓ نے اس سے پوچھا امومن انت؟ "کیا تو مومن ہے؟" تو اس نے کہا انا مومن انشاء اللہ "میں انشاء اللہ مومن ہوں۔" تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ چھری مجھے دے دے اور جہاں اللہ نے تیرا مومن ہونا چاہا ہے وہاں چلا جا۔ کہتے ہیں کہ پھر ایک اور آدمی گزرا تو اس سے فرمایا کہ تو ہماری یہ بکری ذبح کر دے تو اس نے چھری پکڑی تا کہ اس کو ذبح کرے تو اس سے پوچھا امومن انت؟ "کیا تو مومن ہے؟" تو اس نے کہا انا مؤمن انشاء اللہ تعالٰی "میں انشاء اللہ تعالیٰ مومن ہوں" موسیٰ بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس سے بھی چھری لے لی اور کہا جا چلا جا پھر ایک اور آدمی سے کہا کہ تو ہماری یہ بکری ذبح کر دے تو اس نے چھری پکڑی تا کہ اس کو ذبح کرے تو اس سے پوچھا امؤمن انت؟ "کیا تو مومن ہے؟" تو اس نے کہا ہاں انا مؤمن فی السر و مؤمن فی العلانیه "میں اندر سے بھی مومن ہوں اور علانیہ بھی مومن ہوں۔" تو حضرت ابن عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تو ذبح کر دے۔ پھر فرمایا الحمد للہ الذی ما ذبح لنا رجل شک فی ایمانہ "تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ ذات جس نے ہماری بکری ایسے آدمی سے ذبح نہیں کروائی جو اپنے ایمان میں شک کرتا ہے۔" الخ (تو جب انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کہنا حضرت ابن عمرؓ نے پسند نہیں فرمایا تو اگر امام ابو حنیفہؒ بھی اس کو پسند نہیں کرتے تو اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔) قرشی نے کہا' میں کہتا ہوں کہ موسیٰ بن ابی کثیر مجہول ہے۔ انتہی۔

(علامہ کوثریؒ اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول نہیں ہے بلکہ) وہ الانصاری ہے جو ابن المسیب سے روایت کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی روایت ابن المسیبؒ سے صحاح ستہ میں نہیں ہے لیکن اس کا ہم زمانہ ہونا اس کی عمر اور اس کے طبقہ کو ظاہر کرتا ہے اور سلف صالحین میں سے جنہوں نے ایمان میں (انشاء اللہ کی) استثناء کا قول کیا ہے تو انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ خاتمہ کا علم کسی کو نہیں (نہ جانے خاتمہ کس حالت پر ہوتا ہے) ورنہ تو یہ استثناء یقین کے منافی ہے۔ (اور ایمان یقین محکم کا نام ہے) واللہ اعلم۔

اعتراض ۱۲: کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ جو آدمی کعبہ کو حق مانتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی گواہی دیتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ مدینہ میں مدفون ہیں یا نہیں تو وہ مومن ہے اور امام حمیدیؒ نے کہا کہ ایسا قول کرنے والا کافر

ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے کیونکہ اس واقعہ کے راوی مجروح ہیں اور یہ واقعہ امام صاحب کے واضح نظریہ کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر کعبہ کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۷۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۳ میں علی بن محمد بن عبد اللہ المعدل۔ محمد بن عمرو البختری الرزاز، حنبل بن اسحاق، حمیدی، حمزہ بن الحارث بن عمیر عن ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ الحارث بن عمیر نے کہا کہ میں نے ایک آدمی کو سنا جو ابو حنیفہؒ سے مسجد حرام میں ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھ رہا تھا جو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک کعبہ حق ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یا وہ نہیں ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ پکا مومن ہے۔ اور اس نے ایسے آدمی سے متعلق پوچھا جو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد بن عبد اللہ نبی ہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ وہی ہیں جن کی قبر مبارک مدینہ میں ہے یا وہ نہیں ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ پکا مومن ہے۔ حمیدیؒ نے کہا کہ جو شخص ایسا کہتا ہے تو بے شک وہ کافر ہو گیا۔ حمیدیؒ نے کہا کہ سفیانؒ اس واقعہ کو حمزہ بن الحارث سے بیان کیا کرتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں راوی حنبل بن اسحاق ایسا ہے جس پر اس کے ہم مذہب لوگوں نے بھی جرح کی ہے۔ اور ابن شاقلہ نے اپنی روایت میں اس کو غلط بیانی کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ اس کا ذکر ابن تیمیہؒ نے سورۃ العلم کی تفسیر میں کیا ہے لیکن ہم اس کے بارہ میں ان کی کلام کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اس کو ثقہ اور مامون شمار کرتے ہیں جیسا کہ ابن نقطہ نے اپنی کتاب التنقیید میں کہا ہے۔ تو اس خبر کی سند الحمیدیؒ تک جا پہنچتی ہے اور الحمیدیؒ کو محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ ایسے معاملہ میں جبکہ وہ لوگوں کے بارہ میں بات کرے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (طبقات السبکی ص ۲۲۴ ج ۱)

اور وہ انتہائی متعصب، غیبت کرنے والا اور اضطراب کا شکار تھا۔ وہ کبھی حمزہ بن الحارث سے روایت کرتا اور کبھی براہ راست الحارث سے اور پھر الحارث بن عمیر بھی مختلف فیہ راوی ہے اور جرح مقدم ہوتی ہے۔ (اس لیے اس کی روایت ایسے معاملہ میں معتبر نہ ہوگی) امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں کہا کہ میں نہیں دیکھتا اس کو مگر واضح کمزور ہے۔ پس

بے شک ابن حبانؒ نے الضعفاء میں کہا ہے کہ وہ ثقہ راویوں سے موضوع چیزیں روایت کرتا تھا۔ اور حاکمؒ نے کہا کہ اس نے حمید اور جعفر الصادق سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ الازدی نے کہا کہ وہ ضعیف منکر الحدیث ہے۔ اور ابن الجوزی نے ابن خزیمہ سے نقل کیا ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ الحارث بن عمیر کذاب ہے۔ الخ۔ (راویوں کے لحاظ سے اس روایت کی پوزیشن یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں اس جیسی روایت محفوظ ہوتی ہے۔ اور حالات بھی اس خبر کے جھوٹا ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اس جیسا صریح کفر مسجد حرام میں بیٹھ کر زبان سے نکالیں بغیر اس کے کہ کوئی کذاب راوی ہی اس سے یہ روایت کرے۔ اور بغیر اس کے جو اس جیسے قبیح کفر کے زبان سے نکالنے میں آخرت سے بے خوف ہو اور یہ کھلا گھڑا ہوا جھوٹ ہے۔ اور بے شک ابن ابی العوامؒ نے اپنی سند کے ساتھ الحسن بن ابی مالک عن ابی یوسف عن ابی حنیفہؒ روایت کی ہے کہ بے شک انہوں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی کعبہ کے علاوہ کسی دوسری طرف منہ کر کے جان بوجھ کر نماز پڑھتا ہے مگر اتفاق سے اس کا منہ کعبہ کی جانب ہی ہو گیا تو وہ شخص کافر ہو گیا۔ (اس لیے کہ اس نے کعبہ کے علاوہ دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اعتقاد کیا اور اس کو کوئی عذر بھی نہیں اور کرتا بھی جان بوجھ کر ہے تو وہ کافر ہو گیا) اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اس کا انکار کرتا ہو۔ الخ۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اور بعض اوقات امام صاحبؒ ایسی بات کہتے تھے جس سے یہ پتہ چلتا کہ ابتداء میں ایمان اجمالی کافی ہے۔ پھر مومن ایمان تفصیلی درجہ بدرجہ سیکھتا ہے۔ تو امام صاحبؒ کی اس بات کو روایت بالمعنی کا نام دے کر راوی نے اپنی مرضی کے مطابق روایت تبدیل کرنے کو اپنے لیے مباح کر لیا۔

ابن حزمؒ نے اپنی کتاب الفصل ص ۲۲۹ ج ۳ میں کہا پس اگر کوئی شخص پوچھے کہ تم اس شخص کے بارہ میں کیا کہتے ہو جو کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں مگر میں یہ نہیں جانتا کہ وہ قریشی ہیں یا تمیمی یا فارسی اور نہ یہ جانتا ہوں کہ وہ حجاز میں تھے یا خراسان میں اور نہ یہ جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ میرے سامنے موجود آدمی ہی ہیں یا کوئی اور ہیں تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ اگر وہ آدمی اس قدر بے علم ہے کہ حضور علیہ السلام اور آپ کی سیرت کے بارہ میں اس کو کوئی خبر نہیں پہنچی تو یہ کہنا اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔ مگر اس کے لیے ان

چیزوں کی تعلیم ضروری ہے۔ پس اگر وہ شخص جانتا ہے اور حق بات اس تک پہنچ چکی ہے تو بے شک ایسا شخص ضدی ہے تو وہ شخص (ایسا قول کرنے کی وجہ سے) کافر ہے اس کا خون اور مال حلال ہے اس پر مرتد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔ اور بے شک ہم جانتے ہیں کہ بہت سے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دین میں فتویٰ دینے کے منصب پر فائز ہیں۔ جی ہاں اور بہت سے نیک لوگ ایسے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کس تاریخ کو ہوئی تھی اور نہ یہ جانتے ہیں کہ آپ وفات کے وقت کہاں تھے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ وہ کون سے شہر میں تھے اور اس بے علم آدمی کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے دل اور زبان سے اس کا اقرار کرے کہ بے شک ایک آدمی جس کا نام محمد تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اس دین کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔ الخ۔ اور خطیبؒ اکثر ان آراء میں ابن حزمؒ کی پیروی کرتا ہے جن کی اطلاع اس کو اس حمیدیؒ نے دی جو الجمع بین الصحیحین والا ہے۔ پس شاید کہ ابن حزمؒ کی اس رائے سے خطیبؒ کو آگاہی نہیں ہوئی۔ واللہ سبحانہ ھوالھادی۔ "اور اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔"

اعتراض ۳۳: (کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر گواہ جھوٹی گواہی دے کر قاضی سے میاں بیوی کے درمیان تفریق ڈلواتے ہیں اور پھر گواہوں میں سے کوئی اس عورت سے نکاح کر لیتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ نکاح جائز ہے اور اگر قاضی کو اس واقعہ کی حقیقت حال معلوم بھی ہو جائے تو ان میں تفریق نہ ڈالے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا دارومدار اس پر ہے کہ قاضی کا فیصلہ صرف ظاہرا" نافذ ہوتا ہے یا ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ ظاہرا" اور باطنا" دونوں طرح نافذ ہوتا ہے ورنہ بہت بڑی خرابی لازم آتی ہے جس کی وضاحت جواب میں ہے۔ اور پھر یہ کہ قاضی جب معلوم کر لے تو ان کے درمیان تفریق نہ ڈالے تو یہ امام صاحب کی طرف غلط نسبت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۱ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۷۲ میں الحسن بن محمد الخلال۔ محمد بن العباس الخزاز۔ محمد بن احمد بن حسنون النرسی۔ موسیٰ بن عیسیٰ بن عبد اللہ السراج۔ محمد بن محمد الباغندی کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن محمد الباغندی کے والد محمد الباغندی نے کہا کہ میں عبد اللہ بن الزبیر الحمیدیؒ کے پاس تھا تو ان کے پاس احمد بن حنبل کی تحریر آئی جس میں انہوں نے درخواست کی تھی کہ میری طرف امام ابو حنیفہؒ کا کوئی ایسا مسئلہ لکھ کر بھیجیں جو انہوں نے بتایا ہو اور بہت ہی برا مسئلہ ہو۔ تو انہوں نے ان کی طرف لکھا

کہ مجھے الحارث بن عمیر نے بتایا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو ایک مسئلہ کا جواب دیتے ہوئے سنا کہ اگر بے شک کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ کا گھر ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ مکہ میں ہے یا کسی اور جگہ ہے۔ آیا ایسا شخص مومن ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں مومن ہے۔

اور اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ فوت ہو چکے ہیں مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ مدینہ میں دفن کیے گئے ہیں یا کسی اور جگہ تو کیا ایسا شخص مومن ہے تو انہوں نے کہا ہاں وہ مومن ہے۔ الحارث بن عمیر نے کہا کہ میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر دو گواہ قاضی کی عدالت میں گواہی دیتے ہیں کہ بے شک فلاں آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور یہ دونوں گواہ جانتے بھی ہیں کہ ہم جھوٹی گواہی دے رہے ہیں تو قاضی نے ان میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی پھر ان جھوٹے گواہوں میں سے ہی ایک اس عورت سے ملتا ہے اور اس سے نکاح کر لیتا ہے تو کیا درست ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کہ جب اس کے بعد قاضی کو حقیقت حال معلوم ہو گئی تو کیا وہ ان دونوں کے درمیان تفریق ڈالے تو امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الحمیدیؒ کا انتہائی متعصبانہ حال پہلے بیان ہو چکا ہے جو اس کی اس خبر کے رد کرنے تک پہنچاتا ہے جس میں اس کا تعصب بھڑکا ہوا ہے۔ اور الحارث بن عمیر الکذاب کا حال بھی پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور بہرحال محمد بن محمد الباغندی جو اس سند میں ہے تو خطیبؒ نے اس کے متعلق ص ۲۱۲ ج ۳ میں کہا ہے کہ دار قطنیؒ نے کہا کہ یہ بہت تدلیس سے کام لیتا تھا جو روایت اس نے کسی راوی سے سنی نہ ہوتی اس کو بھی ایسے طریقہ سے بیان کرتا کہ ظاہر یہی ہوتا کہ اس نے اس راوی سے یہ روایت سنی ہے۔ اور بعض اوقات چوری کرتا تھا۔ الخ۔ اور الباغندی کے بارہ میں گفتگو لمبی ہے اور ابراہیم بن الاصبہانی اس کو جھوٹا کہتے تھے اور باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو جھوٹا کہتا تھا اور اہل نقد میں سے بہت سے حضرات نے ان کے آپس میں ایک دوسرے کو جھوٹا کہنے میں دونوں کی تصدیق کی ہے۔ (روایت کا حال تو یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں یہ خبر محفوظ شمار کیے جانے کی حقدار ہے۔ پھر یہ مسئلہ کہ قاضی کا فیصلہ ظاہرا" و باطنا" دونوں طرح نافذ ہوتا ہے تو دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ جھوٹے گواہ بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہیں مگر یہ قاضی کا فیصلہ ظاہرا" و باطنا" نافذ ہونے کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ تو لازم آئے گا کہ اس

عورت کے پہلے خاوند کے لیے اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ کا مدار رکھتے ہوئے پوشیدہ طور پر اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے (اس لیے کہ اس عورت کا نکاح عند اللہ پہلے خاوند سے قائم ہے) اور نئے خاوند کو قاضی کے حکم پر مدار رکھتے ہوئے وطی کرنا جائز ہے۔ اور اس سے زیادہ برا قول اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ایک عورت کے بیک وقت دو خاوند ہوں۔ ان میں سے ایک پوشیدہ طور پر اس سے جماع کا حق رکھتا ہو اور دوسرا اس سے جماع کرنے کا علانیہ حق رکھتا ہو۔ اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک امام ابو حنیفہؒ سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس جیسی رائے اختیار کریں۔ خواہ ان کو کتنا ہی برا کیوں نہ کہا جائے۔ بلکہ یہ قباحت اس کے مخالفین اور اس کو ملامت کرنے والوں کی طرف لوٹتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی صورت واضح کر دی ہے۔ اور ابو حنیفہؒ احکام میں فضول بات کہنے سے باقی تمام لوگوں سے زیادہ بری الذمہ ہیں۔ اور رہا مسئلہ یہ کہ قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق نہ ڈالے باوجودیکہ اس نے گواہوں کا حال معلوم کر لیا ہو تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل میں سے ہی نہیں (بلکہ ان کی طرف غلط نسبت ہے) پختہ بات ہے کہ ان کا مذہب مطلقاً حکم میں سوچ بچار کرنا ہے۔ اور شاید کہ قارئین کرام ابھی وہ کلام نہ بھولے ہوں جو ہم نے ایمان اجمالی اور ایمان تفصیلی کے بارہ میں ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے۔

اور عمرو بن ابی عثمان الشمزیؒ کی خبر مقالات الاسلامیین میں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ بے شک انہوں نے بھی اس جیسی روایت امام ابو حنیفہؒ سے کی ہے تو اس کی سند ہی کوئی نہیں۔ اور یہ شمزی تو معتزلی ہے اس نے اعتزالی نظریہ و اصل اور عمرو بن عبید سے لیا ہے اور ان کا مذہب ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔ اور ان کی جانب سے اپنے مذہب کے مخالف کو ملامت کرنا تو ان کی نوک زبان پر ہے۔ پس اگر یہ خبر ایسی سند سے لائی جاتی کہ ان مذکورہ راویوں میں سے کوئی ایک راوی اس میں ہوتا تو وہ روایت قابل قبول نہ ہوتی تو اس کی طرف کیسے توجہ کی جا سکتی ہے جبکہ اس کو ان میں سے کوئی بغیر لگام اور مہار کے ذکر کرتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ جو ایمان اجمالی اور ایمان تفصیلی میں فرق کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے۔ اور ابن حزمؒ نے اپنی کلام میں اسی کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

اور اس خبر کے باطل ہونے کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ بے شک الحمیدیؒ کی ہے جو نہ امام ابو حنیفہؒ کے اصحاب کے پاس بیٹھا اور نہ ان سے فقہ حاصل کی۔ اور امام احمدؒ عراقی ہیں

انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے ساتھیوں سے فقہ حاصل کی تو امام احمدؒ جیسا آدمی جو عراقی ہے وہ الحمیدیؒ المکی سے دریافت نہیں کر سکتا ایسے مسئلہ کے بارہ میں جو امام صاحب کے مسائل میں سے بہت قبیح مسئلہ ہو اور اگر سوال اس کے الٹ ہوتا تو بات معقول ہوتی۔ (یعنی حمیدیؒ امام احمدؒ سے پوچھتے) لیکن کذاب نے اپنے جھوٹ میں غور ہی نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ذریعہ سے اس کو رسوا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ اور اس کے بعد جو خطیبؒ نے واقعہ نقل کیا ہے اس کا بھی یہی حال ہے اس لیے کہ وہ بھی الحارث مذکور کی سند کے ساتھ ہے۔

اعتراض ۳۱: (کہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ کعبہ حق ہے اور وہ اللہ کا گھر ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ مکہ میں ہے یا خراسان میں تو کیا ایسا شخص مومن ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں وہ مومن ہے۔ اسی طرح پوچھا گیا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ وہ وہی تھے جو قریش خاندان سے تعلق رکھنے والے مدینہ میں گزرے ہیں یا کوئی اور محمد ہے۔ کیا ایسا شخص مومن ہے تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہاں وہ مومن ہے۔ سفیانؒ نے کہا کہ میں تو کہتا ہوں کہ ایسا شخص شک میں مبتلا ہے' اس لیے وہ کافر ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بالکل من گھڑت ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۴ میں ابن رزق' جعفر بن محمد بن نصیر الخلدی' ابو جعفر محمد بن عبد اللہ بن سلیمان الحضرمی اور وہ مطین ہے' اس نے کہا کہ یہ واقعہ صفر کے مہینہ ۲۹۷ھ میں عامر بن اسماعیل نے بیان کیا' انہوں نے مومل' سفیانؒ ثوری' عباد بن کثیر کی سند ذکر کر کے کہا کہ عباد بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ بیشک کعبہ حق ہے اور بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ مکہ میں ہے یا خراسان میں۔ کیا ایسا شخص مومن ہے تو اس نے کہا کہ ہاں مومن ہے۔ میں نے اس سے پوچھا پس آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو کہتا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ بیشک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں مگر میں یہ نہیں جانتا کہ وہ وہی تھے جو قریش سے تعلق رکھنے والے مدینہ میں تھے یا کوئی اور محمد ہے' کیا ایسا شخص مومن ہے؟ تو اس نے کہا ہاں وہ مومن ہے۔ اس واقعہ کے راوی مومل کہتے ہیں کہ سفیانؒ نے کہا میں تو کہتا ہوں کہ جو شخص اس میں شک کرتا ہے تو وہ کافر ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک راوی مطین ہے۔ اس کے بارے میں محمد بن ابی شیبہؒ نے کلام کیا ہے اور عامر بن اسماعیل وہ ہے جو ابو معاذ البغدادی ہے اور مجہول الحال ہے اور صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے بھی اس کی روایت نقل نہیں کی اور اس کا راوی مومل وہ ہے جو ابن اسماعیل ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاریؒ نے کہا کہ بیشک وہ منکر الحدیث ہے۔ اور ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں اور عباد بن کثیر الثقفی البصری ہے۔ سفیانؒ ثوریؒ اس کو جھوٹا کہتے تھے اور لوگوں کو اس سے روایت لینے سے بچنے کی تلقین کرتے تھے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس جیسے آدمی سے خود سفیانؒ ثوری نے روایت کی ہو تو ظاہر ہو گیا کہ بیشک یہ من گھڑت افسانہ بھی رسوا کن جھوٹ ہے (روایت کا حال یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں اس جیسی روایت محفوظ ہوتی ہے۔

اعتراض ۱۵: (کہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی ایک جوتے کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو سعید نے کہا کہ یہ تو کھلا کفر ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف عقل بھی ہے جس کو کوئی عقل مند ماننے کے لیے تیار نہیں ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۲ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۴ میں محمد بن الحسین بن الفضل القطان' عبد اللہ بن جعفر ابن درستویہ' یعقوب بن سفیان' علی بن عثمان بن نفیل' ابو مسہر' یحییٰ بن حمزہ کی سند نقل کر کے کہا کہ سعید اس بات کو سن رہے تھے جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر کوئی آدمی اس جوتے کی عبادت کرتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتا ہے تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا تو سعید نے کہا کہ یہ تو کھلا کفر ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اب ہمیں ایسے مخالفین کا سامنا ہے جن کا صواب (درست بات کہنے کی توفیق) ضائع ہو چکا ہے اس جھوٹ کو گھڑنے کی وجہ سے جو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ پر باندھا ہے۔ کیا کسی نے جہان میں کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے جو جوتے کی عبادت کرے یہاں تک کہ وہ اس کے بارے میں ابو حنیفہؒ سے پوچھے تو وہ اس کو درست قرار دیں؟ اور کیا ابو حنیفہؒ جوتے کی عبادت کی طرف دعوت دینے والے تھے حالانکہ امت محمدیہ کے اکثر طبقہ نے زمانہ یکے بعد دیگرے گزرنے کے باوجود ان کو دین میں اپنے لیے امام بنایا ہے۔ پس اے مجنون متعصبو! تم اپنی بات کو لکھنے سے پہلے پرکھ تو کر لیا کرو تا کہ تم اس کو ابو حنیفہؒ اور

اس کے ساتھیوں کے بارے میں دلیل بنا سکو اور پختہ بات ہے کہ تم جس دن اس جیسے بیہودہ کلام کو لکھتے ہو تو خود ایک میزان درج کر جاتے ہو جس کے ساتھ تمام امتوں اور مذاہب والوں کے سامنے تمہارا عقل اور دین میں انتہائی گرا ہوا ہونا واضح طور پر پہچانا جاتا ہے اور یہ بہت ظاہر بات ہے جس کی وجہ سے سند کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت تو نہیں رہتی مگر ہم تبرعاً" اس پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا راوی عبد اللہ بن جعفر جو ہے' وہ ابن درستویہ ہے جو کہ چند دراہم کی خاطر ان لوگوں سے بھی حدیث بیان کر دیتا تھا جن سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔ پس اگر آپ اس کو ایک درہم دیں تو وہ آپ کی مرضی کے مطابق جھوٹی باتیں گھڑ کر پیش کر دے گا۔ اور اس کی روایت خاص کر الدوری اور یعقوب سے منکر ہے اور البرقانی اللالکائیؒ کا قول اس کے بارے میں مشہور ہے اور خطیبؒ اور اس کے پیروکاروں کی پشتیں اس تہمت کا بوجھ اٹھانے سے کمزور ہیں جو اس بیہودہ کہنے والے اخباری کے کندھوں پر لدی ہوئی ہے۔ اور خطیبؒ نے عبد اللہ بن جعفر سے اس جیسی بہت سی من گھڑت روایات نقل کی ہیں۔ اور ابو مسہر عبد الاعلیٰ بن مسہر الدمشقی ہے جس نے قرآن کے (مخلوق یا غیر مخلوق ہونے) کے بارے میں جو آزمائش آئی تھی' اس میں (حکومتی نظریہ کو) قبول کر لیا تھا تو جن لوگوں کے نزدیک آزمائش میں (غلط مسئلہ کو) قبول کر لینے والے کی روایت مطلقاً مردود ہے تو ان کے نزدیک اس کی روایت مردود ہوگی اور یحییٰ بن حمزہ قدری فرقہ کا ہے' اس کی بات ائمہ اہل السنت کے رد میں دلیل نہیں بنائی جا سکتی اور اس کے ساتھ یہ بات بھی رد کے لیے کافی ہے کہ اس جیسا کلام کسی عقل مند سے صادر نہیں ہو سکتا۔

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۷ میں کہا جو کہ القاسم بن حبیب کا کلام ہے اور اس پہلے کلام کے ہم معنی ہے کہ میں نے سنگریزوں والی زمین پر جوتا رکھا پھر میں نے ابو حنیفہؒ سے کہا کہ آپ ایسے آدمی کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں جو مرتے دم تک اس جوتے کے لیے نماز پڑھتا ہے مگر بیشک وہ اپنے دل میں اللہ کو جانتا ہے تو انہوں نے کہا کہ وہ شخص مومن ہے تو میں نے کہا کہ میں آپ سے کبھی کلام نہ کروں گا۔ اور قاسم بن حبیب التمار وہ ہے جو امام ترمذی کے ہاں قدریہ اور مرجئہ کی مذمت والی حدیث کا راوی ہے اور ابن معین نے کہا کہ یہ لیس بشئی ہے اور ابن ابی حاتم کے الفاظ یوں ہیں کہ میرے باپ نے اسحاق بن منصور کے واسطہ سے یحییٰ بن معین کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ قاسم بن حبیب جو کہ نزار بن حیان سے حدیث بیان کرتا ہے' وہ لا شئی درجہ کا راوی ہے الخ۔ (ان الفاظ کو ائمہ جرح وتعدیل نے جرح کے چوتھے درجہ میں لکھا ہے) اور ابن ابی حاتمؒ نے قاسم بن حبیب کی جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے' اس سے مراد وہ حدیث ہے جو ترمذی نے مرجئہ اور قدریہ کے بارے میں نقل کی ہے اور ابن حبان کا اس کو ثقہ کہنا اس جرح کے مقابل نہیں ہو سکتا بلکہ جرح مقدم ہے اور ابن سعد نے اس کے بارے میں محمد بن فضیل سے نقل کیا ہے جو اس روایت کو نقل کرنے والا ہے کہ بعض محدثین نے اس کے متعلق لا یحتج بہ کہا ہے (جو کہ الفاظ جرح میں سے تیسرے درجے کے الفاظ ہیں) اور سند کی ابتدا میں ابن رزق اور ابن سلم اور الابار ہیں (جو اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے کافی دلیل ہے) اور خبر ایسی ہے کہ اس کا کسی عقل مند سے صادر ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس کے جھوٹ ہونے کے شواہد قائم ہیں (مگر افسوس کہ) خطیبؒ کے نزدیک اس طرح کی روایت محفوظ ہے۔

اعتراض ۱۷: کہ شریک نے کہا کہ ابو حنیفہؒ قرآن کریم کی دو آیات کا انکار کرتے ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۲ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۶ میں اپنی سند نقل کر کے کہا کہ (اسماعیل بن عیسیٰ بن علی نے کہا کہ) مجھے شریک نے کہا کہ ابو حنیفہؒ اللہ کی کتاب کی دو آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ایک وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ کا اور دوسری لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ کا۔ اور ابو حنیفہؒ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بیشک ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے اور یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ نماز اللہ کے دین میں سے نہیں ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بیشک عمل ایمان کا رکن اصلی نہیں ہے اس حیثیت سے کہ جب مومن عمل کے لحاظ سے کوتاہی کرے تو اس سے ایمان زائل ہو جائے کیونکہ وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بیشک ایمان پختہ عقد کا نام ہے جو نقیض کا احتمال نہیں رکھتا اور اس جیسا ایمان زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتا اور اسی مفہوم کو حدیث بیان کرتی ہے الایمان ان تؤمن باللہ (الحدیث) جس کو امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور ابو حنیفہؒ کے نظریہ کے مطابق جمہور اہل حق کا نظریہ ہے اور اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اور یہ مشہور بات ہے کہ شریک کی (طعن و تشنیع میں) زبان تیز تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہ کرے اور اس کی یہ تشنیع ایسے شخص کی تشنیع ہے جو دین اور ایمان کے مفہوم

میں فرق نہیں کرتا۔ اور اس بارے میں ظاہری طور پر دو متضاد باتوں میں تطبیق کی طرف راہ نہیں پاتا اور لاعلمی سے خوارج یا معتزلہ کی اتباع کرنے لگ جاتا ہے۔

اعتراض ۱۷: (کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کا ایمان اور ابلیس کا ایمان برابر ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ابو حنیفہؒ کے مخالفین کی کارستانی ہے اور قطعاً یہ امام صاحب سے ثابت نہیں ہے)۔

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۶ میں عثمان بن سعید الدارمی' محبوب بن موسیٰ الانطاکی' ابو اسحاق الفزاری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو اسحاق الفزاری کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوبکر کا ایمان اور ابلیس کا ایمان ایک جیسا ہے۔ ابلیس نے بھی یا رب کہا اور ابوبکرؓ نے بھی یا رب کہا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الدارمی اور محبوب جن کا ذکر ص ۱۶' ۱۷ میں ہو چکا ہے اور الفزاری ابو حنیفہؒ کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا اور ان سے دشمنی اس وجہ سے رکھتا تھا کہ اس کے بھائی نے ابراہیم کی وزارت کے خلاف فتویٰ دیا تھا جو کہ منصور کے زمانہ میں عہدیدار تھا تو وہ لڑائی میں قتل کر دیا گیا تو الفزاری نے اس ابراہیم کے شیخ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خلاف جہالت کی وجہ سے زبان درازی شروع کر دی جیسا کہ اس کی تفصیل ابن ابی حاتمؒ کی الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں ہے اور وہ شخص اتنی استطاعت نہیں رکھتا تھا کہ ان فتووں کے بارے میں ابو حنیفہؒ سے چشم پوشی کرے جن کو علمی مقام میں ید بیضاء حاصل ہے۔ حاشا وکلا ابو حنیفہؒ جیسا آدمی اس قدر کمزور بات نہیں کہہ سکتا۔ اور شوافع' جس کا پیروکار خود خطیبؒ بھی ہے' ان کا مذہب دشمن کی گواہی اور اس کی روایت کے بارے میں مشہور ہے کہ (اس کی گواہی قابل قبول نہیں) تو سند کے آخر میں الفزاری کا ہونا ہی اس خبر کے مردود ہونے کے لیے کافی ہے تو ایسی خبر کیسے قبول کی جا سکتی ہے جبکہ اس کی سند میں الدارمی اور محبوب بھی موجود ہیں جو عقیدہ میں ابو حنیفہؒ کے مخالفین میں سے ہیں اور اسی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن الفزاری کے متعلق ابن سعدؒ نے الطبقات الکبریٰ میں کہا ہے کہ وہ حدیث میں اکثر غلطی کرتا تھا اور ابن قتیبہؒ نے المعارف میں کہا کہ وہ اپنی حدیث میں بہت غلطیاں کرتا تھا اور اسی کے مثل محمد بن اسحاق الندیم نے فہرست ابن ندیم میں لکھا ہے لیکن ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارے میں اس کی زبان درازی کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی روایات ان لوگوں میں مشہور ہو گئیں جو اغراض والے تھے تو یہ اس کے لیے باعث اجر نہیں

بلکہ اس کی وجہ سے اس پر وبال ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی کہ جو آدمی اپنی حدیث میں اکثر غلطیاں کرنے والا ہو' اس کی حدیث سے اعراض واجب ہے چہ جائیکہ وہ روایت کرنے میں منفرد بھی ہو اور وہ صاحب اصطرلاب نہیں ہے (یعنی یہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد وہ نہیں ہے جس نے گرمی اور سردی معلوم کرنے کا آلہ ایجاد کیا تھا) اگرچہ علامہ ابن حجرؒ کو یہ وہم ہوا ہے جس کا اظہار انہوں نے تہذیب التہذیب میں کیا ہے اور ان کو وہم صرف اس لیے ہوا کہ ان دونوں کا نام اور نسبت ایک ہی ہے حالانکہ ان دونوں کے زمانوں اور پیشوں میں بہت فرق ہے۔ اور زمین پر رینگ کر چلنے والا اس کے مقابل کیسے ہو سکتا ہے جو اپنے علم کے ساتھ آسمان پر گھومتا ہے۔ اور شاید کہ ابن حجر نے جب یہ دیکھا کہ ابن ندیم نے الفہرست میں الفزاری کا ذکر ص ۳۸۱ میں اس عنوان کے تحت کیا ہے طبقة اخرى وهم المحدثون تو ہو سکتا ہے کہ ابن حجر نے اس کو تحدیث سے سمجھا ہو تو ابن حجر نے اس محدث الفزاری کو فلسفی سمجھ لیا اس وجہ سے کہ بیشک الفزاری جو اس کا علم رکھتا تھا' وہ وہی ہے حالانکہ یہ لفظ المحدثون تحدیث سے نہیں بلکہ الحداثة سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی ابن ندیم صاحب الفہرست کے قریبی زمانے کا ہے۔ اور ابن ندیم نے اس کے بعد صراحت سے ذکر کیا ہے وهو ابو اسحاق ابراهيم بن حبيب الفزاری تو اس صراحت کے بعد ابن حجر نے جو وہم کیا ہے' اس کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اس لیے کہ جو الفزاری فلسفی ہے' اس کے باپ کا نام حبیب ہے اور جو الفزاری محدث ہے' اس کے باپ کا نام محمد ہے اور جو محدث ہے' وہ دوسری صدی کا ہے اور جو فلسفی ہے' وہ چوتھی صدی کا ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جو ابن ندیم کے زمانہ کے قریب قریب ہیں' قدیم لوگوں میں سے نہیں ہے۔ اور خطیبؒ نے اس کے بعد جو خبر نقل کی ہے' اس کی سند میں ابن درستویہ الدراہمی ہے اور آپ اس کے حال سے بخوبی واقف ہیں تو ایسی خبر جس کی سند میں الفزاری اور ابو صالح اور ابن درستویہ جیسے لوگ ہوں' اس سے ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ایمان ایک جیسا ہے' نعوذ باللہ من الخذلان ہم رسوائی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اعتراض ۱۸: (کہ ایک نشے میں مست آدمی نے ابو حنیفہؒ کو مرجئہ کہا تو انہوں نے کہا کہ میں نے تیرے ایمان کو جبرئیل کے ایمان جیسا قرار دیا ہے اور تو اس کا یہ صلہ مجھے دے رہا ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس واقعہ کو بعد والے راویوں میں سے کسی نے گڑبڑ کر

کے ایسا بنا دیا ہے اور اصل واقعہ جو ابن ابی العوامؒ نے الدولابیؒ سے نقل کیا ہے وہ اور طرح ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۷ میں ابو طالب یحییٰ بن علی بن الطیب الدسکری' ابو یعقوب یوسف بن ابراہیم بن موسیٰ السہمی' ابو شافع معبد بن جمعہ الرویانی' احمد بن ہشام بن طویل کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے القاسم بن عثمان سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ ایک نشئی کے پاس سے گزرے جو کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو ابو حنیفہؒ نے اس کو کہا کہ کاش تو بیٹھ کر پیشاب کرے۔ القاسم بن عثمان کہتے ہیں کہ اس نشئی نے ابو حنیفہؒ کے چہرے کی طرف دیکھا اور کہا اے مرجی' کیا تو جانتا نہیں؟ تو ابو حنیفہؒ نے اس کو کہا کہ کیا تیری طرف سے میرا یہ ہدیہ ہے جبکہ میں نے تیرے ایمان کو جبرئیل کے ایمان کی طرح قرار دیا ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ القاسم بن عثمان الرحال کا کلام منقطع کلام ہے (کیونکہ اس نے اوپر اپنی سند بیان نہیں کی) اور اس کے بارے میں العقیلیؒ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا اور اس روایت کا ایک راوی معبد بن جمعہ کو ابو زرعہ الکشی نے کذاب کہا ہے اور پھر اس سند میں کئی مجہول راوی ہیں (مگر افسوس ہے کہ) خطیبؒ کے ہاں محفوظ اسی قسم کی روایت ہوتی ہے۔

اور وہ واقعہ جو الحافظ ابو بشر الدولابیؒ نے ابراہیم بن جنید' داؤد بن امیہ المروزی کی سند سے نقل کیا ہے کہ داؤد بن امیہ نے کہا کہ میں نے عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواد سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ کے پاس ایک نشئی آیا تو اس نے آپ سے کہا اے مرجی' تو ابو حنیفہؒ نے اس کو کہا کہ اگر میں تیرے جیسے آدمی کا ایمان ثابت نہ مانتا تو تو ارجاء کی طرف میری نسبت نہ کرتا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بیشک ارجاء بدعت ہے تو میں اس کی طرف نسبت کی کوئی پرواہ نہ کرتا۔ الخ اور ابن ابی العوام نے الدولابی سے انہی الفاظ سے روایت کی ہے اور اس کلام کا اس کلام سے کیا تعلق جو خطیبؒ نے بیان کیا ہے؟ (یعنی دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے) اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کو پریشان کرنے کے لیے مخالفین خوارج میں سے کسی نے اس نشئی کو آپ کی طرف بھیجا تھا اور حقیقت میں گم کردہ عقل اس کو بھیجنے والا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ حشویہ اور خوارج کے اکثر پیروکار امام ابو حنیفہؒ کی ارجاء کی طرف نسبت کرتے تھے اس لیے کہ وہ عمل کو ایمان کا رکن اصلی شمار

نہیں کرتے تھے اور اس میں استثناء (ان شاء اللہ وغیرہ کی) درست نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان کے بارے میں ایسی کہانیاں گھڑلیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کو گھڑنے والا جہالت کے انتہائی گہرے گڑھے میں گرا ہوا ہے۔ اور عرصہ دراز سے بہتان تراشی اور جھوٹ سے مسلسل خوارج اور ان کے پیروکار اہل حق کو ارجاء کی طرف منسوب کرتے رہے اور اس کی وجہ سے ابو حنیفہؒ ﷫ پر کوئی عیب نہیں ہے۔

اور ابن ابی العوام نے ابراہیم بن احمد بن سہل الترمذی، عبد الواحد بن احمد الرازی، بشار بن قیراط کی سند نقل کر کے کہا ہے کہ بشار بن قیراط ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک انہوں نے کہا کہ میں اور علقمہ بن مرثد حضرت عطاء بن ابی رباح کے پاس گئے تو ہم نے اس کو کہا اے ابو محمد، بیشک ہمارے علاقے میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس کو پسند نہیں کرتے کہ کہیں انا مؤمنون کہ بیشک ہم مومن ہیں۔ تو عطاء نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو ہم نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم مومن ہیں تو پھر ہم یہ کہیں گے کہ ہم اہل جنت میں سے ہیں۔ تو عطاء نے کہا کہ وہ نحن مؤمنون ہم مومن ہیں تو ضرور کہیں مگر یہ نہ کہیں کہ ہم اہل جنت ہیں۔ پس کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اس پر حجت ہے، اگر چاہے گا تو اس کو سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو معاف کر دے گا۔ پھر عطاء نے کہا اے علقمہ بیشک تیرے اصحاب اپنا نام اہل الجماعۃ رکھتے تھے یہاں تک کہ جب نافع بن الازرق آیا تو اس نے ان کا نام المرجئہ رکھ دیا۔ القاسم بن غسان المروزی نے کہا کہ میرے باپ نے بتایا کہ ہماری معلومات کے مطابق ان کو المرجئہ صرف اس وجہ سے کہا جانے لگا کہ اہل السنت میں سے ایک آدمی سے ایک آدمی نے بات چیت کی تو اس سے پوچھا کہ تو آخرت میں کافروں کا ٹھکانہ کہاں سمجھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ دوزخ میں۔ تو اس نے کہا کہ تو مومنوں کا ٹھکانہ کہاں سمجھتا ہے تو اس نے کہا کہ مومن دو طرح کے ہیں۔ ایک نیک پرہیز گار تو وہ جنت میں ہوں گے اور دوسرے وہ مومن جو گنہگار بدحال ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اگر چاہے گا تو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کے ایمان کی وجہ سے معاف کر دے گا۔ اس نے کہا کہ تو ان کا کیا ٹھکانہ سمجھتا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں ان کو کسی مقام میں نہیں اتارتا لیکن ارجی امرہ الی اللہ عز وجل میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سونپتا ہوں۔ تو وہ کہنے لگا فانت مرجئی کہ پس تو مرجی ہے۔ اور جب ابو حنیفہؒ ﷫ اور ان کے اصحاب گنہگار مومن کو ہمیشہ

ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رکھنے کا نظریہ نہیں رکھتے تو ان کے مخالفین نے ان کو بھی ارجاء کی طرف منسوب کر دیا۔ اور اپنے بارے میں ظاہر کر دیا کہ وہ حقیقت میں خوارج کے طرفدار ہیں اور اس طرح انہوں نے ارادہ تو ابو حنیفہؒ کی مذمت کا کیا تھا مگر اپنی نافہمی سے اپنے اس طریق کار سے وہ ان کی مدح کر رہے ہیں (کیونکہ وہ ثابت کر رہے ہیں کہ امام صاحب کا خوارج سے کوئی تعلق نہیں اور یہ چیز امام صاحب کی تعریف کے زمرہ میں آتی ہے)

اعتراض ۱۹: (کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر کوئی اپنے باپ کو قتل کر دے اور اپنی ماں سے نکاح کر لے اور باپ کے سر کی کھوپڑی میں شراب ڈال کر پئے تو وہ شخص بھی مومن ہے۔ یہ بات سننے کے بعد ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میں تمہاری گواہی کبھی قبول نہ کروں گا۔ سفیانؒ ثوری نے کہا کہ آپ سے کبھی کلام نہ کروں گا اور شریکؒ نے کہا کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا اور حسن بن صالحؒ نے کہا کہ تمہارا چہرہ دیکھنا بھی مجھ پر حرام ہے اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ بالکل من گھڑت ہے اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ واقعہ ثابت ہے تو اس سے امام ابو حنیفہؒ کا نہیں بلکہ ان اکابر کا رد ہوتا ہے جن کا اس واقعہ میں ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ واقعہ کے ثبوت کی صورت میں ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک کبیرہ گناہوں کا مرتکب کافر ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۷۷ میں الخلال، علی بن عمر بن محمد المشتری، محمد بن جعفر الادمی، احمد بن عبید، طاہر بن محمد، وکیع کی سند نقل کر کے کہا کہ وکیع کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سفیانؒ ثوری اور شریکؒ اور الحسن بن صالحؒ اور ابن ابی لیلیٰ اکٹھے ہوئے تو انہوں نے ابو حنیفہؒ کو بھی بلا بھیجا تو وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں جو اپنے باپ کو قتل کر دے اور اپنی ماں سے نکاح کر لے اور اپنے باپ کے سر میں شراب ڈال کر پئے تو انہوں نے کہا کہ وہ مومن ہے۔ تو ابن ابی لیلیٰ نے ان سے کہا کہ میں کبھی بھی تمہاری گواہی کو قبول نہ کروں گا (اس لیے کہ تم اس نظریہ کی وجہ سے شہادت کے اہل ہی نہیں رہے) اور سفیانؒ ثوری نے ان سے کہا کہ میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گا اور شریک نے ان سے کہا کہ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا اور الحسن بن صالح نے ان سے کہا کہ مجھ پر تیری شکل دیکھنا حرام ہے بیشک میں کبھی بھی تیری شکل نہ دیکھوں گا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کا راوی علی بن عمر بن محمد المشتری ایسا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کی توثیق کی ہو۔ اور محمد بن جعفر الادمی جو ہے' وہ ابوبکر ہے جس کی کتاب الالحان ہے تو بیشک اس کے بارے میں محمد بن ابی الفوارس نے کہا کہ وہ حدیث بیان کرتے وقت خلط ملط کرتا تھا اور رہا احمد بن عبید بن ناصح جو اس کا استاد ہے تو وہ بھی قابل اعتماد نہیں ہے جیسا کہ اس کا ذکر امام ذہبیؒ نے میزان میں عبد الملک الاصمعی کے ترجمہ میں کیا ہے اور خطیبؒ نے ج ۲ ص ۲۶۰ میں کہا ہے کہ ابن عدی نے کہا کہ یہ منکر احادیث بیان کرتا تھا اور ابو احمد الحاکم الکبیر نے کہا کہ اس کی اکثر روایتوں کا کوئی متابع نہیں ملتا اور اس واقعہ کا راوی طاہر بن محمد مجہول ہے اور وکیع تو ابو حنیفہؒ کے احسان مند اصحاب میں سے ہیں اور ان سے ابو حنیفہؒ کے بارے میں بری بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ بات کم عقل لوگوں میں سے کسی نے ان کی جانب منسوب کر دی ہے جو انہوں نے نہیں کی۔

اور ابن معینؒ کی تاریخ جو الدوری کی روایت سے ہے اور وہ کتاب کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں محفوظ ہے اس میں ہے کہ وہ (وکیعؒ) امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آ رہی ہے اور اسی کی مثل امام ذہبیؒ کی طبقات الحفاظ میں ہے اور یہ بات حقیقت ہے' بیشک تحفۃ الاحوذی کے مقدمہ میں (اس کا مصنف محمد بن عبد الرحمٰن مبارکپوریؒ) جھوٹ تھوپنے والا حنفیت سے چڑنے والا جتنا چاہے بیچ پا ہوتا رہے۔

اور ان اکابر علماء کے بارے میں تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں سے کوئی اپنے باپ کا قاتل' اور اپنے باپ کی کھوپڑی میں شراب پینے والا اور اپنی ماں سے نکاح کرنے والا ہو اور ان حضرات کی سیرت مشہور ہے کہ وہ ایسے کسی مسئلے میں کلام ہی نہ کیا کرتے تھے جو واقع نہ ہوا ہو۔ نیز وہ کلام میں اس قسم کی بے ہودگی کا مظاہرہ نہ کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ان حضرات میں سے بعض کی ابو حنیفہؒ کے ساتھ کچھ چپقلش بھی رہی جس سے شاید ہی کوئی ہم عصر بچا ہو مگر اس جیسے جھوٹ کو گھڑنا متعصبوں میں سے وہی جائز سمجھے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ سے محروم رکھا ہو۔

اور (روایت کی حالت تو یہ ہے مگر) یہ بھی خطیبؒ کے ہاں محفوظ روایات کے زمرہ میں ہے۔ پھر اہل حق کے نزدیک بیشک مومن خواہ کتنا ہی بڑا گناہ کیوں نہ کرے' وہ اس عمل کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا جبکہ اس کے عقیدے میں خلل نہ پڑے۔ پس یہ

من گھڑت حکایت تو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک کبیرہ گناہوں کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے تو (اگر اس واقعہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو) یہ برائی ان ائمہ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف (یعنی اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ائمہ کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے)

اعتراض ۲۰ : (کہ امام ابوحنیفہؒ نے سعید بن جبیر کو مرجئہ اور طلق بن حبیب کو قدری کہا ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۷۹ میں ابن الفضل' عبد اللہ بن جعفر' یعقوب بن سفیان' سلیمان بن حرب اور ابن الفضل' احمد بن کامل' محمد بن موسیٰ البربری' ابن الغلابی' سلیمان بن حرب دو سندیں نقل کر کے کہا کہ سلیمان بن حرب نے کہا کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو سعید بن جبیر کا ذکر ہوا تو ابوحنیفہؒ نے اس کو ارجاء کی طرف منسوب کیا۔ تو میں نے کہا کہ یہ آپ کو کس نے بتایا ہے کہ وہ مرجئہ ہے تو اس نے کہا کہ سالم الافطس نے۔ حماد کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ سالم الافطس تو خود مرجئہ ہے۔ یہ اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا الٹ ہے اس لیے کہ مجھے ایوب نے بیان کیا کہ سعید بن جبیر نے مجھے طلق کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں تجھے طلق کے پاس بیٹھا ہوا کیوں دیکھتا ہوں؟ اس کے ساتھ مت بیٹھا کر۔ حماد نے کہا کہ طلق مرجئہ والا نظریہ رکھتا تھا۔ حماد کہتے ہیں کہ پھر ایک آدمی نے ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ طلق کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ تو اس سے اعراض کیا۔ پھر اس نے پوچھا تو اس سے اعراض کیا پھر کہا کہ تجھ پر افسوس ہے وہ تو قدری نظریہ کا تھا۔ اور یہ الفاظ ابن الغلابی کی روایت کے ہیں۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ تینوں مطبوعہ نسخوں میں القدر کی جگہ العدل لکھا ہوا ہے اور یہ القدر سے مصحف (بدل کر ایسا کر دیا گیا) ہے اور اس کی تصویب (صحیح لفظ) عبد القادر القرشیؒ کی الجواہر المضیئہ میں ہے اور اس واقعہ کی سند میں عبد اللہ بن جعفر الدارمی اور احمد بن کامل القاضی ہیں۔ اور اس کے بارہ میں دار قطنی نے کہا کہ اس کو تکبر نے برباد کر دیا۔ یہ روایت میں متساہل تھا۔ بعض اوقات یہ زبانی ان روایات کو بھی بیان کر دیتا تھا جو روایات اس کے پاس نہ ہوتی تھیں۔ جیسا کہ اس کو خطیبؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ اور رہا محمد بن

موسیٰ البربری تو بے شک اس کے بارہ میں دار قطنی نے کہا کہ یہ قوی نہ تھا اور اس کو دو حدیثوں کے علاوہ کچھ یاد نہ تھا اور ان دو میں سے بھی ایک حدیث اکثر محدثین کرام کے نزدیک موضوع تھی۔ اور اس کی سند میں جو ابن الغلابی ہے وہ المفضل بن غسان ہے جس نے التاریخ لکھی ہے۔ اور ابن ابی العوامؒ نے ابوبکر محمد بن جعفر الامام۔ ہارون بن عبد اللہ بن مروان الجمال۔ سلیمان بن حرب۔ حماد بن زید کی سند سے یوں لکھا ہے کہ حماد بن زید نے کہا کہ میں مکہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ ہمیں ایوب نے بیان کیا ہے اس نے کہا کہ مجھے سعید بن جبیر نے طلق بن جیب کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو اس نے مجھے کہا کہ میں نے تجھے طلق کے پاس بیٹھے ہوئے کیوں دیکھا ہے اس کے پاس مت بیٹھ تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ طلق قدری نظریہ رکھتا تھا۔ الخ۔ اور اس روایت میں اور پہلی روایت میں فرق بالکل واضح ہے اوراس روایت میں الجمال راوی مسلم کا راوی ہے۔ اور اس سند کا مقابلہ وہ سند کیسے کر سکتی ہے جس میں ابن درستویہ' یا ابن کامل اور البربری اور ان جیسے لوگ ہوں؟

اور بہرحال سالم الافطس تو وہ مشہور تابعی ہیں ان کی روایات ترمذیؒ ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے بیان کی ہیں اور بہت سے حضرات نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ اور پختہ بات ہے کہ ارجاء کی طرف ان کو منسوب کرنا اسی معنی میں ہے جس کے قائل جمہور اہل حق ہیں۔ اور طلق بن حبیب بصری تو ابن عباسؓ کے اصحاب میں سے ہے اور اس کی روایت مسلمؒ اور سنن اربعہ میں لی گئی ہے۔ اور جس ارجاء کا وہ نظریہ رکھتا تھا وہ وہی ہے جس کا قول جمہور اہل حق کرتے ہیں۔ اور اس واقعہ کو بالفرض مان بھی لیا جائے تو امام ابوحنیفہؒ نے تو بہت اچھا کام کیا کہ ناپسندیدہ بدعت کی جانب اس کی نسبت کرنے میں غور و فکر سے کام لیا۔ اس لیے کہ اس جیسی صورت میں اس جیسے آدمی پر جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرنا ہی ضروری ہے۔ اور جب سائل کے بار بار تکرار کے بعد جواب دینے میں مجبور ہوئے تو جواب دیا کہ بے شک وہ بصری تھے جو قدریہ کی جانب منسوب ہیں جیسا کہ اکثر اہل بصرہ تھے تو سعید بن جبیر کی اس بات کا سبب بھی یہی تھا جس کا پہلے ذکر ہوا ہے اس کا سبب ارجاء نہیں تھا کیونکہ وہ تو ان سب کا مشترکہ نظریہ تھا۔ اور ابوحنیفہؒ سعید بن جبیر کے نظریہ کو خوب جانتے تھے اس لیے کہ بے شک وہ بھی اہل کوفہ میں سے تھے۔ اور انہوں نے اس کا زمانہ بھی پایا ہے بخلاف حماد بن زید کے کہ وہ بصری ہیں اور سعید کے زمانہ سے متاخر ہیں۔ اور ارجاء کے جس معنی

کے مطابق وہ نظریہ رکھتے تھے وہی خالص سنت ہے اور جو اس سے تجاوز کرتا ہے تو وہ لازماً دانستہ یا نادانستہ خوارج یا معتزلہ کے مذہب میں جا گرتا ہے۔

اور یہ اس لیے تھا کہ بے شک ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں اور ان کے بعد کچھ نیک لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ بے شک ایمان قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے جو کہ گھٹتا بڑھتا ہے۔ اور ان لوگوں کو ارجاء کی طرف منسوب کرتے جو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ ایمان یقین اور کلمہ کا نام ہے اور دلائل شرعیہ کو دیکھتے ہوئے خالص حق ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ الایمان ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے۔" یہ روایت امام مسلمؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے پیش کی ہے اور اسی پر جمہور اہل السنت کا عمل ہے۔ اور یہ نیک لوگ یقیناً اپنے اس اعتقاد کے ساتھ معتزلہ اور خوارج کے موافق ہوگئے اگرچہ وہ اپنے اعتقاد کے خلاف نظریہ کو بدعت اور ضلالت کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یقیناً کسی عمل میں خلل جبکہ اس عمل کو ایمان کا رکن قرار دیا جائے تو وہ ایمان میں خلل ہوگا تو جو شخص عمل میں خلل کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو گیا تو وہ یا تو کفر میں داخل ہوگا جیسا کہ خوارج کا نظریہ ہے اور یا وہ اس میں داخل نہیں ہوگا بلکہ کفر اور ایمان کے درمیان درجہ میں ہوگا جیسا کہ معتزلہ کا نظریہ ہے اور وہ لوگ تمام لوگوں میں ان دونوں فریقوں (معتزلہ اور خوارج) سے سب سے زیادہ بیزار تھے۔

پس جب وہ ان سے بیزار تھے تو اگر وہ اس نظریہ سے بھی بیزار تھے جس پر ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اور اس شان کے باقی ائمہ ہیں تو ان لوگوں کا کلام بے سوچے سمجھے نا معقول ہوگا۔ اور بہرحال جب وہ عمل کو صرف کمال ایمان سے شمار کریں تو شرم دلانے اور دشمنی کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی لیکن ان کا اس حد تک تشدد اس پر دلالت کرتا ہے کہ بے شک وہ عمل کو صرف کمال ایمان میں سے نہیں شمار کرتے بلکہ اس کو اس کا رکن اصلی شمار کرتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور تعجب کی بات ہے کہ ایسے لوگ جن کو حدیث میں امیر المومنین شمار کیا جاتا ہے ان میں سے ایک بڑے فخر سے کہتا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں اس شخص سے روایت درج نہیں کی جو یہ نظریہ

نہیں رکھتا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے۔ حالانکہ اس نے حریز بن عثمان اور عمران بن حطان اور ان جیسے غالی خارجیوں سے اپنی کتاب میں روایات لی ہیں۔ اور وہ صاحب یہ بھی جانتے ہیں کہ بے شک وہ حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے تو وہ حدیث ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک ثابت ہی نہیں ہے اور وہ حضرات جو دائیں بائیں کی پہچان نہیں رکھتے اور تساہل برتنے والے ہیں ان کی بات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس دلیل ظاہر ہوجانے اور مسئلہ کی وضاحت ہو جانے کے بعد اس شخص پر کیا طعن ہے جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ عمل ایمان کا رکن اصلی نہیں ہے اور اسی پر کتاب وسنت اور جمہور صحابہ اور تمام علماء اہل السنت ہیں جو خوارج اور معتزلہ دونوں فریقوں کی تردید کرتے ہیں۔ تو عمل کو ایمان کا رکن اصلی نہ ماننا ہی سنت ہے۔

اور بہرحال وہ ارجاء جس کو بدعت شمار کیا جاتا ہے تو وہ ان لوگوں کا نظریہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اور ہمارے اصحاب اس قسم کی کلام سے ایسے ہی بری ہیں جیسے بھیڑیا حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بری تھا۔ اور اگر اس مسئلہ میں ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا یہ نظریہ نہ ہوتا جو ان کا ہے تو جمہور مسلمانوں کو کافر قرار دینا لازم آتا جو کہ گناہوں سے معصوم نہیں ہیں اس لیے کہ وہ کسی نہ کسی وقت تو کسی نہ کسی عمل میں کوتاہی کر ہی جاتے ہیں اور اس میں بہت بڑی مصیبت ہے (کہ اس کی وجہ سے امت کی اکثریت کو ایمان سے خارج ماننا پڑتا ہے)

اعتراض ۲۱: (کہ ابو مسہر نے کہا کہ ابو حنیفہؒ مرجئہ کے سردار ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فرقہ مرجئہ کے ساتھ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کا ذرا بھی تعلق نہیں۔ جن لوگوں نے امام صاحب کو مرجئہ کہا ہے تو صرف اس لیے کہا ہے کہ وہ اعمال کو ایمان کا رکن اصلی نہیں مانتے اور اگر یہ نظریہ نہ اپنایا جائے تو جمہور مسلمانوں کو کافر قرار دینا لازم آتا ہے جو اعمال میں کوتاہی کے مرتکب ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۰ میں ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن سلیمان المودب۔ ابوبکر بن المقرئ۔ سلامہ بن محمد، العیسی۔ عبد اللہ بن محمد بن عمرو کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن محمد نے کہا کہ میں نے ابو مسہر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ مرجئہ کے سردار تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ کوئی بعید نہیں کہ یہ کلام ابو مسہر سے ثابت ہو اور وہ ان ناقلین

کے زمرہ میں ہے کہ مسئلہ میں ان کی بات کی کوئی اہمیت ظاہر نہیں ہوتی اور ہم نے ذکر کر دیا کہ ارجاء کے کس معنی کی وجہ سے ابو حنیفہؒ کی طرف یہ نسبت کی جاتی ہے اور وہ کس معنی میں ارجاء کا نظریہ رکھتے ہیں۔ اور یہ ان کے حق میں عیب نہیں بلکہ مدح ہے اگرچہ قائل اس سے عیب کا ارادہ کرے۔

اور اس کی سند میں ابوبکر ابن المقری وہ ہے جو الحافظ الثقہ محمد بن ابراہیم الاصبہانی ہے جس نے المعجم الکبیر لکھی ہے۔ اور اس میں اس نے وہ چیزیں لکھی ہیں جو اس نے اپنے مشائخ سے شہروں میں یا اپنے لمبے سفروں میں سنی تھیں لیکن اس نے ان روایات کی صحت کا التزام نہیں کیا جیسا کہ اکثر المعاجم لکھنے والوں کا طریق کار ہے۔ اور یہی مسند ابی حنیفہؒ کا مولف ہے اور اس میں اس نے وہ روایات لکھی ہیں جو اس نے اپنے ثقہ مشائخ سے سنی تھیں اور امام ابو حنیفہؒ کی مسانید میں سب سے عمدہ اسی کی مسند ہے۔ اس نے اس میں مسند احادیث پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں حاشیہ لکھنے والے کو یہ وہم ہوا کہ یہ محمد بن الحسن النقاش ہے جو کہ کذاب مشہور ہے اور یہ بہت برا وہم ہے۔ اور اس کا شیخ سلامة بن محمود القیسی ان صوفیاء میں سے ہے جو ہر چیز میں الا فی مثل ھذا کی استثناء کرنے والے ہیں۔ اور یہ الفریابی کے پیروکار میں سے ہے جو عسقلان میں مشہور ہے۔ اور ہم نے ارجاء کے بارہ میں کافی لمبی بحث کر دی ہے۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیلی طور پر وہ نظریہ معلوم کرے جس پر ابو حنیفہؒ تھے تو وہ رسالة ابی حنیفة الی عثمان البتی اور کتاب العالم والمتعلم جو کہ ابو مقاتل کی ابو حنیفہؒ سے روایت ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔ ان دونوں کتابوں میں اس مسئلہ میں خود ابو حنیفہؒ کی زبانی انتہائی تفصیل مذکور ہے اور یہ دونوں کتابیں دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہیں۔

اعتراض ۲۲: (کہ امام ابو حنیفہؒ دوسروں کو مرجئہ بننے کی دعوت دیتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ من گھڑت قصہ پیش کر کے راوی یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی روایت قابل قبول نہیں کیونکہ وہ ارجاء کی طرف دعوت دیتے تھے جو کہ بدعتی نظریہ ہے۔ حالانکہ بدعتی نظریہ والے ارجاء سے ابو حنیفہؒ کا ذرا بھی تعلق نہ تھا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۷۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۰ میں الحسن بن الحسین بن العباس النعالی' احمد بن جعفر بن سلم۔ احمد بن علی الابار۔ ابو یحیٰ محمد بن عبد اللہ بن یزید المقری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو یحیٰ کے باپ عبد اللہ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے

مجھے مرجئہ بن جانے کی طرف دعوت دی۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ قائل کا ارادہ یہ ہے کہ ثابت کرے کہ ابو حنیفہؒ بدعت کی طرف دعوت دینے والے تھے اور بدعتی آدمی کی روایت قابل قبول نہیں ہوتی جبکہ وہ بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ لیکن جس ارجاء کی طرف ابو حنیفہؒ جیسے حضرات دعوت دیتے تھے وہ تو خالص سنت تھی' وہ ایسی ارجاء نہ تھی جو کہ بدعت ہے اور اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے جبکہ فرض کر لیا جائے کہ یہ خبر ثابت ہے۔

اور بے شک اس کی سند میں جو النعالیؒ ہے وہ ابن دوما المزور ہے اس کے بارہ میں خود خطیبؒ نے کہا کہ اس کا معاملہ برباد ہوا۔ اس وجہ سے کہ بے شک وہ اپنے حق میں ان چیزوں کا سماع بھی ثابت کرتا ہے جو کہ اس نے سنی نہیں ہوتیں۔ تو اس جیسے آدمی کی روایت ناقلین کے ہاں کیسے محفوظ میں شمار ہو سکتی ہے۔ (مگر افسوس کہ) خطیبؒ کے ہاں اسی طرح کی روایت محفوظ ہوتی ہے۔ اور گویا کہ خطیبؒ نے اس سند کی کمزوری کو جان لیا تھا اسی لیے اس کی شاہد روایت پیش کی مگر اس میں بھی ابن رزق اور الحضرمی ہیں۔ لیکن ہم خطیبؒ کے لیے اعتراف کرتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ کہہ ہی دیتا ہے۔ اور کوئی مانع نہیں کہ ابو حنیفہؒ اس ارجاء کی طرف دعوت دینے والے ہوں جس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔

اعتراض ۲۳ : (کہ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ مرجئہ اور جہمیہ میں سے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بالکل من گھڑت واقعہ ہے اس لیے کہ امام ابو یوسفؒ تو آخر تک امام ابو حنیفہؒ کے ثناء خواں اور احسان مند رہے ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۰ میں ابن الفضل' عبد اللہ بن جعفر' یعقوب بن سفیان' احمد بن الخلیل' عبدۃ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبدۃ کہتے ہیں کہ میں نے ابن المبارک سے سنا جبکہ ابو حنیفہؒ کا تذکرہ ہو رہا تھا تو ایک آدمی نے کہا کہ اس میں گمراہی کی کوئی چیز پائی جاتی تھی تو اس نے کہا کہ ہاں اس میں ارجاء پایا جاتا تھا۔ اور آگے خطیبؒ نے دوسری سند نقل کر کے کہا کہ یعقوب نے کہا کہ مجھے ابو جزی عمرو بن سعید بن سالم نے بیان کیا کہ میں نے اپنے دادا سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ کیا ابو حنیفہؒ مرجئہ تھے تو اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا کہ وہ جہمیہ تھے تو اس نے کہا ہاں۔ پھر کہا گیا کہ پھر آپ کا اس سے تعلق کیوں تھا؟ تو اس نے کہا کہ ابو حنیفہؒ مدرس تھے تو

اس کی جو بات اچھی لگتی ہم اس کو قبول کر لیتے تھے اور جو بری ہوتی ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن جعفر جو اس سند میں ہے وہ ابن درستویہ ہے۔ وہ ایسا آدمی تھا کہ چند دراہم اس کو دیے جائیں تو وہ جھوٹ کہنے پر کمربستہ رہتا تھا۔ اور اس کا ذکر پہلے کئی بار گزر چکا ہے۔ اور اس کا راوی احمد بن الخلیل بغدادوی ہے جو کہ جور کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی۔ دار قطنیؒ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ اس سے احتجاج درست نہیں (روایت کا حال تو یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں محفوظ روایت ایسی ہی ہوتی ہے۔

اور خطیبؒ نے دوسری خبر میں کہا وقال یعقوب تو اس سے پہلے اگر وہی سند ہے جو پہلے بیان ہوئی تو اسمیں عبد اللہ بن جعفر الدراہمی ہے اور اگر پہلے کوئی سند نہیں تو خطیبؒ اور یعقوب کے درمیان بیابان ہیں۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اصل مطبوعہ نسخہ میں یعقوب کا استاذ ابوجزی عمرو بن سعید بن سالم ہے۔ پس یہ یقیناً غلط ہے اس لیے کہ جس نے ابویوسفؒ سے سوال کیا تھا وہ سعید تھا جیسا کہ اس سند میں ہے جو اس کے ساتھ ہی ذکر کی گئی ہے اور جیسا کہ ص ۳۸۵ اور ۳۹۹ میں آئے گا۔ تو اس صورت میں ابوجزی کا دادا سعید تب ہو سکتا ہے جبکہ ابوجزی اور عمرو کے درمیان لفظ ابن ہو جو کہ مطبوعہ نسخہ میں گرا ہوا ہے (اور عبارت اس طرح ہونی چاہیے ابوجزی بن عمرو بن سعید بن سالم تاکہ سعید ابوجزی کا دادا بن سکے) اور جو نسخہ ہندوستان میں طبع ہوا اور جو قلمی نسخہ دارالکتب المصریہ میں ہے ان میں ابن کا لفظ مذکور ہے جو کہ اس لفظ کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

اور ہم اس بارہ میں پورا پورا علم رکھنے کے بعد غور کرتے ہیں کہ یہ سعید بن سالم کونسا ہے؟ پس اگر یہ سعید بن سالم القداح ہے جو کہ ابویوسفؒ کے ساتھیوں میں سے ہے اور مکہ میں اہل عراق کی فقہ کو پھیلانے والا ہے اور امام شافعی کے اساتذہ میں سے ہے تو اس کا کوئی بیٹا عمرو نام کا نہیں ہے کیونکہ اس کے دو ہی بیٹے تھے۔ ایک کا نام علی اور دوسرے کا نام عثمان تھا اور اس دوسرے کے نام کی وجہ سے ہی اس نے ابوعثمان کنیت رکھی۔ اور اگر یہ سعید الباہلی ہے تو وہ سعید بن سالم نہیں بلکہ سعید بن سلم ہے جو کہ رشید کے زمانہ میں آرمینیہ کا عامل تھا۔ اور مسلمانوں کو اس عامل کی بد انتظامی کی وجہ سے اور اس کے مختلف احکامات اور حکمت اور عدل سے خالی فیصلہ جات کی وجہ سے وہاں جو مصائب برداشت کرنا

پڑے وہ تاریخ کا حصہ ہیں جیسا کہ تاریخ ابن جریر وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور وہ اس لائق نہیں کہ اس جیسے مسائل میں اس کی بات قبول کی جائے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ اس کا بھی کوئی بیٹا عمرو نام کا معروف نہیں ہے اور نہ ہی اس کا پوتا ہے جس کی کنیت ابوجزی ہو کیونکہ اس کے بیٹے کا نام محمد ہے۔ اور ابوحاتمؒ نے اس کو ترک کر دیا اس لیے کہ یہ اپنی روایات میں اضطراب کرتا تھا جیسا کہ تعجیل المنفعة میں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ سند میں جو عمرو مذکور ہے وہ محمد سے بدلا ہوا ہو (کہ اصل میں محمد ہو مگر کسی نے خط میں مماثلت کی وجہ سے اس کو عمرو کر دیا ہو) جیسا کہ پرانے خطوط کے ماہر پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے بلکہ ایسا اکثر کتابوں میں ہو جاتا ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یعقوب کی جانب منسوب روایت کی اس سند میں مجہول راوی ہیں۔ اور انتہائی بے شرمی کی بات ہے کہ اس من گھڑت قصہ کو ابویوسفؒ کی زبان سے بیان کیا گیا ہے حالانکہ وہ تو ابوحنیفہؒ کے بہت خاص شاگردوں میں سے ہیں اور ابوحنیفہؒ کی زندگی اور وفات کے بعد ان کی بہت رعایت رکھنے والے طرفدار تھے۔ پس اللہ کی پناہ کہ اس جیسا بہتان اس پر باندھا جائے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں جہم بن صفوان کے باطل مذہب سے سب سے زیادہ دور ہیں جو کہ جبر کا قائل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنے والا ہے۔ اور ابو یوسفؒ ان رسوا کن چیزوں سے بھی دور ہیں جو اس جہم کی طرف مشہور ہیں۔

اعتراض ۲۴ : (کہ ابویوسفؒ نے ایک آدمی سے کہا کہ تو ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھ کر کیا کرے گا وہ تو اس حال میں مرا تھا کہ جہمی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ابویوسفؒ کی زبانی ابوحنیفہؒ کو جہمی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے خود ابویوسفؒ کو بھی جہمی کہا ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۱ میں ابوبکر محمد بن عمر بن بکیر المقرئ۔ عثمان بن احمد بن سمعان الرزاز۔ ہیثم بن خلف الدوری۔ محمود بن غیلان۔ محمد بن سعید عن ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن سعید کے والد سعید کہتے ہیں کہ میں جرجان میں امیرالمومنین موسیٰ کے ساتھ تھا اور ہمارے ساتھ ابویوسفؒ تھے تو میں نے ان سے ابوحنیفہؒ کے بارہ میں پوچھا تو اس نے کہا کہ تو اس کو کیا کرے گا؟ اور بے شک وہ جہمی مرا ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ہیثم بن خلف الدوری ہے اور الاسماعیلی اپنی صحیح

میں نقل کرتے ہیں کہ وہ خطا پر اصرار کرتا تھا۔ اور اس جیسے آدمی کی روایت پر توقف ہوتا ہے۔ اور محمد بن سعید جو اس کی سند میں ہے' وہ ابن سلم الباهلی ہے اور اس کے بارہ میں ابن حجرؒ نے تعجیل المنفعه میں کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث مضطرب ہے اور ابو حاتم نے اس کو ترک کر دیا تھا اور اس کو ابو زرعہ نے کمزور کہا پس کہا کہ وہ لیس بشئی ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ ہی کی جانب ہی شکوہ کرتے ہیں۔ ان راویوں کا جو کوئی بناوٹی بات پیش کرنے اور پھر اس کے خلاف کہنے میں اللہ تعالیٰ کا خوف بھی نہیں رکھتے۔ یہاں یہ ثابت کر رہے ہیں کہ بے شک ابو یوسف نے اپنے استاد پر جہمی ہونے کا عیب لگایا ہے اور ابو یوسف کے ترجمہ میں آپ انہی لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ ابویوسفؒ پر جہمی مذہب پر ہونے کی نسبت کرتے ہیں جیسا کہ آپ اس کو ابویوسفؒ کے ترجمہ میں پائیں گے جو کہ العقیلی نے نقل کیا ہے۔ اور ہم اس کو انشاء اللہ تعالیٰ آگے نقل کریں گے۔ اور یہ من گھڑت افسانہ انتہائی غلط ہے اس لیے کہ یہ روایت اس کے مخالف ہے جس میں ابو حنیفہؒ سے جہم بن صفوان کے باطل مذہب کا انتہائی رد مشہور ہے اور یہ اس بات کے بھی خلاف ہے جو تواتر سے چلی آرہی ہے کہ ابویوسفؒ باقی لوگوں کی بہ نسبت ابوحنیفہؒ کی خوبیوں کو زیادہ جانتے تھے اور ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے احسان مند رہے۔ (روایت کا حال تو یہ ہے مگر افسوس کہ) خطیبؒ کے ہاں محفوظ روایت اس جیسی ہوتی ہے اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ ثابت ہے تو ابویوسفؒ کی اس کلام سے مراد سائل پر نکتہ چینی اور اس پر چوٹ کرنا ہوگی کیونکہ سائل ابوحنیفہؒ کو جہمی خیال کرتا ہوگا تو ابوحنیفہؒ کے بارہ میں سائل کے اس اعتقاد کے ہوتے ہوئے ابویوسفؒ نے اس کے بارہ میں اس کے سوال کو اچھا نہ سمجھا۔ (اور اس پر چوٹ کی کہ تجھے اس سے کیا لگے وہ تو تیرے خیال میں جہمی مرا ہے)

اعتراض ۲۵ : (کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ جہم بن صفوان کی عورت ہماری عورتوں کو ادب سکھاتی تھی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی من گھڑت ہے اور اگر یہ واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو جہم کی بیوی کے عورتوں کو ادب سکھانے کی وجہ سے ابوحنیفہؒ پر کیا اعتراض ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۱ میں محمد بن اسماعیل بن عمر البجلی۔ محمد بن محمد بن عبد اللہ الطویل النیسابوری۔ ابوحامد بن بلال۔ ابن شتویہ بن مازیار۔ علی بن عثمان کی سند نقل کر کے کہا کہ علی بن عثمان نے کہا کہ میں نے زنبور سے سنا

وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے ہاں جہم بن صفوان کی عورت آئی تو اس نے ہماری عورتوں کو ادب سکھایا)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس خبر کی تردید کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی سند میں زنبور ہے اور وہ محمد بن یعلی السلمی ہے اور بے شک بخاریؒ نے اس کے بارہ میں کہا کہ وہ ذاہب الحدیث ہے۔ (اور یہ متروک الحدیث کے برابر کی جرح ہے) اور نسائیؒ نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ اور ابوحاتمؒ نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ اور احمد بن سنانؒ نے کہا کہ وہ جہمی تھا اور اہل نقد کے ہاں یہ بات پختہ ہے کہ بدعتی آدمی کی وہ روایت قابل قبول نہیں ہوتی جو اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو اس کی کلام جہم کے مذہب کی تائید میں قبول نہیں کی جا سکتی۔

علاوہ اس کے یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ بے شک وہ ۲۰۲ھ میں فوت ہوا تو تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دولت امویہ کے آخر زمانہ میں پائے جانے والے واقعات کو کم عمری کی وجہ سے معلوم کر سکا ہو تو خبر میں انقطاع بھی ہے اور متروک الحدیث اور مجہول راوی بھی ہیں اس لیے کہ بے شک علی بن عثمان جو ہے وہ النفیلی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ وہ وفات کے لحاظ سے بہت بعد زمانہ کا ہے تو وہ زنبور کو نہیں پا سکتا۔ (تو یہ علی بن عثمان نہ جانے کونسا ہے) اور ابن ختویہ بن مازیار جو ہے وہ محمد بن عمرو الشیرازی نہیں ہے کیونکہ اس کی وفات بہت پہلے کی ہے اور نہ ہی وہ ابراہیم بن محمد المزکی الیسابوری ہے اس لیے کہ اس کی وفات ابوحامد بن بلال کی وفات کے بہت عرصہ بعد ہوئی ہے۔ اور نہ ہی وہ المزکی کے آباؤ اجداد میں سے کوئی ہے اس لیے کہ اس خاندان کا جد ختویہ بن عبد اللہ ہے نہ کہ ختویہ بن مازیار جیسا کہ یہاں ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ عبد اللہ کی جگہ مازیار کا ذکر کر دیا گیا ہے تو بھی یہ مجہول ہے اس لیے کہ اس کی صفت معلوم نہیں ہو سکی۔ (تو یہ راوی مجہول الصفت ہے)

اور رہی بات ابوعبد اللہ الجعفی کی جو اس نے اپنی تاریخ صغیر میں کہی ہے کہ میں نے اسماعیل بن عرعرہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ ہمارے ہاں جہم کی عورت آئی تو اس نے ہماری عورتوں کو ادب سکھایا۔ تو اس روایت کی حالت بھی پہلی روایت سے کوئی اچھی نہیں ہے۔ اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اسماعیل بن عرعرہ کا زمانہ بہت بعد کا ہے تو اس کے اور ابوحنیفہؒ کے درمیان انقطاع ہے۔ اور اسماعیل بن عرعرہ مجہول الصفت بھی ہے۔ اس کا تذکرہ تاریخ والوں میں سے کسی نے نہیں کیا جن کا ہم نے مطالعہ کیا ہے۔ یہاں تک

کہ امام بخاریؒ نے بھی اپنی تاریخ کبیر میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ انہوں نے اس سے یہ مقطوع خبر روایت کی ہے۔ ہاں اس کا ذکر عبد اللہ بن احمدؒ کی کتاب السنہ ص ۲۷ اور ص ۱۵۴ میں ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ بے شک یہ بصری ہے اور عباس بن عبد العظیم العنبری کا ہم عصر ہے۔ اور اس میں معمولی سا فائدہ بھی نہیں ہے۔ یہ جاننے کے بعد کہ صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے بھی اس عرعرہ سے روایت نہیں لی اور بہرحال جو اس نے الحلاق کے قصہ میں الحمیدی سے روایت کی ہے تو وہ بھی منقطع ہے۔ کیونکہ الحمیدی کا زمانہ ابوحنیفہؒ کے زمانہ سے بہت بعد کا ہے۔ اور بہرحال اس نے جو روایت سفیان بن عیینہؒ سے نعیم بن حمادؒ کے طریق سے کی ہے تو اس کی سند میں نعیم کا ہونا ہی اس کے رد کے لیے کافی ہے۔ اور اس کے بارہ میں کم از کم جو الفاظ کہے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ بے شک وہ صاحب مناکیر تھا اور ابوحنیفہؒ کے مطاعن وضع کرنے کے ساتھ متہم تھا (کہ ابوحنیفہؒ کے بارہ میں طعن والے واقعات گھڑتا تھا) اور بہرحال امام بخاری کا اپنی تاریخ کبیر میں کہنا کہ ابوحنیفہؒ مرجئہ تھے اور حضرات محدثین نے اس سے اور اس کی رائے سے اور اس کی حدیث سے سکوت کیا ہے۔ تو یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ جن حضرات نے اس سے اعراض کیا ہے تو ان کے اعراض کی یہ وجہ تھی۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک جس ارجاء کی نسبت ان کی طرف کی جاتی تھی وہ تو خالص سنت ہے۔ غلط باتیں منسوب کرنے والے جاہل ناقلین ذلیل ہوں۔ اور اس کے نظریہ کے خلاف تو خوارج کی طرف میلان ہوگا جیسا کہ آپ اس کی وضاحت اس کتاب میں انتہائی وضاحت سے پائیں گے۔ تو اس سے اعراض کرنے والا یا تو خارجی ہوگا جیسا کہ عمران بن حطان اور حریز بن عثمان ہیں یا معتزلی ہوگا جو کہ کفر اور ایمان کے درمیان درجہ مانتے ہیں۔ اور اس کے بارہ میں اگر اس سے بعض ناتجربہ کار ناقلین کا سکوت مراد ہو تب تو سکوت کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ اور یہ چیز اس کو کوئی نقصان نہیں دیتی بعد اس کے کہ اس کی فقہ زمین کے مشارق اور مغارب میں ایسی عام ہو چکی ہے کہ اگر بالفرض اس کی کتابیں اور اس کے اصحاب کی کتابیں صفحہ ہستی سے مٹا بھی دی جائیں تو اس کے مسائل اس کے مخالفین کی کتابوں میں اسی طرح عرصہ دراز تک زندہ رہیں گے اور وہ کتابیں ان لوگوں کی ہیں جو فقہاء کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بے شک اس کے حاسد ذلیل وخوار ہوتے رہیں۔ اور اگر سکوت کے دعویٰ سے قائل کی مراد اس کے علاوہ ہے تو وہ یقیناً لاپرواہی کے راستہ پر چلنے والا ہے۔ اپنی زندگی کے ان حالات کو بھولنے والا ہے جو اس کو ابو

حفص الکبیر البخاری کے حلقہ میں پیش آئے اور ان کو جو نیشاپور اور بخارا کے لوگوں سے ان کو روحانی سزائیں ملیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کا معاملہ فرمائے۔ اور جو اس کی تاریخ اوسط میں ہے وہ بھی راہ راست سے ہٹے ہوئے ہونے میں اسی قبیل کی ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ روایت میں انقطاع اور راوی میں عدم ضبط اور اس پر کذب کی تہمت اور راوی کا مجہول العین ہونا اور مجہول الوصف ہونا اور راوی میں بدعت کے پائے جانے کے احکام ناقلین کے ہاں یہ ہیں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے خبر رد ہو جاتی ہے مگر جب ابو حنیفہؒ پر طعن کی خبریں ہوتی ہیں تو تمام کمزوریوں کے باوجود ان خبروں کو قبول کر لیا جاتا ہے حالانکہ ابو حنیفہؒ وہ ہیں جن کو زمانہ لگاتار گزرنے کے باوجود نصف امت بلکہ امت کی دو تہائی اکثریت نے دین میں اپنا امام بنایا ہے۔ بے شک کینہ ور جاہل غلط باتیں منسوب کرنے والے خواہ کتنے ہی سچ پا ہوں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خواہشات کی اتباع سے دور رکھے۔ اور اگر ہم فرض کرلیں کہ بے شک جہم کی بیوی کوفہ کی عورتوں کو ادب سکھاتی تھی تو اس کی وجہ سے ابو حنیفہؒ پر کیا طعن ہے؟ اور کیا اس واقعہ کو پیش کرنے والا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ بے شک وہ کوفہ کی عورتوں کو جہم کا باطل مذہب سکھاتی تھی اور اس عورت سے ابو حنیفہؒ کے گھر والے اس باطل مذہب کو قبول کرتے تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ ابو حنیفہؒ بھی قبول کرتے تھے۔ مگر اس سے یہ سب کچھ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟

اور اس جیسی روایت بیہقیؒ کی الاسماء والصفات میں ہے جو اس نے ص ۴۲۸ میں یحییٰ بن یعلیٰ۔ نعیم بن حماد۔ نوح بن ابی مریم اباعصمہ کی سند کے ساتھ ذکر کی ہے کہ ابو عصمہ کہتے ہیں کہ ہم ابو حنیفہؒ کے پاس تھے جبکہ جہم کا معاملہ اول اول ظاہر ہوا تھا اس وقت ایک عورت ترمذ سے اس کے پاس آئی جو کہ جہم کے پاس اٹھتی بیٹھتی تھی تو جب وہ کوفہ میں داخل ہوئی تو میرا خیال ہے کہ کم از کم دس ہزار لوگ اس کے گرد جمع تھے جن کو وہ اپنی رائے کی طرف دعوت دیتی تھی تو اس عورت سے کہا گیا کہ بیشک یہاں ایک آدمی ہے جو منطق پر گہری نظر رکھتا ہے اور اس کو ابو حنیفہؒ کہا جاتا ہے تو وہ عورت ان کے پاس آئی تو اس نے کہا کہ تو وہ شخص ہے جو لوگوں کو مسائل سکھاتا ہے اور بیشک میں نے تیرا دین چھوڑ دیا ہے۔ مجھے بتلا کہ تیرا معبود کہاں ہے جس کی تو عبادت کرتا ہے؟ تو ابو حنیفہؒ نے اس عورت کو جواب دینے سے خاموشی اختیار کی پھر سات دن گزر گئے کہ اس کو جواب نہ دیا پھر اس عورت کے پاس آئے اور کتاب کو رکھا اور کہا بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے' زمین

میں نہیں تو ایک آدمی نے اس سے کہا کہ پھر آپ کا اس آیت کے بارے میں کیا نظریہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وھُوَ مَعَکُمْ کہ وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک آدمی دوسرے کی طرف لکھتا ہے کہ بیشک میں تیرے ساتھ ہوں حالانکہ وہ اس کے پاس موجود نہیں ہوتا۔ میں (امام بیہقی) کہتا ہوں کہ بیشک ابو حنیفہؒ نے اچھا نظریہ اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے زمین میں ہونے کی نفی کی اور جو اس نے آیت کی تاویل میں طریق اختیار کیا' وہ بھی اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مطلق سماع کی اتباع کی جس میں ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے اور اس قول کی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ پس یہ حکایت جو ہم نے ذکر کی ہے' اگر اس سے ثابت ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ کے معنی کے مطابق ہے۔ الخ یعنی اس آیت میں فی کو علی کے معنی میں محمول کر کے یہ معنی کریں گے کہ اس کو مخلوق پر غلبہ اور تدبیر کے لحاظ سے کنٹرول حاصل ہے اور مخلوق کے ساتھ اختلاط سے منزہ ہے اور مسافت کے لحاظ سے اس سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے بلند اور منزہ ہے جیسا کہ میں نے بیہقی کی الاسماء والصفات میں کئی مقام پر حاشیہ میں وضاحت کی ہے (امام بیہقی نے اس خبر پر جو تبصرہ کیا ہے' اس کے بارے میں علامہ کوثری فرماتے ہیں) لیکن ابو حنیفہؒ ایسے دفاع سے بے نیاز ہیں جس قسم کا دفاع یہاں بیہقی نے کیا ہے اور بیشک ابو حنیفہؒ کو تو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت جہم کے باطل نظریہ اور اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ماننے کے باطل نظریہ سے پاک رکھا ہے بلکہ بیہقی پر واجب تھا کہ اس خبر کی تکذیب کرتے اور تاویل میں مبالغہ کرنے سے دور رہتے۔

اور اس واقعہ کی سند میں بہت سے مشکوک راوی ہیں۔ اور ابو محمد بن حیان جو ہے وہ ابو الشیخ ہے جس کی کتاب العظمۃ اور کتاب السنہ ہیں اور ان دونوں کتابوں میں ایسے من گھڑت واقعات ہیں جو کسی اور میں نہیں ملتے اور اس کو اس کے ہم وطن الحافظ العسال نے ضعیف کہا ہے اور نعیم بن حماد تو ابو حنیفہؒ کے خلاف مطاعن گھڑنے میں مشہور ہے اور اہل جرح کی اس کے بارے میں کلام بہت طویل ہے اور اصول دین کے بہت سے بڑے بڑے علماء نے اس کو مجسمہ میں شمار کیا ہے (یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتے ہیں) بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے لیے گوشت اور خون بھی مانتے ہیں اور وہ ابن ابی مریم کا ربیب (لے پالک) تھا اور اس کے بارے میں اہل جرح کا کلام مشہور ہے اور وہ بھی مقاتل بن سلیمان کا لے پالک تھا جو کہ مجسمہ کا شیخ تھا اور ہو سکتا ہے کہ بیہقیؒ نے اپنے اس قول میں اسی طرف

اشارہ کیا ہو کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے لیکن بیہقیؒ کا یہ اشارہ کافی نہیں ہے اور حالات اس کے جھوٹا ہونے کے گواہ ہیں کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ بیشک ابو حنیفہؒ اس شخص کو کافر خیال کرتے تھے جو یہ نظریہ رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں متمکن ہے اور اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ البیاضیؒ کی اشارات المرام کی طرف مراجعت کریں اور وہ دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔

اور جو حکایت ابن ابی مریم کی طرف منسوب ہے' اگر اس کا وقوع بنو امیہ کے آخر زمانہ میں فرض کرلیا جائے تو اس وقت تک تو ابن ابی مریم نے عراق کی طرف سفر ہی نہیں کیا تھا اور اگر عباسی دور میں ہو تو جہم کے معاملے سے اس وقت فراغت حاصل کرلی گئی تھی اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا تھا اور بالخصوص اگر ایک ایسی عورت سے اس قسم کی دعوت فرض کرلی جائے جس کے ارد گرد دس ہزار افراد ہوں تو اتنی بڑی خبر کا تو تاریخ کی کتابوں میں بہت تذکرہ ہونا چاہئے حالانکہ اس خبر کا ذرا بھی تذکرہ تاریخ کی ان کتابوں میں نہیں ہے جو ہمارے پاس اور دیگر جمہور اہل علم کے پاس ہیں خواہ وہ قلمی نسخے ہوں یا مطبوعہ ہوں۔ اور اس خبر کے بارہ میں ہر جانب سے کذب ظاہر ہے اور بیشک میں (علامہ کوثری) نے الاسماء والصفات کا کئی مقامات پر حاشیہ لکھا اس کے مطابق جو پہلے گزر چکا۔ اور اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ ان میں (ابو حنیفہؒ کے مخالفین) سے دفاع کرنے والے تہمت کا دفاع کرتے ہیں اور جھوٹے مخالفین علانیہ تہمتیں لگاتے ہیں۔

اعتراض ۳۶: (کہ جب جہم کی لونڈی خراسان سے کوفہ آئی تو ابو حنیفہؒ اس کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خطیبؒ نے خود لکھا ہے کہ ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف دونوں جہم بن صفوان کو کافر کہتے تھے۔ جب صحیح روایات سے یہ ثابت ہے تو کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ ابو حنیفہؒ جہم کی تعظیم کی خاطر اس کی لونڈی کی تعظیم کرتے تھے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۵ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۱ میں الحسن بن الحسین بن العباس بن دوما النعالی' احمد بن جعفر بن سلم الختلی' احمد بن علی الابار' منصور بن ابی مزاحم' ابو الاخنس الکنانی کی سند نقل کرکے کہا ہے کہ الاخنس کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا یا مجھے کسی ثقہ آدمی نے بتایا کہ اس نے دیکھا کہ ابو حنیفہؒ جہم کی اس لونڈی کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے جو خراسان سے آئی تھی اور وہ اس عورت کے اونٹ کو کوفہ کی طرف چلا رہے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس حکایت میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے والا کتنا غفلت کا شکار آدمی ہے۔ جو جانتا ہی نہیں کہ اس نے ابو حنیفہؒ کو خود دیکھا تھا یا اس واقعہ کو دیکھنے والے سے سنا تھا اور اس خبر کی سند میں ابن دوما المزور ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس کا سند میں ہونا ہی اس کے باقی راویوں کے بارے میں بحث سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ پس کس قدر بے شرمی ہے کہ ایسی خبر کو پیش کیا جاتا ہے جس کا من گھڑت ہونا ظاہر ہے اور اس کا جھوٹا ہونا بیان بھی نہیں کیا جاتا اور یہ ان کے بہتانوں کی مثالوں میں سے ایک مثال ہے جو بہتان فقیہ ملت پر باندھے گئے اور اللہ تعالیٰ ہی ان سے حساب لینے والا ہے۔ اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں قدمت من خراسان کے جملہ میں من کو ذکر نہیں کیا گیا اور صحیح بات یہ ہے کہ عبارت کو درست کرنے کے لیے اس کو ذکر کرنا چاہیے۔

ابو حنیفہؒ جہم بن صفوان کو کافر کہتے تھے۔ خود خطیبؒ کا اقرار

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۶ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۲ میں الخلال' الحریری' علی بن محمد النخعی' محمد بن الحسن بن مکرم' بشر بن الولید کی سند نقل کر کے کہا ہے کہ بشر بن الولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو یوسفؒ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ خراسان میں دو طبقے ایسے ہیں جو انسانوں میں بد ترین ہیں' ایک جہمیہ اور دوسرے المشبهه اور بعض دفعہ (المشبهة کی جگہ) المقاتلیہ کہتے تھے اور النخعی نے محمد بن علی بن عفان' یحییٰ بن عبد الحمید بن عبد الرحمٰن الحمانی عن ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد الحمید نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ جہم بن صفوان کافر ہے۔ میں (علامہ کوثری) کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن احمد کی کتاب السنہ میں یہ عبارت یوں ہے کہ میرے سامنے ابو جعفر محمد بن الحسین بن ابراہیم بن اشکاب نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ اور الہیثم بن خارجہ سے سنا' وہ دونوں کہتے تھے کہ ہم نے ابو یوسف القاضی سے سنا' وہ کہتے تھے کہ خراسان میں دو طبقے ایسے ہیں کہ روئے زمین پر ان دونوں سے بد تر اور کوئی نہیں ہے' ایک الجہمیہ اور دوسرے المقاتلیہ الخ۔ پس اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ بیشک ان دونوں طبقوں کے بارے میں ابو یوسف کا کلام انتہائی سخت ہے اور دونوں خبروں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بیشک ابو حنیفہؒ اور ابو یوسف دونوں جہمیہ اور مشبہہ سے لا تعلق تھے' بیشک سارے افسانے گھڑنے والے کذاب بیخ پا ہوتے رہیں۔

اور ابن ابی العوام کی عبارت محمد بن احمد بن حماد' احمد بن القاسم البرتی' ابو حفص المروزی' بشربن یحییٰ' نصر بن محمد کی سند کے ساتھ ہے کہ نصر بن محمد نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ جہم اور مقاتل دونوں فاسق ہیں۔ ایک نے تشبیہ (اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا) میں افراط کیا اور دوسرے نے نفی میں افراط سے کام لیا۔ اور ابو حنیفہؒ سے اس طرح کی اور بھی بہت سی روایات ہیں جن میں انہوں نے جہمیہ اور مقاتلیہ پر رد کیا ہے۔ کیا ایسے شخص کو جہمیہ فرقہ کی طرف منسوب کرنا آدمی کے نظریہ کے خلاف نسبت کے مترادف نہیں ہے؟

خطیبؒ کا اقرار کہ ابو حنیفہؒ معتزلہ کے خلاف تھے

خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۶ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۲ میں کہا کہ ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیشک ابو حنیفہؒ وعید کے مسئلہ میں معتزلہ کے خلاف ہیں اس لیے کہ بیشک وہ مرجئہ میں سے ہیں اور خلق افعال کے مسئلے میں بھی ان کے خلاف ہیں اس لیے کہ بیشک وہ تقدیر کو مانتے ہیں۔ اور آگے ابن رزق' ابن سلم' احمد بن علی الابار' ابو یحییٰ بن المقری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے ایک سرخ رنگ کے آدمی کو دیکھا گویا کہ وہ اہل شام میں سے تھا۔ اس نے ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ ایک آدمی اپنے قرض خواہ کے پیچھے پڑ گیا تو اس نے اس کو قسم دی کہ اگر میرے اور تیرے درمیان قضاء حائل نہ ہوئی تو کل تیرا حق دے دوں گا اور اگر نہ دوں تو میری بیوی کو طلاق۔ تو اگلے دن وہ زنا کی مجلس میں بیٹھا اور شراب پینے لگا؟ تو امام ابو حنیفہؒ نے اس کو جواب دیا کہ وہ آدمی نہ تو اپنی قسم میں حانث ہوا اور نہ ہی اس کی بیوی کو طلاق ہوئی۔ میں (علامہ کوثری) کہتا ہوں کہ بیشک ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں کہ ایمان کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا کہ ان کو مرجئہ میں شمار کیا جائے اور پہلے ابو الولید الباجیؒ کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ ابو حنیفہؒ کا عبادت میں انتہاء درجہ کو پہنچا ہوا ہونا تواتر سے ثابت ہے تو خطیبؒ کے لیے کیسے گنجائش نکلتی ہے کہ وہ اپنے کلام کی ابتداء میں یقین کے ساتھ کہے کہ وہ بیشک مرجی تھے اور شاید کہ خطیبؒ کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بیشک عمل ایمان کا رکن اصلی ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو اس وقت اس پر کیا حکم لگے گا جبکہ وہ دمشق میں اس گناہ کا مرتکب تھا (کیا وہ اس وقت ایمان سے نکل چکا تھا) یا جس وقت

وہ ابو حنیفہؒ کے خلاف ان من گھڑت افسانوں کا الزام لگا رہا تھا اور ابو حنیفہؒ جب عمل کو ایمان کا رکن اصلی شمار نہیں کرتے تو انہوں نے ان لوگوں کی تردید کا ارادہ کیا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ بیشک جو آدمی کسی عمل میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا کیونکہ وہ ایمان سے خارج ہو گیا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ گنہگار مومن کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ اگر چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور اسی وجہ سے خوارج اور ان کے پیروکار ان کی طرف ارجاء کی نسبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان سے حساب لے گا۔

اور بہرحال خطیبؒ نے اپنے دعویٰ میں جو یہ ذکر کیا ہے کہ بیشک ابو حنیفہؒ تقدیر کو ثابت کرتے (مانتے) تھے تو ابو حنیفہؒ اس جیسی بے مزہ خبروں سے بے نیاز ہیں جو وہم ڈالتی ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک گنہگار معذور ہے اس لیے کہ وہ گناہ تو اس پر مقدر کیا گیا تھا تا کہ اس پر وہ اعتراض کیا جا سکے جو قدریہ پر وارد ہوتا ہے۔ اور خطیبؒ کی خواہش ہر وقت اس چیز کو بگاڑنے کی ہوتی ہے جس کا تعلق ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ بظاہر ان کی طرف سے دفاع ہی کرنے والا ہو۔ اور الانتقاء میں ابن عبد البرؒ نے اپنی سند کے ساتھ جو ذکر کیا ہے اس میں ابو حنیفہؒ کے بدعت سے پاک عقیدہ کا ذکر ہے بلکہ عبد القاہر البغدادیؒ المتوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب اصول الدین ص ۳۰۸ میں لکھتے ہیں جہاں انہوں نے علم الکلام میں دین کے ائمہ کا ذکر کیا ہے "اور فقہاء میں اور ارباب مذاہب میں سے پہلے متکلم ابو حنیفہؒ ہیں۔ پس بیشک ابو حنیفہؒ کی قدریہ کے رد میں ایک کتاب ہے جس کا نام الفقہ الاکبر ہے اور ان کا ایک رسالہ ہے جو انہوں نے اہل السنت کے اس نظریہ کی تائید میں لکھوایا تھا کہ استطاعت وہ معتبر ہے جو فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے" اور اہل علم میں مشہور ہے کہ بیشک ابو حنیفہؒ فقہ کی جانب مصروف ہونے سے پہلے بیس سے بھی زیادہ مرتبہ بصرہ کی طرف قدریہ وغیرہ گمراہ فرقوں سے مناظرہ کرنے کے لیے گئے تھے۔ اور گویا کہ خطیبؒ کو کوئی ایسی خبر نہیں ملی جو یہ ثابت کرتی ہو کہ بیشک ابو حنیفہؒ قدریہ کی تردید کیا کرتے تھے سوائے اس بد مزہ حکایت کے جس کی سند میں ابن رزق اور ابن سلم اور الابار جیسے راوی ہیں (یعنی خطیبؒ نے اس بارے میں صحیح روایات کو نظر انداز کر کے قابل اعتراض سند سے یہ حکایت نقل کی تا کہ لوگوں میں وہم ڈالے) ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی مانگتے ہیں۔

تاریخ بغداد کے نسخوں میں فرق

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۷ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۳ میں کہا اخبرنا القاضی ابو جعفر السمنانی ..... میں (علامہ کوثری) کہتا ہوں کہ اس جلد کے اس صفحہ سے لے کر امام ابو حنیفہؒ کے آخر ترجمہ تک تقریباً" بیس اوراق صرف اس نسخہ میں پائے جاتے ہیں جو دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے جس کا اندراج نمبر ۹۰ ہے۔ اور یہ نسخہ نہ مسموعہ ہے اور نہ مقروہ اور اس میں اس قدر تصحیفات (تغیرات) ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے۔ اور قارئین کرام ہندی مطبوعہ نسخہ میں اس کی کئی مثالیں پائیں گے اس لیے کہ بیشک وہ اس اصل بگڑے ہوئے نسخے کے مطابق ہے۔ اور الکبرلی کا نسخہ جو فوٹو اسٹیٹ ہے جو دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے' وہ اس زیادتی سے خالی ہے (یعنی اس میں یہ اوراق نہیں ہیں) اور میں نے یہ کتاب طبع کرانے والے کو تلقین کی تھی کہ الکبرلی والے نسخے پر اکتفا کرے اور صفحہ کے نیچے اشارہ دے دے کہ ایک اور کمزور نسخہ ہے جس میں ایسے اضافے ہیں جو کہ سب گالیوں اور طعن پر مشتمل ہیں جن سے اہل علم بری الذمہ ہیں۔ ہم چونکہ اس سے مطمئن نہ تھے اس لیے ہم نے اس کو طبع نہیں کیا لیکن طابع نے میری رائے کو نہ لیا کیونکہ اس پر سلفیوں کی ایک جماعت اور ان کے قائدین کا مسلسل دباؤ تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تو اس کی طباعت اسی ناموافق نسخے کے مطابق مکمل ہوئی تو الازہر میں ایک قیامت بپا ہو گئی یہاں تک کہ حکومت نے طابع کو اس طریقہ کے مطابق وہ جلد دوبارہ طبع کرانے کا پابند کیا جس میں ابو حنیفہؒ کا ترجمہ ہے جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور طابع میرے سامنے بہت شرمندہ تھا کہ اس نے میری رائے پر عمل نہ کیا اور خود غرض لوگوں کی متابعت کی۔

اعتراض ۷۲: (کہ قرآن کریم کو مخلوق کہنے کا قول سب سے پہلے ابو حنیفہؒ نے کیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مذاہب کی کتابوں میں تفصیل سے لکھا ہے کہ اس نظریہ کے بانی الجعد بن درہم اور جہم بن صفوان ہیں لہذا یہ نسبت جو ابو حنیفہؒ کی طرف کی گئی ہے' بالکل من گھڑت ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۸ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۴ میں البرقانی' محمد بن العباس الخزاز' جعفر بن محمد الصندلی' اسحاق بن ابراہیم ابن عم ابن منیع' اسحاق بن عبد الرحمٰن' الحسن بن ابی مالک کی سند نقل کر کے کہا کہ الحسن بن ابی مالک ابو یوسف سے

روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے قرآن کریم کو مخلوق کہا' وہ ابو حنیفہؒ ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے یہ بات کافی نہ سمجھی کہ بیشک ابو حنیفہؒ قرآن کو مخلوق کہنے کا نظریہ رکھتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ان کو اس نظریہ کا بانی بنا دیا بلکہ انہوں نے اس من گھڑت افسانہ کو ابو حنیفہؒ کے ساتھیوں میں سب سے خاص ابو یوسف کی زبانی اور ابو یوسف کے خاص ساتھی الحسن بن ابی مالک کی زبانی گھڑا اور یہ دونوں حضرات تو ابو حنیفہؒ کی طرف داری میں باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ رعایت رکھنے والے تھے۔ اور اس من گھڑت خبر کی سند میں الخزاز ہے اور پہلے اس کا ذکر ہو چکا ہے اور اس کا راوی اسحاق بن عبد الرحمٰن مجہول ہے۔ اور مذاہب کی کتابوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے جس نے یہ نظریہ دیا' وہ الجعد بن درہم ہے پھر جہم بن صفوان پھر بشر بن غیاث جیسا کہ لالکائیؒ الحافظ کی کتاب شرح السنہ اور ابن ابی حاتمؒ کی کتاب الرد علی الجہمیہ وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔

اعتراض ۲۸: (کہ قاضی سلمہ بن عمروؒ نے منبر پر کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ پر رحم نہ کرے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ دیا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل روایت میں ابو فلاں کے الفاظ ہیں مگر راویوں میں سے کسی نے اس کو ابو حنیفہؒ بنا دیا اور خطیبؒ نے آنکھیں بند کر کے اس کو نقل کر دیا حالانکہ وہ یقیناً اس کی حیثیت کو جانتا ہوگا اور امام ابو حنیفہؒ نے تو حق بات واضح کر کے لوگوں کو غلط نظریہ سے بچالیا تھا)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۸ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۵ میں عبد الرحمٰن بن عثمان الدمشقی' عبد العزیز بن ابی طاہر' ابو المیمون البجلی' ابو زرعہ عبد الرحمٰن بن عمرو' محمد بن الولید' ابو ہبیرہ الہاشمی الدمشقی' ابو مسہر کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو مسہر کہتے ہیں کہ قاضی سلمہ بن عمرو نے منبر پر کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ پر رحم نہ کرے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے یہ نظریہ دیا کہ بیشک قرآن مخلوق ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابن عساکر کی تاریخ میں الفاظ یہ ہیں لا رحم اللہ ابا فلان کہ اللہ تعالیٰ ابو فلاں پر رحم نہ کرے کیونکہ اس نے سب سے پہلے یہ نظریہ دیا کہ بیشک قرآن مخلوق ہے تو جو خبر یہاں بیان کی گئی ہے اس میں ابو فلاں کی جگہ ابو حنیفہؒ کر دیا گیا ہے اور ان لوگوں کو کیسے معلوم ہو گیا کہ روایت میں ابو فلاں سے ابو حنیفہؒ مراد ہے حالانکہ روایات اس پر ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں کہ بیشک سب سے پہلے یہ نظریہ الجعد بن درہم نے دیا

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ان لوگوں کے ہاں ایک کلمہ کو دوسرے کی جگہ بدلنا آسان کام ہے اور جو چیز اہل علم کے ہاں تواتر سے ثابت ہے اس کے خلاف کہنا بھی ان کی نظر میں کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ اور میں نے ابن قتیبہ کی کتاب الاختلاف فی اللفظ پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں اس مسئلہ میں جو کلام کا حق تھا' وہ میں نے ادا کر دیا ہے۔ اور میں نے وہاں جو کہا' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب الرد علی الجهمیه میں کہا ہے کہ میں نے احمد بن عبد اللہ الشعرانی سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے سعید بن رحمت سے سنا جو کہ ابو اسحاق الفزاری کے ساتھی ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جہم ۱۳۰ھ میں نکلا تو اس نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو جب علماء کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے اس مسئلے کو عظیم سمجھا پھر اس پر اتفاق کیا کہ بیشک اس نے کفر کا کلمہ بولا ہے اور اسی طرح اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ سب سے پہلے جس نے قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ دیا' وہ الجعد بن درہم ہے جس کی وفات ۱۲۰ھ سے کچھ اوپر سن میں ہوئی۔ پھر جہم بن صفوان ہے پھر ان دونوں کے بعد بشر بن غیاث ہے الخ۔ اور ہو سکتا ہے کہ پہلے اس کے خروج کا سن جو ۱۳۰ھ ذکر کیا گیا ہے' اس میں کسروں کو اگلی دہائی کے ساتھ پورا کر دیا گیا ہو ورنہ جہم کا خروج سن ۱۲۰ھ سے چند سال اوپر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور اللالکائی نے اپنی کتاب شرح السنہ میں کہا اور امت کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیشک قرآن کو سب سے پہلے مخلوق کہنے والا الجعد بن درہم ہے جو سن ۱۲۰ھ سے چند سال اوپر گزرا ہے الخ۔ اور جہم کی گرفتاری ۱۲۸ھ میں ہوئی اور اسی سال اس کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اس روایت کے مطابق جو ابن جریر نے ذکر کی ہے مگر بیشک اللالکائی کہتے ہیں کہ اس کا قتل ۱۳۲ھ میں ہوا اور ان تاریخوں میں اضطراب ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور جہم کا قتل قرآن کے بارے میں اس کی رائے پھیل جانے کی وجہ سے ہی ہوا۔ پس اس کی وجہ سے لوگ آزمائش میں پڑ گئے۔ اس کی اشاعت کرنے والے اشاعت کرنے لگے اور نفرت کرنے والوں نے اس سے نفرت کی۔ تو جانبداری تجاوز کر کے افراط اور تفریط کی طرف چل نکلی حالانکہ اس بدعتی کے مقصد کو ان کی اکثریت نہیں پہچانتی تھی۔ کچھ لوگوں نے کلام نفسی کے بارے میں اس کی طرف ناحق باتیں منسوب کر کے اس کو پریشان کیا اور کچھ لوگوں نے اس کے برعکس کلام لفظی کے بھی قدیم ہونے کا قول کر لیا اور جب ابو حنیفہؒ نے یہ صورت حال دیکھی تو معاملہ کی اصلاح کی اور حق کو واضح کیا۔ پس

فرمایا کہ قرآن کریم کی (دو حیثیتیں ہیں۔ ایک کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور دوسری کا تعلق مخلوق کے ساتھ) جس حیثیت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہے' وہ غیر مخلوق ہے اور جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے' وہ مخلوق ہے (یعنی قرآن کریم کی ایک حقیقت ہے جس کو کلام نفسی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور قدیم ہے۔ اور دوسری حیثیت اس کے الفاظ ہیں جو اس حقیقت پر دلالت کرنے والے ہیں جن کو مخلوق پڑھتی پڑھاتی اور سنتی سناتی ہے۔ اس کو کلام لفظی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے اور یہ حادث اور مخلوق ہے۔ جیسے آگ ایک عنصر ہے۔ اس کی ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت پر دلالت کرنے والے الفاظ نار' آگ وغیرہ ہیں۔ تلفظ کرتے وقت حقیقت پر دلالت کرنے والے الفاظ کا تلفظ آدمی کرتا ہے' آگ کی حقیقت اس کی زبان میں نہیں آتی ورنہ تو زبان جل کر راکھ ہو جائے۔ اسی طرح مخلوق کلام نفسی پر دلالت کرنے والے الفاظ کا تلفظ کرتی ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس لحاظ سے کہ اس کا قیام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے' اس اعتبار سے وہ اس کی صفت ہے۔ جیسا کہ اس کی باقی تمام صفات قدیم ہیں تو اسی طرح یہ بھی قدیم ہے۔ اور بہرحال جس کی تلاوت زبانیں کرتی ہیں اور حافظوں کے ذہنوں میں جو محفوظ ہوتا ہے اور مصاحف میں جس کی آوازیں سنی سنائی جاتی ہیں اور جس کی صورت اور نقوش ذہن میں آتے ہیں تو وہ مخلوق ہیں جیسا کہ اس کو حاصل کرنے والے مخلوق ہیں تو اس کے بعد اہل علم و فہم کی آراء اسی پر پختہ ہوگئیں اور جہم کے نظریہ کے خلاف تابعین کا اجماع صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے' اس سے مباین نہیں ہے اور محال ہے کہ قدیم حادث میں سما جائے تو لازم آتا ہے ان پر کہ وہ اس کی اس حیثیت کو جس کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے' اس کا مخلوق ہونا تسلیم کریں لیکن ابو حنیفہؒ کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کے ساتھ خواہ مخواہ حسد کرتے تھے تو ان حاسدوں نے ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ وہ جہم کے مطابق نظریہ رکھتے تھے اور یہ چیز امام صاحب سے کیسے صادر ہو سکتی ہے؟ (حالانکہ انہوں نے ہی حق بات کو واضح کر کے لوگوں کو غلط نظریہ سے بچایا)

اعتراض ۲۹: (کہ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ خلق قرآن کا نظریہ رکھتے تھے' ہم نہیں رکھتے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی من گھڑت ہے اس لیے کہ صحیح روایت سے امام ابو یوسفؒ سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نہ ہم قرآن کو مخلوق ماننے کا نظریہ

رکھتے ہیں اور نہ ہی ابو حنیفہؒ کا ایسا نظریہ تھا)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۷۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۵ میں العنیقی' جعفر بن محمد بن علی الطاہری' ابو القاسم البغوی' زیاد بن ایوب' الحسن بن ابی مالک کی سند نقل کر کے کہا کہ الحسن بن ابی مالک جو کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں میں سے تھے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے قاضی ابو یوسف سے پوچھا کہ ابو حنیفہؒ قرآن کے متعلق کیا نظریہ رکھتے تھے؟ تو اس نے کہا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کرتے تھے۔ الحسن کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ اے ابو یوسفؒ کیا آپ بھی اس بارے میں یہی نظریہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا نہیں۔ ابو القاسم نے کہا کہ جب میں نے یہ واقعہ قاضی البرتی سے بیان کیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس روایت میں کون سا حسن مراد ہے؟ یعنی انہوں نے الحسن بن ابی مالک کے متعلق پوچھا۔ ابو القاسم کہتے ہیں کہ میں نے البرتی سے پوچھا کہ کیا ابو حنیفہؒ کا یہی نظریہ تھا تو اس نے کہا' ہاں وہ منحوس ہے۔ ابو القاسم کہتے ہیں اور وہ البرتی شروع ہوئے کہتے تھے کہ کیا وہ (قرآن) میرے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے (یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا تو کیا میرے پیدا کرنے سے معرض وجود میں آیا ہے؟)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ جھوٹ یکے بعد دیگرے ابو یوسف اور ابن ابی مالک اور احمد بن القاسم البرتی تین آدمیوں کی زبان پر منسوب کیا گیا ہے۔ اور یہ تینوں ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرنے والے بہت جوشیلے اہل علم تھے اور ابو حنیفہؒ کی تعریف میں ان کی زبانیں ہمیشہ جاری رہتی تھیں اور اگر خطیبؒ نے یہ واقعہ واقعی العتیقی سے سنا ہے تو میں اس کمزور روایت کا الزام ابو القاسم البغوی کے علاوہ کسی اور پر نہیں لگاتا اور ابن عدی نے اہل بغداد کے ہاں اس کی پوزیشن یہ بیان کی کہ میں نے اہل علم اور مشائخ کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے الخ۔ اور اس اجماع کے بعد آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس سے کون روایت کر سکتا ہے؟ اور راویوں میں کتنے ہی ایسے پائے جاتے ہیں کہ وہ کمزور لالچی قسم کے راویوں سے روایت لے کر (اس کی نسبت بڑے لوگوں کی طرف کر کے) اونچا مقام حاصل کرنے کے خواہشمند رہے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ البغوی الحنبلی مقدم زمانہ میں گزرا ہے تو جس کے سامنے اس کی حالت ظاہر ہو چکی ہو' وہ کبھی اس سے روایت نہ کرتا جیسا کہ اس کی حالت کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور اللالکائی نے شرح السنہ میں ابو الحسن علی بن محمد الرازی' ابوبکر محمد بن مہرویہ

الرازی' محمد بن سعید بن سابق کی سند سے روایت کی ہے کہ محمد بن سعید نے کہا کہ میں نے قاضی ابو یوسفؒ سے سنا جبکہ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا آپ قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں تو انہوں نے کہا نہیں۔ اور نہ ہی وہ یعنی ابو حنیفہؒ رکھتے تھے اور نہ ہی میں رکھتا ہوں۔ اور ابو یوسفؒ اور ابن ابی مالک اور البرتی سے تو صحیح سندوں کے ساتھ ایسی روایات ہیں جن سے ابو حنیفہؒ کی قرآن کو مخلوق کہنے کے نظریہ سے براء ت اور بیزاری ثابت ہوتی ہے جو ابن ابی العوامؒ اور الصیمری وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ اور جو آدمی خطیبؒ کی پیش کردہ سندوں جیسی سندوں کے ساتھ اس کے خلاف روایت کرتا ہے تو وہ روایت اس کی کھوپڑی پر ہی پڑے گی۔

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۸ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۵ میں الحسن بن محمد الخلال' احمد بن ابراہیم بن الحسن' عمر بن الحسن القاضی' اسماعیل بن اسحاق' نصر بن علی' الاصمعی' سعید بن سلم الباہلی کی سند نقل کر کے کہا کہ سعید کہتے ہیں کہ ہم نے ابو یوسف سے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہؒ سے حدیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو اس نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے جب وہ فوت ہوئے تھے تو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عمر بن الحسن الاشنانی القاضی متکلم فیہ ہے اور دار قطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور حاکم نے اس کو جھوٹا کہا ہے اور یہ سماع اور اجازت کو برابر خیال کرتا تھا اور اس میں راوی عبد الملک بن قریب الاصمعی ہے جس کو ابو زید الانصاری نے جھوٹا کہا ہے اور علی بن حمزہ البصری نے اپنی کتاب التنبیہات علی الاغلاط فی الروایات میں اس کی کئی غلطیوں کو نقل کیا ہے اور بعض ایسے امور کی نشاندہی کی ہے جن سے ابو زید الانصاری کی اس کے بارے میں تائید ہوتی ہے اور میں یہاں ان کو نقل کرنا پسند نہیں کرتا اور خطیبؒ نے خود اس کے جو عجائبات ذکر کیے ہیں' وہ بھی کوئی کم نہیں ہیں اور اس کے ذکر کردہ کلام میں سے یہ بات بھی ہے کہ بیشک الاصمعی نے جب ۲۱۵ھ میں وفات پائی تو ابو قلابہ الجرمی نے اس کے جنازہ میں کہا

لعن الله اعظما حملوها
نحو دار البلیٰ علی خشبات
أعظما تبغض النبی واهلَ ال
بیت والطیبین والطیبات

اللہ تعالیٰ کی بڑی لعنت اس پر جس کو لوگ لکڑیوں پر اٹھا کر دار البلی (مصیبت کا گھر) کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بہت بڑی لعنت ہو اس پر جو نبی اور اہل بیت سے اور پاک مردوں اور عورتوں سے بغض رکھتا تھا۔

اور اس کے ایک راوی سعید بن سلم الباہلی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور بیشک میں ان کو دیکھتا ہوں کہ وہ ابو یوسف کی زبانی جھوٹ بیان کرنے سے باز نہیں رہتے اس چیز کے خلاف جو اس سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ پہلے اللالکائی کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔

اور ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد' محمد بن شجاع کی سند سے نقل کیا کہ ابن شجاع کہتے ہیں کہ میں نے الحسن بن ابی مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو یوسف سے سنا وہ کہتے تھے کہ جمعہ کے دن کوفہ کی مسجد میں ایک آدمی آیا تو اس نے تمام حلقوں کا چکر لگایا۔ وہ ان سے قرآن کے بارے میں پوچھتا تھا۔ اور ابو حنیفہؒ وہاں موجود نہ تھے بلکہ مکہ گئے ہوئے تھے تو لوگوں نے اس بارہ میں بحث وگفتگو شروع کی تو بے سوچے سمجھے باتیں کہنے لگے۔ اللہ کی قسم میں تو اس آنے والے کو خیال کرتا ہوں کہ وہ شیطان تھا جو انسانی شکل میں آیا تھا تو جب وہ ہمارے حلقہ میں پہنچا تو ہم سے بھی پوچھا تو ہم میں سے کسی نے اس بارے میں جواب سے ہر ایک کو روک دیا اور ہم نے اس سے کہا کہ ہمارے شیخ موجود نہیں ہیں اور ہم پسند نہیں کرتے کہ ان کی رائے اس بارہ میں معلوم کرنے سے پہلے کچھ کہیں۔ تو وہ آدمی ہمارے پاس سے چلا گیا۔ ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جب ابو حنیفہؒ تشریف لائے تو ہم نے قادسیہ کے مقام میں ان سے ملاقات کی تو ہم نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے ہم سے گھریلو اور شہر کے حالات دریافت کیے تو ہم نے ان کو وہ حالات بتائے۔ پھر کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد ہم نے ان سے پوچھا اے ابو حنیفہؒ ایک مسئلہ درپیش ہے تو آپ اس میں کیا فرماتے ہیں؟ پس گویا کہ وہ ہمارے دلوں میں تھا اور اس کو ظاہر کرنا ہم پسند نہ کرتے تھے اور انہوں نے بھی محسوس کر لیا کہ بیشک کوئی فتنہ میں ڈالنے والا ہی مسئلہ ہے اور یہ بھی محسوس کر لیا کہ ہم اس کے بارے میں کلام کرنا پسند نہیں کرتے تو پوچھا کہ وہ کون سا مسئلہ ہے تو ہم نے کہا کہ یہ مسئلہ ہے اور ہم نے ان کو بتلا دیا کہ ایک آدمی نے اس بارے میں ہم سے پوچھا تھا تو وہ تھوڑی دیر خاموش رہے' پھر ہم سے پوچھا کہ تمہارا جواب اس بارے میں کیا تھا؟ تو ہم نے کہا کہ ہم نے تو اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا اور ہم ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے کوئی

بات کی تو ہو سکتا ہے آپ کو پسند نہ ہو تو ان کا فکر دور ہوا اور ان کا چہرہ چمک اٹھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے' اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ میری وصیت یاد رکھنا کہ اس بارے میں کبھی کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی سے پوچھنا۔ اس بارے میں انتہائی یہ نظریہ رکھو کہ بیشک وہ ایک حرف کی زیادتی کیے بغیر اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ اس مسئلہ میں لوگ باز آئیں گے یہاں تک کہ اہل اسلام کی اس بارے میں حالت ایسی ہو جائے گی کہ نہ اٹھ سکیں گے اور نہ بیٹھ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی شیطان مردود سے بچائے۔ اور بیشک ہم نے اس بارے میں ابن قتیبہ کی کتاب الاختلاف فی اللفظ کے حاشیہ میں بہت سی روایات ذکر کی ہیں۔

اعتراض ۳۰: کہ دس ثقہ آدمیوں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ قرآن کریم کو مخلوق ماننے کا نظریہ رکھتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ راویوں کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے قاعدہ کے مطابق اس کا من گھڑت ہونا بالکل واضح ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۹ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۵ میں محمد بن علی المقری' محمد بن عبد اللہ نیسابوری الحاکم' محمد بن صالح بن ہانی' مسدد بن قطن کی سند نقل کر کے کہا کہ مسدد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن عبد الحمید سے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے دس ثقہ آدمیوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ کہتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ راوی کا یہ کہنا کہ میں نے ثقہ سے سنا ہے (اور اس کا نام ذکر نہ کرنا) مجہول سے روایت کرنا شمار کیا جاتا ہے۔ اور یہی حال ہے کہ جب ثقہ کی بجائے ثقات کہے۔ نیز اس کا راوی یحییٰ بن عبد الحمید متکلم فیہ ہے یہاں تک کہ اس کو کذاب بھی کہا گیا ہے اور ابو مسدد قطن بن ابراہیم بن عیسیٰ نیسابوری نے دباغت کے بارے میں ابراہیم بن طہمان کی حدیث اس سند سے بیان کی عن ایوب عن نافع عن ابن عمر تو اس سے حضرات نے اصل کا مطالبہ کیا تو اس نے ان کے سامنے حوالہ پیش کیا حالانکہ (یہ بات اس اصل میں موجود نہ تھی بلکہ) اس نے خود اس بات کو حاشیہ میں لکھا ہوا تھا تو یہ حالت دیکھ کر مسلم نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا حالانکہ مسلم اس کی طرف مائل تھے اور اس سے بہت سی روایات لی تھیں اور اس پر الزام تھا کہ اس نے حفص کی حدیث محمد بن عقیل سے

چوری کی ہے۔ اور عبد الغنی نے کہا کہ نسائی نے اس کو ترک کر دیا تھا۔ اور اس کی حالت قطن بن نسیر العنبری البصری سے بھی بری ہے جس پر ابن عدی نے حدیث چوری کرنے کا الزام لگایا تھا اور یہاں قطن سے قطن بن نسیر مراد نہیں ہے (بلکہ قطن بن ابراہیم ہے) جیساکہ یہ گمان الملک المعظم کو ہوا ہے اور الملک المعظم کی کتاب میں نسیر کی جگہ بشیر جو واقع ہوا ہے تو یہ تصحیف ہے۔ اور اسی طرح طبع ثانی میں بشر واقع ہے' وہ بھی نسیر سے تصحیف ہے۔ اور پھر اس وہم کرنے والے کی پیروی میں دوسرے بھی اس کو قطن بن نسیر سمجھتے رہے حالانکہ یہاں ابن نسیر کا کوئی تعلق نہیں' اس سے مراد ابو مسدد قطن بن ابراہیم ہی ہے جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے اور قطن بن نسیر کا کوئی ایسا بیٹا تھا ہی نہیں جس کا نام مسدد ہو (اور اس کے نام سے اس کی کنیت ابو مسدد ہو) اور اس بے بنیاد افسانہ کا اتنا رد ہی کافی ہے۔

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۵ میں ابو عبد اللہ الحسین بن شجاع الصوفی' عمر بن جعفر بن محمد بن سلم الختلی' یعقوب بن یوسف المطوعی' حسین بن الاسود' حسین بن عبد الاول' اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ اسماعیل بن حماد نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کا یہی نظریہ ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ایک تو انقطاع ہے (اس لیے کہ اسماعیل بن حماد کی ابو حنیفہؒ سے سماعت نہیں) اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اس میں ایک راوی الحسین بن عبد الاول ہے۔ ابو زرعہ نے کہا کہ میں اس سے حدیث بیان نہیں کرتا۔ اور ابو حاتم نے کہا کہ لوگ اس کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ اور ذہبی نے کہا کہ ابن معین نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ اور اس واقعہ کے مردود ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔

اعتراض ۳۱: (کہ ابو حنیفہؒ نے کوفہ کے والی عیسیٰ بن موسیٰ العباسی کے سامنے جب قرآن کو مخلوق کہا تو اس نے موجود آدمیوں سے کہا کہ اس کو کہو کہ توبہ کر لے ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کا مدار مجہول اور ضعیف راویوں پر ہے اور روایت منقطع بھی ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۷۹ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۶ میں الخلال' احمد بن ابراہیم' عمر بن الحسن القاضی' عباس بن عبد العظیم' احمد بن یونس کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد بن یونس نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہؒ کوفہ کے والی عیسیٰ بن موسیٰ العباسی کے

پاس اکٹھے ہوئے تو اس کے سامنے آپس میں گفتگو شروع کر دی تو ابو حنیفہؒ نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو عیسیٰ نے ابن ابی لیلیٰ سے کہا کہ اس کو یہاں سے لے جاؤ اور اس سے کہو کہ توبہ کرے پس اگر اس نے توبہ کر لی تو ٹھیک ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عمر بن الحسن الاشنانی القاضی ہے جس کو دار قطنیؒ نے ضعیف اور الحاکمؒ نے کذاب کہا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور دوسری طبع میں الحسن کی جگہ الحسین کا لفظ ہے اور یہ غلطی ہے اور اس میں راوی احمد بن یونس جو ہے، وہ اگر احمد بن عبد اللہ بن یونس الیربوعی ہے جس کی وفات ۲۲۷ھ ہے تو وہ عیسیٰ بن موسیٰ والی کوفہ کے زمانے میں اتنی عمر کا تھا ہی نہیں کہ ان جیسی مجالس میں اس کی حاضری ممکن ہو تو خبر مقطوع ہے اور اگر یہ احمد بن یونس الیربوعی کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ مجہول ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی جو خطیبؒ نے اس سے ملتا جلتا واقعہ لکھا ہے، اس کا حال بھی اسی طرح ہے۔ اور اس کی سند میں ابن رزق ہے اور ایک شیخ مجہول ہے جس کو ابو محمد کہا جاتا ہے۔ اور احمد بن یونس الیربوعی ہو تو سند میں انقطاع ہے اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہو تو وہ مجہول ہے تو اس جیسا واقعہ ان جیسی اسناد سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔ اور رہا ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کا مسئلہ تو ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں اس کی انتہائی وضاحت کی ہے اور اس کا ذکر بھی ہم نے لفت اللحظ الی ما فی الاختلاف فی اللفظ میں کر دیا ہے تو یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

اعتراض ۳۲: (کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ کے سامنے تقیہ کیا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کے راوی اس لائق نہیں کہ ان کی بات کو تسلیم کیا جائے جبکہ امام صاحب کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے ظالموں کی مار حتیٰ کہ جیل کی موت کو برداشت کر لیا مگر اپنا موقف تبدیل نہ کیا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کے سامنے انہوں نے تقیہ کیا ہو)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۷۹ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۶ میں ابن الفضل، دعلج بن احمد، احمد بن علی الابار، سفیان بن وکیع کی سند نقل کر کے کہا کہ سفیان نے کہا کہ عمر بن حماد بن ابی حنیفہؒ آئے تو وہ ہمارے ساتھ بیٹھے تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے باپ حماد سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ابن ابی لیلیٰ نے ابو حنیفہؒ کی طرف پیغام بھیجا تو اس سے قرآن کے

بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو ابن ابی لیلیٰ نے کہا کہ توبہ کرلے ورنہ میں تیرے خلاف اقدام کروں گا۔ پھر اس نے اس کے سامنے وضاحت کی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ عمر بن حماد نے کہا کہ پھر وہ حلقوں میں چکر لگاتا رہا' ان کو بتاتا تھا کہ بیشک اس نے اپنی اس بات سے توبہ کرلی ہے کہ قرآن مخلوق ہے تو میرے باپ نے بتایا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے کہا کہ آپ نے کیسے اس کی طرف رجوع کرلیا اور اس کی بات مان لی؟ تو وہ کہنے لگے اے میرے بیٹے! میں نے خوف کھایا کہ وہ میرے خلاف اقدام کرے گا تو میں نے اس کے سامنے تقیہ کرلیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں دعلج اور الابار اور سفیان بن وکیع ہیں۔ پس دعلج مالدار تاجر تھا اس کے پاس سونے کی کئی ٹوکریاں بھری ہوئی تھیں۔ راویوں میں سے جو اس کے پاس رات گزارتے' ان کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں اور ان کی عقلیں سلب ہو جاتیں۔ تو وہ تشبیہ میں اس کے ہم مذہب راویوں کے بارے میں نرم رویہ اختیار کرتے اور روایت کو اس کی مرضی کے مطابق بنا دیتے اور اس کے ہاں تعصب اور لاپروائی تھی۔ اور مفاد پرست راوی اس کے ہاں رات گزارتے اور اس کی کتابوں میں کئی چیزوں کو شامل کرلیتے پھر وہ ان کو باطن کی سلامتی کے ساتھ روایت کرتا رہتا۔ اور امام ذہبیؒ نے ذکر کیا کہ ان وضاعوں میں سے جو اس کی کتابوں میں زائد چیزیں شامل کر دیتے تھے' دو آدمی تھے۔ ایک علی بن الحسین الرصافی جس کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور اللہ پر افتراء باندھتا تھا۔ دار قطنی نے کہا کہ اس نے اپنے باقی شیوخ سے سنی ہوئی باتوں میں اپنی طرف سے جو باتیں داخل کی ہیں' پھر ان کے سامنے ان احادیث کو بیان کیا' وہ اتنی نہیں ہیں جتنی کہ دعلج کی کتابوں میں اس نے داخل کی ہیں۔

اور اسی طرح ابو الحسین العطار الخرمی نے بھی دعلج کی کتابوں میں احادیث داخل کیں جیسا کہ اس کا ذکر ذہبی نے کیا ہے اور ان دونوں راویوں کو ابن حجر نے بلا دلیل ایک ہی بنا ڈالا اور الابار ان لوگوں میں سے تھا جن کے پاس دعلج آتا جاتا تھا تو اس نے اس کے مذہب کی تائید کی اور ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب پر اپنی تاریخ میں لمبے چوڑے اور بے شرمی سے طعن لگائے اور اللہ تعالیٰ ہی اس سے حساب لینے والا ہے اور اس کی تعریف صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جو اس کے دخائل (کسی کی بات میں زائد چیزیں شامل کرلینا) سے واقف نہ ہو۔ یا وہ شخص تعریف کرے گا جو اس کا ہم مذہب ہے۔ اور سفیان بن وکیع کا منشی کذاب

تھا۔ اس کی کتابوں میں اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا' جھوٹ لکھ دیتا پھر وہ ان کو روایت کرتا تو لوگوں نے اس پر اس کو متنبہ کیا اور اس کو بتلایا کہ اس کے منشی نے تبدیلی کی ہے تو اس نے ان لوگوں کی باتوں پر عمل نہ کیا تو اہل نقد کے ہاں ایسا راوی احتجاج کے مرتبہ سے گر جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ تو اللہ کی مخلوق میں کلمہ حق کو علانیہ بلند کرنے والے اور حق کا علی الاعلان پرچار کرنے والے تھے۔ پس اگر وہ ان لوگوں میں سے ہوتے جو تقیہ کرتے ہیں تو ابن ہبیرہ ان کو نہ مارتا اور نہ ہی کوفہ کا والی ان کو ایسی ظالمانہ سزا میں مبتلا کرتا جس کا ذکر ابن عبد البرؒ نے کیا ہے۔ اور نہ ہی منصور ان کو مارتا حتیٰ کہ ان کی وفات بھی اس حالت میں ہوئی کہ وہ قید میں تھے تو ابن ابی لیلیٰ کی کیا طاقت تھی کہ اس کے سامنے ابو حنیفہؒ تقیہ کرتے۔ پس کیا اس کی سزا کا ان ظالموں کی سزا سے بڑھ کر تصور کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ خبر کھلا جھوٹ ہے۔

اعتراض ۳۳ : (کہ حماد بن ابی سلیمان نے ابوحنیفہؒ کے نظریہ سے براءت کا اعلان کیا اور اس سے توبہ طلب کی مگر ابوحنیفہؒ بعد میں بھی اسی نظریہ کا پرچار کرتے رہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سند اور متن دونوں اس واقعہ کے من گھڑت ہونے کی گواہی دیتے ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۸۷ میں ابراہیم بن عمر البرمکی۔ محمد بن عبد اللہ بن خلف الدقاق۔ عمر بن محمد بن عیسیٰ الجوہری۔ ابوبکر بن الاثرم۔ ہارون بن اسحاق۔ اسماعیل بن ابی الحکم۔ عمر بن عبید الطنافسی کی سند نقل کر کے کہا کہ عمر بن عبید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حماد بن ابی سلیمان نے ابوحنیفہؒ کی طرف پیغام بھیجا کہ بے شک میں تیرے نظریہ سے اس وقت تک بری ہوں جب تک کہ تو اس سے توبہ نہ کر لے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کے پاس ابن ابی غنیہ تھے تو اس نے کہا کہ مجھے میرے پڑوسی نے بتلایا ہے کہ بے شک توبہ طلب کرنے کے بعد بھی ابوحنیفہؒ اسی نظریہ کا پرچار کرتے رہے جس سے ان سے توبہ طلب کی گئی تھی۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عمر بن محمد بن عیسیٰ السذابی الجوہری ہے جس کے بارے میں ذہبی نے کہا کہ اس کی حدیث میں بعض نامعلوم باتیں ہوتی ہیں اور یہ اس موضوع حدیث القرآن کلامی ومنی خرج کو روایت کرنے میں منفرد ہے۔ تفصیل کے لیے المیزان کا وہ حصہ دیکھیں جس میں اس کی سند پر بحث ہے۔ اور اس روایت کا راوی

اسماعیل بن ابی الحکم جو ہے' وہ اسماعیل بن ابی الحکم القرشی نہیں ہے جس کی وفات ۱۳۰ھ میں ہوئی کیونکہ اس کو ہارون بن اسحاق نے نہیں پایا جس کی وفات ۲۵۸ھ میں ہے تو یہ اسماعیل مجہول ہے اور اگر وہی ہے تو پھر کلام منقطع ہے جیسا کہ آگے عبید اللنافسی کا کلام بھی منقطع ہے (کیونکہ اس نے حماد بن ابی سلیمانؒ کے ابو حنیفہؒ کی طرف پیغام بھیجنے کا معاملہ خود نہیں دیکھا) اور تاریخ بغداد کے پہلے مطبوعہ نسخے اور ہندی نسخے میں ابن ابی غنیہ ہے اور قلمی نسخہ میں ابن ابی عیینہ ہے اور مصری دوسرے مطبوعہ نسخے میں ابن عیینہ ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے دوسرے نسخے میں کیسے ابن عیینہ بنا ڈالا ہے اور الملک المعظم کی کتاب میں ابن ابی غنیہ ہی ہے اور وہ عبد الملک بن حمید بن ابی غنیہ الکوفی ہے جو کہ ابن عیینہ کے شیوخ میں سے ہے اور ہم نہیں جانتے اور نہ ہی خطیبؒ کو معلوم ہوگا کہ وہ پڑوسی کون تھا جس نے کہا کہ ابو حنیفہؒ اسی نظریہ کا پرچار کرتے تھے جس سے ان سے توبہ طلب کی گئی تھی۔

اس واقعہ کا یہ حال تو سند کے لحاظ سے تھا اور بہرحال متن کے لحاظ سے یہ ہے کہ بیشک اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے سب سے پہلے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا تھا' وہ الجعد بن درہم تھا اور یہ قول اس نے ۱۲۰ھ سے کچھ سال بعد کیا تھا اور یہ واقعہ حماد بن ابی سلیمانؒ کی وفات کے کئی سال بعد ہوا اس لیے کہ بیشک اس کی وفات ۱۲۰ھ یا اس سے پہلے ہوئی تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے شیخ کی زندگی میں ابو حنیفہؒ ایسا قول کرتے پھر وہ اس کی طرف پیغام بھیج کر اس سے براءت کا اظہار کرتے حالانکہ وہ تو ساری زندگی اس سے ظاہری یا نظریاتی لحاظ سے دور ہوئے ہی نہیں کہ پیغام کی نوبت آتی جیسا کہ خود خطیبؒ نے ج ۱۳ ص ۳۳۳ میں اس کا ذکر کیا ہے بلکہ ابو حنیفہؒ کا حماد بن ابی سلیمانؒ سے جدا نہ ہونا تو ایسی بات ہے کہ اس کو متواترات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

پس اس سے معلوم ہو گیا کہ بیشک حماد بن ابی سلیمانؒ بالاتفاق خلق قرآن کا فتنہ رونما ہونے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور ابو حنیفہؒ اس کے ساتھیوں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ ساتھی تھے یہاں تک کہ وہی بالاتفاق علم میں اس کے خلیفہ بنے اور ان کو باقی ساتھیوں کی بہ نسبت حماد بن ابی سلیمانؒ کے ساتھ زیادہ ملازمت (رفاقت) حاصل تھی اور ایسی رفاقت حاصل تھی کہ وہ ان کی وفات تک ان کی گھریلو خدمات بھی سرانجام دیتے تھے جیسا کہ صحیح سندوں سے اس کا ثبوت ہے۔ جب یہ معاملہ ہے تو ان کے درمیان پیغام رسانی

کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور اس کی تفصیل کے لیے ابو الشیخ کی تاریخ اصبہان کے حوالہ سے ہم نے لفت اللحظ میں جو نقل کیا ہے' اس کا مطالعہ کریں۔ اور جب قرآن کریم کی اس حیثیت کو لیا جائے کہ وہ کلام اللہ ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو اس معنیٰ کو لے کر تو امام ابو حنیفہؒ ایسا قول کرنے سے بہت ہی زیادہ بری الذمہ تھے کہ قرآن مخلوق ہے اور یہی نظریہ ان کا خلق قرآن کے نظریہ کے فتنہ کے وقت سے وفات تک رہا۔ جب معاملہ یوں ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے شیخ کی زندگی میں یہ قول کریں جس کی وفات ہی اس فتنہ کے رونما ہونے سے کئی سال پہلے ہوئی جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے جو صحیح سندوں کے ساتھ ابن ابی العوامؒ اور الصمیریؒ اور ابن عبد البرؒ بلکہ خود خطیبؒ نے روایت کی ہیں۔ تو اس بحث سے واضح ہو گیا کہ جیسے اس وقعہ کی سند میں گڑبڑ ہے' اسی طرح حالات بھی اس واقعہ کے جھوٹ ہونے کے شاہد ہیں۔

اعتراض ۳۴: (کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰؒ میرے ساتھ ایسا سلوک جائز سمجھتا ہے جو میں کسی جانور کے لیے بھی جائز نہیں سمجھتا)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۰ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۷ میں الخلال' الحریری' النخعی ابن کاس' عبد اللہ بن غنام' محمد بن الصقر بن مالک بن مغول کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن الصقر نے کہا کہ میں نے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ بیشک ابن ابی لیلیٰ میرے بارے میں ایسی کارروائی جائز سمجھتا ہے جو میں کسی جانور کے لیے بھی جائز نہیں سمجھتا)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہی واقعہ ابن ابی العوام جب دولابی' یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل کی سند سے محمد بن الصقر سے نقل کرتے ہیں تو اس میں بھیمة کی جگہ سنورة کے الفاظ ہیں اور یہ معنیٰ میں بہت ہی نامعلوم ہے (یعنی اس عبارت کا مفہوم متعین کرنا مشکل ہے) اور اس روایت میں محمد بن الصقر جو ہے' وہ ابو مالک محمد بن الصقر بن عبد الرحمٰن ابن بنت مالک بن مغول ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور تاریخ بغداد کے مطبوعہ تینوں نسخوں میں الصقر کی جگہ الشعر ہے اور یہ تحریف ہے۔

اعتراض ۳۵: (کہ ابن ابی لیلیٰ نے اشعار میں ابو حنیفہؒ کو برے آدمی کا کافر شیخ کہا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں صرف امام ابو حنیفہؒ کی ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی عظیم الشان شخصیتوں کی شاعر نے گستاخی کی ہے جس کا وبال شاعر اور اس روایت کو نقل کرنے والوں پر ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۰ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۷ میں محمد بن عبید اللہ الحنائی، محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الشافعی، عمر بن الہیصم البزاز، عبد اللہ بن سعید کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن سعید نے ابن ہبیرہ کے محل میں بیان کیا کہ بیشک میرے باپ نے بتایا کہ ابن ابی لیلیٰ یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

انی شنئت المرجئین ورایهم
عمر بن ذر وابن قیس الماصر
وعتیبة الدباب لا نرضی به
وابا حنیفة شیخ سوء کافر

بیشک میں مرجئہ نظریات کے لوگوں سے اور ان کی رائے سے نفرت کرتا ہوں جو کہ عمر بن ذر اور ابن قیس الماصر ہیں اور عتیبہ الدباب جو ہے، اس سے ہم راضی نہیں اور ابو حنیفہؒ سے جو کہ برے آدمی کا کافر شیخ ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ عمر بن ذر تو بخاری، نسائی اور ترمذی اور ابو داؤد کا راوی ہے، وہ بھی اور اس کا باپ بھی عبادت گزار بندوں میں سے تھے۔ یہ دونوں اس کا انکار کرتے تھے کہ ایمان قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور انہوں نے یہ نظریہ اس لیے اختیار کیا تا کہ امت کو معصیت کے ارتکاب اور طاعت میں کوتاہی کی وجہ سے ایمان سے خارج کرنا لازم نہ آئے تو اس نے ان دونوں کو ارجاء کے ساتھ منسوب کر دیا اور یہ برے لقب سے پکارنا ہے اور ایسی بات (ان کو ارجاء کی طرف منسوب کرنا) صرف قدری یا خارجی سے ہی صادر ہو سکتی ہے جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے۔ اور اس عمر بن ذر نے ابو حنیفہؒ سے تین سال بعد وفات پائی اور عمر بن قیس الماصر تو علم اور پرہیز گاری میں بلند مرتبہ تھے اور اس کا باپ پہلا شخص ہے جس نے دجلہ اور فرات کے شہر کو بسایا اس طرح کہ بیشک اس نے سواریوں کی جانچ پڑتال کے لیے ان کے ساحلوں کے درمیان ایک لمبی رسی کھینچ دی جیسا کہ اس کا ذکر ابن السمعانی نے الانساب میں الماصر کے ضمن میں کیا ہے۔ اور ابو الشیخ کی تاریخ

اصبہان میں اس کا اور اس شہر کے رہنے والوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور عتیبہ الدباب تو ابراہیمؒ النخعی کا ساتھی اور الحکم کا باپ ہے۔ اور ابو حنیفہؒ تو امام اعظم ہیں جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے اور طاغوت کا انکار کرتے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتے تو قدریہ اور خوارج اور ان کے جاہل پیروکار ناقلین جمہور مسلمانوں کے دلوں پر حکمرانی کرتے اور ان کو راہ راست سے ہٹا دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب کو توفیق بخشی کہ انہوں نے ان کے گمراہ کن نظریات کو واضح کیا یہاں تک کہ جمہور مسلمانوں کے سامنے ان کی گمراہی واضح ہو گئی تو وہ مسلمان گمراہی سے بچ کر ایک امین کی حفاظت میں ہو گئے۔ اور ابن ابی لیلیٰ کی شخصیت بہت بلند ہے اس بات سے کہ اس قسم کے گھٹیا اشعار پڑھے جن کا کہنے والا جہنم کے کتوں خارجیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جن کا نظریہ یہ ہے کہ جو ان کے نظریہ کا مخالف ہے' وہ کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی خوبی ہے کہ ابو حنیفہؒ کا سینہ کس قدر وسیع ہے جب ان سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو ان کو کافر کہتا تھا تو انہوں نے کہا کہ جو مجھے کافر کہتا ہے' میں اس کو کافر نہیں کہتا لیکن اس کو جھوٹا کہتا ہوں جیسا کہ العالم والمتعلم میں ہے جو ابو مقاتل حفص بن سلم کی ان سے کی گئی روایت میں ہے۔ اور تاریخ بغداد کے تینوں مطبوعہ نسخوں میں الی شنان کے الفاظ ہیں مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ اس صورت میں شعر کا معنی ہی نہیں بنتا اور شعر کے اصل الفاظ انی شنئت ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اور آخری طبع میں ابو حنیفہؒ کے الفاظ ہیں مگر درست ابا حنیفة ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہی ظاہر ہے۔ اور میں نہیں جان سکا کہ خطیبؒ نے اپنے لیے ان ائمہ کے بارے میں اس فحش اور کم فہمی پر مشتمل کلام کو لکھنا کیسے جائز سمجھ لیا۔ ایسی سند کے ساتھ جو کہ ساقط ہے باوجودیکہ اس کو ان حضرات کا مرتبہ علم اور ورع میں معلوم ہے اور اگر خطیبؒ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوتا تو وہ ضرور اس پر درہ لے کر اٹھتے یا اس کو تعزیراً قید کر دیتے جیسا کہ انہوں نے الحطیئہ کے ساتھ کیا تھا جبکہ اس نے زبرقان کی اس سے بھی کم الفاظ میں توہین کی تھی۔ اس نے اس کے بارے میں اپنے اشعار میں کہا تھا

دع المکارم لا ترحل لبغیتها

واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

تو قابل قدر کاموں کو چھوڑ دے اور ان کے حصول کے لیے سفر نہ کر۔ اور بیٹھا رہ کیونکہ تو پیٹو لباس پہننے والا ہے۔ (یعنی تجھے کھانے اور پہننے کی فکر ہے) تو حضرت عمرؓ نے

اس کو کئی سال قید کیے رکھا یہاں تک کہ اس نے توبہ کی اور معافی مانگی اور ان کی جانب لکھا۔

ماذا تقول لا فراخ بذی مرخ
زغب الحواصل لا ماء ولا شجر
القیت کاسبھم فی قعر مظلمة
فاغفر علیک سلام اللہ یا عمر

حماقت کا مظاہرہ کرنے والے کے ان بچوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو کمزور پوٹوں والے (کہ بھوک کی وجہ سے ان کے پوٹے کمزور ہو چکے ہیں) ہیں اور ایسی جگہ میں ہیں جہاں نہ پانی ہے اور نہ کوئی درخت۔ ان کے لیے کمانے والے کو آپ نے تاریک گہری جگہ میں ڈال دیا ہے۔ اے عمر! آپ پر اللہ کی جانب سے سلامتی ہو' پس آپ معاف کر دیں۔

تو حضرت عمرؓ نے اس کو معاف کر دیا اور اس کو آزاد کر دیا اور یہ واقعہ فقہ کی کتابوں میں باب التعزیر میں مشہور ہے' صرف ادب کی کتابوں میں نہیں ہے تو جب ان اشعار کا کہنے والا سزا کا مستحق ہے کہ اس کو کئی سال تک قید میں رکھا جائے تو اس شخص کی سزا کی مقدار کتنی ہوگی جو ان اشعار کا کہنے والا ہے (جو ابو حنیفہؒ وغیرہ کی گستاخی پر مشتمل ہیں) اور ان اشعار کی غلطی پر آگاہ بھی نہیں کرتا۔

اور ان اشعار میں شریعت کے خلاف جو بغاوت اور کھلے جرائم کا ارتکاب ہے' وہی آپ کے لیے کافی ہے کہ اس بارہ میں سند کے لحاظ سے بحث نہ کی جائے کیونکہ معلوم ہو چکا کہ یہ خبر کلام کے لحاظ سے ہی ساقط ہے لیکن ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس میں کہتا ہوں کہ ابن الہیصم اور اس سے نچلے راویوں کے بارہ میں تو کلام ہی چھوڑ دیں اور اس میں جو عبد اللہ بن سعید راوی اپنے باپ سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کر رہا ہے۔ اگر یہ ابو عباد المقری ہے تو اس کے بارے میں امام بخاری نے کہا ہے کہ حضرات محدثین نے اس کو ترک کر دیا تھا۔ اور اگر وہ ابو سعید الاشج ہے تو اس کی کوئی روایت عن ابیہ عن جدہ کی سند سے معروف نہیں ہے نیز یہ کہ اس کے باپ اور اس کے دادا کا حال معلوم نہیں ہے اور اگر یہ ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ بھی اور اس کا

باپ بھی اور اس کا دادا بھی مجہول ہیں اور شیخ سوء کافر کا جملہ ترکیب میں ایسے ہی ہے جیسے جعفر ضب خرب ہے اور اس کا قائل صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود برے آدمی کا کافر استاد ہو۔

اعتراض ۳۶: کہ حماد بن ابی سلیمانؒ نے ابو حنیفہؒ کو مشرک کہا اور اس کے مذہب سے بیزاری ظاہر کی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خلق قرآن کا مسئلہ تو حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد اٹھا اور پھر اصل روایت میں ابو فلاں کے الفاظ ہیں مگر راویوں میں سے حاسدین نے اس کو ابو حنیفہؒ بنا ڈالا)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۹۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۸ میں محمد بن عبید اللہ الحنائی، الحسن بن ابی بکر، محمد بن عمر القرشی، محمد بن عبد اللہ الشافعی، محمد بن یونس، ضرار بن صرد، سلیم القاری، سفیان ثوری کی سند نقل کر کے کہا کہ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ مجھے حماد بن ابی سلیمانؒ نے کہا کہ میرا پیغام ابو حنیفہؒ مشرک کو پہنچا دے کہ بیشک میں اس سے اس وقت تک بیزار ہوں جب تک وہ قرآن کے بارے میں اپنے نظریہ سے رجوع نہیں کرتا۔ اور پھر دوسری سند الحسن بن شجاع، عمر بن جعفر بن سلم، احمد بن علی الأبار، عبد الاعلیٰ بن واصل، ابو نعیم، ضرار بن صرد، سلیم بن عیسیٰ المقری، سفیان بن سعید ثوری نقل کر کے کہا کہ سفیان کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن ابی سلیمانؒ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ میری طرف سے ابو حنیفہؒ مشرک کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بیشک میں اس کے مذہب سے بیزار ہوں یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ سلیم نے کہا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا نظریہ رکھتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خلق قرآن کا نظریہ تو حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد رونما ہوا جیسا کہ علماء کی صراحت سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور پہلی خبر کی سند میں محمد بن یونس الکدیمی متکلم فیہ راوی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں میزان الاعتدال۔ اور اس کا راوی ضرار بن صرد جو ہے وہ ابو نعیم الطحان ہے جس کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا کہ بیشک وہ کذاب ہے اور سلیم بن عیسیٰ القاری قراءت میں تو امام تھا مگر حدیث میں ضعیف تھا۔ اور قراء میں کتنے ہی اس طرح کے ہیں اور ثوری سے منکر خبر روایت کی گئی ہے جس کو العقیلیؒ نے نقل کیا ہے اور اس کے راویوں میں ضرار اور سلیم بھی موجود ہیں۔ اور وہ روایت جو بخاری نے خلق افعال کی بحث کے آغاز میں کی ہے کہ ابو فلاں مشرک کو پیغام دے دے کہ بیشک میں اس کے دین سے بیزار ہوں واللہ اعلم کہ اس ابو فلاں سے کون مراد ہے؟ آپ ان

رلویوں کو دیکھیں کہ انہوں نے دونوں خبروں میں ابو فلاں کی جگہ ابو حنیفہؒ کر دیا۔ اور روایت کے متن میں کلام قرآن کے بارے میں کر دیا اور دوسری خبر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیشک وہ سلیم کا کلام ہے تو ان رلویوں نے اس کو متن میں درج کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق ماننے سے شرک کہاں لازم آتا ہے؟ اور قرآن کریم کے الفاظ کو مخلوق کہنا تو شرک نہیں کہلاتا۔ پس سبحان اللہ کیسے ابو حنیفہؒ کو حماد سے دور شمار کیا جا رہا ہے جو کہ حماد کے علم کو پھیلانے والے تھے؟ اور کیسے سفیان ثوری کو حماد کا قاصد ابو حنیفہؒ کی طرف شمار کیا جا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ اسی طرح رسوا کرتا ہے ان لوگوں کو جو دین کے ائمہ کے بارے میں نازیبا کلام کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دونوں خبروں کا حال آپ کو معلوم ہو گیا۔

اعتراض ۳۷ : (کہ حماد بن ابی سلیمانؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کے نہ سلام کا جواب دو اور نہ اس کے لیے مجلس میں جگہ بناؤ اور حماد نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر ابو حنیفہؒ پر پھینکی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو یہ واقعہ ہی من گھڑت ہے اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو بعض دفعہ استاذ اپنے شاگرد سے کسی بات پر ناراض ہوتا ہے اور پھر راضی ہو جاتا ہے تو اس کو عیب میں شمار نہیں کیا جا سکتا اور پھر ناراضگی کی وجہ بھی مذکور نہیں ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۸ میں عبد الباقی بن عبد الکریم، عبد الرحمٰن بن عمر الخلال، محمد بن احمد بن یعقوب قال حدثنی جدی، علی بن یاسر، عبد الرحمٰن بن الحکم بن بشیر بن سلیمان عن ابیہ او غیرہ واکبر ظنی انہ عن غیر ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ اس راوی نے کہا کہ میں حماد بن ابی سلیمان کے پاس تھا جبکہ ابو حنیفہؒ آئے تو جب اس کو حماد نے دیکھا تو کہا لا مرحبا ولا سھلا اس کے آنے کی نہ خوشی ہے اور نہ ہی مبارک۔ اگر یہ سلام کرے تو تم اس کا جواب نہ دینا۔ اور اگر وہ بیٹھے تو اس کے لیے جگہ میں وسعت نہ کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ جب ابو حنیفہؒ آ کر بیٹھ گئے تو حمادؒ نے کوئی بات کی تو ابو حنیفہؒ نے اس کا جواب دیا تو حمادؒ نے کنکریوں کی مٹھی بھر کر اس کو ماری۔

الجواب : میں کہتا ہوں (کہ اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے تو) کبھی استاد اپنے شاگرد پر تھوڑی دیر کے لیے سختی کرتا ہے پھر اس سے راضی ہو جاتا ہے اور یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ شاگرد کے عیوب کے طور پر ان کو لکھا جائے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کا راوی عبد الرحمٰن بن الحکم بن بشیر بن سلیمان النہدی ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کی توثیق کی ہو۔ پھر وہ اس روایت کو اپنے باپ یا باپ کے علاوہ کسی اور سے شک کے ساتھ

روایت کرتا ہے۔ پس اگر روایت اس کے باپ سے ہے تو روایت منقطع ہے اس لیے کہ اس کے باپ نے حماد کو نہیں پایا اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور ہے تو مجہول سے روایت ہے (روایت کا حال تو یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں اس جیسی روایت محفوظ ہوتی ہے۔ اور تاریخ بغداد کے تمام مطبوعہ نسخوں میں بشیر کہ جگہ بشر لکھا ہے حالانکہ صحیح وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم

اعتراض ۳۸ : (کہ شریک نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کا معاملہ اتنا مشہور ہے کہ اس کو کنواری لڑکیاں بھی اپنے پردوں میں جانتی ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۹ میں ابن رزق، احمد بن جعفر بن سلم، احمد بن علی الابار، احمد بن ابراہیم کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد بن ابراہیم نے کہا کہ شریک سے پوچھا گیا کہ کیا ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی گئی تھی تو اس نے کہا کہ اس کو تو کنواری لڑکیاں بھی اپنے پردوں میں جانتی ہیں۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ ابن رزق اور ابن سلم اور الابار کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور رہا احمد بن ابراہیم تو وہ النکری ہے اور اس کے الفاظ منقطع ہیں کیونکہ اس نے شریک کو انتہائی چھوٹی عمر میں پایا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ بیشک شریک حدیث میں تو ثقہ تھا مگر لوگوں کے بارے میں اس کی زبان طویل تھی۔

اعتراض ۳۹ : (کہ خالد القسری نے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی تھی تو اس معاملہ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ابو حنیفہؒ فقہ میں شروع ہو گئے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۸۹ میں ابن الفضل، ابن درستویہ، یعقوب بن سفیان، الولید، ابو مسہر، محمد بن فلیح المدنی عن اخیہ سلیمان کی سند نقل کر کے کہا کہ سلیمان لوگوں میں جانی پہچانی شخصیت تھی۔ اس نے کہا کہ خالد القسری نے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ پس جب اس نے یہ دیکھا تو رائے (فقہ) میں شروع ہو گیا تا کہ اس نظریہ کو مخفی رکھ سکے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ ابن درستویہ جو اس روایت میں راوی ہے، وہ عبد اللہ بن جعفر ہے جس کے بارے میں البرقانیؒ اور اللالکائیؒ نے بہت کچھ کہا ہے اور اس کا راوی محمد بن فلیح ہے جس کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور سلیمان بن فلیح کے

بارے میں ابو زرعہ کہتے ہیں کہ میں اس کو نہیں پہچانتا اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ فلیح کا محمد اور یحیٰ کے علاوہ کوئی بیٹا تھا۔ الخ

پس ہائے اللہ کی شان کہ خالد بن عبد اللہ القسری خلق قرآن کے مسئلے میں اس نظریہ کے رونما ہونے سے پہلے ہی فقیہ ملت ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرتا ہے اور یہ القسری وہ ہے جس نے اپنی ماں کے لیے گرجا بنایا تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتی تھی۔ اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن الجعد بن درہم نے اس کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہونے اور پھیل جانے کے باوجود ثابت نہیں ہے کیونکہ اس میں القاسم بن محمد بن حمید المعمری روایت کرنے میں منفرد ہے اور اس کے بارے میں ابن معین نے کہا کہ وہ کذاب خبیث تھا جیسا کہ علامہ ذہبیؒ کی میزان الاعتدال میں ہے۔ اگر یہ واقعہ خالد سے فرض کر لیا جائے تو اس زمانہ میں دین کے شعائر میں سے کسی ایک کی توہین پر علماء خاموش نہ رہتے اور جس آدمی کا قتل واجب ہے' اس کا خون بہانا اور چیز ہے اور اس کی جانب سے قربانی کا جانور ذبح کرنا اور بات ہے۔ (کیونکہ جس کا قتل واجب ہو اس کا خون بہانا اس کی توہین ہے جبکہ اس کی جانب سے قربانی کا جانور ذبح کرنا تو اس کا اعزاز ہے) اور تاریخ اسلام میں خالد کا کردار تو عیب اور عار ہے۔

اور ابن کثیر نے الجعد کا قتل ۱۲۴ھ ذکر کیا ہے جبکہ القسری عراق کی ولایت سے اس سے چار سال پہلے ہی معزول ہو چکا تھا اور الجعد کے اس بدعت کو ایجاد کرنے کی تاریخ کے بارے میں ابن ابی حاتم اور اللالکائی نے جو ذکر کیا ہے وہ آپ کے پیش نظر ہونا چاہیے۔ اور اس کو بھی دیکھنا چاہیے جو خطیبؒ نے یہاں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں ایسے لوگ ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کا واقعہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں ۱۲۰ھ سے پہلے پیش آیا جبکہ القسری اس سال میں ولایت سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ پھر خطیبؒ نے سند بیان کیے بغیر کہا کہ روایت کی گئی ہے کہ بیشک یوسف بن عمر نے اس سے توبہ طلب کی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیشک جب اس نے توبہ کی تو رجوع کر لیا۔ اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ خلق قرآن کے مسئلے میں اس سے دوبار توبہ طلب کی گئی تو اس کا احتمال ہے کہ ایک مرتبہ یوسف نے اور دوسری مرتبہ خالد نے توبہ طلب کی۔ واللہ اعلم۔ اور اس نے پہلی روایت کو دوسری روایت سے متعارض کر کے روایت میں اضطراب نہیں مانا بلکہ توبہ طلب کرنے کے واقعہ میں تکرار پر محمول کیا لیکن اس جیسی جمع تب ہی ہو

سکتی ہے جبکہ دونوں سندیں صحیح ہوں اور دونوں خبروں کو اس طرح جمع کرنے کے ارادہ میں خطیبؒ کی کاروائی انتہائی تعجب کی بات ہے اس لیے کہ ان دو خبروں میں سے ایک کی سند اس نے لکھی ہے اور دوسری خبر کی بالکل کوئی سند ہی نہیں بتائی۔ اور یوسف بن عمر الثقفی وہ ہے جو عبد الملک کے زمانے میں خالد کے بعد ۱۲۰ھ میں عراق کا والی بنا اور شاید کہ معزز قارئین اس کو نہ بھولے ہوں جو ہم نے خلق قرآن کے رونما ہونے کی تاریخ کے بارے میں ابن ابی حاتمؒ اور اللالکائیؒ جیسے حافظین سے نقل کیا ہے تو الجعد کا قتل یوسف الثقفی کے زمانے میں تھا نہ کہ خالد القسری کے زمانہ میں۔

اعتراض ۴۰: (کہ یوسف بن عثمان نے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی کہ کفر سے توبہ کرے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۰ میں علی بن طلحہ المقری، الحسن بن علی الجوہری، عبد العزیز بن جعفر الخرقی، علی بن اسحاق بن زاطیا، ابو معمر القطیعی، حجاج الاعور، قیس بن الربیع کی سند نقل کر کے کہا کہ قیس کہتے ہیں کہ میں نے شہر کوفہ کے امیر یوسف بن عثمان کو دیکھا کہ اس نے ابو حنیفہؒ کو سزا دینے والی جگہ پر کھڑا کر کے اس سے توبہ طلب کی کہ وہ کفر سے توبہ کرے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کے معاملہ میں تیسرا من گھڑت افسانہ ہے لیکن معلوم نہیں ہو سکا کہ اس زمانہ میں کوفہ کے والیوں میں سے یوسف بن عثمان کون ہے جیسا کہ مصری دونوں مطبوعہ نسخوں اور ہندی نسخہ اور دار الکتب کے قلمی نسخہ میں ہے۔ پس شاید کہ لفظ عمر میں تصحیف کر کے عثمان کر دیا گیا ہو کیونکہ عثمان کے درمیان الف کو حذف کر دیا جائے تو وہ رسم الخط میں عمر کے مشابہ ہے جیسا کہ پرانے لوگوں کا رسم الخط تھا۔ تو اس صورت میں یہ وہی یوسف بن عمر الثقفی ہو گا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے نہ کہ یوسف بن عثمان۔ تو توبہ طلب کرنے کا قصہ ہشام بن عبد الملک کے زمانے میں اس کے اور خالد القسری کے درمیان دائر ہو گا۔ (اور اس کے متعلق بحث پہلے ہو چکی ہے)

رہی اس افسانہ کی سند تو اس میں ابن زاطیا ہے اور وہ کوئی قابل تعریف آدمی نہ تھا جیسا کہ خود خطیبؒ نے اس کا اقرار کیا ہے۔ اور اس کا راوی ابو معمر القطیعی جو ہے، وہ اسماعیل بن ابراہیم بن معمر الہروی ہے اور اس کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا کہ اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو کہ جب وہ رقہ شہر کی طرف گیا تو پانچ ہزار احادیث بیان کیں تو ان میں سے تین ہزار میں غلطیاں کیں الخ۔ اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے قرآن کے

بارے میں آنے والے ابتلائی دور میں حکومتی موقف کو تسلیم کر لیا تھا تو جب نکلا تو کہنے لگا ہم نے کفر کیا تو ہم بچ نکلے الخ۔ اور اس کا ایک راوی حجاج الاعور بہت ہی سخت اختلاط کا شکار تھا اور قیس بن الربیع کو بہت سے اہل نقد نے چھوڑ دیا تھا' اس سے احادیث نہیں لیتے تھے اور اس کا بیٹا لوگوں سے احادیث لیتا' پھر اپنے باپ کی کتاب میں شامل کر دیتا پھر وہ ان کو روایت کرتا۔ اور اس واقعہ کی سند کی قدر و قیمت کی اتنی وضاحت ہی کافی ہے اور ایسے موقع پر ایک اور عجیب روایت کی جاتی ہے جس کے گھڑنے والے نے اس پر وضع کا حکم نہیں لگایا اور وہ اس کے معاملے پر غور نہیں کر سکا یہاں تک کہ ہر دیکھنے والے کے سامنے اس کا پردہ چاک ہو گیا۔ اور وہ روایت وہ ہے جس کو ھبۃ اللہ الطبری نے شرح السنہ میں محمد بن احمد بن سہل الاصباغی' محمد بن احمد بن الحسن ابی علی الصواف' محمد بن عثمان' محمد بن عمران بن ابی لیلیٰ کی سند سے نقل کیا ہے کہ عمران بن ابی لیلیٰ نے کہا کہ میرے باپ نے مجھے بیان کیا کہ جب یہ آدمی یعنی ابو حنیفہؒ محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے پاس آیا تو حماد بن ابی سلیمانؒ وغیرہ نے اس کے خلاف گواہی دی کہ بیشک وہ قرآن کو مخلوق کہتا ہے۔ اور دیگر حضرات نے بھی حماد بن ابی سلیمانؒ کی طرح گواہی دی۔ پھر مجھے خالد بن نافع نے بتایا کہ ابن ابی لیلیٰ نے ابو جعفر کی طرف لکھا جبکہ وہ مدینہ میں تھا اور اس میں وہ کچھ لکھا جو یہ شخص کہتا ہے اور اس کے خلاف ان کی شہادتوں کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی لکھا کہ اس نظریہ کے متعلق اس کا اپنا اقرار بھی موجود ہے تو ابو جعفر نے اس کی طرف لکھا کہ اگر وہ شخص اپنے نظریہ سے رجوع کر لے تو فبہا ورنہ اس کی گردن اتار دے اور اس کو آگ میں جلا دے الخ۔

تو اس روایت کے مطابق ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کا قصہ حماد بن ابی سلیمان کی وفات سے پہلے ۱۲۰ھ سے بھی پہلے ثابت ہوتا ہے جبکہ ہشام بن عبد الملک الاموی کے دور میں ابو جعفر منصور العباسی مدینہ میں غائب تھا اور یہ عباسی حکومت سے کافی عرصہ پہلے ہوا ہے۔ پس اس خلط ملط اور رسوا کن من گھڑت افسانے کو بیان کرنے سے شرم آنی چاہیے۔ پس اس واقعہ کے خلافت امویہ میں ہونے یا خلافت عباسیہ میں ہونے کے متعلق راویوں کے اس قدر خلط ملط کرنے کے بعد بھی اس سند کے راویوں کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ اور اس سند میں ان لوگوں نے ابو حنیفہؒ کے خلاف گواہی دینے والوں کے زمرہ میں حماد بن ابی سلیمان کو بھی شامل کر دیا ہے پس پاک ہے وہ ذات جو عقلوں کو تقسیم کرنے والی ہے۔

اعتراض ۴۱: (کہ شریک نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے کفر سے توبہ طلب کی گئی تھی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شریک تو ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد قاضی بنے تھے تو وہ کیسے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کر سکتے تھے اور شریک سے ان تینوں روایات کے راوی قابل اعتماد نہیں ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۱ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۰ میں الحسین بن محمد اخو الخلال' جبریل بن محمد المعدل' محمد بن جبویہ النخاس' محمود بن غیلان' یحییٰ بن آدم کی سند نقل کر کے کہا کہ یحییٰ بن آدم نے کہا کہ میں نے شریک سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ توبہ طلب کی گئی تھی۔ اور پھر خطیبؒ نے ابن الفضل' ابن درستویہ' یعقوب' الولید بن عتبہ الدمشقی --- اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جن کو خود اپنی جان دکھ میں ڈالتی ہے --- ابو مسہر' یحییٰ بن حمزہ' سعید بن عبد العزیز جالس کی سند نقل کر کے کہا کہ سعید بن عبد العزیز نے کہا کہ مجھے شریک بن عبد اللہ نے بتایا جو کہ کوفہ کا قاضی تھا کہ بیشک ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ زندقہ (بے دینی) سے توبہ طلب کی گئی۔ اور پھر خطیبؒ نے علی بن محمد بن عبد اللہ المعدل' محمد بن احمد بن الحسن الصواف' عبد اللہ بن احمد بن حنبل' ابو معمر کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو معمر نے کہا کہ شریک سے پوچھا گیا کہ ابو حنیفہؒ سے کس لیے تم نے توبہ طلب کی تھی تو اس نے کہا کفر سے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ شریک سے یہ تین روایات ہیں۔ تو پہلی سند میں محمد بن جبویہ الہمدانی النخاس ہے اور تاریخ بغداد کے مطبوعہ تینوں نسخوں میں جبویہ کے بجائے حیویہ ہے اور یہ تصحیف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ راوی متہم با لکذب ہے یہاں تک کہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں میناء کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انا الشجرة میں درخت ہوں۔ وفاطمة فرعها اور فاطمہ اس کی شاخ ہے۔ وعلی لقاحها اور علی اس کا لقاح (وہ نر خوشہ جو کھجور کے مادہ خوشے پر ڈالا جاتا ہے تا کہ پھل حاصل ہو) ہے۔ والحسن والحسین ثمرتها اور حسن اور حسین اس درخت کے پھل ہیں۔ وشیعتنا ورقها اور ہمارے شیعہ اس درخت کے پتے ہیں۔ واصلها فی جنة عدن اور اس درخت کی جڑ جنت عدن میں ہے۔ ذہبی نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ روایت محمد بن جیویہ الہمدانی کی سند سے مروی ہے اور ابن جبویہ متہم با لکذب ہے کیا پس مولف یعنی حاکمؒ کو شرم نہیں آئی کہ اس من گھڑت افسانے کو ایسی سندوں سے ان اقوال کو ثابت کرنے کے زمرہ میں لاتا ہے جو شیخین سے ان کی شرائط

کے مطابق ہونے کے باوجود چھوٹ گئے تھے الخ۔ اور اسی طرح ذہبی نے مشتبہ النسبة میں بھی کہا ہے ومحمد بن جبویہ الھمدانی عن محمود بن غیلان الخ لیکن اس کا ابن غیلان کو پانا اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اس کی وفات ۲۴۹ میں ہو جیسا کہ ابو رجاء المروزی کا قول ہے جو تاریخ المراوزة میں غریب روایت میں سے ہے اور اہل نقد نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ بخاری نے کہا کہ وہ ۲۳۹ھ میں فوت ہوا الخ۔ اور یہ واقعہ واضح جھوٹ ہے اور خاص کر ان الفاظ کے ساتھ کہ شریک نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی تھی اس لیے کہ بیشک شریک تو ابو حنیفہؒ کی وفات کے پانچ سال بعد قاضی بنے تھے تو اس کی طرف توبہ طلب کرنے کی نسبت کرنا تو ابو حنیفہؒ کی زندگی میں نہیں ہو سکتا۔

اور بہرحال دوسری خبر تو اس کی سند میں ابن درستویہ ہے اور اس سے نحو کے علاوہ جو چیز بھی لی جائے گی، اس میں اہل کوفہ کے خلاف اہل بصرہ کی حمایت مین انتہائی تعصب پایا جاتا ہے حتیٰ کہ نحو میں بھی اس کا یہی حال ہے اور اللالکائیؒ اور البرقانیؒ کا قول اس کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے اور وہ چند دراہم کی خاطر نہ سنی ہوئی روایات بھی روایت کر دیتا تھا اور یحییٰ بن حمزہ تو قدری ہے اور اہل نقد کے پختہ قواعد میں سے ہے کہ بدعتی کی روایت اس شخص کے خلاف قابل قبول نہیں جو اس کی بدعت کی مخالفت کرتا ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ شریک ان لوگوں میں سے ہو جن کو پتہ ہی نہیں کہ زندقہ کیا ہوتا ہے؟

اور تیسری خبر کی روایت میں الصواف روایت کر رہا ہے عبد اللہ بن احمد سے اور یہ روایت اجازۃ ہے اور یہ اہل نقد کے ہاں منقطع کے حکم میں ہے اور عبد اللہ کا تعصب اور اس کا عمدہ راستہ سے انحراف ایسی واضح بات ہے کہ اس پر اس کی کتاب السنہ کے سوا کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں اور اس کا راوی ابو معمر جو عبد اللہ کا شیخ ہے، پس اگر وہ عبد اللہ بن عمرو المنقری البصری ہے تو وہ قدری ہے۔ اس کی روایت اس کے مذہب کے مخالف کے بارے میں قبول نہیں کی جا سکتی اور اگر وہ الہروی ہے تو اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ابو معمر نے آگے اپنی سند شریک تک بیان ہی نہیں کی تو اس کا کلام منقطع ہے۔

اعتراض ۴۲: کہ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ طلب کی گئی۔
اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کے واقعات بالکل جھوٹ ہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۲ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۱ میں ابن رزق' احمد بن عبد اللہ الوراق' ابو الحسن علی بن اسحاق بن عیسیٰ بن زاطیا الحرمی' ابراہیم بن سعید الجوہری' معاذ بن معاذ کی سند اور پھر دوسری سند ابن الفضل' عثمان بن احمد الدقاق' سہل بن ابی سہل الواسطی' ابو حفص عمرو بن علی' معاذ بن معاذ نقل کر کے کہا کہ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ طلب کی گئی تھی۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ مطبوعہ مصری دونوں نسخوں میں استتبت کے الفاظ ہیں کہ سفیان ثوری نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی اور یہ الفاظ غلط ہیں اس لیے کہ بیشک ثوری تو قاضی تھے ہی نہیں یہاں تک کہ ان کو توبہ طلب کرنے کا اختیار ہوتا اور واقعہ میں الفاظ وہی ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں اور یہی الفاظ پہلی روایت اور ہندی نسخہ اور اس کتاب کے علاوہ دیگر کتب میں مذکور واقعہ کے مطابق ہیں۔ اور رہا معاملہ اس کی سند کا تو پہلی سند میں ابن رزق اور ابن زاطیا ہیں اور دوسری سند میں عثمان بن احمد ہے جو ابو عمرو بن السماک کے نام سے مشہور ہے جس کی طرف بناوٹی اخبار روایت کرنے کا اشارہ کیا جاتا ہے اور عمرو بن علی الفلاس تو اہل کوفہ سے انتہائی تعصب رکھنے والا اور بہت ہی زیادہ اعراض کرنے والا تھا۔ اور ان روایات کے بعد ایک اور روایت ہے جس کی پہلی سند میں ابن رزق' ابن سلم' الابار اور نعیم بن حماد ہیں۔ اور دوسری سند میں ابن درستویہ اور نعیم ہیں اور ان کے بعد اسی کے ہم معنی کچھ اور روایات ہیں جن کی اسناد میں نعیم بن حماد اور ابن درستویہ اور الحمیدی ہیں اور الحمیدی جس کی طرف محمد بن عبد الحکم نے لوگوں کے بارے میں باتوں سے متعلق کذب کی نسبت کی ہے اور بیشک ہم نے اس کو آزمایا بھی ہے اور ایک راوی مومل ہے۔ اگر وہ ابن اہاب ہے تو اس کو ابن معینؒ نے ضعیف کہا ہے جیسا کہ خطیبؒ نے نقل کیا ہے اور اگر وہ ابن اسماعیل ہے جیسا کہ بعض طرق میں اس کی صراحت ہے تو وہ امام بخاریؒ کے ہاں متروک الحدیث ہے اور اس طبقہ میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور مومل نہیں ہے اور عبد اللہ بن معمر متروک راوی ہے جیسا کہ المیزان میں ہے اور دونوں مطبوعہ نسخوں میں سلم بن عبد اللہ ہے اور ہندی نسخہ میں سلیمان بن عبد اللہ ہے تو ان میں سے کوئی نسخہ بھی درست ہو تو وہ اگر سلیم بن عبد اللہ الزاہد ہے تو وہ کمزور ہے اور اگر وہ سلیمان بن عبد اللہ الرقی ہے تو وہ لیس بشئی ہے اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی اور ہے تو وہ مجہول ہے اور جریر بن عبد الحمید کے بارے میں یہ قول پایا جاتا ہے کہ وہ صرف

بکریاں چرانے کے قابل ہی ہے اور ثعلبہ بن سہیل القاضی کو ابن الجوزیؒ نے الضعفاء میں ذکر کیا ہے اور یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ وہ لیس بشئی ہے اور ابن عبد البرؒ کی عبارت الانتقاء میں استتیب ابو حنیفة مرتین ہے اور اس میں من الکفر کے الفاظ نہیں ہیں۔ پھر ابن عبد البرؒ نے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن داؤد الخریبی الحافظ سے نقل کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کے واقعات بالکل جھوٹ ہیں۔ تفصیل کے لیے الانتقاء دیکھیں۔ اور یزید بن زریع کی عبارت کی سند میں البغوی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور عبد اللہ بن ادریس کی عبارت استتیب ابو حنیفة مرتین ہے اور بعض طرق میں اسد بن موسیٰ ہے جو ابن حزم کے ہاں منکر الحدیث ہے اور وہ روایت جو عبد اللہ بن احمد عن ابیہ کی سند سے کی گئی ہے' اس میں احمد بن عبد اللہ بن ابان الہیتی ہے جو علم حدیث میں بالکل کورا ہونے کے ساتھ ساتھ مغفل تھا جیسا کہ خطیبؒ نے کہا ہے۔ اور احمد بن سلمان النجاد حنبلی ہے جس کے بارے میں دار قطنیؒ نے کہا کہ وہ دوسروں کی کتابوں سے ایسی حدیثیں بھی بیان کرتا تھا جو اس کے اصول کے مطابق نہ ہوتی تھیں۔ اور یہ انتہا ہے ان خبروں کی جن کو خطیبؒ نے اسناد کے ساتھ ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کے بارے میں نقل کیا ہے۔ اور ہر قسم کا گرد و غبار اکٹھا کر کے کثرت طرق لانے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ہے' وہ یقیناً ان اسانید کی کمزوریاں ظاہر کرنے میں کافی ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ خلق قرآن کا نظریہ تو اس وقت ضلالت و گمراہی ہے جبکہ اس سے مراد قرآن کی وہ حیثیت لی جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے اور وہ کلام نفسی ہے۔ بہرحال حروف اور ان کی ادائیگی کے وقت ان کی آواز جو تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے نکلتی ہے اور حروف کو ملانا اور قطع کرنا اور ان کو لکھنے کی سیاہی اور مصاحف کے اوراق میں ان حروف کے جو نقوش ہیں اور وہ حروف جو حفظ کرنے والوں کے دماغوں میں متخیل ہوتے ہیں تو وہ یقیناً مخلوق ہیں' حادث ہیں۔ اور اس کے برعکس دعویٰ ضد بازی اور کھلی گمراہی ہوگی نیز علم اور ذہانت میں امام ابو حنیفہؒ کا پایہ بہت بلند ہے۔ وہ یقیناً کلام نفسی کے علاوہ دوسری حیثیت کو ہی مخلوق کہیں گے جیسا کہ ان کا مرتبہ بلند ہے اس سے کہ وہ پہلے یعنی کلام نفسی کو مخلوق کہیں۔ لیکن جاہل ناقلین کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافر قرار دینے میں لا پروائی کرنے لگے ہیں اور آپ کو تعجب ہوگا جب آپ دیکھیں گے کہ ابن ابی حاتم جیسا آدمی کہتا ہے کہ بیشک قرآن کو مخلوق کہنے والا پکا کافر ہے' ملت سے نکل جاتا ہے۔ اس سے اس کی مراد قرآن کریم

کے الفاظ ہیں کہ الفاظ کو مخلوق کہنے والا کافر ہے جیسا کہ اس کے کلام کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے اور آپ کا تعجب بڑھ جائے گا جب آپ دیکھیں گے کہ وہ امام بخاریؒ کے بارے میں کہتا ہے کہ چونکہ وہ لفظ کو مخلوق کہتے ہیں اس لیے اس کو ابو زرعہؒ اور ابو حاتمؒ نے ترک کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں مختلف خوبیاں ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ کسی کی بات کو جاہل ناقلین عیب کے طور پر ہی بیان کرنے لگ جائیں حالانکہ وہ بات اس کی منقبت کی ہوتی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کی روایت ثقہ راویوں سے

اور یہاں ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کرنے کی ایک اور روایت ہے۔ ہم اس کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس میں فوائد ہیں۔ اور یہ وہ روایت ہے جس کو ابن ابی العوام الحافظ نے الحسن بن حماد سجادہ کے واسطہ سے ابو قطن عمرو بن الہیثم البصری سے روایت کیا ہے کہ ابو قطن نے کہا کہ میں نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو شعبہؒ سے کہا کہ کیا آپ کوفہ میں کسی کی طرف رقعہ لکھنا چاہتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی طرف لکھنا چاہتا ہوں تو میں نے کہا کہ آپ مجھے ان دونوں کی طرف لکھ دیں تو انہوں نے لکھ دیا اور میں کوفہ چلا گیا اور میں نے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ ابو حنیفہؒ اور سفیان میں سے زیادہ عمر والے کون ہیں تاکہ میں ان کو رقعہ پہلے پہنچاؤں تو مجھے بتایا گیا کہ ابو حنیفہؒ عمر رسیدہ ہیں تو میں نے ان کو رقعہ دیا تو انہوں نے کہا کہ میرا بھائی ابو بسطام کیسا تھا؟ تو میں نے کہا کہ وہ خیریت سے تھے۔ پس جب انہوں نے رقعہ پڑھا تو کہا کہ جو چیز ہمارے پاس ہے' وہ تجھے بخش دی جائے گی اور جو ہمارے پاس نہیں بلکہ کسی دوسرے کے پاس ہے تو اس کے لیے ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور پھر میں سفیان ثوریؒ کی جانب گیا تو اس کو وہ رقعہ پہنچایا تو انہوں نے بھی مجھے وہی کہا جو ابو حنیفہؒ نے کہا تھا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کی طرف سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ بیشک ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ کفر سے توبہ طلب کی گئی تھی' کیا وہ ایسا کفر تھا جو ایمان کی ضد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ جب سے میں نے یہ بیان کیا ہے' اس وقت سے لے کر اب تک اس مسئلے کے بارے میں تیرے سوا کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ اور اپنا سر جھکا لیا پھر کہا کہ نہیں (ایسا نہ تھا) لیکن واصل الشاری کوفہ میں داخل ہوا تو اس کے پاس ایک جماعت آئی تو انہوں نے اس سے کہا بیشک یہاں ایک ایسا

آدمی ہے جو گنہگاروں کو کافر نہیں کہتا اور ان کی مراد اس شخص سے ابو حنیفہؒ تھے۔ تو اس نے پیغام بھیجا تو وہ اس کے پاس حاضر ہوئے اور اس نے کہا اے شخص مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اہل معاصی (گنہگاروں) کو کافر نہیں کہتے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو میرا مذہب ہے تو اس نے کہا کہ یہ یقیناً کفر ہے پس اگر تو نے توبہ کر لی تو ہم تیری توبہ قبول کر لیں گے اور اگر تو نے انکار کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے تو انہوں نے کہا کہ میں کس بات سے توبہ کروں؟ تو اس نے کہا کہ اسی سے تو انہوں نے کہا کہ میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر وہ چلے گئے تو منصور کے ساتھیوں کی جماعت آئی تو انہوں نے واصل کو کوفہ سے نکال دیا پھر کچھ مدت کے بعد منصور نے موقع پایا تو وہ کوفہ میں داخل ہوا تو وہی جماعت اس کے پاس آ کر کہنے لگی بیشک وہ آدمی جس نے توبہ کی تھی' وہ اپنے اسی سابقہ نظریے کا ہی پرچار کرتا ہے تو اس نے بلانے کے لیے پیغام بھیجا تو وہ اس کے پاس حاضر ہوئے تو اس نے کہا اے شیخ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بیشک آپ اپنے اسی نظریہ کی طرف لوٹ گئے ہیں جو تمہارا پہلے تھا تو انہوں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ بیشک آپ گنہگاروں کو کافر نہیں کہتے تو انہوں نے کہا وہ تو میرا مذہب ہے تو وہ کہنے لگا کہ بیشک یہ ہمارے نزدیک کفر ہے پس اگر آپ نے توبہ کر لی تو ہم تمہاری توبہ قبول کر لیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ چست وچالاک لوگ قتل نہیں کیے جاتے یہاں تک کہ اس نے تین مرتبہ توبہ طلب کی تو انہوں نے کہا کہ میں کس چیز سے توبہ کروں تو اس نے کہا کفر سے۔ تو انہوں نے کہا بیشک میں کفر سے توبہ کرتا ہوں۔ پس یہی وہ کفر ہے جس سے ابو حنیفہؒ سے توبہ طلب کی گئی تھی الخ۔ اور اسمیں اٹل بات ہے اس لیے کہ بیشک ابو القاسم بن ابی العوامؒ الحافظ ہے' نسائیؒ کا ساتھی ہے اور سجادہ اور ابو قطن سارے کے سارے ثقہ اور ثبت ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ان لوگوں سے حساب لے گا جو من گھڑت گمراہ کن افسانوں کے ساتھ اس امام فقیہ ملت کی شہرت کو داغدار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۴۴۳: (کہ ابن ادریس نے کہا کہ جو ایمان میں کمی زیادتی کا نظریہ نہیں رکھتا' وہ کذاب ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ۳۸۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۳ میں ایک سند ابن رزق' البرقانی' محمد بن جعفر بن الہیثم الانباری' جعفر بن محمد بن شاکر اور دوسری سند الحسین

بن شجاع الصوفی' محمد بن عبد اللہ الشافعی' جعفر بن محمد بن شاکر نقل کر کے کہا کہ جعفر بن محمد نے کہا کہ ہمیں رجاء اور وہ ابن السندی ہے' نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ادریس سے سنا' وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ سے دو مرتبہ توبہ طلب کی گئی اور کہا کہ میں نے ابن ادریس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ شخص کذاب ہے جو یہ نظریہ رکھتا ہے کہ ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن ادریس الاودی کوفہ کے نیک علماء میں سے ہونے کے باوجود کمزور فہم کے تھے اور اہل فہم کے خلاف زبان درازی پسند کرتے تھے اور اہل علم حضرات ان چیزوں میں اس سے درگزر کرتے تھے جو وہ زبان درازی کرتا تھا۔ پس ہم اس خبر کی سند کے رجال پر لمبی بحث نہیں کرتے بلکہ ایمان میں زیادتی کے مسئلے پر ہی بحث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور عقیدہ کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی کا معاملہ صرف ان چیزوں کی زیادتی کا تصور کرنے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے جن پر ایمان لایا جائے اور یہ وحی کا زمانہ گزر جانے کے ساتھ ختم ہو چکا ہے۔ ہاں ایسا آدمی جو پہلے اجمالی ایمان لائے پھر تفصیل معلوم کرے تو جب تک اجمالی ایمان ہے' اس وقت تک اس میں زیادتی کا تصور کیا جا سکتا ہے یا اس وقت متصور ہو سکتا ہے کہ یقین اور شک کے لحاظ سے ایمان لانے والوں کے ایمان میں تفاوت ہو لیکن یمان شرعی تو ایسے پختہ یقین کی صورت میں ثابت ہوتا ہے جس میں ذرا بھی نقص نہ ہو۔ پس جو شخص کہتا ہے کہ میں مومن ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے ہاں میرا کیا حال ہے یا کہتا ہے انا مؤمن ان شاء اللہ تو اگر اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ خاتمہ کا علم نہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا خاتمہ بالخیر کرے گا تو یہ ذرا بھی یقین کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ میں یہاں مومن ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز پر یہاں ایمان کا اعتقاد رکھتا ہوں' وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ایمان ہے تو ایسا آدمی شک میں مبتلا ہے' یقین کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ تو ایسی صورت میں یہ سمجھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ایمان اس کے خلاف ہو جس کا وہ اعتقاد رکھتا ہے۔ تو ایسے آدمی کو ایمان کا ذرا بھی حصہ حاصل نہیں ہے اس لیے کہ اس کو کسی چیز پر یقین نہیں ہے۔ تو اس وضاحت سے یہ واضح ہو گیا کہ مومنوں کے ایمان کے درمیان یقین کے لحاظ سے بالکل تفاوت تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر یقین کے مرتبہ میں نقص ہو تو یہ کفر ہے۔ ہاں انبیاء کے ایمان اور علماء کے ایمان اور عوام کے ایمان میں اس لحاظ سے تفاوت ہے کہ عوام کا ایمان زوال کا

احتمال رکھتا ہے اور انبیاء کرام کا ایمان زوال کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور زوال کا احتمال ہونا یا نہ ہونا خارجی امر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ ان کے ہاں یقین حاصل کرنے کے طرق میں تفاوت کی وجہ سے ہے، نفس ایمان کے لحاظ سے تفاوت نہیں ہے۔ پس انبیاء کرام کا ایمان اس درجہ کا ہے کہ ان سے اس کے زوال کا احتمال نہیں اس لیے کہ بیشک اس کا حصول ان کو مشاہدہ اور غالب وحی سے ہوتا ہے اور علماء کا ایمان ان کے نزدیک ایمان کے دلائل پر بعض شبہات طاری ہونے کی وجہ سے زوال کا احتمال رکھتا ہے اگرچہ یہ احتمال ضعیف ہوتا ہے۔ اور بہرحال عوام کا ایمان تو وہ بعض دفعہ معمولی شک ڈالنے سے ہی زائل ہو جاتا ہے اور ایسا تفاوت یقین میں تفاوت میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تفاوت ان کے نزدیک یقین کے طرق کے تفاوت میں سے ہے۔ پس انبیاء کا یقین وحی اور مشاہدہ سے ہے کہ ایمان ان دونوں کے ساتھ ایسی بدیہیات کے قائم مقام ہو جاتا ہے جو شک اور تشکیک کو قبول نہیں کرتیں اور علماء کا یقین نظر و فکر کی وجہ سے ہوتا ہے جس پر کبھی اس کے کسی مقدمہ پر شبہ طاری ہو جاتا ہے اور عوام کا یقین نقل در نقل اس چیز کے ثابت ہونے اور اقرار سے ہے تو ان کا ایمان چلتی ہوئی آندھی میں ہے۔ جب کوئی شک ڈالنے والا شک ڈالتا ہے تو اس کا ایمان بہت جلد زائل ہو جاتا ہے۔ تو اس بیان کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ مسئلے کی مکمل وضاحت ہو گئی اس شخص کے لیے جو کان لگا کر اور دل کو حاضر کر کے بات کو سنتا ہے۔

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ وحی کا زمانہ گزر جانے کے بعد ایمان اپنی ذات کے لحاظ سے نہیں بڑھتا اور نہ کم ہوتا ہے اس معنی میں کہ وہ تبعیض کا احتمال نہیں رکھتا تو ایسا آدمی اگر ان کے نزدیک کذاب ہے تو ان کے کذاب قرار دینے کی وجہ سے اس آدمی پر کوئی ملامت نہیں ہے اور بیشک ہمیں ڈرا لیا اس ذات نے جو الصادق المصدوق ہے ﷺ ایسے زمانے سے جس میں خائن کو امین اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہلاکت کی جگہوں میں گرنے اور خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرنے سے بچائے۔

اعتراض ۴۴: (کہ ابوبکر بن داودؒ نے کہا کہ امام مالک، امام اوزاعی، امام الحسن بن صالح، امام سفیان ثوری اور امام احمد بن حنبل اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا ابو حنیفہؒ کو گمراہ قرار دینے پر اتفاق ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خود خطیبؒ نے ان میں سے ہر ایک سے ابو حنیفہؒ کی تعریف کے بارے میں روایات نقل کی ہیں اور یہ روایت اس لائق نہیں کہ اس کی طرف توجہ کی جائے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۳ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۳ میں محمد بن علی بن مخلد الوراق سے نقل کیا کہ میری کتاب میں ابوبکر محمد بن عبد اللہ الصلح الاسدی الفقیہ المالکیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابوبکر بن ابی داؤد السجستانیؒ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہے تھے کہ ایسے مسئلے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس میں مالکؒ اور ان کے اصحاب اور اوزاعیؒ اور ان کے اصحاب اور الحسن بن صالحؒ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوریؒ اور ان کے اصحاب اور احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب سارے کے سارے متفق ہوں تو انہوں نے کہا اے ابوبکر اس سے زیادہ صحیح اور کوئی مسئلہ نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے کہا کہ یہ سارے کے سارے ابو حنیفہؒ کو گمراہ قرار دینے میں متفق ہیں (حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ جواب میں اس کی تفصیل ہے)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الکامل میں ابن عدیؒ کی عبارت یوں ہے سمعت ابن داؤد یقول الوقیعة فی ابی حنیفة اجماع من العلماء کہ میں نے ابن داؤدؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ سے اختلاف رکھنے میں علماء کا اجماع ہے اس لیے کہ بصرہ کے امام ایوب السختیانیؒ ہیں اور کوفہ کے امام ثوریؒ ہیں اور حجاز کے امام مالکؒ ہیں اور مصر کے امام اللیث بن سعدؒ ہیں اور شام کے امام الاوزاعیؒ ہیں اور خراسان کے امام عبد اللہ بن المبارکؒ ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے۔ تو دنیا کے تمام اطراف میں اس سے اختلاف کرنے میں علماء کا اجماع ہے او کما قال الخ۔

اور خطیبؒ نے اس واقعہ کی سند میں جس ابوبکر الاسدی کا ذکر کیا ہے وہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن صالح الابہری المالکی ہے جو کہ علم کا پہاڑ ہے۔ اس نے صرف اس وجہ سے قاضی بننے سے انکار کر دیا کہ اس کی نظر میں اس عہدہ کا اس کی بہ نسبت زیادہ حقدار موجود تھا اور وہ ابوبکر الرازی الجصاص الحنفیؒ تھے اور یہ قصہ مشہور ہے اور پختہ بات ہے کہ ابوبکر نے ابن ابی داؤد کی اس بات کو تردید کے لیے بیان کیا اور خطیبؒ نے ابن داؤد کے قول کو ابو حنیفہؒ کے بارے میں جرح سے متعلق احتجاج (دلیل پکڑنے) میں ذکر کر دیا اور ابن عدی نے بھی اسی طرح کیا ہے لیکن جب خطیبؒ نے اور ابن عدی نے راوی کے حال کی طرف توجہ نہ کی تو یہ کہہ کر ہی خوش ہونے لگے کہ کیا وہ عبد اللہ بن سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ نہیں ہے جو کہ صاحب السنن ابو داؤد کا بیٹا ہے حالانکہ اس کے باپ نے اور ابن صاعد نے اور ابراہیم بن الاصبہانی نے اور ابن جریر نے اس کو جھوٹا کہا ہے اور وہ ناصبی ہے

رب تعالیٰ کے لیے جسم مانتا ہے خبیث ہے۔ اس نے زہری سے تسلق والا من گھڑت اور جھوٹا افسانہ روایت کیا اور اس کے خلاف عادل گواہوں نے شہادت دی جو کہ حفاظ ہیں یعنی محمد بن العباس الاخرم اور احمد بن علی ابن الجارود اور محمد بن یحییٰ بن مندہ۔ اور قریب تھا کہ اصبہان کے امیر ابو لیلیٰ کے ہاتھوں اس کا خون بہا دیا جاتا اگر اس کو بچانے میں بعض ایسے عہدہ داروں کی کوشش نہ ہوتی جو اس کے باپ کے قدر دان تھے اور اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے ہوا تا کہ ان گواہوں جیسے لوگوں کے بارے میں طعن سے اس کو نجات مل جائے اور یہ اس کا حال تھا اگرچہ اس کا معاملہ مشہور ہو گیا ان لوگوں پر جو اس کے اندرونی حالات کو نہ جانتے تھے۔ اور وہ ابو عبد اللہ الجصاص کی صف میں تھا جس کا معاملہ بغداد میں ابن جریر کے مقابلے میں بالکل واضح ہے اور اس کی خباثتوں کی وضاحت کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور وہ کلام میں بد ترین جھوٹ بولتا تھا۔ اور الحافظ ابو الولید الباجیؒ نے المنتقی شرح الموطا ج ۷ ص ۳۰۰ میں اس روایت پر بحث کرتے ہوئے جو اس نے مالک سے لی ہے' اس کو بہت سخت جھوٹا کہا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی واضح عبارت المقدمہ میں نقل کی ہے اور اہل علم کے ہاں حدیث اور فقہ اور تاریخ میں الباجیؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور اسی نے ابن حزمؒ کا منہ بند کیا اور اس کو خاموش کرا لیا تھا۔

اور الحسن بن صالح کا ابو حنیفہؒ کی تعریف کرنا تو بہت ہی مشہور ہے اور اس کو ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں اپنی سند کے ساتھ ص ۱۲۸ میں ذکر کیا ہے اور اسی طرح سفیان ثوریؒ کا اس کی تعریف کرنا الانتقاء ص ۲۷ میں ذکر کیا ہے اور اللیث کا اس کی تعریف کرنا ابن ابی العوام کی کتاب میں ہے اور بیشک ہم نے اس کو نصب الرایہ کے مقدمہ میں نقل کیا ہے بلکہ وہ تو اس کے قابل قدر ساتھیوں میں سے تھے۔ اور اوزاعیؒ کے ساتھ اس کا رفع یدین کے بارے میں مناظرہ کرنا اور اس کو خاموش کرانا جو کہ الحافظ ابی محمد البخاریؒ کی مسند میں ہے اور اس کا امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کرنا خطیبؒ کی تاریخ ص ۳۳۸ میں گزر چکا ہے اور ایوب السختیانیؒ کا ابو حنیفہؒ کی تعریف کرنے کا ذکر الانتقاء ص ۱۲۵ میں ہے اور عبد اللہ ابن المبارکؒ تو اس کی زندگی اور اس کے مرنے کے بعد باقی لوگوں کی بہ نسبت اس کی زیادہ طرفداری کرنے والے تھے جیسا کہ آپ اس کا ذکر خطیبؒ کی تاریخ میں بہت سے مقامات میں پائیں گے۔ اس میں صراحت سے ذکر ہے کہ وہ اس کی انتہائی تعریف کرتے تھے۔ اور الباجیؒ نے اس کی بہت اعلیٰ درجہ کی تعریف کی ہے اور اس کی عبارت ہم نے المقدمہ میں ذکر کی ہے۔

اسی طرح عبد اللہ ابن المبارکؒ کا ابو حنیفہؒ کی تعریف کرنے کا ذکر الانتقاء ص ۱۳۲ میں ہے اور امام احمدؒ تو اس کے حق میں رحمت کی دعائیں کیا کرتے تھے اور اس کے بارے میں اچھے کلمات کہتے تھے جیسا کہ خود خطیبؒ نے ص ۳۲۷ میں نقل کیا ہے اور جیسا کہ الطوفی نے مختصر الروضہ کی شرح میں ابو الورد سے نقل کیا ہے جو کہ حنابلہ کے اماموں میں سے ایک امام ہیں تو اس سے واضح ہو گیا کہ ابو داؤد کے بیٹے نے ان دونوں روایتوں میں بہتان تراشی کی ہے اور دونوں خبروں میں اپنے باپ ابو داؤد پر جھوٹ باندھا ہے۔ اور ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۳۲ میں عبد اللہ بن محمد بن عبد المومن بن یحییٰ' ابوبکر محمد بن بکر بن عبد الرزاق التمار جو کہ ابن داسہ کے ساتھ مشہور ہیں' کی سند سے نقل کیا کہ ابن داسہ نے کہا کہ میں نے ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی رحمہ اللہ سے سنا' وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام مالکؒ پر رحم فرمائے' وہ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ پر رحم فرمائے' وہ امام تھا۔ اللہ تعالیٰ ابو حنیفہؒ پر رحم فرمائے' وہ امام تھے الخ۔ بلکہ وہ اقوال جو ان ائمہ سے صحیح طور پر ثابت ہیں' وہ سارے کے سارے تعریف پر مشتمل ہیں جیسا کہ آپ ان کی صراحت اس کتاب میں اور ابن عبد البرؒ اور ابن ابی العوامؒ اور الصیمریؒ وغیرہ کی کتابوں میں سندوں کے ساتھ پائیں گے لیکن بے عقل آدمی جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا' تو وہ جو چاہے جلد بازی میں لکھتا جائے۔

اعتراض ۴۵: (کہ ابو حنیفہؒ حاکم وقت کے خلاف بغاوت کا نظریہ رکھتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ روایات کمزور ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ظالم حکمرانوں کی کارستانیوں پر خوش نہ ہوتے تھے اور اگر ان کے خلاف لڑائی میں مصلحت ہوتی تو ان کے خلاف لڑائی کا نظریہ رکھتے تھے جیسا کہ ان کی مذہب کی کتابوں میں ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اول کے ص ۳۸۴ اور طبع ثانی کے ص ۳۹۵ میں وہ اخبار ذکر کی ہیں جن میں ابو حنیفہؒ کی طرف سے حاکم وقت کے خلاف بغاوت کا ذکر ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس عنوان کے تحت خطیبؒ نے ایسی خبروں کو بیان کیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ابو حنیفہؒ ایسے حاکم وقت کے خلاف بغاوت کا نظریہ رکھتے تھے جو ان کے مذہب کا نہ ہوتا تھا۔ ابن ابی العوامؒ نے محمد بن احمد بن حماد' احمد بن القاسم البرتیؒ' ابن ابی رزمہ' ابو وہب' ابو یحییٰ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو یحییٰ نے کہا کہ میں نے نضر بن محمد سے پوچھا کیا ابو حنیفہؒ حاکم وقت کے خلاف تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتے تھے؟ تو اس نے کہا معاذ اللہ الخ۔ اور خطیبؒ کی یہاں یہ کارروائی اس لیے ہے تا کہ ایسی چیز منسوب کر کے ان

حکومتی عہدہ داروں سے اس کے خلاف مدد طلب کرے جو اس کے مذہب کے خلاف ہیں اور جو خبریں اس نے اوزاعی کی طرف منسوب کی ہیں' ان میں یہ بھی ہے کہ بیشک اس نے کہا کہ میں ان کے لیے ائمہ کے خلاف خروج کو جائز سمجھتا ہوں اور اس کی سند میں ابن درستویہ ہے اور وہ ہمارے ہاں کوئی پسندیدہ آدمی نہیں ہے جیسا کہ وہ البرقانیؒ اور اللالکائیؒ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔ پس وہ پسندیدہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لیے کہ بیشک وہ چند دراہم کی خاطر نہ سنی ہوئی روایات بھی کر دیتا تھا۔ اور جو روایات اوزاعیؒ کی طرف منسوب کی گئی ہیں' ان روایات میں سے یہ بھی ہے کہ تو ایسے آدمی کے پاس سے آیا ہے جو حضرت محمد ﷺ کی امت میں تلوار استعمال کرنے کا نظریہ رکھتا ہے اور تو اس کا تذکرہ ہمارے پاس کرتا ہے؟ اور اس کی سند میں ابو الشیخ الاصبہانی ہے' اس کو الحافظ ابو احمد العسالؒ نے ضعیف کہا ہے اور اس کا میلان اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ماننے والوں کی طرف تھا اور اس کی سند میں عمر بن محمد الجوہری السذابی بھی ہے اور اس کی حدیث میں کچھ منکر باتیں ہوتی تھیں بلکہ یہ اس موضوع خبر میں متفرد ہے جو قرآن کے بارے میں ہے۔

اور عبد اللہ بن المبارکؒ کی طرف جو روایات منسوب کی گئی ہیں' ان میں سے ایک وہ ہے جس میں ہے کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو ایسے آدمی کے پاس سے آیا ہے جو محمد ﷺ کی امت میں تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتا ہے اور یہ خبر ایسی سند کے ساتھ ہے جس میں الحاکم ہے اور یہ آخر عمر میں بد ترین قسم کے اختلاط میں گرفتار ہو گیا تھا نیز انتہائی متعصب تھا اور اس کا راوی عبد اللہ بن محمود مجہول الصفت ہے اور اسی طرح ابو الوزیر عمر بن مطرف تھا۔

اور جو روایات اوزاعیؒ کی طرف منسوب کی گئی ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے کہا کہ میں تیرے بارہ میں سن رہا ہوں کہ تو ایسے آدمی کی تعریف کرتا ہے جو امت میں تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتا ہے اور اس کی سند میں ابن دوما النعالی اور ابن سلم اور "الابار" ہیں جن کا ذکر پہلے کئی بار ہو چکا ہے۔ اور الحسن بن علی الحلوانی ہے اور وہ متکلم فیہ ہے اور امام احمد اس کو پسند نہ کرتے تھے اور اسی طریقہ کے مطابق ہیں وہ دونوں خبریں جو اسحاق الفزاری کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی خبر کی سند میں ابن دوما کی جگہ یزید بن یوسف الشامی ہے جس کے بارے میں ابن معینؒ نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور نسائیؒ نے کہا کہ یہ متروک ہے اور پہلی خبر کے الفاظ یہ ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں تیرے بھائی

کو خروج (حاکم وقت کے خلاف بغاوت) کا فتویٰ دیتا ہوں یعنی ابراہیم کے خلاف۔ تو میں نے کہا اللہ تجھے اچھا بدلہ نہ دے تو اس نے کہا کہ یہ میری رائے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی وہ حدیث بیان کی جس میں اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے تو اس نے کہا کہ هذه خرافة یہ باطل بات ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی حدیث (معاذ اللہ) پس اگر اس واقعہ کو بالفرض صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کے قول هذه خرافة سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس کو نبی کریم ﷺ کی حدیث کی طرف پھیرا جائے بلکہ اس کی بات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ الفزاری نے جو حکایت بیان کی تھی' یہ اشارہ اسی کی طرف دلالت کرتا ہے نہ کہ حدیث کی طرف۔ ورنہ تو هذه کے بجائے هذا ہوتا اور الفزاری بہت غلطیاں کرنے والا تھا جیسا کہ ابن سعد نے الطبقات میں اور ابن قتیبہ نے المعارف میں اور ابن الندیم نے الفہرست میں اس کی صراحت کی ہے۔ پس اس جیسا آدمی جب اندھیرے راستہ پر چلتا ہے اور بات کا مقصد واضح نہیں کرتا تو ہم اس کے دلی منشا کے مطابق کلام کو محمول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی وہ معنی جب عالم وجود میں ظاہر نہیں ہوا اور نہ ہی ہم اس کی بات اور اس کلام کی دلالت کو معلوم کر سکتے ہیں تو پھر کیوں ہم اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی امام کی عزت کو داغدار کریں۔ اگرچہ حدیث کا ذکر بعض اوقات معنی کے سمجھنے میں یا الفاظ کی روایت میں بکثرت اغلاط پائے جانے کی وجہ سے اس کی اغلاط سے پردوں کو ہٹا دیتا ہے۔ پس اس کا سکوت حدیث سے اس کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے ہوتا ہے ورنہ تو اس کے انکار کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اس چیز کو ذکر کرنے میں جو اس کے لیے حجت قائمہ ہوتی ہے اور اہل شام کی کتنی ہی احادیث ہیں جن کی نفی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ کہ تم باغیوں کے خلاف لڑو۔

اور دوسری خبر کی سند میں جو الفزاری سے ہے' اس میں ابن درستویہ ہے اور اس کی حالت کا بیان اور اس کی صراحت پہلے کئی دفعہ ہو چکی ہے۔ پس ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر بیشک تو اپنے بھائی کے ساتھ قتل کر دیا جائے تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے اس جگہ سے جہاں سے تو آیا ہے تو میں نے کہا کہ پھر آپ کو اس چیز سے کس نے روکا ہے (کہ آپ خروج نہیں کرتے) تو انہوں نے کہا کہ اگر میرے پاس لوگوں کی امانتیں نہ ہوتیں تو میں اس میں تاخیر نہ کرتا۔ اور تاریخ بغداد کے پہلے مطبوعہ نسخہ میں اسسیت کے الفاظ ہیں جو غلط ہیں اور باوجودیکہ ان اخبار میں کمزوریاں ہیں' ہم انکار نہیں کرتے کہ بیشک ابو حنیفہؒ کا مذہب ظالموں

اور ظالم حکمرانوں کے ساتھ قتال میں مشہور ہے جبکہ ان کے ساتھ لڑائی میں مصلحت زیادہ غالب ہو جیسا کہ ان کے مذہب کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے اور اسی لیے تو اوزاعی نے کہا کہ ہم نے ابو حنیفہؒ کو ہر چیز پر برداشت کیا یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس تلوار کو لائے یعنی ظالموں کے ساتھ قتال کرنے میں' تو ہم نے اس کو برداشت نہ کیا۔ اور ابو حنیفہؒ کا مذہب ہر چیز میں سکوت نہ تھا۔

ابوبکر الرازی نے کہا کہ زید بن علی علیہما السلام کے معاملہ میں اس (ابو حنیفہ) کا کردار مشہور ہے اور اس کا اس کی طرف مال بھیجنا اور پوشیدہ طور پر اس کی مدد کے واجب ہونے کے اور اس کے ساتھ شریک ہو کر لڑائی کرنے کے فتوے دینا مشہور ہے اور اسی طرح تھا اس کا معاملہ محمد اور ابراہیم کے ساتھ جو کہ دونوں عبد اللہ بن الحسن کے بیٹے تھے۔ اور اس کا ابو اسحاق الفزاری کو کہنا جبکہ اس نے اس کو کہا کہ آپ نے میرے بھائی کو ابراہیم کے ساتھ ہو کر بغاوت کا مشورہ کیوں دیا تھا یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ تیرا بھائی جس طرف گیا ہے' وہ جگہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس جگہ سے جس طرف تو گیا ہے اور ابو اسحاق بصرہ کی طرف چلا گیا تھا اور پختہ بات ہے کہ ان کے اس انداز کو صرف ان ناتجربہ کار اصحاب حدیث نے ہی برا سمجھا جنہوں نے الامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو معدوم کر دیا تھا یہاں تک کہ ظالم لوگ مسلمانوں کے امور پر غالب آ گئے الخ۔

پھر اس نے ذکر کیا کہ حجاج بن یوسف کے خلاف چار ہزار قراء نے خروج کیا تھا جن میں بڑے بڑے تابعین اور فقہاء بھی تھے۔ پھر انہوں نے اہواز کے مقام میں عبد الرحمٰن بن محمد بن الاشعث کے ساتھ ہو کر لڑائی لڑی پھر بصرہ میں پھر فرات کے کنارے کوفہ کے قریب دیر الجماجم میں اور وہ عبد الملک بن مروان کو معزول کرنا چاہتے تھے' اس پر لعنت کرتے اور اس سے براءت کا اظہار کرتے تھے پس کیا کوئی دل میں خدا خوفی رکھنے والا آدمی ان حضرات کو ایسے گمراہ شمار کرے کہ ملت سے ہٹائے ہوئے ہوں محض اس وجہ سے کہ وہ ظالم حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ خواہشات کا ستیاناس کرے کہ وہ فضیلت کو بھی عیب بنا دیتی ہیں۔

اور بیشک ابوبکر الرازیؒ نے قاضی اور خلیفہ کے لیے عدالت کے شرط ہونے کے بارہ میں ابو حنیفہؒ کی رائے کی وضاحت میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور یہ اس نے لَا یَنَالُ عَہْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ احکام القرآن کے اس حصہ کی طرف مراجعت

کریں اور وہ اس کی عمدہ ابحاث میں سے ہے۔ اور زمخشری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ابو حنیفہؒ کی اس بارے میں رائے کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ابو اسحاق الفزاری سے درگزر سے کام لے' جب اس نے اپنے بھائی کو گم پا کر اپنا وزن کم کر دیا تو فقیہ ملت کے بارے میں ہر مجلس اور محفل میں زبان درازی شروع کر دی یہاں تک کہ رشید کی مجلس میں بھی جیسا کہ آپ اس کا ذکر ابن ابی حاتمؒ کی الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں پائیں گے۔ ایسی زبان درازی کرتا کہ نہ عقل اس کا ساتھ دیتی اور نہ ہی شریعت۔ اور عقل مند لوگ اس کے ساتھ چشم پوشی کا معاملہ کرتے تھے اس لیے کہ ان کو اس کی ذاتی حالت معلوم تھی اور ابو حنیفہؒ کا اس بارے میں زیادہ سے زیادہ قصور یہ تھا کہ جب اس کے بھائی نے ان سے فتویٰ طلب کیا تھا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کی جانب سے دیے گئے علم کے مطابق اس کو فتویٰ دیا تھا۔

اور اس خبر کے بعد خطیبؒ نے ابو عوانہ سے نقل کیا کہ بیشک اس نے کہا کہ ابو حنیفہؒ مرجئہ تھے' حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتے تھے تو اس کو کہا گیا کہ پھر حماد بن ابی سلیمانؒ کا طرز کیا تھا؟ تو اس نے کہا کہ یہ تو اس بارے میں اس کا استاد تھا۔ اور اس کی سند میں جو الحسن بن ابی بکر ہے' وہ ابن شاذان ہے۔ خطیبؒ نے کہا کہ وہ نبیذ پیتا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس نے یہ روایت اس وقت بیان کی ہو جبکہ وہ نشہ میں ہو۔ اور اس کا راوی ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی النیسابوری جو ہے' اس سے البرقانی راضی نہ تھا۔ اور اس کے حالات کی تفصیل خطیبؒ کے ہاں موجود ہے۔ اور الہیثم بن جمیل کے بارے میں ابن عدی نے کہا کہ وہ حافظ نہ تھا' ثقہ راویوں سے روایت کرنے میں غلطیاں کرتا تھا اور ابو عوانہؒ الوضاح کے بارہ میں مجھے شک ہے کہ وہ ان دو مسئلوں کو پہچان بھی سکا ہو کہ وہ دو مسئلے کیا ہیں؟ (اس لیے کہ وہ اتنی سمجھ کا مالک نہیں تھا کہ ان مسائل کو سمجھ سکتا)

اور بیشک اس کے بارے میں سلیمان بن حربؒ نے کہا کہ وہ صرف اس قابل ہے کہ بکریاں چرائے اور اس کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس کو علی بن عاصم نے جھوٹا کہا اور دونوں مسئلوں میں جو ہم نے بیان کر دیے ہیں' اتنی ہی تفصیل کافی ہے۔

اعتراض ۴۹: (کہ سفیانؒ اور اوزاعیؒ نے کہا کہ اس امت میں سب سے منحوس بچہ جو پیدا ہوا وہ ابو حنیفہؒ ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں سے قطعاً ایسی توقع نہیں کہ وہ اس جیسی کلام کریں کیونکہ اس میں حدیث کی مخالفت پائی جاتی ہے نیز راویوں اور

متن کے لحاظ سے اس روایت کا من گھڑت ہونا ظاہر ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۹۹ میں علی بن احمد الرزاز۔ علی بن محمد بن سعید الموصلی۔ الحسن بن الوضاح المودب۔ مسلم بن ابی مسلم الجرمی اور اصل میں یہ الحرقی ہے۔ ابو اسحاق الفزاری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو اسحاق نے کہا کہ میں نے سفیانؒ ثوری اور الاوزاعیؒ دونوں کو کہتے ہوئے سنا کہ اسلام میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا جو اس امت پر ابوحنیفہؒ سے زیادہ منحوس ہو۔ اور ابو حنیفہؒ مرجئہ تھے اور حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا نظریہ رکھتے تھے۔ انہوں (ابو حنیفہ) نے مجھے (ابو اسحاق کو) ایک دن کہا اے ابو اسحاق تو کہاں رہتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ المصیصہ میں تو انہوں نے کہا کہ اگر تو بھی وہاں چلا جائے جہاں تیرا بھائی گیا ہے تو یہ بہتر ہوتا۔

ابو اسحاق نے کہا کہ میرا بھائی المبیضہ (سفید لباس والوں یعنی عباسیوں کے خلاف بغاوت کرنے والوں) کے ساتھ ہو کر المسودہ (سیاہ لباس والوں یعنی عباسیوں) کے خلاف نکلا تو قتل کر دیا گیا تھا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کا ایک راوی علی بن احمد الرزاز کا ایک بیٹا تھا جو اس کی کتابوں میں نئی سنی سنائی باتیں شامل کر دیتا تھا جیسا کہ خطیبؒ نے نقل کیا ہے۔ تو اب کیسے اس کی روایت پر اعتماد ہو سکتا ہے؟ اور علی بن محمد بن سعید الموصلی کو ابو نعیم نے جھوٹا کہا ہے اور ابن الفرات نے کہا کہ یہ راوی اختلاط کا شکار تھا اور کوئی قابل تعریف نہ تھا۔ اور مسلم بن ابی مسلم عبد الرحمٰن الجرمی کو خطیبؒ نے ثقہ کہا ہے لیکن اللسان میں ہے کہ بے شک وہ بعض اوقات غلطیاں کر جاتا تھا۔ اور بیہقیؒ نے کہا کہ وہ قوی نہ تھا۔ اور ابوالفتح الازدی نے کہا کہ وہ ایسی احادیث بیان کرتا تھا جن کا کوئی متابع نہیں پایا جاتا۔ اور الفزاری تو تعصب میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ اور اگر یہ خبر ثوریؒ اور اوزاعیؒ سے ثابت ہو جائے تو دونوں صرف اسی ایک کلمہ کی وجہ سے خواہش اور لاپرواہی کے گڑھے میں ایسے گر جائیں گے (اور اٹھنے کی ہمت نہ رکھیں گے) جیسے ان دونوں کا مذہب ان دونوں کے بعد ایسا ناپید ہوا کہ مضبوط فقہ کے سامنے ان دونوں مذہبوں کے لیے اٹھنے کی ہمت ہی نہ رہی۔

اور پھر حدیث میں ہے لا شؤم فی الاسلام کہ "اسلام میں نحوست نہیں۔" تو ان حضرات نے یا تو یہ بات کہی ہی نہیں اور اگر کہی ہے تو حدیث کی مخالفت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں) اور اگر فرض کر لیا جائے کہ نحوست ان تین چیزوں (عورت' سواری' مکان) جن

کا ذکر حدیث میں ہے کے علاوہ کسی اور چیز میں بھی پائی جاتی ہے اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ہمارے امام منحوس ہیں تو ان دونوں (ثوریؒ اور اوزاعیؒ) کو کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ نحوست کے سب سے اونچے درجے میں ہے۔ پس ان دونوں سے تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا کلمہ ان کی زبان سے نکلے جس کے قائل کا ہر ایک کی جانب سے رد کیا جاتا ہو۔ اور اس امت میں تمام منحوسوں سے بڑھ کر منحوس ہونے کی پہچان تو صرف وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے اور وحی کا زمانہ تو ختم ہو چکا ہے۔ تو ایسے من گھڑت افسانہ پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ لا حول ولا قوة الا باللہ

اعتراض ۷۴: (کہ قاضی ابویوسفؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ مرجئہ جہمی تھے اور ہم ان سے صرف سبق پڑھتے تھے' دین میں ان کے مقلد نہ تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۹۹ میں ابن الفضل' محمد بن الحسن بن زیاد النقاش۔ محمد بن علی۔ سعید بن سلم کی سند نقل کر کے کہا کہ سعید نے کہا کہ میں نے قاضی القضاۃ ابویوسفؒ سے پوچھا کہ میں نے اہل خراسان سے سنا ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ جہمی مرجی تھے۔ تو ابویوسفؒ نے مجھ سے کہا کہ وہ سچ کہتے ہیں اور وہ حکمرانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا نظریہ بھی رکھتے تھے۔ تو میں نے اس سے کہا کہ پھر آپ کا اس سے کیا تعلق تھا؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہم صرف اس سے فقہ کا درس لینے جاتے تھے اور ہم اپنے دین میں اس کے مقلد نہ تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ شفاء الصدور کا مصنف النقاش کذاب گمراہ اور اللہ کی مخلوق میں سے گھٹیا لوگوں میں سے تھا۔ اور الدانی المقری مشرق سے بہت دور علاقہ کا تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس پر اس کی بدنامیاں مخفی نہ ہوتیں۔ اور سعید بن سلمہ الباہلی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں سلمہ کی جگہ سالم ہے اور یہ غلطی ہے۔ اور ابویوسفؒ اس جیسی فضول کلام سے بالکل بری ہیں۔ اور ہم متعصب جماعت کی شکایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہی میں کرتے ہیں۔ آپ ان کو دیکھیں گے کہ کبھی کسی شخص کی جانب ایک بات منسوب کرتے ہیں اور کبھی اس کی ضد منسوب کرتے ہیں۔ پس انہوں نے یہاں ابویوسفؒ کے بارہ میں بیان کیا کہ وہ ابوحنیفہؒ کو جہمیت کی طرف منسوب کرتے تھے اور خود جہم کے مذہب سے بری تھے۔ اور دوسری جگہ انہوں نے خود ابویوسفؒ کو جہمی شمار کیا ہے۔ العقیلیؒ نے ابویوسفؒ کے ترجمہ میں عبد اللہ بن الحسین النیلی۔ احمد بن ابی سریج۔

الحسن بن حکیم القرشی۔ اور وہ اور یحییٰ اور ہمارے اصحاب سنی تھے۔ (پھر آگے اس نے) بقیۃ کی سند نقل کر کے کہا کہ بقیہ نے کہا کہ مجھے اہل علم میں سے ایک آدمی نے بتلایا کہ بے شک وہ گواہی دیتا ہے کہ ابویوسفؒ جہمی تھے۔ الخ۔ اور جب کسی واقعہ میں ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب پر طعن اور عیب ہو تو ان حضرات کو سند میں کئی قسم کی کمزوریاں بھی کوئی نقصان نہیں دیتیں۔ آپ ان متعصبوں کو دیکھیں گے کہ وہ کبھی ابوحنیفہؒ اور محمد بن الحسن کو جہمی شمار کرتے اور ابویوسفؒ کو جہم کے مذہب سے بری مانتے اور کبھی ان سب کو جہم کے مذہب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ نے قرآن کریم کے بارہ میں جو کچھ کہا ہے حق ہی کہا ہے۔ اور وہ کلام نفسی کو قدیم کہتے ہیں جو باقی صفات کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور جو کلام مخلوق کے ساتھ قائم ہے اس کو اسی طرح حادث مانتے ہیں جیسا کہ مخلوق کی ذات اور صفات حادث ہیں۔ اور جس آدمی نے اس قول کی وجہ سے ابوحنیفہؒ کو جہمیہ میں شمار کیا ہے تو اس نے اس پر بہت بڑا افتراء باندھا۔ اور اس نے جہم کے قول کو سمجھا ہی نہیں۔ اور رہا معاملہ ارجاء کا جس کی طرف ابوحنیفہؒ کی نسبت کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ بے شک ایمان پختہ یقین اور کلمہ کا نام ہے اور عمل اس کا رکن اصلی نہیں ہے۔ اور اگر اس کا یہ قول نہ ہوتا تو ساری امت کو ایمان سے خارج ماننا پڑتا اس لیے کہ بے شک ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی عمل میں کوتاہی کر ہی جاتا ہے اور ایمان کے کسی رکن میں خلل ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اور بہرحال تلوار اٹھانا جس کا نظریہ ابوحنیفہؒ رکھتے تھے تو وہ حق کی تلوار ہے جو اہل باطل کے خلاف سونتی ہوئی تھی جبکہ اس کے ساتھ فیصلہ کرنا ضروری ہو جائے۔ پس اس حجت کے ساتھ مخالفین کا ظلم ظاہر ہو گیا۔

اعتراض ۴۸: (کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہیں تو وہ قیامت کے دن فنا ہو جائیں گی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ نسبت امام صاحب کی طرف درست نہیں ہے اس لیے کہ ان کا نظریہ اس کے خلاف ان کے مذہب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۳۹۹ میں یہ عنوان قائم کیا کہ اس (ابوحنیفہ) کے افعال اور الفاظ میں سے جو قبیح سمجھے گئے ہیں ان کا ذکر اور اس

کے تحت اس نے الحسن بن علی الجوھری۔ محمد بن العباس الخزاز۔ محمد بن القاسم البزاز۔ عبد اللہ بن ابی سعد۔ ابو عبد الرحمٰن عبد الخالق بن منصور نیسا پوری۔ ابوداؤد المصاحفی کی سند نقل کر کے کہا کہ ابوداؤد المصاحفی نے کہا کہ میں نے ابو مطیع کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ کہتے تھے کہ اگر جنت اور دوزخ پیدا کی جاچکی ہیں تو وہ یقیناً فنا ہوں گی۔

اور پھر محمد بن الحسین بن الفضل۔ علی بن ابراہیم النجاد۔ محمد بن اسحاق السراج۔ ابراہیم بن ابی طالب۔ عبد اللہ بن عثمان بن الرماح کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن عثمان نے کہا کہ میں نے ابو مطیع البلخی سے سنا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر جنت اور دوزخ دونوں پیدا کی جاچکی ہیں تو وہ یقیناً فنا ہوں گی۔ ابو مطیع نے کہا کہ اللہ کی قسم اس نے جھوٹ کہا۔ السراج نے کہا اللہ کی قسم اس نے جھوٹ کہا۔ النجاد نے کہا اللہ کی قسم اس نے جھوٹ کہا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ اکلھا دائم کہ "اس جنت کے میوے دائمی ہیں۔" ابن الفضل نے کہا اللہ کی قسم اس نے جھوٹ کہا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ نظریہ ابو مطیع کا تھا نہ کہ ابوحنیفہؒ کا۔ اللہ کی قسم جو بھی یہ کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس روایت میں جو ابوداؤد المصاحفی ہے وہ سلیمان بن سلیم ہے جو کہ بلخ کی جامع مسجد کا موذن تھا۔ اس کا ذکر محمد بن جعفر الوراق نے "طبقات علماء بلخ" میں کیا ہے جیسا کہ "انساب السمعانی" میں ہے۔ اور پہلی خبر کی سند میں الخزاز ہے اور دوسری میں ابن الرماح ہے تو ان سندوں میں ان کے ہونے کی وجہ سے دونوں خبریں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اور بعض دفعہ دونوں سندیں شروع میں مرکب ہوتی ہیں اور ان کا اعتبار اس لیے نہیں کہ اس مسئلہ میں تواتر کے ساتھ ابوحنیفہؒ اور ابو مطیع سے ثابت جو ہے' یہ نظریہ اس کے خلاف ہے۔ اور اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ابو مطیع نے ابوحنیفہؒ سے الفقہ الابسط میں روایت کی ہے جو ابوبکر محمد بن محمد الکاسانی نے علاؤ الدین السمرقندی۔ ابوالمعین النسفی۔ ابو عبد اللہ الحسین بن علی۔ ابومالک نصران بن نصر الختلی کی سند سے اور اسی طرح ابو زکریا یحییٰ بن مطرف۔ ابو صالح محمد بن الحسین۔ ابوسعید سعدان بن محمد بن بکر بن عبد اللہ البستی الجرمقی۔ ابوالحسن علی بن احمد الفارسی۔ نصر بن یحییٰ۔ ابو مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی کی سند سے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے۔ یہ کتاب دارالکتب المصریہ کے مجموعہ ۶۴ اور مجموعہ ۲۱۵ میں ہے۔ اور اس مذکورہ کتاب کے باب الرد علی من یکفر بالذنب میں ہے کہ اگر

کسی نے کہا کہ بے شک وہ دونوں یعنی جنت اور دوزخ فنا ہو جائیں گی تو آپ اس سے کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس جنت کی نعمتوں کے بارہ میں فرمایا ہے لَا مَقْطُوْعَةٍ وَلَا مَمْنُوْعَةٍ کہ "نہ وہ ختم ہوں گی اور نہ ہی ان کو حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہوگی۔" اور جو شخص کہے کہ وہ دونوں اس کے بعد فنا ہوں گی جب ان کے اہل ان میں داخل ہو چکے ہوں گے تو ایسے شخص نے یقیناً اللہ کے ساتھ کفر کیا اس لیے کہ بے شک اس نے ان دونوں (جنت اور دوزخ) میں اس کے اہل کے ہمیشہ رہنے کا انکار کیا ہے۔ اور یہ اس بات کی صراحت ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ اور ابو مطیع دونوں جنت اور دوزخ میں ان کے اہل داخل ہوجانے کے بعد ان کے فناء ہونے کا نظریہ نہیں رکھتے تھے۔ اور بہرحال وہ خبر جو میزان الاعتدال للذہبیؒ میں ہے اور اس نے ابو مطیع کے ترجمہ میں کہا ہے کہ العقیلیؒ نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میں نے اپنے باپ سے ابو مطیع البلخی کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ اس لائق نہیں کہ اس سے روایت لی جائے اس کے بارہ میں لوگ نقل کرتے ہیں کہ بے شک وہ کہتا تھا کہ جنت اور دوزخ پیدا کی جا چکی ہیں پھر وہ فناء ہوں گی اور یہی جہم کا نظریہ ہے۔

یہاں اس کی جانب سے جو قول نقل کیا گیا ہے وہ سند کے بغیر ہے۔ تو اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ قول اس سے ثابت ہے تو ضروری ہے کہ اس کو اس پر محمول کریں کہ وہ دونوں ایک لحہ کے لیے نفخہ کے وقت فناء ہوں گی۔ اور یہ ماننا اس لیے ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم ثابت ہو جائے کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَهٗ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فناء ہوگی۔ جیسا کہ یہ اکثر اہل السنت متکلمین کا نظریہ ہے۔ جیسا کہ "شرح النسفیہ" اور "شرح المقاصد" وغیرہ عقائد کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور اس میں کہاں یہ اعتقاد ہے کہ جنت اور دوزخ میں جب ان کے اہل داخل ہو جائیں گے تو اس کے بعد وہ فنا ہوں گی۔ جیسا کہ جہم کا نظریہ ہے۔ اور یہ نظریہ تو ابو حنیفہؒ اور ابو مطیع کے نزدیک صریح کفر ہے جیسا کہ ابن حزم نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ نظریہ رکھتا ہے کہ یہ دونوں اپنے اہل کے داخل ہونے کے بعد فنا ہوں گی تو ایسا شخص کافر ہے۔ اور اس پر ابوالحسن السبکیؒ نے اپنی کتاب الاعتبار ببقاء الجنة والنار میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور یہ کتاب اس نے ابن تیمیہ کے رد میں لکھی تھی جس کا نظریہ یہ ہے کہ دوزخ میں جب اس کے اہل داخل ہوں گے تو پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی

اور اس کی پیروی کرتے ہوئے یہی نظریہ اس کے شاگرد ابن القیم نے اپنایا ہے حالانکہ یہ جمہور اہل علم کے نزدیک کفر ہے۔

اور اللہ کی پناہ کہ ابوحنیفہؒ یا اس کے اصحاب میں سے کسی نے اس جیسی کوئی بات کہی ہو اور "الفقہ الاکبر" جو علی بن احمد الفارسی۔ نصر بن یحییٰ۔ ابومقاتل۔ عصام بن یوسف۔ حماد بن ابی حنیفہؒ عن ابیہ کی روایت سے ہے۔ اس میں ہے کہ جنت اور دوزخ آج بھی موجود ہیں وہ کبھی بھی فناء نہیں ہوں گی اور اس کی سند قلمی نسخہ کی ابتداء میں موجود ہے جو مکتبہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں محفوظ ہے۔ جس کا نمبر ۲۲۶ ہے۔ اور یہ وہ "الفقہ الاکبر" ہے جس کی شرح ملا علی القاریؒ نے کی ہے۔ اگرچہ وہ نسخہ جو عام ملتا ہے اس میں غلطیاں ہیں جیسا کہ ہم نے کسی دوسرے مقام میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اور مذکورہ مکتبہ میں پرانا نسخہ ہے جو اغلاط سے پاک ہے۔ اور یہ قول کرنا کہ نفخہ کے وقت ایک لحظہ کے لیے جنت اور دوزخ فناء ہوں گی تو اس کا دارومدار جمہور اہل السنت کے اس نظریہ کے مطابق ہے کہ وہ دونوں پیدا کی جا چکی ہیں۔ اور بہرحال یہ قول کہ وہ دونوں نفخہ کے بعد پیدا کی جائیں گی اور اب وہ موجود نہیں ہیں تو یہ بعض معتزلہ کا نظریہ ہے اور مذکورہ آیت (کل شئی ھالک الا وجھہ) کا مفہوم ثابت کرنے کے لیے اس قول کے مطابق نفخہ کے وقت ان کے فناء ہونے کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جنت اور دوزخ نفخہ کے بعد پیدا کی جائیں گی تو وہ ان آیات کی تاویل کرتے ہیں جن میں آتا ہے کہ وہ پیدا کی جا چکی ہیں' وہ کہتے ہیں کہ چونکہ مستقبل میں اس کا وقوع یقینی ہے اس لیے ان کو ماضی اور حال کے صیغوں سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے واقعہ میں جس جنت کا ذکر ہے وہ جنت زمین پر تھی اور ابن القیمؒ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کا عقیدہ جنت اور دوزخ کے بارہ میں یہ ہے کہ جو آدمی یہ نظریہ رکھتا ہے کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اس کے بعد کسی وقت یہ فناء ہوں گی تو ایسا آدمی کافر ہے جیسا کہ "الفقہ الابسط" میں ہے اور اسی طرح فقہاء الملہ ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ کے عقیدہ پر مشتمل جو کتاب ابوجعفر الطحاویؒ نے لکھی ہے اس میں بھی ہے۔ اور ابومطیع البلخی بھی اس نظریہ سے بری ہیں اگرچہ اس کے قول کو نہ سمجھتے ہوئے بعض بے تکی باتیں کرنے والوں نے اس کی طرف یہ نسبت کی ہے۔

تو اس بیان کے ساتھ دونوں خبروں میں بات کو بڑھا کر بیان کرنے کے مواقع (کہ کس کس جگہ لوگوں نے بات کو بڑھا کر بیان کیا) اور دونوں جگہوں میں تشنیع کرنے والوں کی تشنیع کی غلطی واضح ہوگئی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۴۹ : (کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ میرا زمانہ پالیتے یا میں ان کو پالیتا تو وہ میری اکثر باتوں کو اختیار کر لیتے نیز ابوحنیفہؒ کے سامنے حدیث پیش کی جاتی تو وہ اس کی مخالفت کرتے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل راویت کو بگاڑ کر بعض راویوں نے روایت اس طرح کر دی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ ص ۳۸۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۰ میں ابن رزق۔ احمد بن جعفر بن سلمہ۔ احمد بن علی الابار۔ ابراہیم بن سعید۔ محبوب بن موسیٰ کی سند نقل کر کے کہا کہ محبوب نے کہا کہ میں نے یوسف بن اسباط کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر میرا زمانہ رسول اللہ ﷺ پالیتے یا میں آپ کو پالیتا تو آپ میری اکثر باتوں کو اختیار کرتے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ابو اسحاق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ کے پاس جب نبی کریم ﷺ کی طرف سے کوئی چیز پیش کی جاتی تو وہ اس کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے علاوہ پر عمل کرتے تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس افسانہ میں انتہائی عصبیت اور گڑبڑ دونوں باتیں جمع ہیں۔ اور ہم نے پہلے ابن رزق اور ابن سلمہ اور الآبار کا کئی بار تذکرہ کیا ہے۔ اور ابراہیم بن سعید الجوھری اس حال میں تعلیم حاصل کرتا تھا کہ اس پر نیند طاری ہوتی تھی۔ جیسا کہ الحافظ حجاج بن الشاعر نے کہا ہے اور حجاج بن الشاعر سے مسلم نے اپنی صحیح میں بکثرت روایات لی ہیں۔

پس ذہبیؒ نے اس کے حق میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایسے آدمی کی طرح جس کے دل میں کوئی حاجت ہوتی ہے۔ ورنہ تو حجاج ان لوگوں میں سے ہے جس کی جرح مندمل نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی جرح پختہ ہے) اور اس کا راوی محبوب بن موسیٰ جو ہے وہ ابو صالح الفراء ہے اور بیشک اس کے بارہ میں ابوداؤدؒ نے کہا کہ اس کی حکایات کی طرف اس وقت تک کوئی توجہ نہ کی جائے جب تک وہ کتاب سے دیکھ کر نہ بیان کرے اور یوسف بن اسباط الزاہد کے بارہ میں ابو حاتم نے کہا لا یحتج بہ کہ اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اور بخاری نے کہا کہ اس کی کتابیں دفن کر دی گئی تھیں پھر وہ اپنی تسلی کے مطابق حدیث بیان

نہیں کر سکتا تھا۔

اور تاریخ بغداد کے ہندوستانی مطبوعہ نسخہ میں اور دارالکتب المصریہ میں جو قلمی نسخہ ہے اس میں ایک اور سند کے ساتھ خبر ہے کہ خطیبؒ نے کہا اخبرنی علی بن احمد الرزاز عن علی بن محمد بن سعید الموصلی عن الحسن بن الوضاح المودب عن المسیب بن واضح عن یوسف بن اسباط الی آخرہ اور یہ الرزاز وہی راوی ہے جو اپنے مسودہ سے روایت کرتا تھا اور اس کے بیٹے نے تازہ سنی سنائی بھی اس میں شامل کر دی تھیں جیسا کہ خطیبؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور الموصلی جس کا المیزان میں ذکر کرتے وقت درمیان سے اس کے باپ محمد کا نام ساقط کر کے نسبت دادا کی طرف کر دی گئی ہے۔ تو یہ غلطی ہے۔ اور اس کے بارہ میں ابو نعیم نے کہا کہ وہ کذاب ہے اور ابن الفرات نے کہا کہ وہ اختلاط کا شکار تھا اور کوئی قابل تعریف آدمی نہ تھا۔ الخ

اور بے شک خطیبؒ نے عیسیٰ بن فیروز کے ترجمہ میں اس الموصلی کے بارہ میں کہا کہ وہ ثقہ نہ تھا۔ اور ابو حاتمؒ نے المسیب بن واضح کے بارہ میں کہا کہ وہ تھا تو سچا مگر بہت زیادہ غلطیاں کر جاتا تھا۔ تو جب اس کو ان غلطیوں پر آگاہ کیا جاتا تو وہ ان کو قبول بھی نہ کرتا تھا الخ۔ اور اس جیسا آدمی تو مردود الروایہ ہوتا ہے۔ اور اس کو دار قطنیؒ اور ابن الجوزیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ اور یوسف بن اسباط تو اس لائق تھا کہ جیسے اس کی کتابوں کو دفن کر دیا گیا تھا اس کو بھی دفن کر دیا جاتا۔ (روایت کی حالت تو یہ ہے مگر افسوس کہ) خطیبؒ کے ہاں اس جیسی روایت محفوظ ہوتی ہے۔ نیز دارالکتب المصریہ میں جو محفوظ مسوّدہ ہے جس کا نمبر ۴۰ ہے اس میں علامہ الفقیہ محمد بن محمود الجزائریؒ کے جو کہ گزشتہ صدی کے وسط میں الاسکندریہ کے مفتی تھے ان کے خط سے لکھا ہے کہ یوسف بن اسباط ضعیف سیئی الحفظ تھا۔

اس بارہ میں اصل روایت

اس بارہ میں اصل روایت اس طرح تھی لَوْاَدْرَكَنِی الْبَتِّیُّ لَاَخَذَ بِكَثِيْرٍ مِّنْ قَوْلِیْ کہ "اگر (عثمان) البتیؒ مجھے پالیں یا میں ان کو پالوں تو وہ میری بہت سی باتوں کو قبول کر لیں گے۔" تو راوی نے البتیؒ کو بدل کر النبی کر دیا۔ پھر روایت بالمعنی کرتے ہوئے بہت ہی غلطی کر دی۔

یہ بات محمد بن محمود الجزائری نے لکھی ہے۔ یعنی اس راویت میں اصل البتی تھا مگر

اس کو بدل کر النبی کر دیا گیا۔ پھر روایت بالمعنی کرتے ہوئے اس کو بدل کر رسول اللہ کر دیا۔ اور پھر اس میں ﷺ کا اضافہ کر دیا۔ اور البتی سے مراد بصرہ کے عالم امام عثمان بن مسلم البتیؒ ہیں جن کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔ اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ اس جیسی تصحیف بعض راویوں سے پائی جاتی ہے جس کا ذکر خود خطیبؒ نے ص ۸۰ ج ۲ میں کیا ہے۔

بلکہ محدثین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات میں جا پڑتے ہیں مثلا ایک سند یوں بیان کی عن اللہ عن رجل (جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اللہ نے اپنے استاد سے روایت لے کر بیان کی نعوذ اللہ من ذالک) تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ وہ شخص کون ہے جس سے اللہ تعالیٰ روایت لے کر بیان کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ذات تو اس سے بہت بلند ہے کہ اس کا کوئی استاد ہو تو اس محدث نے اس میں تبدیلی کر کے عن رجل کی بجائے عز وجل کر دیا (حالانکہ اعتراض بدستور باقی ہے کہ نبی اور فرشتہ کے علاوہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے براہ راست بات لے کر بیان کرے۔)

پھر وہ الفاظ جو ابو حنیفہؒ سے یہاں روایت کیے گئے ہیں اگر ان کو بالفرض مان بھی لیا جائے کہ ان سے یہ ثابت ہیں تو اس کا مطلب یوں ہوگا کہ اس میں مفعول محذوف ہے۔ جیسا کہ یہی مناسب ہے تو اصل عبارت یوں ہوگی لاخذنی بکثیر من قولی تو اس صورت میں معنی بالکل ٹھیک بنتا ہے۔ (کہ اگر نبی کریم ﷺ مجھے پا لیتے یا میں آپ کو پالیتا تو آپ بہت سی باتوں میں میرا مواخذہ فرماتے۔) اور جو عیب ہے وہ دور ہو جاتا۔ پس اس قول کے ساتھ ابو حنیفہؒ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ اپنی تمام آراء میں مصیب (راہ راست پر) نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی بعض آراء ایسی پائی جاتی ہوں جن کی وجہ سے نبی کریم ﷺ عتاب فرماتے۔ اگر بالفرض یہ قول امام صاحب سے ثابت ہو جائے تو اس معنی کی صورت میں یہ قول ان کے انتہائی ورع اور پرہیزگاری پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر بات میں مصیب نہیں ہیں۔ (جیسا کہ شیعہ حضرات کا اپنے اماموں کے بارہ میں نظریہ ہے۔) لیکن چونکہ ان کے نزدیک ان کی وہ آراء متعین نہیں جن کو رسول اللہ ﷺ ناپسند فرماتے اس لیے وہ مسائل کے احکام میں ان آراء کی پیروی کرنے میں مجبور ہیں۔ ان دلائل کی وجہ سے جو ان کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اور آگے اس کی بحث آئے گی۔ اور دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں لو ادرکنی البتی او ادرکتہ کہ "اگر (عثمان) البتی مجھے پا لیتے یا میں ان کو پالیتا تو وہ میری بہت سی باتوں کو لے لیتے۔" اور

مجتہد کا کسی صحیح حدیث کی مخالفت کرنا صرف اس جیسا مجتہد ہی پہچان سکتا ہے جو اخبار کے مراتب اور ان کی دلالت کے وجوہ کو جانتا ہو۔ وہ راوی نہیں پہچان سکتا جو اخبار کی تصحیح میں تساہل ہو اور معانی کی گہرائی میں غور و فکر کرنے والا نہ ہو جیسا کہ ابو اسحاق الفزاری ہے' تو ایسے آدمی کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اعتراض ۵۰: (کہ ابواسحاق الفزاری نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کے سامنے حدیث بیان کی تو اس نے کہا کہ اس کو چھوڑ دے پھر ایک دن اور حدیث بیان کی تو اس نے کہا اس کو خنزیر کی دم کے ساتھ کھرچ دے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی نے وہ حدیث ظاہر نہیں کی جس کو چھوڑنے اور خنزیر کی دم سے کھرچنے کا امام ابوحنیفہؒ نے کہا تھا۔ اگر وہ حدیث ذرا بھی اعتبار کے لائق ہوتی تو راوی ضرور اس کا ذکر کرتا۔ اس کا ذکر نہ کرنا ہی دلیل ہے کہ وہ اعتبار کے لائق نہ تھی۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۱ میں ابو سعید الحسن بن محمد بن عبد اللہ بن حسنویہ الاصبہانی۔ عبد اللہ بن محمد بن عیسیٰ الخشاب۔ احمد بن مهدی۔ احمد بن ابراہیم۔ عبد السلام بن عبد الرحمٰن۔ اسماعیل بن عیسیٰ بن علی الهاشمی۔ ابو اسحاق الفزاری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو اسحاق الفزاری نے کہا کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس غزوہ کے بارہ میں کوئی مسئلہ پوچھنے آیا تھا تو میں نے اس سے مسئلہ پوچھا تو اس نے اس کا جواب دیا تو میں نے اس کو کہا کہ بے شک اس کے بارہ میں نبی کریم ﷺ سے تو اس اس طرح روایت کی گئی ہے تو اس نے کہا دعنا من هذا "اس کو لینے سے ہمیں معاف رکھ۔" ابو اسحاق نے کہا کہ پھر ایک دن میں نے اس سے کوئی مسئلہ پوچھا تو اس نے اس کا جواب دیا تو میں نے کہا کہ اس بارہ میں نبی کریم ﷺ سے اس اس طرح روایت کی گئی ہے تو اس نے کہا کہ اس کو خنزیر کی دم کے ساتھ کھرچ دے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الفزاری نے اس چیز کا کیوں ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے کم عقلی فقیہ ملت کی طرف لوٹتی ہے اور وہ کونسی خبر تھی جس سے ابوحنیفہؒ نے اعراض کیا؟ اور وہ کونسی خبر تھی جس کو کھرچ دینے کا اس نے حکم دیا؟ تا کہ جماعت کو معلوم ہوجاتا کہ کیا وہ اعراض اور کھرچ دینے کے قابل تھی۔ اور راویوں کے پاس کتنی ہی ایسی روایات ہیں جن کو اہل علم رد کرتے ہیں ان کمزوریوں کی وجہ سے جن کو ماہر فن ہی جانتے ہیں۔ مگر راوی ان پر اعتماد کرتے ہیں اور ابراہیم بن محمد الفزاری کا مرتبہ السیر اور المغازی میں تو ہے مگر ابن سعد

اس کو اس میں پسند نہ کرتے تھے۔ اور ذکر کرتے تھے کہ وہ بہت غلطیاں کرنے والا ہے۔ اور ابن سعد تو السیر اور المغازی میں بہت بڑے امام ہیں۔ اور باوجودیکہ الفزاری اپنے علم میں بہت غلطیاں کرتا تھا جیسا کہ اس کی صراحت ابن سعدؒ نے اپنی طبقات میں اور ابن قتیبہؒ نے المعارف ص ۱۷۵ میں کی ہے۔ پھر بھی ہم اس کی کلام کی طرف تب توجہ کرتے جبکہ وہ ان دونوں حدیثوں کو ذکر کر دیتا۔ بے شک روایت میں اس کی اکثر اغلاط ہیں اور مفہوم سمجھنے میں اس کی طبیعت جامد ہے۔ لیکن اس نے جب ان دونوں حدیثوں کو ذکر ہی نہیں کیا تو اس کی کلام خود بخود ساقط ہو گئی۔

اور اہل علم کے ہاں یہ بات بالکل واضح ہے کہ مغازی اور سیر کے باب میں بہت سی روایات مقطوع اور مرسل ہیں۔ اور ان میں سے جو مسند ہیں تو ان کے راویوں پر کلام بھی بکثرت ہے اور اسی لیے امام احمد نے فرمایا' تین قسم کے علوم ایسے ہیں کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں اور ان میں المغازی کا بھی ذکر کیا۔ تو ابو حنیفہؒ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہوں نے المغازی سے متعلق الفزاری کی ایک یا دو خبروں کو رد کر دیا ہے؟ اور اس الفزاری کا اپنے علم میں جو حال ہے وہ آپ نے معلوم کر لیا۔ اور جو لوگ اپنے مخالف کو دوسروں کی زبانی گالی کو پسند کرتے ہیں ان کے ہاں اس کی زبان درازی خوشی کا مقام ہے۔ تو انہوں نے اس کو اس مرتبہ تک بڑھا دیا جو اس کا مرتبہ نہ تھا۔

اور وہ اصل میں کوفہ کا تھا پھر شام میں رہائش اختیار کر لی۔ اور وہ المصیصہ میں مرابط (چوکیدار) تھا۔ عبادت گزار بہادر تھا۔ زبان دراز تھا۔ سوائے سیر کے علم کے کسی اور موضوع کی طرف توجہ کرنے والا نہ تھا۔ اپنے زہد اور بکثرت غزوات میں شرکت اور اپنی زبان درازی کی وجہ سے ناقلین کے ہاں بلند مرتبہ تھا۔ اور ابو حنیفہؒ اپنی دانش اور اپنی بحث کے دوران زبان کی پرہیزگاری کے اس مقام پر فائز تھے کہ ہم بعید سمجھتے ہیں کہ ان سے یہ الفاظ نکلے ہوں کہ اس کو خنزیر کی دم کے ساتھ کھرچ دے۔ اور الوابصی والی خبر کی سند میں عبدالسلام بن عبد الرحمٰن ہے جس کو یحییٰ بن اکثم نے معزول کر دیا تھا۔ لازمی بات ہے کہ اس کا سبب فقہ میں کمزوری نہیں بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور ہی تھا۔ پھر حشویہ مذہب والوں کا جب بازار گرم ہوا تو انہوں نے اس کو دوبارہ قضاء پر بحال کر دیا۔ اور اس (عبد السلام) کا شیخ اسماعیل بن عیسیٰ مجہول راویوں میں سے ہے۔

اعتراض ۵۱: (کہ علی بن عاصم نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کے سامنے حدیث پیش کی تو اس

نے کہا میں اس کو نہیں لیتا۔ اور ابواسحاق نے کہا کہ میں نے حدیث پیش کی تو اس نے کہا کہ یہ حدیث خرافہ ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن عاصم نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا جس کے بارہ میں اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے اس کو رد کیا ہے' یہ ذکر نہ کرنا ہی بتاتا ہے کہ وہ حدیث اس کے نزدیک بھی قابل اعتماد نہ تھی۔ اور یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کسی صحیح ثابت شدہ حدیث کے بارہ میں یہ الفاظ کہیں۔ اس لیے کہ ان کا ارشاد تو یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۲ میں ابن دوما۔ ابن سلمہ۔ الابار۔ الحسن بن علی الحلوانی۔ ابوصالح یعنی الفراء۔ ابو اسحاق الفزاری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو اسحاق الفزاری نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کے سامنے حکمرانوں کے خلاف تلوار نہ اٹھانے والی حدیث بیان کی تو اس نے کہا کہ یہ حدیث خرافہ ہے۔ اور خطیبؒ نے دوسری سند الابار محمد بن حسان الازرق نقل کر کے کہا کہ محمد بن حسان نے کہا کہ میں نے علی بن عاصم کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کے سامنے نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی تو اس نے کہا میں اس کو نہیں لیتا۔ تو میں نے کہا کہ یہ تو نبی کریم ﷺ سے ہے تو اس نے کہا لَا آخُذُ بِهٖ میں اس کو نہیں لیتا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ابن دوما۔ ابن سلمہ۔ الابار۔ الحلوانی اور ابوصالح الفراء ہیں اور اگر اس کی سند میں صرف ابن دوما ہوتا تو اس خبر کو رد کرنے کے لیے اتنی بات ہی کافی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اہل شام کے ہاں بہت سی ایسی من گھڑت احادیث تھیں جن کو وضع کرنے والوں نے بنی امیہ کے حق میں وضع کیا تھا اور ان میں ظالم حکمرانوں کے خلاف خروج کی ممانعت تھی اور ان کے موضوع ہونے کی اطلاع صرف ماہر فن ہی رکھتے ہیں۔

ابن سعد نے الفزاری کے بارہ میں کہا کہ وہ ثقہ' فاضل اور صاحب سنت اور غزوات میں شرکت کرنے والا تھا اور اپنی حدیث میں اکثر خطا کرتا تھا۔ اور پہلے ابن قتیبہ کا قول اس کے بارہ میں گزر چکا ہے کہ یہ اپنی بات میں بکثرت غلطیاں کرنے والا تھا۔ اور جو شخص حدیث میں اکثر خطا کرنے والا ہو تو وہ بکثرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی حدیث کی نسبت کرنے والا ہوگا جو اس کے بیان کردہ طریقہ پر نہیں تو اس کو رد کر دیا جائے گا تو باطل حدیث حدیث خرافہ ہی ہوتی ہے۔ اور پہلے اس کی وضاحت ہو چکی کہ یہ ابوحنیفہؒ کے

بارہ میں لمبی زبان کیوں رکھتا تھا اور اس میں بہت غالی تھا۔ اللہ تعالیٰ اس سے چشم پوشی کا معاملہ فرمائے۔

الحافظ ابن ابی العوامؒ نے ابوبکر محمد بن جعفر بن اعین۔ یعقوب بن شیبہ۔ محمد بن صالح کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن صالح نے کہا کہ میں نے اسماعیل بن داؤد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبد اللہ بن المبارکؒ ابوحنیفہؒ کی روایت سے واقعات و احادیث ذکر کرتے تھے۔ تو جب وہ ثغر (سرحد) میں یعنی المصیصہ میں ہوتے تھے تو ابن المبارک ابوحنیفہؒ کی روایت سے کوئی چیز بیان نہ کرتے تھے اور جب تک ابن المبارک چلے نہ جاتے اس وقت تک ابو اسحاق الفزاری ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کوئی بری بات ذکر نہ کرتا تھا۔ اور اس میں عبرت ہے۔ اور ابواسحاق کی کلام صرف اسی چیز پر دلالت کرتی ہے جو اس کے دل میں فقیہ الملۃ کے بارہ میں دلی غصہ ہے اور جرح میں اس کی کلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ وہ اس حدیث کو ذکر کرتا جس کا رد ابوحنیفہؒ نے کیا تھا اور جس کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ حدیث خرافہ ہے۔ یا جس کے بارہ میں حکم دیا تھا کہ اس کو کھرچ دے۔ اور جب اس نے یہ نہیں کیا تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خود بھی اس حدیث کے بارہ میں پر اعتماد نہیں تھا۔ تو اس کی اس کارروائی نے کوئی فائدہ نہ دیا سوائے اس کے کہ اس نے اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا۔

اور رہی دوسری خبر تو اس میں بھی ابن دوما اور اس کے بعد والے سارے کے سارے متکلم فیہ راوی ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ خبر ابوحنیفہؒ سے ثابت ہے تو کوئی مانع نہیں کہ وہ علی بن عاصم کی بیان کردہ (غیر معیاری) حدیث کے بارہ میں کہیں کہ میں اس کو نہیں لیتا اور ابوحنیفہؒ دیگر اہل علم کی طرح حق رکھتے ہیں کہ وہ علی بن عاصم کی حدیث کو نہ لیں جس کے لیے منشی حدیثیں لکھتے تھے اور وہ سماع کے اور بغیر صحیح مسودہ کے ساتھ تقابل کرنے کے بغیر ہی ان کو بیان کر دیتا تھا اور کلام اس کے بارہ میں بہت طویل ہے۔ ان کتابوں میں جو ضعیف راویوں کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ پس ہلاکت ہے اس کے لیے جو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے قائم مقام ٹھہراتا ہے اور اپنے رد کو مصطفیٰ ﷺ کا رد قرار دیتا ہے۔ اور ابوحنیفہؒ تو وہ ہیں جو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر لعنت ہو جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے۔ ان ہی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی اور ان ہی کی وجہ سے ہم نے نجات پائی ہے۔ جیسا کہ ان کا یہ قول الانتقاء لابن عبد البرؒ ص ۱۴۱ میں ہے تو وہ کیسے ایسی حدیث کے خلاف کر سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہو۔ اور جو

شخص ایسا خیال کرتا ہے تو وہ بہتان تراشی میں بہت دور نکلا ہوا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت چاہتے ہیں۔

اعتراض ۵۲ : (کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے جب البیعان بالخیار مالم یتفرقا والی حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ رجز (شعر کی ایک قسم) ہے اور جب یہودی کے سر کوٹنے والی حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ یہ غیر معقول بات ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت امام صاحب سے ثابت ہو جائے تو رجز کا معنی ہے بے سوچے سمجھے الفاظ کو زبان پر جاری کرنا تو اس لحاظ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور سر کچلنے والی روایت پر اگرچہ امام ابوحنیفہؒ کا عمل نہیں مگر یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اس کو ہذیان کہا ہو یہ بعد کے کسی راوی کی کارستانی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۲ میں محمد بن ابی نصر النرسی۔ محمد بن عمر بن محمد بن بتہ البزاز۔ احمد بن سعید الکوفی۔ موسیٰ بن ہارون بن اسحاق۔ العباس بن عبد العظیم۔ ابوبکر بن ابی الاسود۔ بشر بن مفضل کی سند نقل کر کے کہا کہ بشر کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے کہا کہ نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں بیع کرنے والے جب تک جدا نہ ہوں اس وقت تک ان کو خیار ہوتا ہے۔ تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ رجز ہے۔ میں نے کہا کہ قتادہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک ایک یہودی نے ایک بچی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ ہذیان (غیر معقول بات) ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ محمد بن احمد بن محمد بن حسنون النرسی خطیبؒ کا شیخ ہے اور اس کے نزدیک ثقہ ہے۔ اور جس صاحب نے طبع ثانیہ میں حاشیہ میں اس پر جرح کی ہے تو اس کو وہم ہوا ہے۔ اس لیے کہ متکلم فیہ یہ نہیں بلکہ اس کا استاد ابن بتہ ہے اور وہ محمد بن عمر بن محمد بن بتہ البزاز شیعی ہے۔ خطیبؒ اس کو پسند نہیں کرتا تھا اور اس کا راوی احمد بن سعید جو ہے وہ ابن عقبہ الکوفی ہے جو کہ تیز طرار شیعہ تھا۔ اور اس کے بارہ میں خطیبؒ کا کلام سخت ہے۔ تو اس پر لازم تھا کہ اس روایت کا اعتبار نہ کرتا۔ اور ابوبکر بن ابی الاسود جو ہے وہ عبد اللہ بن محمد بن حمید ابن اخت عبد الرحمٰن بن مہدی ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ ابوبکر بن ابی الاسود کے بارہ میں ابن معینؒ اچھی رائے نہ رکھتے تھے۔ تو اس جیسی سند

کے ساتھ ابوحنیفہؒ سے یہ واقعہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ (مگر) خطیبؒ کے ہاں محفوظ اس جیسی روایت ہی ہوتی ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ قول ان سے ثابت ہے تو رجز کا وہ معنی نہیں جو مخالفین بیان کرتے ہیں بلکہ رجز کا معنی وہ ہوگا جو حضرت ابن مسعودؓ کے قول میں مراد لیا جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ فَھُوَ رَاجِزٌ کہ جس نے تین دن سے کم مدت میں قرآن پڑھا تو ایسا شخص راجز ہے۔ یعنی معنی کو سمجھے بغیر ہی الفاظ کو زبان پر جاری کرنے والا ہے جیسا کہ راجز کرتا ہے (تو اس لحاظ سے ابوحنیفہؒ کے قول کا معنی یہ ہوگا کہ اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا کے قول کو جس طرح تو بیان کر رہا ہے یہ رجز ہے یعنی معنی کو سمجھے بغیر زبان پر الفاظ جاری کر رہا ہے) تو رجز کا لفظ استعمال کرنے میں ان کے لیے حضرت ابن مسعود کا قول نمونہ ہے اور اس حدیث کی وجہ سے خیار مجلس کا قول حدیث کے معنی کو سمجھے بغیر زبان پر الفاظ کو جاری کرنا ہے۔ اس لیے کہ اس خیار کو جب خیار مجلس پر محمول کیا جائے تو یہ کتاب اللہ کی نص کے مخالف ہے۔ اس لیے کہ جب باہمی رضا کے ساتھ بائع اور مشتری عقد کرلیں تو عقد میں بائع ثمن کا اور مشتری مبیعہ کا مستحق بن جاتا ہے اور نص سے ثابت ہے کہ متعاقدین میں سے ہر ایک جس کا مستحق ٹھہرتا ہے وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! آپس میں مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری باہمی رضا سے تجارت ہو۔" (تو حدیث کو جب خیار مجلس پر محمول کریں گے تو معنی یہ ہو جائے گا کہ مجلس کے اختتام تک بائع ثمن میں اور مشتری مبیعہ میں تصرف نہ کرے اور یہ مفہوم نص قرآنی کے مخالف ہے) اس کے برخلاف اگر اس خیار کو خیار رجوع پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ بائع اور مشتری میں سے جس نے ایجاب کیا ہے تو دوسرے کے مجلس میں قبول کرنے سے پہلے پہلے اس کو ایجاب سے رجوع کرنے کا اختیار ہے اور جب دوسرے نے مجلس ختم ہونے سے پہلے پہلے قبول کرلیا تو ایجاب کرنے والے کو رجوع کا حق نہ رہے گا خواہ ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری۔ (اگر بائع کہتا ہے کہ میں تجھ پر یہ چیز اتنے کی بیچتا ہوں تو بائع ایجاب کرنے والا ہوگا اور اگر مشتری کہتا ہے کہ میں تجھ سے یہ چیز اتنے کی خریدتا ہوں تو اس صورت میں مشتری ایجاب کرنے والا ہوگا اور اگر دوسرے فریق نے قبول کرلیا تو بیع تام ہو جائے گی کیونکہ بیع کے ارکان ایجاب اور قبول ہیں اور یہ پائے گئے) تو یہ معنی کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف نہ ہوگا اور اس صورت میں حدیث کے

اندر المتبایعان کا لفظ حقیقتاً ہوگا اس لیے کہ بے شک یہ لفظ حالت عقد پر محمول ہے۔ اور متعاقدین (بائع اور مشتری) سے دونوں کلمات (ایجاب و قبول) صادر ہوجانے کے بعد کی حالت پر اس کو محمول کرنا اس کو مجاز کونی بناتا ہے۔ (اور جب تک حقیقت کا اعتبار ہو سکے تو اسی کا اعتبار بہتر ہوتا ہے) اور حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ بے شک رجوع ان دونوں کے لیے اس وقت تک ثابت ہے جب تک کہ ان میں سے ایک ایجاب کرتا ہے اور دوسرے نے مجلس میں ابھی تک قبول نہیں کیا۔ یہ ایسے نہیں ہے جیسا کہ عورت کا مال دے کر خلع کرنا یا مالک کا اپنے غلام سے مال لے کر غلام کو آزاد کرنا۔ اس لیے کہ خاوند اور مالک کو عورت اور غلام کے قبول کرنے سے پہلے ان دونوں میں رجوع کا حق نہیں ہے۔ اور امام محمد بن الحسنؒ نے الموطا میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ ہمارا نظریہ اس حدیث کے مطابق ہے۔ اور اس کی تفسیر ہمارے نزدیک وہی ہے جو ابراہیم نخعی کی ہم تک پہنچی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ متبایعان کو اختیار ہے جب تک کہ وہ بیع کی کلام سے فارغ نہیں ہوتے۔ جب بائع نے کہا کہ بے شک میں یہ چیز تجھ کو بیچتا ہوں تو جب تک دوسرا نہیں کہتا کہ میں نے خرید لیا تو اس وقت تک بائع کو رجوع کا اختیار ہے یا مشتری نے کہا کہ میں تجھ سے اتنے کی یہ چیز خریدتا ہوں تو جب تک بائع نہیں کہتا کہ میں نے بیچ دیا تو اس وقت تک اس کو رجوع کا اختیار ہوگا۔ اور یہی قول ہے ابوحنیفہؒ کا اور ہمارے اکثر فقہاء کا۔ الخ

(فقہاء کرام کے درمیان مالم یتفرقا میں جو تفرق ہے اس کے بارہ میں اختلاف ہے کہ اس سے تفرق بالابدان مراد ہے یا تفرق بالاقوال۔ احناف کہتے ہیں کہ اس سے تفرق بالاقوال مراد ہے اور اسی صورت میں قرآن کی نص اور قیاس کے مطابق معنی موافق بنتا ہے اور شوافع حضرات اس سے تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں۔ اور تفرق بالاقوال مراد لینا کوئی نئی بات نہیں بلکہ تفرق بالاقوال کا معنی کتاب وسنت میں عام پایا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا "اور اللہ تعالیٰ کی رسی (دین) کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔" (یہاں لا تفرقوا میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ "اور اہل کتاب نے تفرق نہیں کیا مگر کتاب مل جانے کے بعد۔" اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ "اور اگر میاں بیوی دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں تو اللہ ہر ایک کو مستغنی کر دے گا۔" اور حدیث میں ہے افترقت الیهود کہ "یہود نے تفرقہ بازی کی۔"

(ان تمام آیات میں تفرق سے مراد تفرق بالاقوال ہے) بلکہ تفرق بالابدان کی حالت تو یہ ہے کہ شریعت میں یہ عقود کو پورا کرنے کا نہیں بلکہ ان کو فاسد کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ اگر دو آدمیوں نے آپس میں بیع صرف کی تو ان میں سے ہر ایک جب تک قبضہ نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتے اور اگر وہ علیحدہ ہوگئے تو ان کا یہ تفرق بالابدان اس عقد صرف کو فاسد کر دے گا۔ اور اسی طرح بیع سلم میں راس المال پر قبضہ کرنے سے پہلے۔ اور قرضہ کے بدلہ میں قرضہ میں ان میں سے ایک کی تعیین سے پہلے اگر تفرق بالابدان ہوگا تو یہ عقود فاسد ہو جائیں گے۔ نیز مالم یتفرقا والی حدیث کو تفرق بالابدان پر محمول کرنے کی صورت میں قواعد سے خروج اور کتاب اللہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور اگر تفرق بالاقوال پر محمول کریں تو نہ قواعد سے خروج لازم آتا ہے اور نہ ہی کتاب اللہ کی مخالفت۔ اور تفرق بالاقوال کا قرآن و سنت میں استعمال مشہور بھی ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی جس روایت میں ہے کہ وہ مجلس عقد سے اٹھ جاتے تھے تو اس میں کوئی صراحت نہیں کہ ان کا مذہب ہی یہ تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ ان کے ساتھ معاملہ کرنے والا خیار مجلس کا قائل ہے تو اس کے رجوع کے حق کو ختم کرنے کے لیے ایسا کرتے ہوں۔ اور (اس کا قرینہ یہ ہے کہ) حضرت ابن عمرؓ کا ایک مقدمہ حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا جو کہ مبیعہ میں عیوب سے براءت سے متعلق تھا تو حضرت عثمانؓ نے ان کی رائے کے خلاف فیصلہ دیا تو اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ اپنے عقود میں دوسروں کی آراء کی رعایت رکھنے لگے اور یہ فیصلہ سیرت کی کتابوں میں معروف ہے۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے اصحاب کے پاس ٹھوس دلائل ہیں جو ان کی کتابوں کے موجود ہیں۔ اور ان میں سے سمجھنے میں سب سے آسان کتاب السید المرتضیٰ الزبیدیؒ کی عقود الجواهر المنيفة في ادلة مذهب الامام ابي حنيفة اور ابوبکر الرازی کی احکام القرآن ہیں۔ اور ان دونوں نے مسئلہ میں بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اکیلے نہیں بلکہ امام دار الہجرت (امام مالک) بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اور جس مسئلہ میں امام اہل عراق اور امام اہل الحجاز متفق ہوں تو اس مسئلہ کو کمزور خیال کرنے والا غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ بے شک ان (مخالفین) میں سے ایک سے روایت کی گئی ہے کہ جب اس کو کہا گیا کہ بے شک امام مالکؒ المتبايعين والی حدیث کو نہیں لیتے۔ اس معنی میں کہ وہ خیار مجلس کا نظریہ نہیں رکھتے تو اس نے کہا کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔ پس اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ

اس کو قتل کر دیا جائے۔ گویا کہ (اس کے نزدیک) وہ اس کی وجہ سے کافر ہوگئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے توبہ طلب کی جاتی ہے یا قتل کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں مختلف حالتیں ہیں۔ (اس بحث سے واضح ہو گیا کہ امام ابو حنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ حدیث کے الفاظ مالم یتفرقا کا مفہوم متعین کرنے میں فقہاء سے اختلاف کیا ہے اور ایسی مثالیں تو باقی ائمہ کے مسائل میں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں) اور رہی بات سر کچلنے والی حدیث کی تو وہ حضرت انسؓ سے جو ہشام بن زید کی سند سے ہے اور اس میں ابوقلابہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں۔ تو اس میں ہے کہ یہ قتل کا حکم گواہوں کے بغیر صرف مقتول کی بات کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اور یہ طریقہ تو شریعت میں معروف نہیں۔ اور جو راویت حضرت انسؓ سے قتادہ نے کی ہے تو اس میں ہے کہ قاتل کا اقرار تھا لیکن قتادہ کا عنعنہ ہے اور یہ (ان کا عنعنہ) حضرات محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہے۔ نیز سر کچلنے والی روایت کرنے میں حضرت انس رضی اللہ منفرد ہیں اور انہوں نے یہ روایت اپنے بڑھاپے کے دور میں کی۔ جیسا کہ اونٹوں کا پیشاب پینے والی روایت کرنے میں وہ منفرد ہیں اور وہ روایت بھی ان سے قتادہ کرتے ہیں۔ اور حجاج بن یوسف نے جو کہ مشہور ظالم ہے اس نے اپنی سزاؤں کے جواز میں عرینہ قبیلہ والوں کو دی جانے والی سزا کو بھی دلیل بنایا تھا۔ جبکہ اس سے پوچھا گیا کہ تم سخت ترین سزائیں کیوں دیتے ہو تو کہنے لگا کہ اس جیسی سزا تو نبی کریم ﷺ نے بھی دی تھی۔ یہاں تک کہ اس کی وجہ سے حضرت حسن بصری کبیدہ خاطر رہنے لگے اور جب ان کو یہ بات پہنچی کہ حجاج عرنیین والی حدیث بیان کرتا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کو نہ بیان کیا کرے۔ اور عرنیین والی روایت کو امام مالکؒ نے الموطا میں نہیں لیا۔ اور ابو حنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہونے کے باوجود امی ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے قلت ضبط سے معصوم نہیں ہیں تو تعارض کے وقت ان میں سے فقیہ کی روایت کو دوسرے پر ترجیح ہوگی۔ اور اسی طرح غلطی کے گمان کو دور کرنے کے لیے بوڑھے کی روایت پر دوسرے کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ اور ابو حنیفہؒ کا یہ بھی نظریہ ہے کہ قاتل سے قصاص صرف تلوار کے ساتھ ہی لیا جائے تا کہ کتاب اللہ میں جس مماثلت کا ذکر ہے اس سے خروج ثابت نہ ہو۔ اور اس بارہ میں جو آثار وارد ہیں وہ ان کی اتباع کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ وہ کسی ایسی حدیث کے بارہ میں کہیں کہ یہ ہذیان ہے جو حدیث ان کے نزدیک صحیح ہو۔ اور وہ تو لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے میں زبان

کو انتہائی پرہیزگاری سے چلانے والے تھے۔ تو اس جیسے مقام میں وہ اس طرح کی کلام کیسے کرسکتے ہیں؟

اور بے شک ان کی جانب منسوب یہ کلام اس راوی کی طرف لوٹنے والا ہے جو اس کو بیان کرتا تھا۔ اور اس واقعہ کی سند میں جو کمزوریاں ہیں ان کو پیش نظر رکھنے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی شک نہیں گزرتا کہ بے شک نامعقول بات کرنے والا وہ ہے جو اس (ابوحنیفہ) کی طرف اس جیسی سند کے ساتھ ہذیان کی نسبت کرتا ہے۔

اعتراض ۵۴ : (کہ ابوحنیفہؒ نے حدیث کو مسجع اور ولاء کے بارہ میں حضرت عمرؓ کے فیصلہ والی روایت کو قول شیطان کہا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ امام صاحب سے ثابت ہوجائیں تو یہ قول شیطان کی نسبت روایت کرنے والے کسی راوی کی طرف ہوگی نہ کہ حضرت عمرؓ کی طرف اس لیے کہ امام صاحب سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ حضرت عمرؓ کے قول کو قول شیطان کہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۳ میں ابوبکر البرقانی۔ محمد بن محمود الحمودی۔ محمد بن علی الحافظ۔ اسحاق بن منصور۔ عبد الصمد عن ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد الصمد کا باپ کہتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ارشاد افطر الحاجم والمحجوم ذکر کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہ مسجع (مقفی کلام) ہے۔ اور اس کے سامنے ولاء کے بارہ میں حضرت عمر کا قول یا ان کا فیصلہ ذکر کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہ شیطان کا قول ہے۔ اور پھر خطیبؒ نے دوسری سند ابن رزق۔ احمد بن جعفر بن سلمہ۔ احمد بن علی الابار۔ محمد بن یحییٰ النیسابوری۔ ابو معمر عبد اللہ بن عمرو بن ابی الحجاج البصری المنتری۔ عبدالوارث نقل کر کے کہا کہ عبدالوارث نے کہا کہ میں مکہ میں تھا اور وہاں ابوحنیفہؒ بھی تھے تو میں جب اس کے پاس گیا تو اس کے پاس کچھ لوگ تھے تو ایک آدمی نے اس سے مسئلہ پوچھا تو اس نے جواب دیا' تو اس آدمی نے اس سے کہا کہ پھر عمر بن الخطاب کی روایت کا کیا ہوگا؟ تو اس نے کہا یہ شیطان کا قول ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر میں نے سبحان اللہ پڑھا' تو مجھے ایک آدمی نے کہا کہ کیا تو اس بات پر تعجب کر رہا ہے؟ پس بے شک اس سے پہلے اس کے پاس ایک آدمی آیا اور اس سے ایک مسئلہ پوچھا تو اس نے اس کا جواب دیا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے جو روایت افطر الحاجم والمحجوم ہے' وہ کیسی ہے تو اس نے کہا کہ یہ مسجع (مقفی کلام) ہے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اس مجلس

میں کبھی دوبارہ نہ آؤں گا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی سند خطیبؒ کے علاوہ باقی راویوں کے لحاظ سے بے غبار ہے اور اس کا راوی عبدالصمد جو ہے وہ ابن الوارث العنبری ہے اور طبع ثانیہ کے حاشیہ لکھنے والے نے غلط کہا ہے کہ وہ ابن حبیب الازدی ہے اور اس نے اس کو کمزور ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اور بے شک عبدالصمد کے باپ عبدالوارث نے ابوحنیفہؒ سے براہ راست یہ نہیں سنا تو درمیان میں انقطاع ہے اور اس نے یہ بھی بیان نہیں کیا کہ کس نے اس سے ذکر کیا؟ اور نہ اس کا ذکر کیا کہ اس نے کس سے سنا ہے؟ اور نہ یہ بیان کیا کہ وہ خود اس واقعہ میں موجود تھا۔ تو اس جیسی بات ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جاتی ہے۔ اور اسی طرح حضرت عمر کے فیصلہ کا معاملہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے پس بے شک اس نے اس کی سند ذکر نہیں کی اور نہ ہی یہ بیان کیا ہے کہ وہ فیصلہ یا قول کیا تھا تاکہ معلوم کیا جا سکتا کہ کسی راوی نے تو اس فیصلہ کو گھڑ کر حضرت عمرؓ پر نہیں ڈال دیا۔ اور کتنے ہی لوگوں نے نبی کریم ﷺ پر بے بنیاد باتیں ڈال دیں چہ جائیکہ حضرت عمرؓ پر ڈالیں۔ اور اگر ہم ان چیزوں کو بیان کرنا شروع کریں جو ابوحنیفہؒ نے حضرات صحابہ کرام اور بالخصوص حضرت عمر کی شان میں فرمائی ہیں ایسی روایات سے جو سندوں کے ساتھ لکھی گئی ہیں تو ہماری کلام بہت طویل ہو جائے گی۔ اور ابوحنیفہؒ ہی تو ہیں جو اقوال صحابہ کو حجت مانتے ہیں اور جب کسی مسئلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوں تو وہ ان سے ہٹ کر کسی قول کو نہیں لیتے بلکہ ان ہی میں سے کسی ایک کو اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ ابوحنیفہؒ کو فقہ کی طرف منسوب کرتے اور خود کو حدیث کی طرف منسوب کرتے ہیں' ان کی اکثریت بھی اس کے خلاف کرتی ہے جیسا کہ خطیبؒ اور اس کے ساتھیوں کا اس بارہ میں طریق واضح ہے۔ اور ابوحنیفہؒ ہی ہیں کہ جب ابو جعفر منصور نے ان سے پوچھا کہ اس نے علم کن لوگوں سے حاصل کیا ہے تو انہوں نے کہا حماد عن ابراہیم کہ حماد اور ابراہیم کے واسطہ سے حضرت عمر بن الخطابؓ اور علی بن ابی طالبؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہم کے اصحاب سے حاصل کیا ہے۔ جیسا کہ خود خطیبؒ نے سند کے ساتھ ص ۳۳۴ میں نقل کیا ہے۔ تو کیا اس کے بعد تصور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے فیصلے یا قول کو قول شیطان کہا ہو۔ انہوں نے اس کا مصداق راویوں میں سے ہی کوئی مراد لیا ہوگا جنہوں نے اس (حضرت عمرؓ) کی طرف اس جھوٹے قول یا فیصلہ کو منسوب کیا ہوگا۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ

فرض کر لیا جائے کہ یہ الفاظ ان سے ثابت ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم والی حدیث کو تو بہت سے محدثین ثابت مانتے ہی نہیں ان میں سے ابن معین بھی ہیں۔ تفصیل کے لیے نصب الرایہ دیکھیں۔ اور جو اس حدیث کو ثابت مانتے ہیں تو ان کے نزدیک بھی یا تو منسوخ ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود روزہ کی حالت میں حجامت (سینگی لگوانا) کروائی تھی۔ اور یا ان حضرات کے نزدیک یہ حدیث موول ہے اور اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان دونوں (حاجم اور محجوم) نے اپنے آپ کو افطار کے لیے پیش کیا۔ پس حاجم تو اس لیے کہ وہ خون کو چوستا ہے (تو ہو سکتا ہے کہ کچھ ذرات اندر چلے جائیں) اور محجوم اس لیے کہ سینگی لگوانے کی وجہ سے اس پر کمزوری طاری ہو جاتی ہے۔ (اور پھر روزہ بعض دفعہ برداشت نہیں ہوتا) اور جو آدمی خبر کے صرف ظاہری الفاظ کو لیتا ہے اور اس کی صحت یا اس کے نسخ یا اس کی تاویل کی چھان بین نہیں کرتا تو وہ اسی آدمی کی طرح ہے جو اپنی زبان پر مسجع کلام (مقفیٰ کلام) جاری کرتا ہے بغیر اس کے کہ وہ اس کا مفہوم سمجھتا ہو۔

اور یہی حال دوسری خبر کا ہے اس لیے کہ اس کی انتہا بھی عبد الوارث کے ہاتھ میں ہے اور اس روایت میں بھی ہے کہ سائل نے حضرت عمرؓ کے قول کے بارہ میں پوچھا مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ قول کونسا تھا۔ تو خطیبؒ نے دوسری سند پیش کر کے انقطاع کو پیوند لگانے کی (ناکام) کوشش کی ہے مگر یہ کہاں فائدہ مند ہو سکتا ہے۔ اور سند میں اس کے بعد ابن رزق' اور ابن سلم اور الابار۔ اور ابو معمر القدری ہیں اور ان کا تذکرہ پہلے کئی مرتبہ ہو چکا ہے۔ اور ان دونوں خبروں کو رد کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جو قول حضرت عمر کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ قول دونوں خبروں میں نامعلوم ہے۔ سند بھی اور متناً بھی۔ اور بہرحال وہ روایت جو ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ جب ایک شخص نے ان کے سامنے کہا کہ الوضوء نصف الایمان "وضو نصف ایمان ہے" تو انہوں نے کہا کہ توضأ مرتین حتی تستکمل الایمان "تو دو دفعہ وضو کر لے تا کہ تیرا ایمان مکمل ہو جائے۔" تو اس کی سند میں یحییٰ بن آدم ہے۔ جس نے ابو حنیفہؒ کو نہیں پایا اور اس نے جو نقل کیا ہے اس میں انقطاع ہے سند متصل نہیں ہے۔

اعتراض ۵۴: (کہ سفیانؒ ابن عیینہؒ کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر اللہ کے سامنے بے باکی کا مظاہرہ کرنے والا کوئی اور نہیں دیکھا وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کو مثال دے کر

بیان کرتے پھر اس کی تردید کرتے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اس باب کی تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر عمل کے لیے ان میں سے منتخب کرنا اور باقی کی تاویل یا رد کرنے کا عمل تو تمام فقہاء کرتے ہیں اس کی وجہ سے صرف امام ابوحنیفہؒ پر طعن کیا معنی رکھتا ہے؟

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۸۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۵ میں ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن سلیمان المودب۔ ابوبکر المقری۔ سلامہ بن محمود القیسی۔ عمران بن موسیٰ الطائی۔ ابراہیم بن بشار الرمادی۔ سفیانؒ بن عیینہ کی سند نقل کر کے کہا کہ سفیانؒ بن عیینہ نے کہا کہ میں نے اللہ کے سامنے بے باکی کا مظاہرہ کرنے والا ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث کو مثال دے کر بیان کرتا۔ پھر اس کی تردید کرتا تھا۔ اس کو یہ بات پہنچی کہ میں اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا والی روایت کو بیان کرتا ہوں تو اس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تیرا کیا خیال ہے کہ اگر وہ دونوں (بائع اور مشتری) کشتی میں ہوں۔ تیرا کیا خیال ہے اگر وہ دونوں قید خانہ میں بند ہوں۔ تیرا کیا خیال ہے اگر وہ دونوں سفر میں ساتھ ساتھ جا رہے ہوں تو دونوں کیسے جدا ہوں گے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ کی نظر نصوص کے معانی پر بڑی گہری ہوتی تھی یہاں تک وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ بے شک افتراق سے مراد افتراق بالاقوال ہے نہ کہ افتراق بالابدان۔ اور اس کی وضاحت ادلہ سمیت پہلے ہو چکی ہے۔ اور اس مسئلہ میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ ثوری اور مالک رحمہما اللہ بھی ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اس کی سند میں ابراہیم بن بشار الرمادی ہے اور اس کے بارہ میں ابن ابی حاتمؒ نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے اس خط میں بتایا جو اس نے میری طرف لکھا تھا کہ میں نے اپنے والد سے سنا جبکہ انہوں نے ابراہیم بن بشار الرمادی کا ذکر کیا تو کہا کہ وہ ہمارے ساتھ سفیانؒ کے پاس موجود تھا۔ پھر اس نے لوگوں کو وہ احادیث لکھوائیں جو انہوں نے سفیانؒ سے سنی تھیں۔ اور وہ بعض دفعہ ایسی روایات بھی لکھواتا جو ان سے نہ سنی ہوتیں گویا کہ وہ الفاظ کو تبدیل کرتا تو وہ حدیث میں زیادتی ہوتی تھی' حدیث کا حصہ نہ ہوتی تھی۔ تو میں نے اس کو کہا "کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ تو ان کو وہ کچھ بھی لکھواتا ہے جو انہوں نے اس (سفیان) سے نہیں سنا۔ اور اس کی بہت مذمت بیان کی۔ الخ۔ پس آپ غور کریں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے معاملہ میں خدا خوفی نہیں رکھتا تو کیا وہ ابوحنیفہؒ کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوگا؟ اس کے

علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہاں سفیانؒ کا قول یہ ہے۔ بلغه اروی .... فجعل بقول اور اس میں سفیانؒ نے جو اس کی طرف بات منسوب کی ہے' اس کی سند ہی ذکر نہیں کی۔ اور بیہقی کے الفاظ سنن میں باب خیار المتبایعین کے آخر میں ابن المدنی عن سفیانؒ کی سند سے یہ ہیں کہ بے شک وہ کوفیوں سے البیعان بالخیار والی حدیث بیان کرتے تھے۔ اس نے کہا کہ پھر انہوں نے وہ حدیث ابو حنیفہؒ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ بے شک یہ لیس بشی درجہ کی ہے۔ تیرا خیال کیا ہے کہ اگر وہ دونوں (بائع اور مشتری) کشتی میں ہوں الی آخرہ۔ ابن المدنیؒ نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے پوچھ لے گا اس چیز کے بارہ میں جو اس نے کہی۔ انتھی۔

اور السید المرتضی الزبیدیؒ نے کہا کہ ابن المدنی کا یہ کہنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے پوچھ لے گا تو اس میں کوئی شک ہی نہیں' ہر آدمی اپنے قول و فعل میں جواب دہ ہوگا۔ اور اس نے تو جواب تیار کر رکھا ہے۔ اور اس نے نصوص کو باہم متعارض نہیں رہنے دیا۔ الخ۔ (اس لیے کہ اس نے ایسی توجیہ اور ان کے مفہوم ایسے بیان کیے ہیں کہ تمام نصوص اپنی اپنی جگہ فٹ اور مناسب ہیں۔) پھر الزبیدیؒ نے متعصبوں کا رد بہت تفصیل سے عقود الجواھر المنیفه کی دوسری جز کی ابتداء میں کیا اور اس مسئلہ میں ادلہ کو مکمل طور پر بیان کیا۔ اور ذکر کیا کہ اس حدیث کے اس مفہوم میں ان (امام ابو حنیفہ) کے ساتھ سلف کی ایک جماعت ہے جن میں ابراہیم النخعیؒ سفیانؒ ثوری اور مالکؒ وغیرہم ہیں۔ اور الجوھر النقی میں اس بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو البیہقیؒ کی کتاب میں پوشیدہ ہے۔ اور اگر ابن المدینیؒ جواب دینے میں ابن ابی داؤد کے طریق پر چلتا جیسا کہ ابن الجوزیؒ کی مناقب احمدؒ کی شرح میں ہے اور اس طریقہ سے جواب دینے کی کوشش کرتا تو اس کے لیے اچھا ہوتا۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے جواب کو شمار میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ اور رہا فقیہ الملت کا معاملہ تو اس پر کیے گئے اعتراض کا جواب ہمارے ہاتھوں میں اس قدر وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ اس کے حق میں دلائل کے لحاظ سے ہر منصف مزاج آدمی کا شرح صدر ہو جاتا ہے۔

اعتراض ۵۵ : (کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میرے ساتھیوں میں سے کون ہے جو قلتین میں پیشاب کرے اور وہ اپنی اس بات کے ساتھ اذا کان الماء قلتین لم ینجس والی حدیث کا رد کر رہے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ زبان کے لحاظ سے بھی پاکباز

تھے ان سے اس قسم کے الفاظ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جبکہ روایت کے راوی بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۸۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۵ میں ابن دوما۔ ابن سلمہ۔ الابار۔ ابو عمار المروزی الحسین بن حریث کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو عمار نے کہا کہ میں نے الفضل بن موسیٰ السینائی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے ساتھیوں میں سے کون ہے جو قلتین میں پیشاب کرے؟ اور وہ نبی کریم ﷺ کی حدیث اذا کان الماء قلتین لم ینجس کا رد کر رہے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ہم ابن دوما الحسن بن الحسین بن العباس النعالی کے حال کی طرف اشارہ کرتے کرتے اکتا گئے ہیں مگر خطیبؒ ہے کہ وہ اس سے بکثرت روایات لے کر نہیں اکتایا۔ حالانکہ اس کے بارہ میں خود خطیبؒ نے کہا ہے کہ اس کا معاملہ برباد ہوا کہ بے شک وہ سنی ہوئی اشیاء میں ان چیزوں کو بھی شامل کر لیتا تھا جو اس نے سنی نہیں ہوتی تھیں۔ اور سند میں ابن سلمہ اور الابار بھی ہیں اور وہ بہت زیادہ غریب روایات کرنے والا ہے اور ابو حنیفہؒ کے مطاعن میں خطیبؒ کی سند میں اس طرز کے راوی ہی ہونے چاہئیں تا کہ اس کو اللہ تعالیٰ ایسی روایت میں رسوا کرے جس کو وہ ناقلین کے ہاں محفوظ خیال کرتا ہے۔

اور قلتین والی روایت جو ہے اس کو تو ۲۰۰ھ سے پہلے فقہاء میں سے کسی نے لیا ہی نہ تھا۔ اس لیے کہ اس میں بہت زیادہ اضطراب ہے۔ اور تساہل لوگوں کے علاوہ کسی نے بھی اس کو صحیح نہیں کہا۔ اور اس کی تصحیح کچھ فائدہ بھی نہیں دیتی۔ اس لیے کہ قلتین کی مراد ہی متعین نہیں۔ یہاں تک کہ ابن دقیق العید نے شرح عمدۃ الاحکام میں اس بارہ میں جو صحیح البخاری میں الماء الدائم والی حدیث ہے۔ اس کی وجہ سے حنفیہ کی دلیل کے مضبوط ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ تو وہ لوگ ہم حنفی گروہ کو چھوڑ دیں۔ کیونکہ ہم حنفیات (ٹونٹیوں) سے وضو کرتے ہیں اور بدلی ہوئی رنگت والے پانی میں غوطہ نہیں لگاتے۔ اور یہ الفاظ جو یہاں ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں' ان میں سے بعض خطیبؒ کی طرف سے یا اس کے استاد ابن دوما کی طرف سے معلوم ہوتے ہیں اور ابو حنیفہؒ سے ان الفاظ کا صدور بعید ہے اس لیے کہ ابو حنیفہؒ کا اپنی زبان کو گناہوں سے محفوظ رکھنا معروف اور مشہور ہے۔

اعتراض ۵۶: (کہ ابوحنیفہؒ سے رکوع جاتے وقت رفع یدین سے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا اڑنا چاہتا ہے تو رفع یدین کر لے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا ثبوت ہو جائے تو اس میں محض مزاح ہے اور اگر اس مزاح کی وجہ سے امام صاحب پر طعن ہے تو ابن المبارکؒ کا جواب دینا بھی اسی انداز کا ہے۔ لہٰذا دونوں پر طعن ہونا چاہیے جبکہ روایت کے راوی بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۶ میں الخلال۔ عبد اللہ بن عثمان الصفار۔ محمد بن مخلد العباس بن محمد الدوری۔ ابراہیم بن شماس کی سند نقل کر کے کہا کہ ابراہیم نے کہا کہ میں نے وکیعؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابن المبارکؒ نے ابوحنیفہؒ سے رکوع کے وقت رفع الیدین کے متعلق پوچھا تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اڑنا چاہتا ہے تو رفع یدین کر لے۔ وکیعؒ نے کہا کہ ابن المبارک عقل مند آدمی تھا' تو اس نے کہا کہ اگر پہلی مرتبہ رفع یدین کرنے والے اڑتا ہے تو بے شک وہ دوسری مرتبہ سے بھی اڑے گا۔ تو ابوحنیفہؒ خاموش ہو گئے اور کچھ نہ کہا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ تینوں مطبوعہ نسخوں میں العباس بن محمد بن ابراہیم بن شماس ہے مگر درست العباس بن محمد عن ابراہیم بن شماس ہے جیسا کہ ہم نے اس کو درج کیا ہے۔ اور فقہی مسائل میں تو ابن المبارکؒ کا قاعدہ یہ تھا کہ اس مسئلہ کو لیتے تھے جس پر اس کے دو استاد ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کا اتفاق ہوتا تھا۔ لیکن یہاں اس کا قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ دونوں کی اس مسئلہ میں مخالفت کر رہا ہے۔ حالانکہ ابن المبارکؒ کی رائے کے خلاف حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث میں حجت واضح ہے تو ابوحنیفہؒ نے اس سے مزاح کیا۔ اور اس مسئلہ میں ان کے ساتھ امام مالکؒ بھی ہیں۔ جیسا کہ ابن القاسم کی روایت میں ان کا مسلک مروی ہے اور اسی پر مالکیہ کا عمل ہے۔ کیونکہ رکوع جاتے وقت رفع یدین کی احادیث کی سندوں میں سے کوئی سند بھی علت (کمزوری) سے خالی نہیں ہے۔ بلکہ رفع کے بارہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے سوائے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے مگر ان کا خود اس پر عمل نہ تھا۔ جیسا کہ ابوبکر بن عیاش کی روایت میں ہے اور راوی کا اپنی مروی روایت کو ترک کرنا ابوحنیفہؒ اور مالک اور ان کے اصحاب اور اہل نقد میں سلف کے نزدیک اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ اور اہل علم میں سے بعض حضرات ایسے ہیں جو اس مسئلہ کو ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جن کے دلائل مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں میں برابر ہیں۔ اور فریقین میں سے جو غیر

متعصب ہیں ان پر تو کوئی ملامت نہیں ہے۔ اور ایسے اختلافی مسائل میں جو دور صحابہ سے لگاتار چلے آرہے ہیں ان میں کسی ایک فریق کا اپنی جانب کو متواتر کہنے کا دعویٰ بالکل قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تواتر سے تو یہ ثابت ہے کہ بے شک صحابہ کی ایک جماعت رفع یدین نہ کرتی تھی اور ان میں سے ایک جماعت رفع یدین کرتی تھی۔ تو یہ تخییر اصلی پر دلالت کرتی ہے۔ اور ان کا اختلاف صرف افضل ہونے میں ہے۔ جیسا کہ اس کو ابوبکر الرازی نے بہت عمدہ تفصیل کے ساتھ احکام القرآن میں مثالوں سمیت ذکر کیا ہے۔ اور یہ بحث بہت طویل ہے اس کے بارہ میں دونوں جانبوں سے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور اس باب میں سب سے عمدہ تالیف نیل الفرقدین اور بسط الیدین ہیں۔ یہ دونوں کتابیں مولانا علامہ علم کے سمندر محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی ہیں۔ اور انہوں نے ان دونوں کتابوں میں اس مسئلہ کا لب لباب نکال کر پیش کیا ہے اور اس پر شافی وکافی بحث کی ہے۔

اعتراض ۵۷: (کہ ابوحنیفہؒ نے بیع صرف کے بارہ میں ایک مسئلہ بتایا جب ان سے کہا گیا کہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ تو اس کے خلاف تھے تو انہوں نے مسئلہ پوچھنے والے سے کہا کہ جا میرے بتلائے ہوئے مسئلہ پر عمل کر۔ اگر اس میں گناہ ہوا تو مجھ پر ڈال دینا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ حکایت ثابت ہو جائے تو یہ مسئلہ میں تحقیق اور دلیل پر اعتبار کا انتہائی درجہ ہے۔ ورنہ کون سا عقل مند ہے جو کسی دوسرے کے عمل کا وبال اپنے ذمہ لینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۸۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۶ میں ابن رزق۔ عثمان بن احمد الدقاق۔ حنبل بن اسحاق۔ الحمیدی کی سند نقل کر کے کہا کہ الحمیدی نے کہا کہ میں نے سفیان سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں کوفہ میں خصیب کی والدہ کے جنازہ میں شریک تھا تو ایک آدمی نے ابوحنیفہؒ سے بیع صرف کے بارہ میں مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اس کو مسئلہ بتلایا تو میں نے کہا کہ اے ابوحنیفہؒ بے شک حضرت محمد ﷺ کے صحابہ تو اس کے خلاف کرتے تھے تو وہ ناراض ہوگئے اور جس آدمی نے مسئلہ پوچھا تھا اس کو کہا کہ جا اس کے مطابق عمل کر۔ پس جو گناہ ہوگا وہ مجھ پر ڈال دینا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابن رزق وہی بوڑھا نابینا ہے جو الرزم کی کتابوں کا راوی ہے۔ اور اس خبر کا راوی عثمان بن احمد جو ہے وہ ابو عمرو بن السماک ہے جو ذہبی کے نزدیک رسوا کن روایت کے ساتھ مطعون ہے۔ اور حنبل غلطیاں کرنے والا اور اپنے ہم مذہب بعض

لوگوں کے نزدیک بھی پسندیدہ شخص نہ تھا۔ اور الحمیدی وہی ہے جس نے مصر میں شوافع کے درمیان فساد ڈالا تھا۔ اور محمد بن عبد الحکم نے لوگوں کے بارہ میں بات چیت کے متعلق اس کو جھوٹا کہا ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے بارہ میں ثقہ کہا ہے اور یہ اس قدر متعصب تھا کہ عقلمند آدمی اس کے بارہ میں حیران رہ جاتا ہے۔

اور امام شافعیؒ "کتاب الام ص ۲۱۱ ج ۶ میں فرماتے ہیں کہ متعصب لوگوں کی گواہی رد کر دی جائے گی اور اس بات کو صراحت سے فرمایا کہ بے شک سارے لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کوئی بھی اس کی بندگی سے خارج نہیں ہے اور ان میں سے جنت کے زیادہ لائق وہ ہے جو ان میں سے اس کا زیادہ فرماں بردار ہے اور اس کے فرمانبرداروں میں سے فضیلت کے زیادہ لائق وہ ہے جو مسلمانوں کی جماعت کو زیادہ نفع پہچانے والا ہو یعنی عادل امام۔ مجتہد عالم۔ یا عوام الناس اور خواص کی مدد کرنے والا ہو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اسلام کی وجہ سے جمع کیا اور ان کی نسبت اس کی طرف فرمائی (یعنی ان کو مسلمین فرمایا) اور جتنی نسبتیں ان کی طرف کی گئی ہیں' ان میں یہی نسبت سب سے زیادہ عمدہ ہے۔ پس جو شخص کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اسی اسلام ہی کی وجہ سے اس سے محبت کرے۔ اور پھر آگے انہوں نے نسب میں طعن اور نسب کی وجہ سے عصبیت اور بغض کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا' بے شک کسی آدمی کا دوسرے سے اس وجہ سے بغض رکھنا کہ بے شک وہ فلاں قبیلہ کا ہے تو یہ خالص عصبیت ہے جس کی وجہ سے گواہی مردود ہو جاتی ہے۔ الخ۔ اور آدمی کی شہادت کا مردود ہونا تو اس کو زندوں میں شمار کرنے کے قابل ہی نہیں رہنے دیتا۔ اور اگر ان کلمات کو جو الحمیدیؒ نے ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کہے ہیں ایک میدان میں جمع کر دیا جائے تو اس کی عصبیت کا پردہ چاک ہوجائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پردہ پوشی کی ہی درخواست کرتے ہیں۔ اور کتاب میں جب بھی الحمیدی کا ذکر آئے تو آپ اسی بحث کو پیش نظر رکھیں۔ اور ابوحنیفہؒ سے بغض رکھنے والے کا معاملہ شہادت کے رد ہونے سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ اس لیے کہ بے شک وہ تو عبادت میں اور دینی فقہ کی نشرواشاعت میں اور عوام اور خواص کو نفع دینے میں اس حیثیت کو پہنچے ہوئے ہیں کہ کوئی منصف مزاج اس کے ساتھ پوری صدی میں فقہ کے اماموں سمیت کسی کو ان عادات میں ان کے ساتھ برابر ثابت نہیں کر سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی تعصب کرنے والوں سے حساب لینے والا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ حضرات صحابہ کے درمیان بیع صرف کے بارہ میں

اختلاف مشہور ہے جو کہ اس میں لوہار کرنے سے متعلق حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کے درمیان ہے اور جمہور فقہاء نے اس بارہ میں حضرت ابن عباسؓ کے قول کو نہیں لیا بلکہ ان سے بھی اپنے قول سے رجوع نقل کیا گیا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کا کیا جرم ہے جو اس نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عباسؓ کی رخصت کو نہیں لیا۔ اور مجتہد کا کیا جرم ہے جبکہ وہ صحابہ کرام کے کسی مسئلہ میں مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو دلائل کے ساتھ راجح قرار دے کر اختیار کر لیتا ہے۔ لیے کہ نفی اور اثبات کو جمع کرنا تو محال ہے۔ پھر اگر ان راویوں کو اعتماد تھا کہ واضح دلائل کے ساتھ ثابت ہونے والے مسئلہ کی اس نے مخالفت کی ہے تو انہوں نے اس مسئلہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اور مجتہد کے سامنے جب مسئلہ بالکل واضح ہو جائے جیسا کہ بیع صرف میں جمہور کا حضرت ابن عباس کی رائے کی مخالفت کرنا تو مجتہد کے لیے جائز ہے کہ وہ کہے کہ اگر اس مسئلہ میں کوئی گناہ ہوا تو مجھ پر ڈال دینا۔ مگر یہ اس وقت ہے جبکہ فرض کر لیا جائے کہ ان سے یہ قول ثابت ہے۔

اعتراض ۵۸ : (کہ ابو حنیفہؒ نے کئی احادیث کی مخالفت کی اور کہا کہ دین تو صرف اچھی رائے کا نام ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ بعض احادیث کا صحت کے معیار پر نہ اترنا اور ان کا رد کرنا حضور علیہ السلام کی احادیث کو رد کرنا نہیں کہلاتا اور پھر صحیح سند کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو اپنی مبارک زبان سے حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ ہماری سر آنکھوں پر ہے۔ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں نیز ان کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر جو حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۷ میں القاضی ابوالقاسم عبد الواحد بن محمد بن عثمان البجلی۔ عمر بن محمد بن عمر بن الفیاض۔ ابو طلحہ احمد بن محمد بن عبد الکریم الوسائی۔ عبد اللہ بن خبیق۔ ابو صالح الفراء کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے یوسف بن اسباط کو کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کی چار سو احادیث یا اس سے بھی زیادہ کو رد کیا۔ میں نے اس کو کہا کہ اے ابو محمد کیا تو ان احادیث کو جانتا ہے تو اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا کہ ان میں سے کچھ مجھے بتلا تو اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ ہے۔ تو ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں تو جانور کا حصہ مومن آدمی کے حصہ سے زیادہ قرار نہیں دیتا۔ اور رسول اللہ

ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے بدنہ کو اشعار کیا (جانور کے پہلو میں معمولی سا زخم لگا کر خون کو مل دینا) اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اشعار مثلہ (جانور کو بدشکل کرنا) ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ البیعان بالخیار مالم یتفرقا کہ "بائع اور مشتری جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں ان کو خیار ہوتا ہے۔" اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ جب بیع واجب ہو جائے تو کوئی خیار نہیں رہتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے جب سفر میں جانا ہوتا تو ساتھ لے جانے کے لیے اپنی عورتوں کے درمیان قرعہ ڈالتے اور آپ کے صحابہ بھی قرعہ ڈالتے تھے۔ اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ قرعہ اندازی جوا کی ایک قسم ہے۔ اور ابو حنیفہؒ نے کہا کہ اگر مجھے نبی کریم ﷺ پا لیتے اور میں آپ کو پا لیتا تو آپ میرے بہت سے اقوال کو لے لیتے اور دین تو صرف اچھی رائے کا نام ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عمر الفیاض بے اعتماد ہے اسی لیے اس کا فیض نہیں پھیلا۔ اور اس کے راوی الوساوسی کے بارہ میں بھی حضرات نے کلام کیا ہے پس اس کے وسوسوں کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی۔ اور عبد اللہ بن خبیق صالح ہے مگر اس لحاظ سے صالح نہیں کہ اس سے کوئی چیز حاصل کی جائے سوائے اس کے کہ وہ کتاب سے پڑھ کر سنائے۔ اور ابو صالح الفراء کی حکایات کی طرف بھی بغیر کتاب کے توجہ نہیں کی جائے گی۔ اور یوسف بن اسباط عبادت گزار پیوند لگے لباس والا تھا اس کی کتابیں دفن کر دی گئیں اور اس کا حافظہ اچھا نہ تھا۔ اور بے فائدہ چیزوں میں ارسال کرتا تھا تو وہ ان لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے دلیل پکڑنا درست نہیں۔ یہ تو اس خبر کا سند کے لحاظ سے حال ہے۔ اور رہی بات متن کے لحاظ سے تو خدا کی پناہ کہ ابو حنیفہؒ نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا ایک کلمہ بھی رد کیا ہو۔ اور انہوں نے وہی کہا جس کو الموفق الخوارزمی نے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عن ابی حامد محمد بن ابی الربیع المازنی۔ ابو العلاء حامد بن ادریس۔ ابو المعین میمون بن محمد النسفی۔ ابو طاہر المہدی بن محمد الحسینی۔ الحافظ ابو یعقوب بن منصور السیاری۔ اور دوسری سند میں خطیبؒ نے کہا کہ سمرقند سے میری طرف جو خط ابو حفص عمر النسفی نے لکھا اس میں بتلایا کہ ابو الیسر البزدوی نے ابو یعقوب السیاری۔ ابو الفضل احمد بن علی السلیمانی۔ ابو سعید حاتم بن عقیلی الجوہری۔ الفتح ابن ابی علوان۔ محمد بن یزید۔ الحسن بن صالح۔ ابو مقاتل عن ابی حنیفہ کی سند نقل کر کے اور تیسری سند خطیبؒ نے نقل کی کہ ابو المعین نے کہا اخبرنا ابی عبد الکریم بن موسیٰ البزدوی۔ ابو منصور الماتریدی۔ ابو بکر احمد

بن اسحاق الجوزجانی۔ محمد بن مقاتل الرازی۔ ابومقاتل حفص بن سلم السمرقندی جو کہ کتاب العالم والمتعلم میں ہے۔ وہ ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن کریم کے سوا کوئی اور بات نبی کریم ﷺ سے بیان کرتا ہے تو اس شخص کا رد نبی کریم ﷺ کا رد نہیں ہے اور نہ ہی اس کی وجہ سے آپ کی تکذیب ہوتی ہے۔ بلکہ اس شخص کا رد ہوتا ہے جو باطل بات نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب کر کے بیان کرتا ہے اور تہمت اسی پر ہوتی ہے' نبی کریم ﷺ پر نہیں۔ اور ہر وہ چیز جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے تکلم فرمایا خواہ اس کو ہم نے سنا ہو یا نہ سنا ہو وہ سر آنکھوں پر ہے۔ بے شک ہم اس پر ایمان بھی لاتے ہیں اور اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جیسا فرمایا ہے' وہی حق ہے۔

اور ابو حنیفہؒ کا تو یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس آدمی پر جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے۔ انہی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے اور ان ہی کی وجہ سے ہمیں گمراہی اور عذاب سے بچایا ہے۔ ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں جو لکھا ہے ہم نے اس کے قریب قریب ہی نقل کر دیا ہے۔ اور بہرحال ان ان راویوں کا رد کرنا جو ایک ہی مقصد کو بیان کرتے ہوئے اپنے اپنے ذہنوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے الفاظ مختلف نقل کرتے ہیں تو یہ بحث ہی مختلف ہے۔ جیسا کہ مذہب کی تفصیلی کتب میں اس کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ پر اور ان کے علاوہ کسی اور پر لازم تو نہیں کہ وہ سندوں میں آنے والے راویوں کی پرکھ کیے بغیر اور روایات کا موازنہ کیے بغیر ہی ان لاکھوں راویوں کی تصدیق کریں جو روایت کرتے ہیں۔ ورنہ تو دین ضائع ہو جائے گا اور فقہ غافل لوگوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے گی۔ اور ابو حنیفہؒ پر الزام دھرنے کے لیے اس قسم کی نرالی دلیلوں کو رسول اللہ ﷺ کی چار سو احادیث کی مخالفت پر دلیل بنانا جبکہ صرف چار کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے بھی کوئی چیز اس قابل نہیں کہ جس الزام پر مخالف دلیل بنانا چاہتا ہے' اس پر دلیل بنائی جا سکے۔ گویا کہ مخالف کی نظر میں ایک ایک حدیث ایک ایک سو کے قائم مقام ہے۔

پس اس کا قول للفرس سھمان وللرجل سھم کہ "گھوڑے کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ ہے۔" بعض روایات میں الفاظ اسی طرح آئے ہیں اور بعض روایات میں للفارس سھمان وللراجل سھم کے الفاظ ہیں کہ "سوار کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔" اور ایسی روایات کو ابو حنیفہؒ نے ترجیح دی ہے۔ اور اس مفہوم کو ترجیح دی ہے جو حضرت مجمع بن جاریہؓ کی روایت میں ہے جو کہ سنن ابی داؤد کی روایت ہے

تو حدیث میں راویوں کے اختلاف کی صورت میں مجتہد کا روایات میں سے کسی ایک روایت کو ان دلائل کی وجہ سے ترجیح دینا جو ترجیح کے لیے اس کے سامنے ظاہر ہوئے ہوں تو اس کو حدیث کی مخالفت نہیں کہتے۔ تو ابوحنیفہؒ نے جب راویوں کے الفاظ میں اختلاف دیکھا اور ان میں سے کسی نے ایک مفہوم کو اور دوسرے نے دوسرے مفہوم کو سمجھا تو انہوں نے غور و فکر کے بعد رائے قائم کی کہ بے شک شریعت نے جانور کو مالک بنانے کا نظریہ نہیں دیا تو انہوں نے فیصلہ دیا کہ للفرس سھمان والی روایت اپنے ظاہر کے اعتبار سے یہ فائدہ دیتی ہے کہ جانور کو اس حصہ سے دوگنا دیا جائے جس کا مالک آدمی کو بنایا گیا ہے۔ تو یہ راوی کی غلطی ہے کہ اس نے الفرس میں فا کے بعد الف کو حذف کر دیا اور پرانے لوگوں کے رسم الخط میں اعلام (ناموں) کے علاوہ بھی بعض رسموں میں لکھنے کا طریقہ اسی طرح ہے۔ تو اس غلطی کرنے والے نے فرسا و رجلا پڑھا حالانکہ واجب یہ تھا کہ فارسا وراجلا پڑھا جاتا تو راوی مسلسل غلطی کرتے چلے آئے اور دونوں مذکورہ لفظوں سے گھوڑا اور انسان مراد لیتے رہے۔ حالانکہ اس کا امکان موجود ہے کہ الفرس سے فارس مراد لیا جائے جیسا کہ جب قرینہ موجود ہو تو الخیل سے الخیال (گھوڑ سوار) مراد ہوتا ہے۔ اور امام صاحب نے یہ مفہوم دونوں قسم کی روایتوں کو جمع کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔ اور دوسرے حضرات اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے حدیث کی روایت پر لگے رہے تو ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں کو ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا کہ بے شک میں مومن پر ایک جانور کو فضیلت نہیں دیتا تا کہ ان کو سمجھا سکیں کہ شریعت بھائم کو مالک نہیں بناتی۔ اور مجاز اصل کے خلاف ہے۔ اور رہی یہ بات کہ انہوں نے بھائم کو مومن پر فضیلت نہ دینے کی بات کی ہے حالانکہ وہ تو جانور کو کسی مومن کے برابر قرار دینے کے قائل بھی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ جس حدیث میں راویوں کو غلطی لگی ہے اس میں فضیلت دینے کی بات ہے۔ تو انہوں نے نظر کو اس مقام پر ٹھہرایا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جانور اور مومن میں برابری کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ مفہوم مخالف تو ان کے مذہب میں معتبر ہی نہیں ہے۔ اور کتاب الخراج میں ابویوسف ؒ اور ان کی پیروی کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے کتاب الام میں انتہائی زیادہ طعن کے ساتھ جو قول کیا ہے وہ فقیہ الملت کی کلام کے مقصد سے بعید ہے۔ جیسا کہ یہ بات ہر اس شخص کے سامنے واضح ہوجاتی ہے جو ہماری ذکر کردہ بحث میں غور و فکر کرے۔ اور بہرحال وہ روایات جن میں آتا ہے کہ بعض لڑائیوں میں سوار کا حصہ کئی گنا زیادہ تھا تو ابوحنیفہؒ اس کو تنفیل

پر محمول کرتے ہیں۔ (کہ امیر لشکر کا اپنی صوابدید پر بعض لشکریوں کو انعام دینا) تا کہ اس بارہ میں تمام دلائل جمع ہو جائیں اس لیے کہ بے شک مختلف لڑائیوں میں سواروں کی ضرورت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کیا دلائل کو جمع کرنے کی خاطر کسی ایک روایت کو ترجیح دینے سے ابو حنیفہؒ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے قرار پائیں گے؟ حاشا وکلا۔ اور امام صاحب کے اس بارہ میں دلائل مذہب کی کتابوں میں بالخصوص ابوبکر الرازیؒ کی احکام القرآن ص ۵۸ ج ۳ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ اور اس بارہ میں ابو حنیفہؒ کے دلائل نقل کرنے میں الفقیہ المحدث المحقق العلامہ الشیخ ابوالوفاء الافغانیؒ نے بہت عمدہ طویل بحث کی ہے جو کہ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد کے مدرس تھے۔ انہوں نے الرد علی سیر الاوزاعی پر جو حاشیہ لکھا ہے اس کے ص ۱۷ میں بہت عمدہ اور طویل بحث کی ہے۔ لیکن انہوں نے فقہاء کے اختلاف بیان کرتے ہوئے ابن جریر سے امام مالک کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ بے شک میں ہمیشہ سنتا آرہا ہوں کہ سوار کے دو حصے ہیں اور پیدل کا ایک حصہ ہے۔ تو یہ قول امام مالک کے اس قول کے خلاف ہے جو صراحتاً ان سے منقول ہے تو ان کا صحیح قول یہ ہے کہ بے شک میں ہمیشہ سنتا آرہا ہوں کہ الفرس کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہے۔ اور میں نے ہندوستان میں اس کتاب کو طبع کروانے والے کو اس غلطی پر آگاہ کر دیا تھا تو اس نے کتاب کے آخر میں تصحیح اغلاط کا جو نقشہ دیا اس میں اس کو بھی درج کر کے اس کی اصلاح کر دی ہے۔ اور رہا ابو حنیفہؒ کا یہ قول کہ الاشعار مثلة کہ "جانور کو اشعار کرنا مثلہ ہے" تو یہ صرف اس کا قول نہیں بلکہ یہ قول ان کا ہے جو حمادؒ عن ابراہیم النخعیؒ سے اس کو روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی طرف امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں ان میں سے بعض کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان میں سے وکیعؒ بھی ہیں۔ اور ان کی مراد مطلقاً اشعار کا رد نہیں بلکہ ان کی مراد اپنے زمانہ کے لوگوں کا رد تھا جو اس میں مبالغہ کرتے تھے۔ اور الاشعار میں الف لام معہود ہے جو ان کے زمانہ میں ہونے والے اشعار پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا رد کہاں ہے؟

وکم من عائب قولا صحیحا وآفته من الفهم السقیم

"اور کتنے ہی صحیح بات میں عیب نکالنے والے ہوتے ہیں۔ اور مصیبت ان کو بیمار ذہن کی وجہ سے ہوتی ہے۔"

علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک اعمش کہتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم النخعی

سے جو بھی سنا وہ روایت کر دیا گیا ہے جیسا کہ آپ اس سے ملتا جلتا قول ابو نعیم کی حلیہ میں پائیں گے۔ تو النخعیؒ کا یہ قول اثر ہے اس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ النخعیؒ کے مراسیل کی قدر و قیمت ابن عبدالبرؒ وغیرہ کے ہاں کیا ہے۔

اور بہرحال بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے پہلے خیار والی حدیث تو پہلے اس کا معنی واضح کیا جا چکا ہے اور یہ معنی کرنے میں ابو حنیفہؒ اکیلے نہیں بلکہ اس کے شیخ ربیعہؒ اور النخعیؒ بھی اس مسئلہ میں اس کے ساتھ ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ پس اس بارہ میں کلام دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور رہا مسئلہ قرعہ کا تو بے شک ابوحنیفہؒ نے اس کو اپنے مورد پر بند رکھا ہے اور کہا کہ پختہ بات ہے کہ قرعہ اندازی صرف اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ عورتوں میں سے کسی کو سفر میں ساتھ لے جانا ہو اور یا پھر اس تقسیم کے وقت ہے جس میں کسی ثابت شدہ حق کو باطل کرنا لازم نہ آتا ہو اس لیے کہ بے شک قرعہ اس بارہ میں خلاف القیاس ہے۔ (اور جو چیز خلاف القیاس ہو اس کو اپنے مورد پر بند رکھ کر اسی میں اس کے حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ کسی اور چیز کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے) اور قرعہ کے بارہ میں ابوحنیفہؒ کے مذہب کی تحقیق تحریر الحسیری علی الجامع الکبیر میں مذکور ہے۔ تو کیا جو چیز خلاف القیاس ثابت ہو اس کو اپنے مورد پر بند رکھنے میں مخالفت کی ذرا بھی بو پائی جاتی ہے؟ اور یہ وہ چار احادیث ہیں جن کو رلوی نے اس دعویٰ پر پیش کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے چار سو احادیث کی مخالفت کی ہے۔

اور بہرحال جو یہ بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر نبی ﷺ مجھے پا لیتے یا میں ان کو پا لیتا تو وہ میری بہت سی باتوں کو لے لیتے تو اس میں النبی کا لفظ بدلا البتی سے ہوا ہے۔ اور صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ اس تصحیف کو نقل کرنے والے کی طرف سے درج کیا گیا ہے۔ اور حق تو یہ تھا کہ جملہ نہ لکھا جاتا یا اگر لکھا جاتا تو بین القوسین لکھا جاتا تا کہ پتہ چل سکتا کہ یہ جملہ زائد ہے اور اس قسم کی تصحیف بعض راویوں سے امام احمد کے زمانہ میں ہوئی تو انہوں نے اس پر ان کو تنبیہہ فرمائی جیسا کہ اس کا ذکر خطیبؒ نے ص ۸۰ ج ۲ میں کیا ہے۔ اگرچہ اس (خطیب) کا خود اپنا خیال یہ ہے کہ تصحیف نہیں ہے۔

اور بعض دفعہ یوسف بن اسباط اپنے اسی کمزور حافظہ اور انتہائی تعصب کی وجہ سے وہی لاعلمی میں تصحیف کرنے والا ہوتا تھا جان بوجھ کر نہ کرتا تھا۔ اور یہ صرف دعویٰ ہی نہیں کہ النبی کا لفظ البتی سے بدلا ہوا ہے اور نہ ہی محض احتمال کے درجہ میں ہے بلکہ حالات اس

کے شاہد ہیں۔ اور یہ حکایت تو اس باب میں ذرا مجال نہیں چھوڑتی کہ وہ مفہوم لیا جائے جو مخالف لے رہا ہے۔ اس لیے کہ بے شک ابوحنیفہؒ کو امت کے نصف بلکہ دو تہائی حصہ نے دین میں اپنا امام بنایا ہے اور زمانہ در زمانہ گزرنے کے باوجود یہ سلسلہ جاری ہے اور یہ سب اس کے دین اور اس کی پرہیزگاری اور علم کی وجہ سے ہے تو محال ہے کہ وہ اس جیسی کلام کریں جس جیسی کلام اس زمانہ میں بدترین قسم کے زندیق اور گمراہ لوگوں میں سے بھی کوئی نہیں کرتا اور اگر ایسا ہوتا تو اس کا معاملہ حکمرانوں کی طرف لے جا کر اس کی گردن اڑا دی گئی ہوتی۔ اور امت کے افراد اور علماء امت اس کے اردگرد سے دور ہٹ گئے ہوتے۔ اسی طرح حالات اس واقعہ کے جھوٹا ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

اور بہرحال اصل واقعہ تو وہ ہے جس کو ابوسعد بن السمعانی نے سعید بن ابی الرجاء۔ ابوالحسین الاسکاف۔ ابوعبد اللہ بن مندہ۔ الحارثی الحافظ۔ ابو طالب سعید بن محمد۔ الطحاوی۔ بکار بن قتیبہ۔ ہلال بن یحیٰ۔ یوسف بن خالد السمتی کی سند سے روایت کیا ہے کہ بے شک اس نے ذکر کیا کہ وہ بصرہ کے عالم عثمان بن مسلم البتی کی مجلس میں کیسے آتا جاتا تھا۔ پھر وہ کیسے ابوحنیفہؒ تک جا پہنچا پھر اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر البتی مجھے پا لیتے تو اپنی بہت سی باتوں کو چھوڑ دیتے۔ جیسا کہ یہ واقعہ الموفق المکیؒ کی کتاب مناقب ابی حنیفہؒ ص ۱۰۲ میں ہے۔ اور اس بارہ میں کی گئی روایات میں بعض جگہوں میں ابویوسفؒ ذکر کیا گیا ہے تو وہ لکھنے والے کی بھول ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ لفظ ابو کے بغیر یوسف ذکر کیا جائے۔ اس لیے کہ بے شک راوی یوسف بن خالد ہے قاضی ابویوسفؒ نہیں۔ اور ابو المؤید الخوارزمیؒ نے جامع المسانید میں پورے اعتماد سے لکھا ہے کہ یہ غلطی خود خطیبؒ کو لگی ہے۔ واللہ اعلم۔

اور بہرحال جو یہ بات ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ دین تو صرف اچھی رائے کا نام ہے تو کوئی شک نہیں کہ اس میں الدین بدلا ہوا ہے اری سے اس لیے کہ جب راء کے خط میں تھوڑا سا ٹیڑھا پن ہو تو بے دھڑک لکھنے والا اس کو لد بنا دیتا ہے اور یہ پرانے خطوط میں آسانی سے اس طرح ہو جاتا ہے اور ی کا رسم الخط ین کے ساتھ بہت ملتا جلتا ہے جبکہ نقطوں سے خالی ہو جیسا کہ پرانے خطوط میں اکثر اسی طرح پایا جاتا ہے۔ اور یہ بحث لکھائی میں دونوں کے درمیان انتہائی قرب ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہے تو اس طریقہ کے ساتھ لفظ اری بدل کر الدین ہو گیا۔ تو جب بدلے ہوئے لفظ کو اصل کی طرف لوٹائیں تو عبارت اس طرح ہو جائے گی۔ ھل اری الا الرای الحسن تو یہ اپنے قول پر

ایک دلیل ہو جائے گی کہ "اگر مجھے البتی پالیتے تو وہ میری بہت سی باتوں کو اختیار کر لیتے۔" اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک البتی رای اور اجتہاد کے قائلین میں سے تھے تو کیسے میری باتوں کو قبول نہ کرتے جبکہ میں اچھی رائے ہی رکھتا ہوں۔ تو اس کے ساتھ کلام میں ربط بھی ہو جاتا ہے۔ اور حق بات اپنے ٹھکانے کو پہنچ جاتی ہے۔ اور تاریخ میں یہ بات واضح ہے کہ البتی کے مذہب کا زوال امام زفر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مناظروں کی وجہ سے ہوا تھا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب یوسف السمتی نے بصرہ کی طرف لوٹنے کے بعد حکمت عملی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے ان کو مناظروں پر برانگیختہ کیا اور مناظروں میں کمزور رہے۔ اور ہم نے الدین کے لفظ کو بدلا ہوا ہونے پر اس ظاہری احتمال ہی کی وجہ سے محمول کیا ہے۔ اور ان قرائن کی وجہ سے جو اس کو ملے ہوئے ہیں جیسا کہ قدیم رسم الخط کے ماہرین اور اس میں تصحیف کی وجوہ جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ اور بہرحال اگر یہ تبدیلی جان بوجھ کر ہو بغیر اس کے کہ لکھنے والے پر تصحیف ہوئی ہو تو یہ بہت بڑی عار ہے ان لوگوں پر جو واقعہ کی لوگوں میں ترویج چاہتے ہیں۔ اس جیسی کھلی رسوائی کی جرات کون کر سکتا ہے۔ بلکہ اس قسم کا ارادہ کرنے والا صرف منافق ہی ہو سکتا ہے جو ان کے درمیان گھس جاتا ہے۔ پس اگر یہ تصحیف کی ہوئی روایت کسی چیز پر دلالت کرتی ہے تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ابو حنیفہؒ کا مخالف انتہائی گھٹیا آدمی ہے اور ابو حنیفہؒ تو بہت بڑے عالم اور امت کے دلوں میں بہت بڑا مقام حاصل کیے ہوئے ہیں اور زمانے گزرنے کے باوجود مسلسل امت اس کے علم اور دین اور پرہیز گاری کی وجہ سے اس کی پیروی کرتی ہے اور مخالف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ وہ تو یہ کلام کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس کو پالیتے تو اس کی آراء میں اس کی اتباع کرتے یا یہ کہ الدین جو کہ حکمت والی قابل تعریف ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ صرف لوگوں کی آراء کا نام ہے۔ اور وہ اس قول کے باوجود نہ ہلاک ہوا اور نہ ہی امت اس کے ارد گرد سے تتر بتر ہوئی۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے وقوع کا تصور مخالفین میں سے ان لوگوں کی عقول میں ہی کیا جا سکتا ہے جو سینے کی بیماری (بغض وغیرہ) میں مبتلا ہوں۔ پس پاک ہے وہ ذات جو عقلوں کو تقسیم کرنے والی ہے۔

اعتراض ۵۹: (کہ ابو حنیفہؒ نے دو سو احادیث کی مخالفت کی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دو سو احادیث ذکر نہیں کی گئیں جو امام ابو حنیفہؒ نے رد کی ہیں اگر وہ ذکر کر دی جاتیں تو ان کی حیثیت نمایاں ہو جاتی۔ نیز یہ بھی کہ فروعی مسائل میں ان دو سو احادیث کو جو ان کے

نزدیک معیار پر نہیں اترتیں ان کو ترک کرنا کوئی قابل اعتراض نہیں ہے۔ وجوہ ترجیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر ائمہ سے بھی بہت سی احادیث کا ترک ثابت ہوتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۷ میں ابن رزق۔ عثمان بن عمر بن خفیف الدراج۔ محمد بن اسماعیل البسلانی اور دوسری سند البرقانی۔ ابو حفص بن الزیات۔ عمر بن محمد الکاغذی۔ ابوالسائب نقل کر کے کہا کہ ابوالسائب نے کہا کہ میں نے وکیعؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو دو سو احادیث کی مخالفت کرتے ہوئے پایا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ نے انتہائی وسعت علمی سے جو فروعی مسائل نکالے ہیں' ان میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اتنے کثیر مسائل میں سے اتنی تعداد مسائل کی جتنی تعداد وکیعؒ نے کہی ہے' حدیث کے خلاف ہو۔ یہ فرض کر کے کہ ہر مسئلہ میں مستقل حدیث ہے۔ اور اگر ہر مسئلہ میں مستقل حدیث نہ ہو بلکہ ایک مسئلہ میں کئی کئی احادیث ہو سکتی ہیں بلکہ ان میں سے بعض مسائل ایسے ہیں کہ ان میں ہر مسئلہ میں دس دس احادیث بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ قراءۃ خلف الامام یا رفع الیدین فی الرکوع وغیرہ جیسے مسائل ہیں تو مسائل کی تعداد ان احادیث کے مقابل میں بہت کم تعداد کی طرف اتر آئے گی۔ اور امام کا حق باقی رہے گا کہ اس عدد میں بھی ایسے انداز سے اپنی دلیل پیش کرے گا کہ اس کی خطاء ظاہر نہ ہوگی بلکہ وہ یقیناً روایات کے اندر پائی جانے والی علت بیان کریں گے اور روایات کو جمع کرنا پایا جاتا ہوگا۔ اور انہوں نے کسی صریح صحیح حدیث کی مخالفت نہیں کی جو ان کو پہنچی ہو۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اخبار کو قبول کرنے کی شرائط ائمہ کے ہاں مختلف ہیں۔ پس بعض دفعہ ایک امام کے ہاں وہ صحیح ہوتی ہے اور دوسرے کے ہاں صحیح نہیں ہوتی۔ اور اس میں کوئی مانع نہیں ان لوگوں کے ہاں جو اجتہاد کے مواقع کو پہچانتے ہیں۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی کے ہاں ان احادیث کو لینا ہوتا ہے (جبکہ وہ اس کی شرائط کے مطابق ہو) اور دوسروں کے ہاں ان کو نہیں لیا جاتا (اس لیے کہ وہ اس کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتی) اس اعتبار سے کہ اس کے ہاں قبول کرنے کی شرائط اس حدیث میں جمع ہیں دوسروں کے نزدیک نہیں۔ اور جن احادیث میں اس امام کے ہاں قبول کی شرائط جمع نہ ہوں اس کو چھوڑ دینا یا کسی دوسری حدیث کو ترجیح دینا ان دلائل کی وجہ سے جو اس کے سامنے ظاہر ہوئے ہوں یا اس حدیث میں اس کے ہاں کوئی علت ظاہر ہوئی اور وہ علت دوسروں کے ہاں نہ سمجھی جاتی ہو۔ تو اس لحاظ سے یہ تعداد دو سو پر نہیں ٹھہرتی (بلکہ اس

سے بھی زیادہ ہوگی) اور وکیعؒ اگر ان احادیث کو ذکر کر دیتے تو تب بھی اس کے کلام میں کوئی ایسی بات نہیں کہ مخالف اس کی وجہ سے خوش ہوتا تو کیسے خوش ہو سکتا ہے جبکہ انہوں نے ان احادیث کو ذکر ہی نہیں کیا۔

اور وکیعؒ تو ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر ساتھیوں میں سے ہیں۔ خطیبؒ نے ص ۵۰۱ میں الصیمری۔ عمر بن ابراہیم المقرئی۔ مکرم۔ علی بن الحسین بن حبان عن ابیہ۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ علی کے باپ الحسین بن حبان نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے وکیعؒ بن الجراح سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ اس سے کہا گیا کہ ابن المبارکؒ بھی نہیں تو انہوں نے کہا کہ ابن المبارکؒ کی اپنی فضیلت ہے لیکن میں نے وکیعؒ سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔ وہ قبلہ کی جانب منہ کر لیتے اور حدیث یاد کرتے رہتے تھے اور رات کو قیام کرتے تھے اور مسلسل روزے رکھتے تھے اور ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اور بے شک اس نے اس سے بہت سی چیزیں سنی ہیں۔ یحییٰ بن معین نے کہا اور یحییٰ بن سعید القطانؒ بھی اس کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ الخ۔ اور اسی کے مثل یحییٰ بن معینؒ سے الدوری کی روایت میں ہے۔

اور (بقول ابی حنیفہ) قول یہاں مصدر ہے اور مضاف ہے جو کہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اگرچہ تحفہ الاحوذی والا اس سے بے خبر ہے اور اس کی غیر معقول باتوں کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔ اور علم کی امانت وکیعؒ پر تقاضہ کرتی ہے کہ وہی ذکر کرے جو اس کے سامنے ظاہر ہوا اور بے شک اس نے وہی کہا۔ اگر اس کی جانب منسوب بات صحیح ہو تب بھی اس کلام پر نہ تو کوئی غبار ہے اور نہ اس میں کوئی تعجب ہے۔ لیکن تعجب کی بات وہ ہے جو خطیبؒ نے ذکر کی۔ پہلے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے چار سو احادیث کی مخالفت کی اور ذکر صرف چار حدیثیں کیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی اس کے لیے حجت نہیں ہے۔ پھر اس سے نیچے اترا اور روایت کی کہ بے شک اس نے دو سو احادیث کی مخالفت کی ہے اور مخالفت کی کوئی مثال پیش نہیں کی۔ پس یہ روایت بھی اور وہ بھی مخالف کو ذرا بھر فائدہ نہیں دیتی۔ اور اگر وہ دونوں روایتوں میں ذکر کر دیتا کہ وہ احادیث کون سی ہیں جن کی مخالفت ابوحنیفہؒ نے کی ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہؒ نے اپنی کتاب میں ایک خاص باب میں ایک سو پچیس کے قریب حدیثیں جمع کی ہیں تو یہ قول اور وہ قول دونوں غور و خوض اور لینے اور رد کرنے کے لائق ہوتے جیسا کہ انہوں نے ابن ابی شیبہ کے ساتھ کیا۔ اور بہرحال دونوں روایتوں میں جو

کور چشمی ہے اس کے ہوتے ہوئے ان دونوں روایتوں کے متعلق بحث کرنے کی گنجائش نہیں مگر اسی قدر جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔

اور یہاں ایک عجیب بات محمد بن حبان سے ہے جو فلسفی اور جرح وتعدیل والوں میں سے ہے۔ اس نے اس کلام میں جو وکیع کی طرف منسوب کی گئی ہے اس میں اضافہ کیا اور رائے میں تصرف کیا اور اپنی کتاب الصنعاء میں ابو حنیفہؒ کے ترجمہ میں کہا کہ ابو حنیفہؒ فی نفسہ تو بڑی شان والے تھے کہ جھوٹ بولتے لیکن حدیث اس کے بس میں نہ تھی۔ پس وہ روایت کرتے تو غلطی کرتے اس انداز سے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوتا اور اسناد کو اس انداز سے پلٹ دیتے کہ ان کو سمجھ ہی نہ آتی تھی۔ اس نے دو سو کے قریب احادیث بیان کیں تو ان میں سے صرف چار درست بیان کیں اور باقی میں یا تو ان کی سند پلٹ دی یا ان کے متن کو بدل دیا۔" اسی طرح کا قول ابن خزیمہ کے مولف نے ابو حنیفہؒ کے حافظہ کے بارہ میں کیا ہے۔ جن کے علم وفقہ اور حفظ کے سامنے گردنیں جھک جاتی ہیں اور ان کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ کسی ایسے راوی کے لیے روایت کو جائز ہی نہ سمجھتے تھے جس پر ایک لمحہ کے لیے نسیان طاری ہوا ہو۔ اور اس روایت کا حفظ اس کے پاس روایت لینے کے وقت سے لر کر آگے اس کو دوسرے تک پہنچانے تک نہ ہو۔ اور اسی طرح وہ کسی راوی کے لیے لکھی ہوئی روایت کے مطابق اس وقت تک روایت جائز نہیں سمجھتے تھے خواہ اس نے خود لکھی ہو جب تک وہ اس کی روایت ذکر نہ کرے جیسا کہ قاضی عیاضؒ کے الالمام وغیرہ میں ہے۔ اور ابو حنیفہؒ ایسے مجہول لوگوں کو ثقات کے زمرہ میں شمار نہ کرتے تھے جن کے احوال پڑھے پڑھائے نہ جاتے ہوں۔ جیسا کہ بہت عرصہ بعد زمانہ میں ابن حبان اپنے شیخ کی پیروی کرتے ہوئے کرتے تھے بلکہ وہ ان راویوں کے احوال پڑھتے پڑھاتے تھے جو اس کے اور صحابہ کے درمیان تھے پھر جس کو قبول کے قابل سمجھتے اس کی روایت قبول کرتے اور دوسروں کی رد کر دیتے۔ اور ان کے اور صحابی کے درمیان اکثر ایک یا دو ہی راوی ہوتے تھے۔ پس اس جیسے آدمی پر بہت ہی آسان ہے کہ ان کے احوال کی معرفت میں بیدار ہو۔ اور یہ بات تو ان سے تواتر سے ثابت ہے کہ وہ ایک رکعت میں قرآن کریم ختم کر دیتے تھے اور یہ ان کے حافظہ کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ پس ابن حبان فلسفی جو جرح و تعدیل والوں میں سے ہے وہ اس عظیم امام کو جس کی ذہانت اور یادداشت زمین کے مشارق اور مغارب میں ضرب المثل ہے۔ اس کو اپنے ساتھیوں میں سے ایسے بے خبر آدمیوں کی طرح قرار دیتا ہے جو جلد قسم

کے راوی ہیں۔ (یعنی صرف الفاظ پر نظر رکھنے والے اور معانی سے بے خبر) اور اس کی کلام میں حقیقت کی ذرا سی بو بھی نہیں ہے۔ اور یقینی بات ہے کہ یہ تو تعصب کی ایک قسم ہے اور ابن حبانؒ کے بارہ میں کلام طویل ہے اور کم از کم جو اس کے بارہ میں کہا گیا ہے وہ ابن الصلاحؒ کا قول ہے کہ وہ اپنے تصرف میں بہت فحش قسم کی غلطیاں کرنے والا ہے۔ اور ذہبیؒ نے اس کے بارہ میں کہا کہ وہ فساد میں ڈالنے والا اور طعن دینے والا تھا۔ اور جن باتوں میں اس پر گرفت کی گئی ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے بہت سے لوگوں کو ثقات میں ذکر کیا۔ پھر دوبارہ ان ہی لوگوں کو مجروح راویوں میں ذکر کیا اور ان کے ضعیف ہونے کا دعوی کیا۔ اور یہ اس کا تناقض اور اس کی غفلت کی وجہ سے ہے۔ اور کئی جگہ آپ دیکھیں گے کہ ایک ہی آدمی کو دو طبقوں میں شمار کر دیتا ہے۔ یہ وہم کرتے ہوئے کہ یہ دو آدمی ہیں۔ اور اس کا انداز توثیق میں سب سے کمزور ہے۔ اگرچہ اس بارہ میں اس کا شیخ ابن خزیمہ اس سے بھی سبقت لے گیا ہے اور وہ تعصب میں بہت کمینہ پن اختیار کرنے والا ہے۔ انتہائی ضد اور حقیر تساہل کو جمع کرنے والا ہے۔ ایک جگہ میں کچھ اور دوسری جگہ میں کچھ اور لکھتا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کو کمزور دین والا قرار دیا ہے یہاں تک کہ بعض نے اس کو زندقہ (بے دینی) کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ اس کا نبوت کے بارہ میں نظریہ یہ تھا کہ بے شک وہ علم اور عمل ہے۔ تفصیل کے لیے اس کا ترجمہ میزان الاعتدال اور معجم یاقوت اور ابن الجوزی کی کتاب المنتظم میں دیکھیں۔ ان سے کمینہ پن اور بدترین قسم کے تصرف میں اس آدمی کا حال واضح ہو جائے گا۔ ہم رسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔

اعتراض ۶۰: (کہ ابوحنیفہؒ آثار اور سنت کی طرف متوجہ ہوتے پھر اپنی رائے کی وجہ سے ان کو رد کر دیتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ طعن کا باعث نہیں بلکہ تعریف کا باعث ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں رائے قائم کرنے سے پہلے ہر پہلو پر آثار اور سنت کو دیکھ کر راجح پہلو کو لیتے تھے اور مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کرنے سے پہلے اپنی جماعت کی آراء اور ان کے دلائل سنتے تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۷ میں علی بن احمد الرزاز۔ علی بن محمد بن سعید الموصلی۔ عیسیٰ بن فیروز الانباری۔ عبد الاعلی بن حماد۔ حماد بن سلمہ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد الاعلی نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ

ابوحنیفہؒ آثار کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنی رائے کی وجہ سے ان کو پس پشت ڈال دیتے۔
اور دوسری سند ابوسعید محمد بن موسیٰ الصیرفی۔ محمد بن یعقوب الاصم۔ عبد اللہ بن احمد حنبل۔ احمد بن حنبل۔ مومل بن اسماعیل کی سند نقل کر کے کہا کہ مومل کہتے ہیں کہ میں نے حماد بن سلمہ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ وہ ابوحنیفہؒ کا ذکر کر رہے تھے تو کہا بے شک ابوحنیفہؒ آثار اور سنن کی طرف متوجہ ہوتے پھر اپنی رائے کی وجہ سے ان کو رد کر دیتے۔ اور خطیبؒ نے تیسری سند۔ ابن دوما۔ ابن سلم۔ الابار۔ محمود بن غیلان۔ مومل نقل کر کے کہا کہ مومل نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ کے سامنے سنت پیش کی جاتی تو وہ اس کو اپنی رائے کی وجہ سے رد کر دیتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الرزاز کے بیٹے نے اس کے مسودات میں کئی سنی سنائی باتیں داخل کر دی تھیں اور اس کا اعتراف خطیبؒ نے بھی کیا ہے جیسا کہ پہلے کئی بار گزر چکا ہے۔ اور الموصلی ثقہ نہیں جیسا کہ خطیبؒ نے عیسیٰ بن فیروز کے ترجمہ میں کہا ہے۔ یہ حال تو پہلی سند کا ہے۔ اور رہی دوسری سند تو اس میں مومل بن اسماعیل ہے جو بخاری کے ہاں متروک الحدیث ہے اور کتاب السنہ کے مولف عبد اللہ بن احمد کی ابوحنیفہؒ کے بارہ میں تصدیق نہیں کی جا سکتی۔

اور تیسری سند میں ابن دوما ہے جو سنی ہوئی باتوں میں اور باتیں ملانے والا تھا۔ اور اس میں مومل بھی ہے اور وہ متروک ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

پھر بے شک حماد بن سلمہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو سنت کو لینے والے اور رد کرنے والے کے درمیان فرق کر سکے۔ اور یہی صفات باری کے بارہ میں ان پریشان کن روایات کا راوی ہے جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رویت ہوگی اور وہ ایک نوجوان کی صورت میں ہوگا۔ حالانکہ اس جیسی روایت کے بارہ میں ائمہ کو خاموشی لازم ہے تا کہ لوگ اس کو خلط ملط کرنے سے خاموش رہیں۔ (روایت کا حال تو یہ ہے مگر افسوس کہ) خطیبؒ کے ہاں محفوظ اسی طرح کی روایت ہوتی ہے۔

اعتراض ۶۱: (کہ ابوحنیفہؒ نے لا قطع فی ثمر ولا کثر والی حدیث کے خلاف فتویٰ دیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ سے صحیح راویات کے ساتھ جو اس بارہ میں ان کا نظریہ ثابت ہے۔ یہ فتویٰ اس کے خلاف ہے اس لیے اس کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۱ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۸ میں محمد بن الحسین بن محمد المتوثی۔ عثمان بن احمد الدقاق۔ احمد بن بشر المرثدی۔ رجاء بن السندی۔ بشر بن السری کی سند نقل کر کے کہا کہ بشر نے کہا کہ میں ابو عوانہ کے پاس آیا تو اس کو کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک آپ کے پاس ابو حنیفہؒ کی کتاب ہے تو اس کو نکالیں تو کہا اے میرے بیٹے تو نے مجھے یاد دلا دیا۔ پھر اپنے صندوق کی طرف اٹھے اور کتاب نکال کر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا پھر اس کو پھینک دیا۔ تو میں نے کہا کہ اس کارروائی پر تجھے کس چیز نے ابھارا ہے؟ اس نے کہا کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ تو اس کے پاس بادشاہ کی جانب سے جلد باز قسم کا قاصد آیا' گویا کہ انہوں نے لوہا گرم کر رکھا ہے اور انہوں نے چاہا کہ کام اس کے ذمہ کریں۔ تو اس نے کہا امیر کہتا ہے کہ ایک آدمی نے ودی (کھجور کے چھوٹے پودے یا کھجور کے گابھے) چوری کیے تو اس کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو اس نے توقف کیے بغیر کہا کہ اگر اس کی قیمت دس درہم ہو تو اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ پھر آدمی چلا گیا تو میں نے کہا اے ابو حنیفہؒ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ مجھے یحییٰ بن سعیدؒ نے محمد بن یحییٰ بن حبان کے واسطہ سے رافع بن خدیجؓ کی حدیث بیان کی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھلوں میں اور کھجور کے چھوٹے پودوں میں چوری کی وجہ سے ہاتھ کا کاٹنا نہیں ہے۔ آدمی کے پاس پہنچ کر اس کو بتا لے ورنہ اس کا تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو اس نے توقف کیے بغیر کہا کہ یہ ایک تقدیری معاملہ تھا جو اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اور پھر آدمی کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پس یہ اس کی میرے پاس کتاب ہے۔ اور خطیبؒ نے دوسری سند ابن دوما۔ ابن سلم۔ الابار۔ الحسن بن علی الحلوانی۔ ابو عاصم ابو عوانہ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو عوانہؒ نے کہا کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس تھا تو اس سے ایک آدمی نے ایسے آدمی کے متعلق مسئلہ پوچھا جس نے ودی (کھجوروں کے چھوٹے پودے یا کھجور کے گابھے) چوری کیے تھے تو اس نے کہا کہ اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔ ابو عوانہؒ نے کہا کہ میں نے اس کو کہا کہ مجھے یحییٰ بن سعیدؒ نے محمد بن یحییٰ بن حبانؒ کے واسطہ سے رافع بن خدیجؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھلوں اور کھجوروں کے چھوٹے پودوں یا کھجور کے گابھے میں ہاتھ کا کاٹنا نہیں ہے تو اس نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے یہ سنا ہے تو اس نے کہا کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی تو میں نے کہا کہ جس آدمی کو تو نے فتویٰ دیا ہے اس کو واپس بلا کر یہ بتا دے تو اس نے کہا کہ اس کو چھوڑ دے پس بے شک مضبوط خچر اس کو دوڑا کر لے گئے ہیں۔ ابو عاصم نے

کہا کہ میں خوف کھاتا ہوں کہ وہ اس کے گوشت اور خون کے ساتھ دوڑیں گے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی سند میں ابو عمرو بن السماک ہے جس کو ذہبیؒ نے رسوا کن روایت کے ساتھ مطعون کیا ہے اور رجاء بن السندی زبان دراز تھا اور صحاح ستہ والوں نے اس سے اعراض کیا ہے۔ اور بشر بن السری کے بارہ میں الحمیدیؒ نے کہا کہ وہ جہمی تھا۔ جائز نہیں ہے کہ اس سے روایت لکھی جائے۔ اور دوسری سند میں ابن دوما المزور ہے۔ اور اس کی وجہ سے یہ روایت پہلے مرحلہ میں ہی گر گئی' اٹھنے کے قابل نہ رہی۔ اور اس میں ابن سلم اور الابار۔ اور الحلوانی بھی ہیں اور ان کے حالات مشہور ہیں۔ اور اس میں ابوعاصم العباداني بھی ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔ اور بہرحال ابوعوانہ' تو وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی مروی روایات میں سے قابل استدلال چن کر ایک جماعت کے نزدیک بیان کی جاسکتی ہیں لیکن اس کے بارہ میں علی بن عاصم نے کہا کہ یہ آدمی وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔ اور اس میں اسراف (اعتدال کی حد کو چھوڑنا) پایا جاتا ہے۔ نیز وہ پڑھتا تھا اور لکھتا نہیں تھا۔ اور اس کی کتاب صحیح تھی۔ پس جب وہ زبانی راویت کرتا تو غلطی کرتا تھا جیسا کہ وہ دوسرے لوگوں کی لکھی ہوئی تحریر پڑھنے میں غلطی کرتا تھا۔ اور جن لوگوں نے اس سے اس کی عمر کے آخری چھ سالوں میں روایات کی ہیں تو ان کا اعتماد نہ کیا جائے اس لیے کہ اس کو اختلاط کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔ بلکہ سلیمان بن حرب خیال کرتا تھا کہ وہ بکریاں چرانے کے علاوہ کسی اور کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پھر جو حدیث ابوعوانہؒ نے بیان کی ہے اس کی سند میں انقطاع ہے اس لیے کہ محمد بن یحییٰ بن حبان نے رافع بن خدیجؓ کو نہیں پایا اور دوسری طرف صحیح سند کے ساتھ ابوحنیفہؒ کے پاس روایت تھی تو انہوں نے اس کو لیا ہے۔ اور ابوعوانہؒ تو واسط کے مقام میں بچپن میں اپنے مالک کی غلامی میں تھے۔ تو کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ابوحنیفہؒ اس کو اس حدیث کے بارہ میں کہیں کہ مجھے یہ حدیث نہیں پہنچی۔ امام محمدؒ بن الحسن الشیبانیؒ نے کتاب الآثار میں کہا کہ ہمیں ابوحنیفہؒ نے حدیث بیان کی حمادؒ سے اور انہوں نے ابراہیمؒ سے روایت کی کہ چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم چوری میں نہ کاٹا جائے گا اور اس کی قیمت اس دن دس درہم تھی۔ اور اس سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ اور اس بارہ میں آثار بہت ہیں اور اس طرح بھی حدیث آتی ہے کہ دینار کے چوتھائی سے کم (مالیت کی چوری) میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

امام محمدؒ نے الموطا میں فرمایا اور بے شک لوگوں نے اختلاف کیا کہ کتنی مالیت چوری

میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تو اہل مدینہ نے کہا کہ دینار کے چوتھائی برابر مالیت میں اور انہوں نے احادیث روایت کیں۔ اور اہل عراق نے کہا کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور انہوں نے اس بارہ میں نبی کریم ﷺ اور حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور دیگر بہت سے حضرات سے روایات کیں۔ تو جب حدود کے بارہ میں اختلاف آیا تو پختہ بات کو لیا جائے گا اور وہ ابو حنیفہؒ اور ہمارے اکثر فقہاء کا قول ہی ہے۔ یعنی دینار کا چوتھائی تو تین دراہم کے برابر ہوتا ہے اور حدود ان چیزوں میں سے ہیں جو شبہات کی وجہ سے ٹل جاتی ہیں تو ہاتھ کاٹنے میں دس دراہم والی روایت کو لینا زیادہ احتیاط ہے تو اس کو لیا جائے گا۔ کیونکہ اس بارہ میں ان مختلف اخبار میں ناسخ اور منسوخ کا علم نہیں ہو سکا۔

اور اسی طرح امام محمدؒ نے کتاب الاثار میں ابو حنیفہ۔ الہیثم بن ابی الہیثم۔ الشعبی کی سند نقل کر کے کہا کہ شعبیؒ اس روایت کو نبی کریم ﷺ تک مرفوع کرتے ہیں کہ بے شک چور کا ہاتھ پھلوں اور کھجور کے چھوٹے پودوں میں نہ کاٹا جائے گا۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ثمر سے مراد وہ ہے جو درختوں پر لگا ہوا ہو۔ اور درخت گھروں میں محفوظ نہیں ہوتے۔ تو اس کی چوری کرنے والے پر قطع ید نہیں ہے اور الکثر سے مراد کھجور کے درخت کا گوند (گابھہ) ہے تو اس کو چوری کرنے والے پر قطع ید نہیں ہے۔ الخ۔ اور یہی قول ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور الحافظ ابوبکر بن المقرئؒ نے مسند ابی حنیفہؒ میں ابو حنیفہؒ عن الشعبیؒ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ اور الودی (کھجوروں کے گوند) چوری کرنے کا واقعہ مروان بن الحکم کے زمانہ میں پیش آیا تو اس نے سمجھا کہ الودی کے سارق پر قطع ید ہے تو اس کو رافع بن خدیج نے حدیث بیان کی لا قطع فی ثمر ولا کثر تو اس نے ہاتھ کاٹنے سے درگزر کیا تو وہ الودی یعنی کھجور کا پودا تھا۔ جو ان کے ہاں پھل اور گودے پر قیاس تھا۔ اور بے شک امام محمد بن الحسنؒ نے الموطا میں بھی حضرت رافع بن خدیج کی یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا اور مروان کا واقعہ الودی کے بارہ میں تھا۔ اور اسی کو ہم لیتے ہیں کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں اور الکثر کی چوری میں قطع ید نہیں۔ اور الکثر سے مراد الجمار ہے اور نہ ہی ودی میں قطع ید ہے۔ اور نہ ہی درخت میں۔ اور یہی قول ہے ابو حنیفہؒ کا۔ اور ان میں قطع ید اس لیے نہیں کہ یہ محفوظ مال نہیں۔ اور سنت میں قطع ید کی شرطوں میں الحرز (مال کا محفوظ ہونا) بھی ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ بے شک مذکورہ فتویٰ ابو حنیفہؒ

پر افتراء ہے۔ اور یہ واقعہ خالص جھوٹ ہے۔ اور وہ بات جس پر ہم مطمئن ہیں یہ ہے کہ ان دونوں حکایتوں میں دونوں سندوں کے حال کی وجہ سے ابوعوانہ بری الذمہ ہیں۔ اور پختہ بات ہے کہ ان کی نسبت اس سے نچلے درجے کے کسی راوی کی طرف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

اعتراض ۴۲: (کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ جس محرم کے پاس ازار نہ ہو تو اگر وہ شلوار پہن لے تو اس پر فدیہ ہے اور جس محرم کے پاس جوتا نہ ہو تو اگر وہ موزہ پہن لے تو اس پر دم آتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کے خلاف آتا ہے۔ اور یہ کہ روایت کا راوی جابر بن زید تھا اور ابوحنیفہؒ اس کو جابر بن عبد اللہ کہتے جب ان پر اعتراض ہوا تو کہا کہ کوئی پروا نہیں خواہ تم جابر بن زید سے بنالو خواہ جابر بن عبد اللہؓ سے بنالو۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایات ثابت ہو جائیں تو امام ابوحنیفہؒ ازار نہ پانے والے محرم کے لیے شلوار اور نعلین نہ پانے والے کے لیے موزہ کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے اس پر فدیہ اور دم کے قائل ہیں جیسا کہ عذر کی وجہ سے سرڈھانپنے والا فدیہ دے کر سرڈھانپ سکتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولٰی کے ص ۳۹۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۰۹ میں الحلوانی۔ یزید بن ھارون۔ حماد کی سند نقل کر کے کہا کہ حماد نے کہا کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس موجود تھا اور ان سے ایسے محرم کے بارہ میں پوچھا گیا جس کے پاس ازار نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے تو انہوں نے کہا کہ اس پر فدیہ ہے۔ تو میں نے کہا سبحان اللہ۔ اور دوسری سند ابن دوما۔ ابن سلم۔ الابار۔ ابوموسیٰ عیسیٰ بن عامر۔ عارم۔ حماد۔ نقل کر کے کہا کہ حماد نے کہا کہ میں مسجد حرام میں ابوحنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو ایک آدمی نے آکر کہا اے ابوحنیفہؒ محرم جس نے جوتے نہ ہونے کی وجہ سے موزے پہن لیے ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو اس نے کہا کہ اس پر دم آئے گا۔ حمادؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا سبحان اللہ۔

ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے ایسے محرم کے بارہ میں فرمایا جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے اس کو چاہیے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے نیچے ان کو کاٹ لے۔ پھر الحسن بن سفیان۔ ابراہیم بن الحجاج۔ حماد بن زید کی سند سے روایت بیان کی اور ابوحنیفہؒ کا ذکر کیا جو کہ اس نے النخعی سے روایت کی۔ پھر حماد بن زیدؒ کا کلام حجاج بن ارطاۃ کے لیے اور الحجاج کا قول ذکر کیا کہ اللہ تعالٰی اس کو تباہ کرے۔ پھر خطیبؒ نے ابن دوما۔ ابن سلم۔ الابار۔ الحسن بن علی الحلوانی۔ نعیم بن حماد۔ سفیان بن

عیینہ کی سند نقل کر کے کہا کہ سفیانؒ نے کہا کہ میں کوفہ آیا تو میں نے ان کے سامنے عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید کی سند کے ساتھ ابن عباسؓ کی حدیث بیان کی تو وہ کہنے لگے کہ بے شک ابوحنیفہؒ تو اس کو جابر بن عبد اللہ سے ذکر کرتے ہیں۔ سفیانؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا' نہیں اس کا راوی تو جابر بن زید ہی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کا ذکر ابوحنیفہؒ سے کیا تو اس نے کہا تم پرواہ نہ کرو اگر تم چاہو تو اس کو جابر بن عبد اللہ سے بنا لو اور اگر چاہو تو جابر بن زید سے بنا لو۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ کا یہ کہنا کہ قال الحلوانی یعنی پہلی سند تو اس میں ابن دوما۔ ابن سلم اور الابار ہیں اور ان کے ساتھ الحلوانی بھی ہے اور میں نہیں جان سکا کہ خطیبؒ ابن دوما کی سند کو ناقلین کے ہاں محفوظ روایات کے زمرہ میں شمار کرنے سے کیوں نہیں اکتاتا۔ حالانکہ یہ سنی ہوئی باتوں میں جھوٹ اور من گھڑت باتوں کا اضافہ کرنے والا تھا جس کا اعتراف خود خطیبؒ کو بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ والی روایت کی سند میں بھی ابن دوما۔ ابن سلمہ اور الابار ہیں اور ان کے ساتھ عارم ہے جو محمد بن الفضل ہے اور ۲۲۰ھ کے بعد بہت سخت اختلاط میں مبتلا ہوگیا تھا۔ اور عیسیٰ بن عامر نے اس سے اس کے بعد ہی روایات سنی ہیں۔ اور اس کے بعد والی سند میں کوئی خرابی نہیں سوائے اس کے کہ ابراہیم بن الحجاج قدری ہے تو اس کی بات ائمہ اہل السنت کے بارہ میں قبول کرنے میں توقف ہے۔ اور ابن ارطاۃ کی زبان درازی تو مشہور ہے۔ اور اس بارہ میں ابن عیینہ سے جو آخری سند نقل کی ہے تو اس میں ابن دوما۔ ابن سلم اور الابار اور الحلوانی اور نعیم بن حماد ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ ایسے محرم پر وجوب فدیہ کے قائل ہیں جو شلوار پہن لے اور بے شک جن صحیح احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ کون کون سی چیز محرم نہیں پہن سکتا ان میں قمیص۔ شلوار۔ پگڑی اور سر ڈھانپ دینے والی ٹوپی یا کسی اور کپڑے کا ذکر ہے۔ پھر احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ بے شک محرم کے پاس جب ازار نہ ہو تو شلوار پہن لے اور جب جوتا نہ ہو تو موزہ پہن لے۔ تو یہ دونوں چیزیں ابوحنیفہؒ کے نزدیک عذر کی وجہ سے مباح ہیں۔ جیسا کہ اس آدمی کے لیے جس کو سر میں تکلیف ہو تو یہ ممانعت وجوب فدیہ کے بغیر اباحت میں تبدیل نہ ہوگی۔ جیسا کہ وہ آدمی جس کو سر میں تکلیف ہو تو وہ پہن لے تو اس پر فدیہ واجب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ (پارہ ۲ رکوع ۸) اور حدیث میں کوئی ایسی

صراحت نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ معذور سے فدیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ سے دونوں بابوں میں احادیث روایت کی گئی ہیں وہ روایات بھی ہیں جن میں محرم کے لیے ان اشیاء کا استعمال ممنوع ہے اور وہ روایات بھی ہیں جن میں ازار اور جوتا نہ ہونے کی صورت میں شلوار اور موزہ پہننے کی اجازت ہے۔ اور انہوں نے دونوں بابوں میں احادیث کو لیا ہے بغیر اس کے کہ ایسے محرم سے فدیہ کو ساقط کر دیا جائے جو ایسے عذر کی وجہ سے پہنتا ہے جس کی وجہ سے پہننا مباح ہو جیسا کہ اس شخص کے لیے ہے جس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ فدیہ وغیرہ دے کر سر کو ڈھانپ سکتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ان کو وہ احادیث نہیں پہنچی تھیں جو نقل کی گئی ہیں۔ پھر ان کے پہنچنے کے بعد ان کی مخالفت کی۔ اور بہرحال وہ روایت جو ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۴۰ میں کی ہے کہ جب ابو حنیفہؒ سے کہا گیا کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے کہا کہ محرم شلوار پہن سکتا ہے جبکہ اس کے پاس ازار نہ ہو تو انہوں نے کہا کہ اس بارہ میں میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے کوئی بات درجہ صحت کو نہیں پہنچتی کہ اس کے مطابق میں فتویٰ دوں۔ اور ہر آدمی اپنی سنی ہوئی بات کی انتہاء کو پہنچتا ہے۔ تو ابن عبد البرؒ کا یہ قول ثابت نہیں ہے اس لیے کہ اس کی سند میں داؤد بن المحبر ہے جو بالاتفاق متروک الحدیث ہے۔ اور اس کے الفاظ قیل لابی حنیفہؒ ہی سے انقطاع ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ وہ حدیث جس میں جوتا نہ پانے والے کے لیے موزہ اور ازار نہ پانے والے کے لیے شلوار پہننے کی اباحت ہے وہ ابو حنیفہؒ کی مسانید میں نقل کی گئی ہیں۔ (جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو یہ احادیث پہنچ چکی تھیں) پس ابو محمد النجاری الحارثیؒ کی مسند میں ابو سعید بن جعفر۔ احمد بن سعید الثقفی۔ مغیرۃ بن عبد اللہ۔ ابو حنیفہ۔ عمرو بن دینار۔ جابر بن زید کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کی نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ جس شخص کے پاس ازار نہ ہو تو وہ شلوار پہن لے اور جس کے پاس نعلین (ایسے جوتے جن میں پاؤں کا اوپر کا حصہ ننگا رہتا ہو) نہ ہوں تو وہ موزے پہن لے۔ تو یہ حدیث اس سند کے ساتھ ان لوگوں کا رد کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس باب میں ابو حنیفہؒ کو حدیث نہ پہنچی تھی اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ یہ روایت جابر بن عبد اللہ سے کرتے تھے۔ (بلکہ وہ تو جابر بن زید ہی سے روایت کرتے تھے) پس اس وضاحت کے ساتھ یہ سب گمان کرنے والوں کے گمان منہدم ہو جائیں گے۔ نیز خطیبؒ نے بالکل ان میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا۔ جنہوں نے ابو حنیفہؒ سے یہ پوچھا تھا جس کے جواب میں اس نے ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو فلاں

سے بنالو اور اگر تم چاہو تو فلاں سے بنالو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح بہتان تراشوں کو رسوا کرتا ہے۔

اعتراض ۴۳ : (کہ احمد بن المعذل نے ابو حنیفہؒ کے خلاف اشعار کہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن المعذل صرف شاعر ہی تھا لہٰذا اس کی بات کی کوئی وقعت نہیں ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۱ میں القاضی ابو عبد اللہ الصیمری۔ عمر بن ابراہیم المقرئی۔ مکرم بن احمد۔ علی بن صالح البغوی کی سند نقل کر کے کہا کہ علی بن صالح نے کہا کہ ابو عبد اللہ محمد بن زید الواسطی نے میرے سامنے احمد بن المعذل کے اشعار پڑھے۔

ان کنت کاذبة الذی حدثتنی
فعلیک اثم ابی حنیفة او زفر
المائلین الی القیاس تعمدا
والراغبین عن التمسک بالخبر

"جو بات تو نے مجھ سے بیان کی ہے اگر تو اس میں جھوٹا ہے تو تجھ پر ابو حنیفہؒ یا زفرؒ کا گناہ ہے جو کہ جان بوجھ کر قیاس کی طرف رغبت کرنے والے تھے۔ اور حدیث سے دلیل پکڑنے میں اعراض کرتے تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ ان اشعار کا قائل احمد بن المعذل ہے اور المعذل ذال مفتوحہ مشددہ کے ساتھ ہے۔ اور یہی شخص عبد الملک بن الماجشونؒ سے فقہ حاصل کرنے کے بعد بصرہ میں سب سے پہلے امام مالکؒ کے نظریہ کا پرچار کرنے والا تھا اور اس کا شیخ جب مدینہ منورہ سے کوچ کر کے عراق گیا تو اس کے ساتھ وہ کچھ تھا جو اس کو بے نیاز کر دے۔ تو عراق کے اہل علم نے اس میں دلچسپی لی۔ اور اس ابن المعذل کے ساتھ اسماعیل القاضی نے فقہ حاصل کی۔ اور بصرہ میں علم کے اندر زفر بن الہذیل کی مضبوط بادشاہی تھی۔ اور بے شک وہ اپنے ان مناظرات میں جن کے مقابلہ کی کسی میں سکت نہ تھی ان میں البتی کے مذہب کے خلاف کرتے تھے جیسا کہ اللسان وغیرہ میں ہے۔ اور جب ابن المعذل بصرہ میں زفرؒ کے ساتھیوں سے تنگ ہو گیا تو اس کی اور اس کے شیخ کی ان دو اشعار میں مذمت کی۔ لیکن اگر اس گروہ (مالکیہ) کی قیاس میں وسعت کی انتہاء پر غور کیا جائے جیسا کہ اصول کی کتب میں

ہے اور اس میں جس کو اہل المدینہ کے عمل کا نام انہوں نے دیا ہے تو انہوں نے اس قیاس کی وجہ سے صرف الموطا کی مسند ستر کے قریب احادیث کو ترک کیا ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس پر ان کا دارومدار ہے باقی کتابوں کو تو چھوڑیے۔ اور المصلحة المرسلة جس کو ان میں سے بہت سے حضرات نے اصول کو طور پر اپنایا ہے۔ یہ تو ہر چیز کو گرانے کا ذریعہ ہے اور اس مذمت والے اشعار سے بچنا تو اس کے اپنے لیے اور اس کے گروہ کے لیے بھی بہتر تھا۔ لیکن بے عقلی آدمی کو ہلاکت کی جگہوں میں پھینک دیتی ہے۔ اور یہ ابن المعذل وہی ہے جس کے بارہ میں اس کے بھائی عبد الصمد بن المعذل نے کہا۔

اضاع الفریضة والسنة فتاه علی الانس والجنة

"یہ ایسا آدمی ہے جو فرضوں اور سنتوں کو ضائع کرتا ہے۔ اور انسانوں اور جنوں ہر ایک کے خلاف فتویٰ دیتا ہے۔" اور اس جیسے اور اشعار بھی اس نے کہے۔

اور میں یہاں اس کے مذہب کے شاذ قسم کے مسائل کا ذکر نہیں کرتا اور زفرؒ اہل علم کے ہاں حفظ اور اتقان میں معروف ہیں۔ یہاں تک کہ ابن حبانؒ جیسا آدمی جو اس سے کنارہ کش ہے اس نے بھی اس کا اعتراف کتاب الثقات میں کیا ہے۔ اور اس میں ورع کے لحاظ سے ذرا بھی انگلی اٹھانے کی جگہ نہیں ہے (یعنی اس کا نیک ہونا سب کے ہاں مسلم ہے) چہ جائیکہ اس کا شیخ جو اپنے علم اور پرہیز گاری کی وجہ سے آنکھوں کو چکاچوند کر دیتا ہے (اس کے متعلق ایسی باتیں کہی جائیں) لیکن خواہشات آنکھوں کو اندھا کردیتی ہیں۔ اور مذمت کے اشعار بری الذمہ نیک لوگوں کو کچھ نقصان پہنچانے کے بجائے مذمت کرنے والے کو اوندھے منہ آگ میں گراتے ہیں۔ اور بے شک ابن عبد البرؒ نے الانتقاء میں ذکر کیا ہے کہ بے شک ابو جعفر الطحاویؒ نے جب ان دونوں اشعار کو سنا تو کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں (ابو حنیفہؒ اور زفر) کی نیکیاں مجھے مل جائیں اور ان دونوں کے گناہ مجھ پر ڈال دیے جائیں۔ الخ۔ اور اس مذمت کے اشعار کہنے والے نے پہلے مصرع میں حضرت حسان بن ثابت کے شعر سے تضمین کی ہے۔ (یعنی ان کے مصرع کو اپنے شعر میں شامل کر لیا ہے) اور کچھ لوگوں نے اس انتہاء پسندی اور حملہ پر اکتفا نہیں کیا یہاں تک کہ انہوں نے تیسرے مصرع کو ہی بدل ڈالا اور یوں کہنے لگے الواثبین علی القیاس تمردا۔ "کہ وہ دونوں سرکشی کرتے ہوئے قیاس پر اچھلنے والے ہیں۔" اور میں باطل کے مقابل باطل کو پیش نہیں

کرتا۔ پس ان شعروں کے مقابلہ میں جو اشعار کہے گئے ہیں میں ان کو ذکر نہیں کرتا۔ کیونکہ ان میں مذمت امام مالکؒ کو جا پہنچتی ہے۔ پس میں اس کا بیان ہی کافی سمجھتا ہوں جو قاسم بن قطلوبغاؒ الحافظ نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا ہے۔ اور وہ یہ اشعار ہیں۔

کذب الذی نسب الاثم للذی
قاس المسائل بالکتاب وبالاثر
ان الکتاب وسنة المختار قد
دلا علیه فدع مقالة من فشر

"وہ آدمی جھوٹ کہتا ہے جو گناہ کی نسبت ان لوگوں کی طرف کرتا ہے جو کتاب وسنت کے مطابق مسائل قیاس کرتے ہیں۔ بے شک مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور کتاب اللہ دونوں اس پر دلالت کرتی ہیں پس تو اس کو چھوڑ دے جو بیہودہ بکتا ہے۔"

اور کتاب وسنت سے قیاس کرنے کی دلیلیں اور صحابہ اور تابعین کے اقوال اپنے مقام میں اور بالخصوص امام ابوبکر الرازیؒ کے اصول میں تفصیل سے موجود ہیں۔ اور خطیبؒ بھی اس سے ناواقف نہیں ہے بلکہ اس نے اس کا ذکر اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ میں کیا ہے۔ اور وہ ساری بحث عمدہ ہے جو باسند ہے لیکن خطیبؒ پر خواہش نفسانی غالب آگئی جس نے اس کو ابن المعزال کی زبانی ان دو جلیل القدر اماموں کے خلاف پاک برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کی طرح اور ان کی توہین اور مذمت پر اکسایا۔ جیسا کہ خطیبؒ سے متاخر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ خطیبؒ کی زبانی بڑے بڑے علماء کی گستاخی کرتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب تاریخ بغداد میں لکھ دی ہے۔ تو خطیبؒ نے اپنے آپ کو ائمہ کے مقابل لا کھڑا کیا اور امت کے چراغ تو ایسے مقام پر ہیں کہ قیامت کے دن کوئی اس کے خلاف حالت پر رشک نہیں کرے گا (بلکہ ان کے مقام پر رشک کرے گا) اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے دلوں میں بات ڈال دے کہ وہ ان مذمت کرنے والوں سے درگزر کا معاملہ کریں۔ خوشخبری اس شخص کے لیے ہے جس نے اپنی وفات کے وقت اپنی خطاؤں کے صحیفوں کو لپیٹ دیا۔ (یعنی مرنے سے پہلے پہلے گناہوں کی معافی مانگ لی۔)

اعتراض ۶۴ : (کہ ابوحنیفہؒ سے نشہ آور چیزوں میں سے کسی کے بارہ میں پوچھا گیا تو اس نے کہا حلال ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خطیبؒ نے جو السکر کا لفظ ذکر کیا ہے وہ

سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ سین کے ضمہ کے ساتھ نہیں ہے جس کا معنی ہے نشہ آور چیز اس لیے کہ وہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور خمر کے علاوہ باقی اشربہ جبکہ نشہ کی حد تک نہ ہوں تو ان میں حرمت اجتہادی ہے اور امام صاحب کا اس بارہ میں اجتہاد یہ ہے کہ وہ حرام نہیں ہیں جیساکہ ان کے دلائل کتابوں میں موجود ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۲ میں عبد اللہ بن یحییٰ السکری۔ الحسن بن ابی بکر۔ محمد بن عمر النرسی۔ محمد بن عبد اللہ بن ابراہیم الشافعی۔ محمد بن علی ابو جعفر۔ ابو سلمہ۔ ابو عوانہ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو عوانہ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے بعض پینے کی چیزوں سے متعلق پوچھا گیا' کہتے ہیں کہ جس چیز کے بارہ میں پوچھا جاتا تو وہ کہتے حلال ہے۔ یہاں تک کہ سکر یا السکر کے بارہ میں پوچھا گیا ان دونوں کے بارہ میں ابو جعفر کو شک ہے کہ کونسا لفظ تھا۔ تو اس نے اس کے متعلق بھی کہا کہ حلال ہے۔ ابو عوانہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ ایک عالم کی غلطی ہے اس سے اس چیز کو نہ لو۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ الشافعی تعصب میں حقیقت سے بہت دور جا پڑنے والا آدمی تھا۔ اور محمد بن علی ابو جعفر جو ہے وہ حمدان الوراق حنبلی ہے جو امام احمد کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہے۔ اور ابو سلمہ جو ہے وہ موسیٰ بن اسماعیل التبوذکی ہے جو حماد بن سلمہ سے پریشان کن روایات کا راوی ہے۔ اور ابو عوانہ جو ہے وہ الوضاح بن عبد اللہ الواسطی ہے۔

اور اس کے قول سئل عن الاشربۃ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سوال خمر (انگوری شراب) کے علاوہ اور چیزوں کے بارہ میں تھا جن میں علماء کا اختلاف ہے جبکہ وہ نشہ کی حد تک نہ ہوں۔ اور حنفی مذہب میں فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے (کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے خواہ اس سے نشہ ہو یا نہ ہو) مگر بے شک انگوری شراب کے علاوہ باقی اشیاء کی حرمت اجتہادی ہے۔ اور اشربہ کے بارہ میں ابو حنیفہؒ کے دلائل تفصیلی کتابوں میں مدون ہیں۔ پس ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ہے اور اس بات کا کوئی احتمال ہی نہیں کہ السکر کو یہاں سین کے ضمہ سے لیا جائے۔ (جس کا معنی نشہ آور چیز ہے) اگرچہ خطیبؒ نے شک کے صیغہ کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے اس لیے کہ بے شک وہ تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک حرام ہے جیساکہ یہ بات ان کے اپنے مذہب کی کتابوں میں بھی اور ان کے خلاف لکھی جانے والی

کتابوں میں بھی ان سے تواتر سے ثابت ہے تو یہ شک کے صیغہ سے لانا صرف وہم پیدا کرنے کے لیے ہے کہ بے شک وہ اس کو حلال سمجھتے تھے۔ حاشا وکلا۔ اور بہرحال السکر سین اور کاف دونوں کے فتحہ کے ساتھ تو وہ کھجوروں کے کچے پانی کو کہتے ہیں اور وہ بالاتفاق حلال ہے جبکہ وہ سخت نہ ہوا ہو اور نہ اس میں جھاگ آئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَتَّخِذُونَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا کہ "تم ان کھجوروں اور انگوروں سے سکر اور اچھا رزق بناتے ہو۔" (پارہ ۱۴ رکوع ۱۵)

اعتراض ۶۵ : (کہ ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اگر مرنے والے کے اہل مردہ کو دفن کرنے کے بعد اس کے کفن کے محتاج ہوں تو وہ قبر اکھاڑ کر اس کو نکال سکتے ہیں اور اس کو بیچ سکتے ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس بارہ میں امام صاحب کا نظریہ ان کی کتابوں میں جو مذکور ہے یہ روایت اس کے خلاف ہے اس لیے اس کے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۴ میں محمد بن محمد بن حسنویہ النرسی۔ موسیٰ بن عیسیٰ السراج۔ محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی۔ اسحاق بن یعقوب المروزی۔ اسحاق بن راھویہ۔ احمد بن النضر۔ ابوحمزة السکری کی سند نقل کر کے کہا کہ ابوحمزہ نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی مر جائے اور اس کو دفن کر دیا جائے پھر اس کے گھر والے کفن کی طرف محتاج ہوں تو اس کی قبر اکھاڑ کر کفن نکال کر اس کا بیچنا ان کے لیے جائز ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں محمد بن محمد بن سلیمان الباغندی ہے اور بے شک باپ بیٹا دونوں ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے تھے۔ اور جرح و تعدیل والوں میں سے بہت سے حضرات نے ان دونوں تکذیبوں میں ان کی تصدیق کی ہے (کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو جھوٹا کہنے میں سچے تھے یعنی دونوں جھوٹے تھے) اور ابو حمزہ السکری اختلاط کا شکار تھا۔ اور صحاح ستہ والوں نے جو اس کی روایات لی ہیں تو وہ اس کے اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہونے سے پہلے کی ہیں۔ اور اس روایت کا متن اس (امام ابو حنیفہؒ) کے اس مذہب کے خلاف ہے جو اس سے نقل در نقل چلا آرہا ہے۔ تو اس کھلم کھلے جھوٹ کے رد میں کوئی لمبی چوڑی کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی من گھڑت افسانے بنانے والوں' بہتان تراشوں سے حساب لینے والا ہے۔

اعتراض ۴۹: (کہ امام ابوحنیفہؒ مسائل بتانے میں دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا کہ میں آپ سے ایک لاکھ مسائل پوچھنے آیا ہوں تو کہنے لگے پیش کرو وہ کونسے ہیں اور یہ کس قدر دیدہ دلیری ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ امام صاحب کی وسعت علمی اور لوگوں کے ان پر اعتماد کی دلیل ہے کہ دور دراز سے ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ یہ ان کے حق میں طعن نہیں بلکہ مدح ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۲ میں محمد بن عیسیٰ بن عبد العزیز البزاز۔ صالح بن احمد التمیمی الحافظ۔ القاسم بن ابی صالح۔ محمد بن ایوب۔ ابراہیم بن بشار کی سند نقل کر کے کہا کہ ابراہیم نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر اللہ کے سامنے دیدہ دلیری کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ اور البتہ تحقیق اس کے پاس اہل خراسان میں سے ایک آدمی آیا تو اس نے کہا اے ابوحنیفہؒ میں آپ کے پاس ایک لاکھ مسائل لایا ہوں' چاہتا ہوں کہ آپ سے دریافت کروں۔ تو وہ کہنے لگے کہ ان کو پیش کر۔ پس کیا تم نے اس سے زیادہ جرات کرنے والا کوئی سنا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس سند میں صالح بن احمد التمیمی ہے اور وہ ابن ابی مقاتل القیراطی ہے جو اصل میں ہرات کا تھا۔ خطیبؒ نے ابن حبان سے نقل کیا ہے کہ بے شک یہ حدیث چوری کرتا تھا۔ اور شاید دس ہزار احادیث سے زائد اس نے الٹ پلٹ کر دیں جو الابواب میں شیوخ سے اس نے نقل کی ہیں۔ تو اس سے کسی حال میں بھی دلیل پکڑنا درست نہیں ہے اور ابن عدی نے کہا کہ وہ احادیث چوری کرتا تھا۔ اور ایک جماعت کی احادیث کو دوسری جماعت کی احادیث سے ملا دیتا تھا۔ اور موقوف کو مرفوع اور مرسل کو متصل بنا دیتا تھا۔ اور دار قطنیؒ نے کہا کہ وہ کذاب اور دجال ہے۔ نہ سنی ہوئی روایات بھی بیان کر دیتا تھا۔ اور القاسم بن ابی صالح الحذاء کی فتنہ کے بعد کتابیں ضائع ہوگئی تھیں تو وہ لوگوں کی کتابوں سے پڑھتا تھا اور اس کی نظر بھی جاتی رہی تھی۔ جیسا کہ العراقی نے کہا ہے۔ اور اس کو ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے۔ اور محمد بن ایوب بن ہشام الرازی کو ابوحاتمؒ نے جھوٹا کہا۔ اور ابراہیم بن بشار الرمادی کے بارہ میں امام احمد کا قول پہلے گزر چکا ہے اس میں جو اس نے ابن عیینہؒ سے روایت کی ہے۔ اور جو قول ابن عیینہؒ کی طرف

منسوب کیا گیا ہے اس میں انقطاع ہے' ان لوگوں کا ذکر نہیں جنہوں نے سنا تھا۔ اور سند کو دیکھتے ہوئے ابن عیینہؒ بالکل اس کلام سے بری ہیں۔ کیونکہ وہ تو حج کے احکام بتانے کے علاوہ باقی مسائل میں فتویٰ دینے میں انتہائی اجتناب کرتے تھے حالانکہ وہ فتویٰ دینے کی پوری استعداد رکھتے تھے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی میں فتویٰ کی اتنی استعداد جمع کر رکھی ہو جتنی استعداد ابن عیینہؒ میں تھی پھر بھی وہ فتویٰ دینے سے سکوت کرتے تھے۔ جیسا کہ اس کو خطیبؒ نے الفقیہ والمتفقہ میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس بارہ میں ابن عیینہؒ کی اپنی رائے تھی (کہ وہ فتویٰ دینے سے اجتناب کرتے تھے) لیکن اگر ائمہ فتویٰ دینے سے انکار کے ہی طریقہ پر چل نکلتے تو دین ضائع ہو جاتا۔ اور وہ فقہ نہ لکھی جاتی جس کی نورانیت سے آج جہاں والوں کی آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں۔ اور علماء اس دین میں اس قدر فقاہت حاصل نہ کرتے جو زمانوں اور صدیوں کے گزرنے کے باوجود نقل در نقل چلی آرہی ہے۔ اور اگر ثابت ہو جائے کہ بے شک ابوحنیفہؒ نے ان مسائل کا جواب دیا تو یہ اس کے عیب کو نہیں بلکہ اس کے مرتبہ کو ثابت کرتا ہے اور ابوحنیفہؒ کا کثرت سے فتویٰ دینا جرات اور دیدہ دلیری نہیں تھا بلکہ یہ تو صرف افتاء میں ان کے یگانہ ہونے کی وجہ سے تھا اور لوگوں کو مسائل بتانا ان پر ایسے واجب تھا جیسے کسی ذمہ دار پر ذمہ داری نبھانا واجب ہوتا ہے۔ اور خطیبؒ نے خود الفقیہ والمتفقہ میں ابن سلمہ عن ابی یوسف تک سند کے ساتھ نقل کیا کہ ابویوسفؒ نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے علم کی کسی چیز کے بارہ میں کلام کی اور اس کی پیروی کی گئی اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اس سے نہیں پوچھیں گے کہ تو نے اللہ کے دین میں کس طرح فتویٰ دیا ہے تو اس پر اس کی جان اور دین آسان ہو جائے گا (یعنی اس نے اپنے نفس اور دین پر ملامت کا راستہ کھول دیا) اور اس نے اسی طرح اس سند کے ساتھ ابوحنیفہؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ بے شک انہوں نے کہا کہ اگر علم کے ضائع ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مواخذہ کا خوف نہ ہوتا تو میں کسی کو فتویٰ نہ دیتا۔ اس (فتویٰ طلب کرنے والے) کو بلا مشقت چیز مل جائے اور مجھ پر گناہ ہو۔

کیا پس اس جیسے آدمی کے بارہ میں تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس کو فتووں پر دیدہ دلیری کرنے والا شمار کیا جائے۔ اور میں نہیں جان سکا کہ خطیبؒ نے اس جیسی خبر اس جیسی مذکورہ سند کے ساتھ کیوں نقل کر دی اور شاید کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو ہی مٹا دیا تا کہ

اس کو ہر قدم میں اس کی رسوائی واضح کر کے اس کو اس چیز میں رسوا کرے جس کو وہ ناقلین کے ہاں محفوظ شمار کرنے کا دعوے دار ہے۔

یہ تو بحث اس میں سند کے لحاظ سے تھی۔ اور رہی بات متن کے لحاظ سے تو یہ حالات اس افسانہ کے جھوٹا ہونے کے گواہ ہیں اور اس کی تکذیب ایسی نمایاں ہے کہ مزید بحث کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے کہ بے شک اس افسانہ کا صرف تصور ہی دلالت کرتا ہے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے۔ ایک آدمی جس کو خراسان سے بھیجا جاتا ہے تا کہ وہ ابوحنیفہؒ سے ایک لاکھ مسائل عشاء اور چاشت کے درمیان پوچھے اور ابوحنیفہؒ ان کا بغیر توقف اور مہلت کے جواب دیں (یہ اتنی محدود مدت میں پیش کیسے ہو سکتا ہے؟) یہ خبر ظاہر کے لحاظ ہی سے ساقط ہے' اس کو پھیلانے کی امید پر صرف وہی آدمی گھڑ سکتا ہے جو لاکھ کی گنتی سے ہی ناواقف ہے کہ لاکھ ہوتا کتنا ہے؟ اور مسائل کی جو مقدار مذاہب کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے وہ زمانہ در زمانہ تفریعی مسائل شامل کر کے لکھی گئی ہے اور کتنی ہی جلدیں ایسی ہیں جن میں صرف مسائل کا ذکر ہے ان کے جوابات اور ان کے دلائل کا ذکر نہیں اور نہ ہی ان کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے۔ اور کیا اتنی تعداد مسائل کی ممکن ہو سکتی ہے کہ ایک ایسا آدمی جو بے علم ہے وہ ان کو بیان کرے اور وہ خراسان سے آیا ہو تا کہ ابوحنیفہؒ سے ان مسائل کو دریافت کرے اور ان کے جوابات لے کر خراسان واپس جائے جو اس نے ان سے سن کر حاصل کیے؟ اور اس خیال کا تصور معقول حد سے بہت دور نکل جاتا ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو عقلوں کو تقسیم کرنے والی ہے (جس نے ابو حنیفہؒ کے ان مخالفین کو عقل سے محروم رکھا)

اعتراض ۶۷: (کہ عروہ نے کہا کہ بنی اسرائیل درست نظریہ پر گامزن رہے یہاں تک کہ ان میں قیدیوں کی اولاد پیدا ہوئی اور انہوں نے رائے کو داخل کر کے ان کو برباد کر دیا۔ اور اس امت کے معاملہ کو برباد کرنے والے قیدیوں کی اولاد ابوحنیفہؒ اور ربیعہ وغیرہ ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان ائمہ کو قیدیوں کی اولاد میں شمار کرنا کھلم کھلا جھوٹ ہے۔ اور پھر موالی کو موالی کی حیثیت سے طعن دینے کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۳ میں اس (امام ابو حنیفہؒ) کی رائے کی مذمت اور اس سے بچنے سے متعلق بعض علماء کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ اور ابوالحسن علی بن احمد ابن ابراہیم البزاز۔ ابو علی الحسن بن محمد بن عثمان الفسوی۔ یعقوب

بن سفیان۔ محمد بن عوف۔ اسماعیل بن عیاش الحمصی۔ ہشام بن عروہ عن ابیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ عروہ نے کہا کہ بنی اسرائیل کا معاملہ ٹھیک ٹھاک تھا یہاں تک کہ ان میں قیدی جماعتوں کی اولاد پیدا ہوئی تو انہوں نے رائے کے مطابق دین کو اپنایا تو خود بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ اور دوسری سند ابونعیم الحافظ۔ محمد بن احمد بن الحسن الصواف۔ بشر بن موسیٰ۔ الحمیدی۔ سفیان۔ ہشام بن عروہ عن ابیہ نقل کر کے کہا کہ عروہ نے کہا کہ بنی اسرائیل کا معاملہ مسلسل اعتدال پر رہا یہاں تک کہ ان میں وہ لوگ پیدا ہوئے جو قیدی جماعتوں کی اولاد تھے تو انہوں نے اپنی رائے کے مطابق کہنا شروع کر دیا تو پھر وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

سفیان نے کہا اور مسلسل لوگوں کا معاملہ اعتدال میں تھا یہاں تک کہ ابوحنیفہؒ نے کوفہ میں اور البتی نے بصرہ میں اور ربیعہ نے مدینہ میں اس کو تبدیل کر دیا پس ہم نے غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہ قیدی جماعتوں کی اولاد میں سے تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس افسانہ کو گھڑنے والا چوتھے آدمی کو بھول گیا ہے اور وہ مکہ میں ابن عیینہؒ تھا۔ اس لیے کہ بے شک وہ ابن ہلال کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور خطیبؒ کا مذہب تو یہ ہے کہ صحابہ کا کلام حجت نہیں ہے چہ جائیکہ کلام تابعین یا تبع تابعین کا ہو۔ تو خطیبؒ کیسے یہاں دلیل کے زمرہ میں ہشام عن ابیہ کا کلام پیش کر رہا ہے۔ اور پختہ بات ہے کہ ہشام اس غصہ والی بات میں ارادہ ربیعہ اور اس کے ساتھی کا کر رہے ہیں اور اس کی وجہ امام مالکؒ کا وہ قول ہے جو انہوں نے اس بارہ میں اس کے عراق کی طرف کوچ کرنے کے بعد فرمایا تھا اور وہ قول وہ ہے جو الساجی نے احمد بن محمد البغدادی۔ ابراہیم بن المنذر۔ محمد بن فلیح کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن فلیح نے کہا کہ مجھے مالکؒ بن انس نے کہا کہ ہشام بن عروہ کذاب ہے۔ محمد بن فلیح کہتے ہیں کہ پھر میں نے یحییٰ بن معینؒ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ کی مراد یہ ہو کہ وہ لوگوں کے بارے میں کلام کرنے میں کذاب ہے۔ پس رہا حدیث کا معاملہ تو اس میں وہ ثقہ ہے۔ الخ۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ اس روایت کی حالت اسرائیلی روایات جیسی ہے جن کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا تو اس جیسی فتنہ انگیزی صرف جاہلیت کی طرف میلان کی وجہ سے ہوگی جس کی تردید اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ "بے شک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ پایا جاتا ہے۔" اور جس کی تردید حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے جس کو

نبی کریم ﷺ کی جانب سے آپ کی ساری امت پر ذمہ داری شمار کیا جاتا ہے (کہ اس کو دوسروں تک پہنچائیں اور اس میں ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں ہے الا بالدین والتقوی) اور امام شافعیؒ کا قول جو کتاب الام میں ہے وہ بھی اس کی تردید کرتا ہے' جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حالانکہ وہ مذہب میں خطیبؒ کے امام ہیں۔ پس جو شخص اس جیسی نسبت کرنے اور احمقانہ جاہلیت کی طرف میلان رکھ سکتا ہے تو وہ اپنے باپ کی شرمگاہ کو دانتوں سے پکڑتا ہے بغیر اس کے کہ اس کو کسی کنایہ سے تعبیر کیا جائے۔

کیونکہ سریانی۔ اسرائیلی۔ قحطانی اور اصفہانی میں کوئی فرق نہیں ہے جو بھی کتاب و سنت سے مدد لیے بغیر رائے اختیار کرے گا تو وہ گمراہ ہوگا۔ اور ابولہب کو اس کے نسب نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ اور نہ ہی سلمان فارسی کو اس کی جائے پیدائش نے کوئی نقصان دیا۔

امام حاکم نے المعرفہ ص ۱۹۵ میں ابوالحسن احمد بن محمد العنزی۔ عثمان بن سعید بن خالد الدارمی۔ ابراہیم بن ابی اللیث۔ الاشجعی۔ سفیان ثوری۔ ہشام بن سعد۔ المقبری۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند نقل کر کے کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے دور کا تکبر اور آباؤ اجداد کی وجہ سے فخر کرنا بھی ختم کر دیا ہے۔ لوگ سارے کے سارے آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ اور آدمی یا تو مومن پرہیزگار ہوگا یا فاجر بدبخت ہوگا۔ البتہ ضرور بضرور کچھ قومیں ایسی حالت کو پہنچیں گی کہ وہ ایسے لوگوں کی وجہ سے فخر کا اظہار کریں گی حالانکہ پختہ بات ہے کہ وہ جہنم کے کوئلوں میں سے کوئلے ہوں گے۔ یا یقیناً وہ اللہ کے ہاں گوبر کے اس کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے جو اپنے ناک کے ساتھ گندگی کو ہٹاتا ہے۔ الخ"

اور اسی وجہ سے بہت ہی بعید سمجھا جاتا ہے کہ ابن عیینہؒ ان ائمہ کے بارہ میں اس جیسی کلام کی ہو۔ ربیعہؒ تو مدینہ کے فقہاء کے شیخ تھے۔ اور عثمان البتیؒ بصرہ کے فقہاء کے شیخ تھے اور ابوحنیفہؒ کوفہ کے فقہاء کے شیخ تھے اگر اس وجہ سے ان پر طعن ہے کہ وہ عرب نہیں تھے تو ابن عیینہؒ خود بھی تو عرب میں سے نہیں تھے۔ وہ بھی ہلالی غلاموں میں سے تھے۔ اور جس آدمی نے ان ائمہ کو قیدی یا قیدیوں کی اولاد میں شمار کیا اس نے یقیناً جھوٹ بولا ہے۔

اور ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم ص ۱۴۷ ج ۲ میں موسیٰ بن ہارون کے واسطہ سے

الحمیدی سے روایت بیان کی ہے کہ ابن عیینہؒ نے کہا کہ ہمیشہ کوفہ والوں کا معاملہ اعتدال میں رہا یہاں تک کہ ان میں ابوحنیفہؒ پیدا ہوا۔ موسیٰ یعنی ابن ہارون بن اسحاق الہمدانی جو کہ الحمیدی کے ساتھی ہیں، انہوں نے کہا اور وہ (ابوحنیفہ) قید کر کے لائی جانے والی جماعت کی اولاد میں سے تھے۔ اس کی ماں سندیہ اور اس کا باپ نبطی تھا۔ اور جن لوگوں نے رائے کی بدعت ایجاد کی ہے وہ تین شخص ہیں۔ اور وہ سارے کے سارے قیدیوں کی اولاد میں سے ہیں اور وہ مدینہ میں ربیعہ۔ بصرہ میں عثمان البتی اور کوفہ میں ابوحنیفہؒ ہیں۔ الخ۔

تو اس سے معلوم ہو گیا کہ بے شک روایت میں تبدیلی کی گئی ہے اور اس میں اضافہ کیا گیا ہے اور تبدیلی اور اضافہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جو ابن عیینہؒ کے بعد ہیں اور وہ الحمیدی ہی ہو سکتا ہے۔ مگر بے شک راوی نے زیادتی پر آگاہ نہیں کیا تو خطیبؒ کی روایت میں اصل اور زیادتی کو ایک ہی طرح بیان کر دیا گیا۔ اور ابن عبد البرؒ کی روایت میں اس کی جگہ موسیٰ کو کر دیا گیا ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ قیدیوں کی اولاد میں سے تھے تو اس کی تردید اسماعیل بن حماد کی بات کرتی ہے جو اس نے کہی کہ اللہ کی قسم ہم پر کبھی بھی غلامی کا دور نہیں آیا۔ اور ابو عبد الرحمٰن المقری کی حدیث مشکل الاثار للطحاویؒ میں ہے کہ پختہ بات ہے کہ ابوحنیفہؒ کے متعلق جس ولاء کا ذکر آتا ہے اس سے مراد ولاء الموالاۃ ہے اس سے مراد نہ تو ولاء الاسلام ہے اور نہ ہی ولاء العتق۔ بلکہ ان کا دادا نعمان بن قیس بن المرزبان تو نہروان کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جھنڈا اٹھانے والے تھا۔ اور اسماعیل بن حماد تو وہ آدمی ہے جس کو محمد بن عبد اللہ الانصاری صحابہ کے بعد بصرہ کے تمام قاضیوں پر فضیلت دیتے تھے۔ اور مطبوعہ تینوں نسخوں میں راوی کا نام اسماعیل بن عباس لکھا ہے حالانکہ صحیح اسماعیل بن عیاش ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس کی روایت اہل نقد کے ہاں شامیوں کے علاوہ دوسروں سے مردود ہے۔ اور ہشام بن عروہ مدنی ہے اہل الشام میں سے نہیں ہے تو اس سے ابن عیاش کی روایت لازماً مردود ہو گی اور سند میں یعقوب بن سفیان ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے بارہ میں طعن کیا کرتا تھا۔ اور اس کا ایک راوی محمد بن عوف مجہول ہے اس لیے کہ بے شک وہ ابو جعفر الطائی الحمصی الحافظ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کی ولادت اسماعیل بن عیاش کی وفات کے بعد ہے۔ یہ بحث تو پہلی سند کے متعلق تھی۔

اور بہرحال دوسری سند تو اس میں الحمیدی ہے۔ اور وہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب

کے بارہ میں انتہائی تعصب کی وجہ سے ان لوگوں میں سے نہیں کہ ان کی تصدیق کی جا سکے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ اور ابو نعیم اپنے شدید تعصب کی وجہ سے سنی اور نہ سنی ہوئی روایات کو ایک ہی طرز پر بیان کر دیتا ہے۔ اور یہی دونوں خبر کو رد کرنے میں کافی ہیں۔ پھر ابن عیینہؒ فتویٰ دینے میں انتہائی محتاط ہونے کی وجہ سے ان ائمہ کے خلاف اس انداز کی زبان درازی کیسے کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں سے تھے جو ان ائمہ کے مرتبہ سے ناواقف تھے۔ اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں سے تھے جو جاہلیت کی ان دفن شدہ عادات کو پھیلاتے بعد اس کے کہ ان کو نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک قدموں کے نیچے روند ڈالا تھا۔ اور نہ ہی وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اس بات سے ناواقف ہوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد مسلمانوں کے شہروں میں علم کو اٹھانے والے اکثر آزاد کردہ غلام ہی تھے۔ پس حسن بصری۔ ابن سیرین۔ مجاہد۔ عطاء۔ مکحول۔ اوزاعی۔ یزید بن ابی حبیب۔ لیث بن سعد۔ طاؤس وغیرہم رحمہم اللہ بے شمار آزاد کردہ غلاموں میں سے تھے۔ یہاں تک کہ زہریؒ اور محمد بن اسحاقؒ کے نزدیک امام مالکؒ بھی ان میں سے تھے۔ اور یہاں تک کہ بعض اہل علم کے نزدیک امام شافعیؒ بھی ان میں سے تھے۔ پس خونی نسب کی وجہ سے اپنے آپ کو عزت والا سمجھنا علماء کی شان نہیں ہے۔ اور امام حاکم نے معرفت علوم الحدیث میں ابو علی الحافظ۔ ابو عبد الرحمٰن محمد بن عبد اللہ البیروتی۔ محمد بن احمد بن مطر بن العلاء۔ محمد بن یوسف بن بشیر القرشی۔ الولید بن محمد الموقری کی سند نقل کر کے کہا کہ ولید نے کہا کہ میں نے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کو کہتے ہوئے سنا کہ میں عبد الملک بن مروان کے پاس حاضر ہوا تو اس نے مجھے کہا اے زہری تو کہاں سے آیا ہے۔ تو میں نے کہا مکہ سے۔ وہ کہنے لگا تو پیچھے کس کو چھوڑ آیا ہے جو اس کے رہنے والوں کی سرداری کرے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ عطاء بن ابی رباح کو۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب سے ہے یا موالی سے تو میں نے کہا کہ وہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ہے۔ تو اس نے کہا کہ وہ ان کا سردار کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا دیانت اور روایت میں۔ تو وہ کہنے لگا کہ بے شک دیانت اور روایت والے ہی سردار ہو سکتے ہیں تو پھر اہل یمن کا سردار کون ہوگا۔ تو میں نے کہا طاؤس بن کیسان۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا کہ وہ موالی میں سے ہے۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ کس بات میں ان کا سردار ہے۔ میں نے کہا جس وجہ سے ان کا سردار عطاء ہے تو وہ کہنے لگا کہ بے شک وہ یقیناً ہو سکتا ہے۔ تو اہل مصر کا سردار کون ہے۔ تو میں نے

کہا کہ یزید بن ابی حبیب۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا وہ موالی میں سے ہے۔ اس نے کہا پھر اہل شام کا سردار کون ہے؟ تو میں نے کہا مکحول۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا کہ وہ موالی میں سے ہے۔ وہ ریگستانی علاقہ کا غلام تھا۔ اس کو ہذیل قبیلہ کی ایک عورت نے آزاد کیا تھا۔ اس نے کہا کہ اہل جزیرہ کا سردار کون ہے۔ تو میں نے کہا میمون بن مہران۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا موالی میں سے۔ اس نے کہا کہ خراسان کا سردار کون ہے؟ تو میں نے کہا الضحاک بن مزاحم تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا وہ موالی میں سے ہے۔ اس نے کہا کہ اہل بصرہ کا سردر کون ہے تو میں نے کہا الحسن بن ابی الحسن۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا وہ موالی میں سے ہے۔ اس نے کہا تیرے لیے ہلاکت ہو تو اہل کوفہ کا سردار کون ہے۔ تو میں نے کہا ابراہیم النخعی۔ تو وہ کہنے لگا کہ وہ عرب میں سے ہے یا موالی میں سے۔ تو میں نے کہا وہ عرب میں سے ہے۔ اس نے کہا اے زہری تیرے لیے ہلاکت ہو تو نے میری پریشانی دور کر دی۔ اللہ کی قسم البتہ ضرور بضرور عرب پر موالی سرداری کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیں گے اور عرب ان سے نیچے بیٹھے ہوں گے۔ زہری کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے امیر المومنین پختہ بات ہے کہ یہ اللہ کا اور اس کے دین کا معاملہ ہے۔ جو اس کی حفاظت کرے گا وہ سردار ہو گا۔ اور جو اس کو ضائع کرے گا تو وہ رتبہ سے گر جائے گا۔

اور ابو محمد الرامہرمزیؒ نے المحدث الفاصل میں بکر بن احمد بن الفرج الزہری۔ العباس بن الفرج الریاشی۔ عبد الملک بن قریب کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد الملک نے کہا کہ عبد الملک بن مروان مسجد حرام میں داخل ہوا تو وہاں علم اور ذکر کی مجالس دیکھیں تو ان پر تعجب کیا۔ پھر ایک مجلس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کس کی مجلس ہے تو اس کو بتایا گیا کہ یہ عطاء کی مجلس ہے اور دوسری مجلس دیکھ کر کہا کہ یہ کس کی مجلس ہے تو اس کو بتایا گیا کہ سعید بن جبیرؒ کی۔ اور ایک اور مجلس کو دیکھ کر کہا کہ یہ کس کی ہے؟ تو بتایا گیا کہ میمون بن مہران کی۔ ایک اور مجلس کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی ہے؟ تو بتایا گیا کہ مکحول کی۔ اور ایک اور مجلس کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی ہے؟ تو بتایا گیا کہ مجاہد کی۔ اور یہ سارے کے سارے فارسی النسل تھے۔ تو وہ اپنی منزل کی طرف لوٹا اور قریش کے قبائل

کی طرف پیغام بھیج کر ان کو جمع کیا پھر کہا اے قریش کے خاندان ہم جس حالت میں تھے تم یقیناً اس کو جانتے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ اور اس کے دین کی وجہ سے ہم پر احسان کیا۔ پس تم اس دین کو حقیر سمجھنے لگے یہاں تک کہ فارسی النسل تم پر غالب آگئے تو اس کو علی بن الحسین کے علاوہ کسی نے جواب نہ دیا۔ پس بے شک اس نے کہا ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ "یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔" پھر عبد الملک نے کہا کہ میں نے اس فارسی خاندان کی طرح کوئی نہیں دیکھا کہ وہ اول زمانہ ہی سے بادشاہی کرتے ہیں۔ پس وہ ہماری طرف محتاج نہیں ہیں اور ہم نے ان کو سردار بنایا تو ہم ان سے ایک لمحہ بھی احتیاجی سے خالی نہیں ہیں۔ الخ

اور اسی طرح رامہرمزیؒ نے موسیٰ بن زکریا۔ عمرو .. الحسین۔ ابن علاثہ۔ حمید الطویل کی سند نقل کر کے کہا کہ حمید نے کہا کہ بصرہ میں ایک دیہاتی آیا تو اس کا سامنا خالد بن مھران سے ہوا تو اس نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! مجھے اس شہر کے سردار کے بارہ میں بتا کہ وہ کون ہے؟ تو خالد نے اس کو جواب دیا کہ وہ الحسن بن ابی الحسن ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا وہ عربی ہے یا آزاد کردہ غلام ہے۔ تو اس نے کہا کہ آزاد کردہ غلام ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کس کا غلام تھا تو اس نے کہا انصار کا۔ اس نے پوچھا کہ کس وجہ سے وہ ان کا سردار بن گیا تو اس نے کہا کہ وہ اپنے دین میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ان کی دنیا سے بے نیاز ہے تو دیہاتی کہنے لگا کہ سرداری کے لیے یہی کافی ہے۔ الخ

اور ابن عبد ربہؒ نے العقد الفرید میں ذکر کیا ہے کہ بے شک عیسیٰ بن موسیٰ العباس نے محمد بن ابی لیلیٰ سے پوچھا کہ بصرہ کا فقیہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ الحسن بن ابی الحسن۔ اس نے پوچھا کہ پھر اس کے بعد کون ہے؟ تو اس نے کہا محمد بن سیرین۔ اس نے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں تو اس نے کہا کہ وہ دونوں موالی میں سے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ مکہ کا فقیہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ عطاء بن ابی رباحؒ اور مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ اور سلیمان بن یسارؒ ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو اس نے کہا کہ یہ موالی میں سے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ مدینہ کے فقہاء کون ہیں؟ تو اس نے کہا زید بن اسلمؒ اور محمد بن المنکدرؒ اور نافعؒ اور ابن ابی نجیحؒ۔ تو اس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں تو اس نے کہا کہ موالی میں سے ہیں۔ تو اس کی رنگت تبدیل ہو گئی پھر پوچھا کہ قبا والوں میں سب سے فقیہ کون ہے تو اس نے کہا کہ ربیعہ الرائی اور ابن ابی الزناد تو اس نے پوچھا کہ یہ دونوں کون تھے تو اس نے کہا کہ موالی

میں سے تھے۔ پھر اس کا چہرہ غصہ کی وجہ سے خاکستری ہوگیا۔ پھر کہا کہ یمن کا فقیہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ طاؤس اور اس کا بیٹا اور ابن منبہ۔ اس نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ محمد بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ موالی میں سے ہیں تو اس کی رگیں پھول گئیں اور اٹھ بیٹھا اور کہا کہ خراسان کا فقیہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ عطاء بن عبد اللہ الخراسانی۔ تو اس نے کہا کہ عطاءؒ کون ہے تو اس نے کہا کہ وہ آزاد کردہ غلام ہے۔ تو اس کا چہرہ مزید خاکستری ہوگیا پھر پوچھا کہ شام کا فقیہ کون ہے تو اس نے کہا کہ مکحول ہے تو اس نے کہا کہ مکحول کون ہے۔ تو اس نے کہا کہ موالی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ کوفہ کا فقیہ کون ہے تو اس نے کہا کہ اگر اس کا ڈر نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ الحکم بن عتیبہؒ اور حماد بن سلیمانؒ ہیں لیکن میں نے اس کی بری حالت دیکھی تو کہا کہ ابراہیم النخعی اور الشعبی ہیں۔ اس نے کہا کہ وہ دونوں کون ہیں تو میں نے کہا کہ وہ دونوں عربی ہیں۔ تو اس نے کہا اللہ اکبر۔ اور اس کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ الخ

اور ابن الصلاحؒ نے اپنے مقدمہ میں عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم سے ذکر کیا کہ عبادلہ کے بعد مدینہ کے علاوہ باقی تمام شہروں میں فقہ موالی میں منتقل ہوگئی (اور عبادلہ سے مراد عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن الزبیرؓ ہیں۔ اور احناف کے نزدیک عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ ہیں) پس بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو قرشی کے ساتھ خاص کیا تو وہ سعید بن المسیب ہیں۔ الخ۔ اور اس روایت میں ہے کہ بے شک النخعیؒ اور الشعبیؒ دونوں عرب ہیں۔ اور اہل مدینہ کے سات فقہاء میں سے سلیمان بن یسارؒ کے علاوہ سارے کے سارے عرب ہیں۔ اور محمد بن المنکدرؒ کو موالی میں شمار کرنا غلط ہے جیسا کہ بعض روایات میں نخعیؒ کو ان میں سے شمار کیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔ اور ابن المسیبؒ قریشی مخزومی تھے۔ اور سبعہ قراآت کے ائمہ ساتوں چاند سوائے ابن عامر اور ابن العلاء کے موالی میں سے تھے اور اس کی طرف امام شاطبیؒ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا

ابو عمرهم واليحصبى بن عامر　　　　صريح و باقيهم احاط به الولا

ان قراء سبعہ میں سے ابو عمر اور ابن عامر خالص عربی ہیں اور باقی کو غلامی نے گھیرا تھا۔ اور اگر ہم فقہ اور حدیث و تفسیر و عربیت اور دیگر علوم کے ائمہ میں سے جو موالی تھے

ان کے متعلق لکھنا شروع ہو جائیں تو کلام بہت لمبا ہو جائے گا۔ اور جو ہم نے ذکر کر دیا ہے یہی کافی ہے۔

اور خطیبؒ نے اس ضمن میں کچھ اور خبریں بھی نقل کی ہیں اور ان کی اسانید میں ابن رزق اور ابو عمرو بن السماک اور الحمیدی ہیں اور ان کے بارہ میں کلام پہلے ہو چکا ہے۔ پس ہم یہاں اس کا اعادہ نہیں کرتے اور بعض سندوں میں مجہول راوی ہیں ہم نے بے فائدہ طوالت سے بچنے کی خاطر ان کے ذکر سے پہلو تہی کی ہے۔ بعد اس کے کہ حق واضح ہو چکا اور باطل مٹ گیا۔

اعتراض ۶۸ : (کہ محمد بن سلمہ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ دجال من الدجاجلہ ہے اسی لیے اس کا مذہب مدینہ میں داخل نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے من گھڑت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کئی بار مدینہ منورہ میں داخل ہوئے جس کا اعتراف خود خطیبؒ کو بھی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۵ میں ابن الفضل۔ علی بن ابراہیم المستملی۔ محمد بن ابراہیم بن شعیب الغازی۔ محمد بن اسماعیل البخاری کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن اسماعیل نے کہا کہ ہمارا ایک ساتھی حمدویہ سے روایت کرتا تھا کہ اس نے کہا کہ میں نے محمد بن مسلمہ سے پوچھا کہ نعمان کا مذہب مدینہ کے سوا تمام شہروں میں داخل ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس مدینہ میں دجال اور طاعون داخل نہیں ہو سکتے۔ اور وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ اور دوسری سند محمد بن الحسین الازرق۔ محمد بن الحسن بن زیاد المقرئی۔ ابو رجاء المروزی۔ حمدویہ بن مخلد نقل کر کے کہا کہ حمودیہ نے کہا کہ محمد بن مسلمہ المدینی سے پوچھا گیا کہ ابو حنیفہؒ کے مذہب کو کیا ہے کہ تمام شہروں میں داخل ہو گیا ہے اور مدینہ میں داخل نہیں ہوا۔ تو اس نے کہا اس لیے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مدینہ کے راستوں میں سے ہر راستہ پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو دجال کو اس میں داخل ہونے سے روکتا ہے اور یہ (ابو حنیفہؒ کا مذہب) دجالوں کا کلام ہے پس اسی وجہ سے اس میں داخل نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ مطبوعہ تینوں نسخوں میں پہلی سند میں عبارت اس طرح ہے

انبانا ابن الفضل حدثنا علی بن ابراهیم بن شعیب حدثنا البخاری لیکن تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ایک ہی واسطہ کے ساتھ ابن الفضل کی سند بخاری تک پہنچ جائے اس لیے کہ ابن الفضل کی وفات ۴۱۵ھ اور بخاری کی وفات ۲۵۶ ہے تو سند سے کئی نام ساقط ہیں۔ اور درست وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ خطیبؒ کی تاریخ کی ص ۳۲۲ ج ۲ اور ص ۴۵۲ ج ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے تو عبارت اس طرح ہوگی انبانا ابن الفضل حدثنا علی بن ابراهیم المستملی حدثنا محمد بن ابراهیم بن شعیب الغازی حدثنا محمد بن اسماعیل البخاری اور امام بخاری کا کہنا کہ ہمارا ایک ساتھی روایت کرتا تھا تو یہ روایت مجہول سے ہے اور اگر وہ ساتھی بخاری کی شرط کے مطابق ہوتا جس سے وہ روایت کرتے ہیں تو اس کے نام کی صراحت ضرور کرتے۔ تو یہ انداز اس پر دلالت کرتا ہے کہ روایت ایسی ہے جس پر اعتماد نہیں۔ اور محمد بن مسلمہ متعصب مسکین ہے۔ جو کوئی بھی ہو۔ بے شک اس کا ثواب ضائع اور اس کا جواب کمزور ہو کر ساقط ہو جاتا ہے۔ پس اس کی کلام کی مخالفت ظاہر ہوجانے کے بعد کسی اور چیز کی طرف ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ یقینی طور پر اس نے اعتراف کیا ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں داخل ہوگیا تو وہ دجالوں میں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مدینہ منورہ کے شرف کو اور زیادہ کرے۔ اور بے شک ابوحنیفہؒ نے پچپن کے قریب حج کیے اور مدینہ منورہ میں بے شمار دفعہ داخل ہوئے اور امام مالکؒ ان سے مسجد نبوی میں فقہ کا مذاکرہ کرتے تھے۔ ابن ابی العوام نے احمد بن محمد بن سلامہ۔ جبرون بن سعید بن یزید۔ ایوب بن عبد الرحمٰن ابو ہشام۔ محمد بن رشید جو کہ ابن القاسم کا ساتھی اور سحنون سے عمر رسیدہ تھا۔ یوسف بن عمرو۔ عبد العزیز الدراوردی۔ یا ابن ابی سلمہ کی سند نقل کر کے کہا کہ دراوردی یا ابن ابی سلمہ نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ اور مالکؒ بن انس کو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد دیکھا کہ وہ دونوں تکرار کرتے اور پڑھتے پڑھاتے تھے یہاں تک کہ جب ان دونوں میں سے کوئی کسی بات میں شک کرتا جو اس کے صاحب نے کہی ہوتی تو دوسرا ناک چڑھائے اور غصہ کیے بغیر اور خطا کار قرار دیے بغیر دلیل پیش کرتا یہاں تک کہ وہ دونوں صبح کی نماز اپنی اسی جگہ میں ادا کرتے۔ اور اسی کے قریب قریب الصیمری کی عبارت ہے۔ اور امام مالکؒ نے بہت سے مسائل میں بلکہ اکثر مسائل میں اس کے ساتھ موافقت کی ہے۔ بلکہ ان کے پاس ابوحنیفہؒ سے حاصل کیے گئے مسائل میں سے ساٹھ ہزار مسائل تھے جیسا کہ الدراوردی نے ان سے روایت کی

ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام ص ۲۴۸ ج ۷ میں کہا اور بے شک میں نے الدراوردی سے پوچھا کہ کیا اہل مدینہ میں سے کوئی ہے جس نے یہ قول کیا ہو کہ ربع دینار سے کم مہر نہیں ہوتا تو اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں مالکؒ سے پہلے اس نظریہ کا کوئی آدمی نہیں جانتا اور الدراوردی نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ نظریہ امام مالکؒ نے ابو حنیفہؒ سے لیا ہے۔ الخ

اور ابو حنیفہؒ کے اصحاب اور اصحاب کے اصحاب زمانہ درزمانہ مدینہ میں داخل ہوتے رہے اور وہاں اپنی فقہ کی نشرو اشاعت کرتے رہے۔ اور تمام طبقات (علماء' قراء اور تاجر حضرات) میں حرمین کے اندر کتنے ہی اس کے اصحاب تھے اور مدینہ منورہ میں ابو حنیفہؒ کے اصحاب جن کا ذکر صرف ابن ابی العوامؒ کی کتاب میں ہے' ان کی تعداد کوئی کم نہیں ہے اور اسی طرح ہی معاملہ تمام طبقات میں رہا تو کیا اس جیسے آدمی کو اور اس جیسے ساتھیوں کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ دجال تھے اسی لیے وہ مدینہ میں داخل نہیں ہوئے۔ اور یہ تو چمکتے دن میں سورج کا انکار ہے۔ اور ہم آہستہ سے اس متعصب بیہودہ گو سے کان میں بات کر کے پوچھتے ہیں کہ اگر تو ابو حنیفہؒ کے کلام کو دجالوں کا کلام شمار کرتا ہے تو تیری رائے اپنے امام کے بارہ میں کیا ہے جس نے ابو حنیفہؒ کے کلام کو بہت سی جگہوں میں لیا ہے بلکہ اس کی فقہ کا تو تانا ہی ابو حنیفہؒ کی فقہ ہے۔ پس اگر تجھے اس سے انکار ہے تو تو یقیناً اختلافی کتابوں میں اس کی تفصیل پائے گا اور اس کثرت سے اس پر دلائل ہیں کہ ہر جانب سے تجھ پر سانس لینا دشوار ہو جائے گا۔ اور تجھے ذلیل ہو کر اس کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک اس متعصب نے خود جو قاعدہ وضع کیا ہے اس کے مطابق اس نے اعتراف کر لیا کہ بے شک ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب اور اس کے اصحاب کے اصحاب دجال نہیں ہیں اس لیے کہ بے شک وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوتے رہے ہیں اور نہ ہی ان کی فقہ دجالوں کا وسوسہ ہے۔ اس لیے کہ وہ قدیم زمانہ سے اس کو اپنا وطن بنائے ہوئے ہیں۔ اور اس گھٹیا کلام کو زبان پر لانا اور اس کو کتابوں میں لکھنا جبکہ اس کا گھٹیا ہونا ثابت ہے تو یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مخالف انتہائی گھٹیا آدمی ہے۔ اور بے شک قدریہ کے ایک گروہ نے مدینہ کو امام مالکؒ کے زمانہ میں اپنا وطن بنائے رکھا۔ ان میں سے ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی بھی ہے جس کے بارہ میں کتب جرح والوں نے ہر قسم کی مذمت کی ہے اور وہ امام مالکؒ کے متعلق ہر قسم کی برائی کہتا تھا۔ بے شک اس کا علم وہاں پھیلا اور اس سے امام

شافعیؒ نے علم حاصل کیا جیسا کہ انہوں نے امام مالکؒ سے حاصل کیا۔ اور اس کے باوجود صحیح نہیں کہ ان میں سے کسی کے بارہ میں کہا گیا ہو کہ بے شک وہ دجال ہے بلکہ دجال وہ ہے جو اس نادانی اور بے وقوفی کے ساتھ دین کے اماموں کے بارہ میں کلام کرتا ہے۔ اور دوسری سند میں جو محمد بن الحسن ہے وہ النقاش المفسر المقری ہے جو مشہور کذاب اور مشہور مجسم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ماننے والے گروہ میں سے ہے) اور ابو رجاء المروزی کی کلام منقطع ہے۔ اور اس نے مرو کی تاریخ میں منکر قسم کی عجیب باتیں درج کی ہیں۔

اعتراض ۷۹ : (کہ امام مالکؒ نے کہا کہ اہل اسلام پر ابوحنیفہؒ کی بہ نسبت زیادہ ضرر رساں کوئی بچہ اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ امام مالکؒ تو امام ابوحنیفہؒ سے علم کا مذاکرہ کرتے تھے اور ان کے حق میں تعریف کے کلمات کہتے تھے تو یہ روایت راویوں میں سے کسی کی کارستانی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۵ میں ابن الفضل۔ عبد اللہ بن جعفر بن درستویہ۔ یعقوب بن سفیان۔ الحسن بن الصباح۔ اسحاق بن ابراہیم الحنینی کی سند نقل کر کے کہا کہ اسحاق بن ابراہیم نے کہا کہ امام مالکؒ نے کہا کہ اسلام میں اہل اسلام پر ابوحنیفہؒ سے زیادہ نقصان دہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور وہ رائے پر عیب لگایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس حال میں کہ دین کا امر مکمل ہو چکا تھا۔ پس پختہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار ہی کی پیروی کی جائے۔ اور رائے کے پیچھے نہ چلا جائے۔ اور بے شک جب تو رائے کے پیچھے چلے گا تو کوئی اور آدمی آجائے گا جو تجھ سے زیادہ مضبوط ہوگا پھر تو اس کی پیروی کرے گا پس تیری حالت یہ ہوگی کہ جب کبھی کوئی آدمی آکر تجھ پر غالب ہوگا تو تو اس کی پیروی کرے گا اور یہ سمجھے گا کہ دین کا امر تام نہیں ہوا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ بن جعفر وہی ہے کہ جب اس کو کوئی چیز دی جاتی تو وہ نہ سنی ہوئی روایات بھی بیان کر دیتا تھا۔ اور الحسن بن الصباح نسائی کے ہاں قوی نہیں ہے اور اسحاق بن ابراہیم الحنینی کو ابن الجوزیؒ نے ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ وہ عجیب عجیب حدیثیں بیان کرنے والا ہے۔ اور بخاری نے کہا کہ اس کی حدیث میں نظر ہے اور یہ کلمہ امام بخاریؒ کے نزدیک بہت سخت جرح کا کلمہ ہے۔ اور حاکمؒ نے کہا کہ ابو احمد

کی نظر بند ہو گئی تھی اور اس کی حدیث میں اضطراب ہوتا تھا۔ اور ابوحاتمؒ نے کہا کہ اس کو احمد بن صالح پسند نہ کرتے تھے۔ اور نسائیؒ نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ آدمی جو اس سند کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ائمہ ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک ابن جریر نے تہذیب للآثار میں الحسن بن الصباح کی الحنینی سے یہ خبر ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ بے شک مالکؒ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اس حال میں کہ یہ معاملہ مکمل ہو چکا تھا۔ پس بے شک مناسب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی پیروی کی جائے اور آخر تک خبر بیان کی جیسا کہ ابن عبد البرؒ کی جامع بیان العلم ص ۱۴۴ ج ۲ میں ہے اور اس کی روایت میں ابوحنیفہؒ کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ پس ابن درستویہ الدراہمی ہی ہو سکتا ہے جس نے مرضی کے مطابق خبر کی ابتدا میں زیادتی کر دی ہے۔ اور مالکؒ تو رائے میں عظیم الشان پیالے والے تھے (یعنی انہوں نے فقہ کے جام خوب بھر بھر کر پیئے) اور ان کے ساتھی جو فقہ میں مشہور ہیں وہ اہل الرای میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اور ان کی آراء الموطا میں ظاہر ہیں جو نسخہ اللیثی کی روایت سے ہے۔ اور وہ احادیث جن کو خود انہوں نے صحیح سندوں سے الموطا میں روایت کیا اور ان کو رد کیا اور ان کے مطابق عمل نہ کیا وہ ستر سے زائد ہیں۔ اور بے شک یحییٰ بن سلام نے کہا کہ ابراہیم بن الاغلب کی مجلس میں میں نے عبد اللہ بن غانم سے سنا وہ لیث بن سعد سے بیان کر رہے تھے کہ بے شک اس نے کہا کہ میں نے مالکؒ بن انس کے ستر مسائل ایسے شمار کیے جو سارے کے سارے نبی کریم ﷺ کی سنت کے خلاف تھے اور ان میں مالکؒ نے اپنی رائے کے مطابق عمل کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اس بارہ میں اس کی طرف لکھا۔ جیسا کہ ابن عبد البرؒ کی جامع بیان العلم ص ۱۴۸ ج ۲ میں ہے۔ بلکہ ابن حزمؒ نے اس بارہ میں پوری ایک جز لکھی ہے۔ اور اسد بن الفرات کے سوالوں کے جوابات جو ابن القاسم نے دیے ہیں وہ تو رائے کا اعلان کرتے ہیں۔ بلکہ وہی امام مالکؒ کے مذہب کی بنیاد ہے۔ اور جو ابو العباس محمد بن اسحاق السراج الثقفی نے اس کے مسائل مدون کیے ہیں وہ ستر ہزار تک پہنچنے والے ہیں جیسا کہ امام ذہبیؒ کے طبقات الحفاظ ص ۲۴۹ ج ۲ میں ہے اور یہ چیزیں صراحت ہیں اس بات کی کہ وہ خود اہل الرائے میں سے تھے۔

اور امام مالکؒ کے وہ ساتھی جو اندلس میں تھے وہ سارے کے سارے رائے میں باقی تمام لوگوں سے زیادہ سخت تھے اور بقی بن مخلد جب اندلس میں مصنف بن ابی شیبہ لے کر

آیا تھا تو اس کے ساتھ جو انہوں نے سلوک کیا تھا وہ مشہور ہے۔ یہاں تک کہ الحافظ ابوالولید بن الفرضیؒ نے ابوالقاسم اصبغ بن خلیل القرطبیؒ سے روایت کی جس کا فتویٰ اندلس میں پچاس سال تک امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق چلتا رہا اور اس نے ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔ بے شک اس نے کہا کہ اگر میرے تابوت میں خنزیر کا سر رکھ دیا جائے تو وہ مجھے پسند ہوگا بہ نسبت اس کے کہ اس میں مسند ابن ابی شیبہ رکھی جائے۔ اور یہ تو رائے میں انتہائی غلو ہے۔

اور ابن قتیبہؒ نے المعارف میں امام مالکؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ اور اگر رای نہ ہوتی تو امام مالکؒ کو فقہ میں امامت ہی نہ ملتی۔ اور نہ ہی ان کی یہ شان ہوتی۔ اور اگر مالکؒ کے شیخ ربیعہؒ الرائے نہ ہوتے تو مالکؒ فقہ کا ذکر ہی نہ کرتے۔ اور بے شک رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو رائے پر اور پیش آنے والے غیر منصوص مسائل کو منصوص مسائل کی طرف لوٹا کر مثل کو مثل کے ساتھ ملا کر احکام کی تربیت دی۔ اور نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے جو مجتہد تھے وہ رائے کے مطابق قول کرتے تھے اور اسی طرح تابعین فقہاء کا طریق تھا۔ اور خطیبؒ جلدی ہی بھول گیا ہے اس کو جو اس نے الفقیہ والمتفقہ میں سندوں کے ساتھ رائے کے اثبات میں لکھا ہے۔ اور یقینی بات ہے کہ دین کا معاملہ مکمل ہوگیا تھا لیکن اس کا تام اور کامل ہونا پیش آنے والے مسائل میں رائے اور افتاء سے نہیں روکتا۔ بلکہ یہ تمام اور کمال کا حصہ ہی ہے کیونکہ پیش آنے والے غیر منصوص تمام مسائل کا کتاب وسنت میں ہونا محال ہے بلکہ پیش آنے والے مسائل تو جہان ختم ہونے تک پیش آتے رہیں گے اور ان کے حل کے لیے اہل استنباط اور رای کی جانب احتیاج ہوگی۔ اور رائے مطلقاً مذموم نہیں ہے بلکہ صرف وہ رائے مذموم ہے جو کتاب و سنت و دلالت لغت سے مدد لیے بغیر خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے ہو۔ اور جن ائمہ کی اتباع کی جاتی ہے ان میں یہ حالت کہاں پائی جاتی ہے؟ اور مالکؒ ہی تو ابوحنیفہؒ کے بارہ میں لیث بن سعد کو جواب دینے والے تھے جبکہ اس نے کہا تھا کہ میرا خیال ہے کہ آپ عراقی ہوگئے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ اے مصری میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ عراقی ہوگیا ہوں۔ بے شک وہ یقیناً فقیہ ہے۔ جیسا کہ اس کو قاضی عیاضؒ نے المدارک کی ابتداء میں روایت کیا ہے۔ اور وہی مالکؒ جن کے پاس صرف ابوحنیفہؒ سے حاصل کردہ ساٹھ ہزار کے قریب مسائل تھے جیسا کہ اس کو طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ عبد العزیز الدراوردی سے روایت کیا

ہے۔ اور اس کو مسعود بن شیبہ نے کتاب التعلیم میں نقل کیا ہے۔ اور وہ ابوحنیفہؒ کی کتابوں سے استفادہ کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر ابوالعباس بن ابی العوامؒ نے اپنی سند کے ساتھ اس میں کیا ہے جو اس نے اپنے دادا کی کتاب میں اضافہ کیا ہے اور وہ کتاب ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے فضائل میں ہے۔ اور کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے۔ اور جب کبھی امام ابوحنیفہؒ مدینہ میں آتے تو امام مالکؒ ان سے مسجد نبوی میں رات گئے تک علم کا مذاکرہ کیا کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر الموفقؒ الخوارزمیؒ وغیرہ نے کیا ہے۔ تو اس جیسا آدمی اس جیسی بات اس جیسے آدمی کے متعلق کیسے کہہ سکتا ہے؟ پس ایسی روایت سے اللہ کی پناہ ہے۔ اور بے شک الباجیؒ نے شرح الموطا میں اس جیسی فضول باتوں سے امام مالکؒ کو بالکل بری الذمہ قرار دیا ہے۔ اور وہ مالکؒ اور اس کے اقوال کو باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے۔ اور جو شخص یہ تصور کرتا ہے کہ امام مالکؒ نے فقیہ الملت جیسی شخصیت کے بارہ میں تو درکنار کسی عام شخص کے بارہ میں یہ کہا ہوگا کہ اسلام میں اہل اسلام پر اس سے زیادہ مضر کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تو یہ تصور یقیناً بے تکی بات کرنا اور بن دیکھے تیر مارنا ہے۔

اور خطیبؒ نے یہ خبر ایک اور سند سے نقل کی ہے جو ابن رزق۔ ابن سلم۔ الابار۔ ابوالازہر النیسابوری۔ حبیب کاتب مالک۔ مالکؒ کی سند سے ہے جس میں ہے کہ امام مالکؒ نے کہا کہ اس امت پر ابوحنیفہؒ کا فتنہ ابلیس کے فتنہ سے بھی دو لحاظ سے زیادہ مضر ہے۔ ایک ارجاء کے لحاظ سے اور دوسرا اس لحاظ سے جو اس نے سنتوں کو توڑنے کے لیے قوانین وضع کیے ہیں۔ اور یہ تعصب کے سلسلہ کے طریق کا ایک اور بہتان ہے اور اس کی سند میں ابن رزق۔ ابن سلم اور الابار ہیں اور ان پر حبیب بن رزیق کا اضافہ ہے جو کہ امام مالکؒ کا کاتب تھا۔ اس کے بارہ میں ابوداؤد کہتے تھے کہ یہ اکذب الناس ہے۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی ساری حدیثیں من گھڑت ہیں۔ اور امام احمدؒ نے کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات روایت کرتا تھا جیسا کہ میزان الاعتدال میں ہے۔ اور اس کا راوی ابوالازھر ہے اور اس کے آخر میں یاء نہیں ہے اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں یاء کا اضافہ کر کے ابوالازہری لکھا ہوا ہے تو یہ غلط ہے۔ اور بے شک پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ ابوحنیفہؒ کی طرف جس ارجاء کی نسبت کی جاتی ہے اور وہ جس معنی میں اس کا نظریہ رکھتے ہیں وہی خالص سنت ہے۔ اور اس کے خلاف یا تو خوارج کی طرف میلان ہوگا یا معتزلہ کی طرف۔ اور بہرحال سنتوں کو توڑنا تو یہ ائمہ متبوعین کی شان

نہیں ہے اگرچہ ان کے بارہ میں بعض ایسے لوگوں نے من گھڑت یہ بات منسوب کی ہے جن کا فہم تنگ ہے اور ان کی طبیعت جلد ہے اور ان کے ذہن مفہوموں کی باریکی سے دور ہیں۔ تو وہ ان کے بارہ میں بیشک ہر وہ چیز کہتے رہیں جو ان پر ان کا جہل املاء کروائے۔

اعتراض ۷۰ : (کہ عبد الرحمٰن بن مہدیؒ نے کہا کہ دجال کے فتنہ کے بعد سب سے بڑا فتنہ ابو حنیفہؒ کی رائے ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کا مدار جھوٹے راویوں پر ہے جن کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۱ میں الازہری۔ ابوالفضل الشیبانی۔ عبد اللہ بن احمد الجصاص۔ اسماعیل بن بشر کی سند نقل کر کے کہا کہ اسماعیل نے کہا کہ میں نے عبد الرحمٰن بن مہدیؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں دجال کے فتنہ کے بعد اسلام میں کوئی فتنہ نہیں جانتا جو ابو حنیفہؒ کی رای کے فتنہ سے بڑا ہو۔

الجواب : اس میں راوی جو الازہری ہے وہ ابوالقاسم عبید اللہ بن احمد السوادی ہے اور اس کا شیخ ابوالمفضل محمد بن عبد اللہ الشیبانی ہے جس کی وفات ۳۸۷ھ میں ہوئی۔ لوگ ان سے احادیث لکھتے رہے پھر اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا تو انہوں نے اس کی حدیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جیسا کہ تاریخ الخطیبؒ ص ۴۶۷ ج ۵ میں ہے اور وہ وہاں کہتا ہے کہ حدثنی عنہ ابوالقاسم الازہری اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ خطیبؒ کمزور دین والا تھا اس لیے کہ ایک جگہ اپنی تاریخ میں ایک آدمی کو بدترین قسم کا جھوٹا قرار دیتا ہے اور پھر اس کے واسطہ سے اس شر انگیز قصہ کو ناقلین کے ہاں محفوظ کے زمرہ میں روایت کرتا ہے۔ خطیبؒ کی امانت اسی طرح کی ہے۔ اور ابوالمفضل الشیبانی کو جھوٹا قرار دینا تو اہل نقد کے ہاں اتفاقی مقام ہے۔ اور اسماعیل بن بشر قدری ہے اور وہ تقدیر ماننے والوں سے دشمنی رکھتا تھا تو جس سند میں اس جیسا آدمی ہو وہ روایت ثابت نہیں ہوتی اور ابوالمفضل جیسا آدمی اس قول کو ابن مہدی کی طرف منسوب کرتا ہے تو یہ اسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا جس طرح وہ قول ثابت نہیں ہو سکتا جو ابو نعیم نے الحلیہ میں رستۃ کی سند سے منسوب کیا ہے۔ اور رستۃ کے بارہ میں بحث آگے آ رہی ہے۔

اعتراض ۷۱ : (کہ سفیان نے کہا کہ اسلام میں سب سے بڑی شر ابو حنیفہؒ نے پھیلائی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سفیان سے صحیح روایات سے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف ثابت ہے اور

یہ روایت ان صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۶ میں ابن الفضل۔ ابن درستویہ۔ یعقوب۔ احمد بن یونس کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد نے کہا کہ میں نے نعیم کو کہتے ہوئے سنا کہ سفیان نے کہا کہ اسلام میں جس قدر شر ابوحنیفہؒ نے پھیلائی اتنی کسی اور نے نہیں پھیلائی سوائے اس آدمی کے جو سولی لٹکایا گیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ نعیم بن حماد کو بہت سے ثقہ متکلمین نے مجسمہ میں شمار کیا ہے اور اس کی الجہمیہ کے رد میں تیرہ کتابیں تھیں اور اس نے ان کی طرف العجلی کو دعوت دی تو اس نے ان سے اعراض کیا جیسا کہ اس کے بیٹے کے سوالات میں ہے۔ اور ہمیں کوئی شک نہیں کہ بے شک وہ حدیثیں گھڑنے والا طعن کرنے والا تھا جیسا کہ ابوالفتح الازدی اور ابو بشر الدولابی وغیرہ نے کہا ہے۔ اور نعیم نے اپنی منکر روایات کی وجہ سے اہل نقد کو جس قدر تھکایا ہے اور سند عالی کرنے کی خاطر بڑے بڑے حضرات اس سے روایت کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ اگر راوی کی شان گھٹیا نہ ہو تو تب بھی یہ (بڑے لوگوں کا سند عالی کرنے کے لیے اس سے روایت لینا) اس کی حالت کو بلند نہیں کرتا (تو جب راوی ہی مجروح ہو تو یہ چیز اس کو کیسے فائدہ دے سکتی ہے) اور جو شخص اس کا دفاع کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس کے سامنے بڑے بڑے صحراء ہوں گے۔

اور سند میں جو احمد بن یونس ہے وہ الیربوعی ہے۔ اور ابن درستویہ الدراھمی ہے بے شک اس کے بارہ میں بات پہلے گزر چکی ہے۔ اور سفیان بن عیینہؒ تو نیک آدمی تھا خدا کی پناہ کہ اس نے یہ بے تکی بات کی ہو اور ابوحنیفہؒ کے بارہ میں اس جیسی بات کہی ہو۔ اور اس کا اس کی تعریف کرنا اور اس کے بارہ میں اچھے کلمات کہنا دونوں باتیں مشہور ہیں۔ بلکہ خود خطیبؒ سے ص ۳۳۶ ۔ ص ۳۴۷ اور ص ۳۵۴ میں اس کی تعریف کے بارہ میں جو روایات گزر چکی ہیں وہ اس جیسی کمزور سند کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اس کے مطاعن کے زمرہ میں یہ روایت یہاں ذکر کرنے پر خواہش نے ہی اس کو ابھارا ہے۔ اور یہ بات اس سے کوئی عجیب نہیں ہے بعد اس کے کہ آپ اس کو دیکھیں گے کہ وہ ابوحنیفہؒ کے سب سے خاص ساتھیوں ابویوسف اور ابن المبارک اور وکیع جیسے حضرات کی زبانی مختلف خبریں نقل کرتا ہے اور سبط ابن الجوزیؒ کی الانتصار والترجیح میں ابو نعیم الاصبہانی تک سند کے ساتھ ہے کہ اس نے القاضی محمد بن عمر۔ ابراہیم بن محمد بن داؤد۔ اسحاق بن بہلول کی سند نقل کر کے

کہا کہ اسحاق نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میری آنکھوں نے ابو حنیفہؒ جیسا کوئی نہیں دیکھا حالانکہ بے شک سفیان نے شافعیؒ اور احمدؒ کو دیکھا تھا۔ الخ۔

میں کہتا ہوں بلکہ اس نے اوزاعیؒ ثوریؒ اور مالکؒ کو بھی دیکھا تھا جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

اور بے شک ابن ابی العوامؒ نے ابراہیم بن احمد بن سہل الترمذی۔ القاسم بن غسان۔ اسحاق بن ابی اسرائیل کی سند کر کے کہا کہ اسحاق نے کہا کہ ایک دن ایک جماعت نے ابو حنیفہؒ کا ذکر سفیان بن عیینہؒ کے سامنے کیا تو ان میں سے کسی نے اس کی توہین کی تو سفیان نے کہا کہ خبردار ابو حنیفہؒ لوگوں میں زیادہ نماز پڑھنے والے تھے اور ان میں امانت کے لحاظ سے اعظم اور مروت کے لحاظ سے سب سے اچھے تھے۔ اور ابن ابی العوام نے ہی محمد بن احمد بن حماد۔ محمد بن سعدان۔ سوید بن سعید۔ سفیان بن عیینہؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ سفیان نے کہا کہ مجھے سب سے پہلے حدیث کے لیے ابو حنیفہؒ نے بٹھلایا۔ میں کوفہ میں آیا تو ابو حنیفہؒ نے لوگوں سے کہا کہ بے شک یہ شخص عمرو بن دینار کی احادیث کو دیگر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جاننے والا ہے۔ تو لوگ میرے پاس جمع ہو گئے تو میں نے ان سے حدیثیں بیان کیں۔ پھر اس نے ابو حنیفہؒ کی تعریف پر مشتمل اور بھی خبریں اس (سفیان) سے سندوں کے ساتھ نقل کیں۔ اور ابن عبد البرؒ نے بھی الانتقاء ص ۱۲۸ میں ابو حنیفہؒ کی تعریف پر مشتمل خبریں ابن عیینہؒ سے نقل کی ہیں۔ لیکن (اس تمام کے باوجود خطیبؒ نے جو کیا) خواہشات اندھا اور بہرہ کر دیتی ہیں۔

اعتراض ۲۷ : (کہ شریک نے کہا کہ اگر ہر قبیلہ میں شرابی ہو تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس میں ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کوئی ہو۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو یہ الفاظ شریک سے ثابت ہی نہیں اور اگر ثابت ہو بھی جائیں تو اس میں مذمت خود شریک کی ہے نہ کہ ابو حنیفہؒ کی۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۹ میں ابوالفرج الطناجیری۔ علی بن عبد الرحمن البکائی۔ عبد اللہ بن زیدان۔ کثیر بن محمد الحیاط۔ اسحاق بن ابراہیم ابو صالح الاسدی کی سند نقل کر کے کہا کہ اسحاق بن ابراہیم نے کہا کہ میں نے شریک کو کہتے ہوئے سنا کہ اگر ہر قبیلہ میں شراب فروش ہو تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس میں ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کوئی ہو۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کے اس بارہ میں اور الفاظ بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس نے

کہا کہ اگر کوفہ کا ایک چوتھائی حصہ شراب فروش ہو جو شراب بیچے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ اس میں کوئی ایک ایسا آدمی ہو جو ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق نظریہ رکھتا ہے۔ اس کی سند میں ابن دوما اور اس کے شرکاء ہیں۔ اور پہلی سند میں کئی مجہول راوی ہیں۔ اور اگر ہم فرض کرلیں کہ بے شک شریک نے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس نے اس کلام کے ساتھ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے جو معمولی وزن سے بھی خارج ہے۔ اس لیے کہ معروف قول کے مطابق ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب لوگوں کو خمر کے علاوہ باقی اشربہ کے پینے سے بھی روکتے تھے اور شریک کا نظریہ اس کے خلاف تھا اور ان کا قول اشربہ کے بارہ میں صرف اس لیے تھا تا کہ بعض صحابہ کو فاسق قرار دینا لازم نہ آئے۔ جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی تشریح موجود ہے۔

تو شریک کو نبیذ کا گھونٹ بھرنے سے ابو حنیفہؒ کے اصحاب کا منع کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے تمنا ظاہر کی کہ ہر قبیلہ میں شراب فروش ہو تا کہ وہ جیسے چاہے نشہ کرے۔ نبیذ کے بارہ میں اس کے قول کی تفصیل ابو محمد الرامہرمزیؒ کی کتاب المحدث الفاصل میں دیکھیں اور انتقاد المغنی میں منقول ہے اور شریک ان لوگوں میں سے ہے جو زبان درازی میں مشہور ہیں اور ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس کے اقوال متردد ہیں۔ مدح بھی ثابت ہے اور مذمت بھی ہے۔ اور اہل نقد کا اس کے بارہ میں قول مشہور ہے۔ "اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔"

اعتراض ۳۷ : (کہ ایوبؒ السختیانی نے ابو حنیفہؒ کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تتر بتر ہو جاؤ تا کہ وہ اپنی بیماری ہمیں نہ لگا دے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو یہ روایت ثابت ہی نہیں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ الفاظ ایوب کی جانب سے اپنے مخاطبین کو مزاح اور چوٹ کرنے کے طور پر ہوں گے اور ایوب کی طبیعت میں مزاح پایا جاتا تھا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۷ میں سعید بن عامر۔ سلام بن ابی مطیع کی سند نقل کر کے کہا کہ سلام بن ابی مطیع نے کہا کہ ایوب مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے تو ان کو دیکھ کر ابو حنیفہؒ ان کی طرف آئے تو جب ایوب نے ان کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ اپنی بیماری ہمیں نہ لگا دے۔ اٹھو۔ اٹھو پس جدا جدا ہو جاؤ۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں سعید بن عامر ہے اور اس کی حدیث میں کچھ

غلطیاں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ نے کہا ہے۔ اور سلام بن ابی مطیع کے بارہ میں ابن حبانؒ نے کہا کہ جب یہ روایت میں اکیلا ہو تو اس کو دلیل بنانا جائز نہیں ہے۔ اور حاکم نے کہا کہ غفلت اور کمزور حافظہ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔ اور اس جیسا آدمی اس روایت کے معارضہ کی قوت نہیں رکھتا جو خطیبؒ نے ص ۳۴۱ میں پہلے بیان کی ہے اور نہ ہی یہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے جو ابن عبد البرؒ نے ص ۱۲۵ میں حماد بن زید تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حماد نے کہا کہ ایوب السختیانی نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ بے شک اہل کوفہ کے فقیہ ابو حنیفہؒ حج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پس جب تو اس سے ملے تو اس کو میری طرف سے سلام کہنا۔ اور یہ روایت اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ابن عبد البرؒ نے ص ۱۳۰ میں حماد بن زید سے نقل کی ہے اللہ کی قسم بے شک میں ابو حنیفہؒ سے اس لیے محبت رکھتا ہوں کہ ایوب کو ان سے محبت ہے۔ اور حماد بن زید نے ابو حنیفہؒ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ الخ۔

اور اگر سند میں ذرا سی بھی قوت ہوتی تو کچھ بات ہوتی۔ اور ایوبؒ ان لوگوں میں سے تھے جن کی طبیعت میں مزاح اور لطیفے ہوتے تھے۔ تو ہم کہیں گے کہ بے شک انہوں نے ان بعض لوگوں سے مزاح کیا ہو گا جو ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اپنی زبان کی حفاظت نہ کرتے تھے اور اس کے بارہ میں کہا کہ وہ خارش کی ایسی بیماری ہے جو متعدی ہوتی ہے اور دوسروں کو لگ جاتی ہے جیسا کہ خطیبؒ نے اس کے بعد شریک سے نقل کیا ہے۔ ایوبؒ کی مراد اس سے یہ تھی کہ وہ اپنی رائے کی طرف بکثرت لوگوں کو کھینچ لاتے تھے اور جو خبر خطیبؒ نے شریک کی طرف منسوب کی ہے اس کی سند میں ابن درستویہ ہے اور آپ اس کا حال جانتے ہی ہیں۔

اعتراض ۴۷ : (کہ امام اوزاعیؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے اسلام کے کڑے کا ایک ایک حلقہ توڑ ڈالا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح روایات سے امام اوزاعیؒ سے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف ثابت ہے۔ اس لیے یہ روایت من گھڑت ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو یہ جرح غیر مفسر ہے جس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۸ میں ابن رزق۔ البرقانی۔ محمد بن جعفر بن الہیثم الانباری۔ جعفر بن محمد بن شاکر۔ رجاء بن السندی۔ سلیمان بن الحسان الحلبی کی سند نقل کر کے کہا کہ سلیمان نے کہا کہ میں نے اوزاعیؒ سے بے شمار

دفعہ سنا وہ کہتے تھے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے اسلام کے کڑے کی طرف ارادہ کیا پھر اس کا ایک ایک حلقہ توڑ ڈالا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے اس کے ہم معنی ایک اور خبر بھی نقل کی ہے ابن رزق۔ ابن سلم۔ الابار۔ الحسن بن علی الحلوانی۔ ابو توبہ۔ سلمہ بن کلثوم کی سند سے کہ سلمہ بن کلثوم نے کہا کہ جب ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی تو اوزاعیؒ نے کہا اللہ کا شکر ہے بے شک یہ آدمی اسلام کا ایک ایک حلقہ توڑتا تھا۔ اس کا راوی محمد بن جعفر ہے اس میں کچھ خرابی تھی جیسا کہ خطیبؒ نے کہا ہے۔ اور جعفر بن شاکر نوے سال کی عمر کو پہنچا اور اس کی یادداشت میں گڑبڑ پیدا ہو گئی تھی۔ اور سلیمان بن الحسان کے بارہ میں ابو حاتم نے کہا کہ میں نے اس کے بارہ میں ابن ابی غالب سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ اور نہ ہی میں نے دیکھا ہے کہ بغداد والوں نے اس سے روایت کی ہو۔

اور دوسری سند میں تین ساتھی (ابن رزق۔ ابن سلم اور الابار) اور الحلوانی ہیں۔ اور اس کو امام احمدؒ اچھا نہ سمجھتے تھے جیسا کہ خطیبؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور سلمہ بن کلثوم کے بارہ میں دار قطنی نے کہا کہ یہ کثیر الوہم تھا۔ اور امام اوزاعیؒ کی شان بہت بلند ہے اس بات سے کہ وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی امام کے بارہ میں بے تکی بات کہیں اور ایسی جرح کریں جو مفسر نہیں ہے اور اس کی وضاحت بھی نہ کریں۔ یعنی اسلام کے کونسے کڑے کو ابو حنیفہؒ نے توڑا ہے۔ اور بے شک صحیح روایات میں تو اوزاعیؒ سے ابو حنیفہؒ کی تعریف کرنا ثابت ہے۔ جیسا کہ خطیبؒ نے اپنی سند کے ساتھ ص ۳۳۸ میں لکھا ہے۔ لیکن یہاں خطیبؒ کو خواہش نے رسوا کر دیا۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس کا اس کے قائل سے ثبوت ہے تو یہ صرف غلطی ہے جس کے قائل پر مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور کلام کی ایسی لغزش ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اور اس کے مثل ابن شہاب الزہریؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے اس میں جو اس نے احمد بن زہیر۔ احمد بن یونس۔ ابن ابی ذئب الازھری کی سند سے نقل کیا کہ زہری نے کہا کہ میں نے کوئی قوم نہیں دیکھی جو اہل مکہ سے بڑھ کر اسلام کے کڑے کو توڑنے والی ہو۔ اور ابن عبد البرؒ نے کہا کہ حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے میرا خیال ہے کہ اس نے یہ قول ان کے بارہ میں بیع صرف اور عورتوں کے متعہ کی وجہ سے کیا ہے۔ الخ۔ اور عجیب بات ہے کہ جب کسی موضوع میں کسی عالم سے جلد بازی میں کوئی کلام نکلتی ہے تو اس کے بعد بہت سے لوگ اس کلمہ کو عقلمندی کا کلمہ سمجھتے ہوئے اس کی لغزش والی

کلام کو بلا تکلف کرتے جاتے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ وہ اس کو نتھنوں کے بل آگ میں اوندھا ڈال دیتی ہے۔ جبکہ وہ کھلم کھلا بہتان ہو جیسا کہ یہاں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔

اعتراض ۷۵ : (کہ سفیان ثوریؒ نے جب ابو حنیفہؒ کی وفات کی خبر سنی تو کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں کو اس سے آرام پہنچایا۔ اس نے اسلام کا کڑا ایک ایک حلقہ کر کے توڑا اور اس سے بڑھ کر کوئی منحوس اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سفیان تو امام ابو حنیفہؒ کی تعریف کیا کرتے تھے اور یہ روایت ان پر بہتان ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۸ میں ابن الفضل۔ ابن درستویہ۔ یعقوب اور دوسری سند ابوسعید بن حسنویہ۔ عبد اللہ بن محمد بن عیسی الخشاب۔ احمد بن مهدی۔ نعیم بن حماد۔ ابراہیم بن محمد الفزاری نقل کر کے کہا کہ یعقوب کی سند میں ہے کہ ابراہیم نے کہا کہ ہم تھے اور ابن مہدی کی روایت میں ہے کہ میں تھا سفیان ثوریؒ کے پاس جبکہ اس کے پاس ابو حنیفہؒ کی موت کی خبر آئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں کو اس سے آرام پہنچایا۔ البتہ تحقیق اس نے اسلام کا کڑا ایک ایک حلقہ کر کے توڑ ڈالا۔ اہل اسلام پر اس سے زیادہ منحوس کوئی بچہ اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔ اور پھر دوسری روایت ابن حسنویہ۔ الخشاب۔ احمد بن مہدی۔ احمد بن ابراہیم۔ سلیمان بن عبد اللہ۔ جریر۔ ثعلبہ کی سند نقل کر کے بیان کی کہ ثعلبہ نے کہا کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اہل اسلام پر اس سے زیادہ منحوس کوئی بچہ اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اگر اس کی سند میں صرف نعیم بن حماد ہی ہوتا اور کوئی نہ ہوتا تو خبر کو رد کرنے کے لیے یہی کافی تھا۔ کیونکہ وہ ابو حنیفہؒ کے بارہ میں مطاعن گھڑنے والا تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور دوسری سند میں ثعلبہ بن سہیل القاضی ہے جو کہ ضعیف ہے اور جریر بن عبد الحمید مضطرب الحدیث ہے۔ اور وہ سلیمان بن حرب کے نزدیک سوائے بکریاں چرانے کے کسی اور کام کا نہیں۔ اور وہ کمزور حافظہ والا تھا۔ اور الاخرس والی موضوع روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ اور اس کے بارہ میں کلام طویل ہے۔ اور وہ اس لائق نہیں کہ اس کی خبر کو ان روایات کے زمرہ میں نقل کیا جائے جو ناقلین کے ہاں محفوظ

روایات ہیں سوائے خطیبؒ کے مذہب کے کہ وہ اس کو محفوظ روایات میں شمار کرتا ہے۔ اور سلیمان بن عبد اللہ جو ہے وہ ابو الولید الرقی ہے۔ ابن معینؒ نے کہا کہ وہ لیس بشئی ہے۔ اور ثوریؒ کا مرتبہ بہت بلند ہے اس سے کہ وہ اس جیسی بے تکی بات کریں۔ اگرچہ ان کے اور ابو حنیفہؒ کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی جو عموماً ہم عصر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ بلکہ ثوریؒ تو اختلافی مسائل میں ابو حنیفہؒ کی آراء کی باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ اتباع کرنے والے تھے جیسا کہ اختلاف مذاہب پر لکھی جانے والی کتب سے ظاہر ہے۔ یہاں تک کہ جب ابو یوسفؒ کو خبر پہنچی کہ ثوریؒ ابو حنیفہؒ کے بارہ میں کلام کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ تو مجھ سے زیادہ ابو حنیفہؒ کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور خطیبؒ کی اپنی عبارت میں ص ۳۴۱ کے حوالہ سے پہلے بیان ہو چکا کہ ثوریؒ کس قدر ابو حنیفہؒ کی تعظیم کرتے تھے۔ اور ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۲۷ میں بہت سی خبریں نقل کی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ ثوریؒ کے ہاں ابو حنیفہؒ کا مرتبہ کتنا بلند تھا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ بے شک ثوریؒ ان دونوں بے تکی باتوں سے بالکل بری الذمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کی زبان کاٹے جو اس پر بہتان باندھتا ہے۔

اعتراض ۷۶ : (کہ اوزاعیؒ نے کہا کہ اسلام میں اہل اسلام پر ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر زیادہ نقصان پہنچانے والا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۹ میں ابو نصر احمد بن ابراہیم المقدسی۔ عبد اللہ بن محمد بن جعفر جو صاحب الخان کے ساتھ مشہور تھے۔ محمد بن ابراہیم الدیبلی۔ علی بن زید۔ علی بن صدقہ۔ محمد بن کثیر کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن کثیر نے کہا کہ میں نے اوزاعیؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچانے والا اسلام میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں محمد بن کثیر المصیصی ہے جس کو امام احمد نے بہت ضعیف کہا ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ میرے نزدیک ثقہ نہیں ہے۔ اور علی بن صدقہ بہت زیادہ غریب روایات لانے والا ہے۔ اور علی بن زید الفرائضی کے بارہ میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ اور اللہ ہی جانتا ہے اس کے حال کو جس کے بارہ میں اس سے زیادہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ارمیہ میں صاحب الخان تھا (یعنی اس کا حال مکان علم سے بعید ہے لہذا وہ مجہول

الصفت ہے) تو ان وجوہات کی بنا پر اس روایت کا سقوط ظاہر ہو گیا۔

اعتراض ۷۷: (کہ اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر زیادہ منحوس اور محمد بن عبد اللہ شافعیؒ نے کہا کہ زیادہ شریر اسلام میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ بھی من گھڑت ہے اور سند اور متن اس کے من گھڑت ہونے کی وضاحت کر رہے ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۱۹ میں ابو العلاء محمد بن الحسن الوراق۔ احمد بن کامل القاضی اور دوسری سند محمد بن عمر النرسی۔ محمد بن عبد اللہ الشافعی۔ عبد الملک بن محمد بن عبد اللہ الواعظ۔ احمد بن الفضل بن خزیمہ۔ ابو اسماعیل الترمذی۔ ابو توبہ۔ الفزاری کی سند نقل کر کے کہا کہ الفزاری نے کہا کہ میں نے اوزاعیؒ اور سفیانؒ دونوں کو کہتے ہوئے سنا کہ اسلام میں زیادہ منحوس اور (محمد بن عبد اللہ) شافعیؒ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان دونوں نے کہا کہ اہل اسلام پر ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی شریر اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ میں شافعیؒ سے مراد محمد بن عبد اللہ ہے جو سند میں مذکور ہے۔ اور النرسی کا شیخ ہے۔ اور خطیبؒ پر واجب تھا کہ اس کا نام ذکر کرتا تاکہ وہم نہ رہتا کہ اس سے مراد امام شافعیؒ نہیں کیونکہ ان دونوں میں نام کے لحاظ سے مناسبت ہے۔ اور شاید خطیبؒ کا مقصد وہم ڈالنا ہی تھا۔ اور اس کی سند میں ابن کامل ہے جو ضبط میں کچھ نہ تھا۔ اس کے ساتھ وہ متساہل بھی تھا جیسا کہ پہلے کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ اور محمد بن عبد اللہ الشافعیؒ جو ہے وہ ابو بکر البزاز ہے اس سے مصنف نے ابو حنیفہؒ پر مطاعن والی روایات بکثرت بیان کی ہیں۔ اور یہ اس بات کو پسند کرتا تھا کہ اس کو الشافعیؒ کہہ کر پکارا جائے اور مذہب الشافعیؒ میں اس کا عمل مجہول قسم کے راویوں سے روایت لے کر فقیہ الملت پر طعن کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اسی طرح اس نے خود بھی اس کے مطاعن بیان کیے۔ اور اس کا اپنے آپ کو شافعی مذہب کی طرف منسوب کرنا اس لیے نہ تھا کہ اس مذہب کو پورا کرے (یعنی اس کی خدمت کرے) بلکہ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ابو حنیفہؒ کے مطاعن والی من گھڑت روایات کو بیان کرنے کا موقع مل جائے۔ تو ہم اس کی طرف توجہ کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ اہل نقد میں سے بہت سے حضرات لوگوں کا ایک

دوسرے کے بارہ میں کلام قبول نہیں کرتے جبکہ ان کا آپس میں مذہب کا اختلاف ہو۔ خواہ وہ اختلاف فروع میں ہو یا اصول میں۔ اور بالخصوص جبکہ اس سے تعصب ظاہر ہو۔ یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ متعصب کی شہادت ہی قبول نہ کی جائے گی جیسا کہ ان کی عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

اور بے شک ابن عبد البرؒ نے سعید بن المسیبؒ کے واسطہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ علم تمہیں جہاں سے بھی ملے حاصل کرو اور فقہاء کے آپس میں ایک دوسرے کے بارہ میں جو اقوال ہیں ان کو قبول نہ کرو۔ پس بے شک وہ ایک دوسرے پر غیرت کھاتے ہیں جیسے بکرے باڑہ میں غیرت کھاتے ہیں۔ اور خطیبؒ نے الکفایہ میں سند کے ساتھ شعبہ سے روایت کی ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ محدثین نے آپس میں ایک دوسرے پر جو غیرت کھائی ہے اس سے بچو پس ان کی غیرت بکروں کی غیرت سے بھی زیادہ سخت ہے۔ الخ۔ اور اس کا راوی احمد بن الفضل ثقہ نہیں ہے۔ اور محمد بن اسماعیل الترمذی کے بارہ میں ابو حاتمؒ نے کلام کیا ہے اور الفزاری کا حال تعصب میں وہ ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اور ہم نے پہلے بیان کر دیا کہ یہ دونوں (اوزاعیؒ اور سفیانؒ) امام اس قسم کی گھٹیا کلام سے بالکل بری الذمہ ہیں اور اس جیسی کلام سے صرف اس کا کہنے والا ہی مرتبہ میں گرتا ہے کیونکہ یہ کلام بے سوچے سمجھے کلام کرنے کو متضمن ہے۔

پس حدیث میں جن تین چیزوں (عورت' مکان اور گھوڑا) میں نحوست پائے جانے کا ذکر ہے کیا ان کے علاوہ بھی کسی چیز میں نحوست ہو سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض پائی جا سکتی ہے تو منحوس کو پہنچاننے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ معلوم ہو سکتا ہے تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے امام منحوسوں کے اعلیٰ درجہ میں ہیں؟ تو کیا وحی کے علاوہ اس کو جاننے کا کوئی اور طریقہ ہے؟ اور وحی تو بند ہو چکی ہے البتہ شیطانی وحی جاری ہے۔ اور بے شک ان افسانہ نویسوں نے بڑی بے باکی کے ساتھ اس جیسی نازیبا کلام قریب قریب الفاظ کے ساتھ بہت سے ائمہ بلکہ چوٹی کے ائمہ سے روایت کی ہیں حالانکہ وہ سارے کے سارے اس سے بری الذمہ ہیں۔ اور ان ائمہ تک پہنچنے والے راویوں کی سندیں ہی ان کے من گھڑت ہونے کا اعلان کرتی ہیں جیسا کہ آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں اور اسی طرح متن سے بھی ان کا من گھڑت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ان روایات کو گھڑنے والوں سے حساب لینے والا ہے۔

اور خطیبؒ اس جیسی ایک روایت حماد بن سلمہ سے کر کے بڑا خوش ہوا حالانکہ اس کی سند میں تین ساتھی (ابن رزق۔ ابن سلم اور الابار) اور ایوب بن محمد الضبی۔ اور یحییٰ بن السکن ہیں۔ اور اس یحییٰ کو صالح جزرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور خطیبؒ نے ابن عیینہ سے بھی اس جیسی روایت کی ہے اس کی سند میں بھی ابن رزق اور اس کے ساتھی ہیں اور ابوعمرو بن السماک یا ابونعیم الاصبہانی اور الحمیدی ہیں۔ اور الحمیدی کے بارہ میں محمد بن عبد الحکم نے کہا کہ یہ حدیث میں تو نہیں مگر جب لوگوں کے بارہ میں کلام کرے تو جھوٹا ہے۔

اور خطیبؒ نے ابن عون سے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے اس میں الحسن بن ابی بکر ہے جس کے بارہ میں خود خطیبؒ نے کہا ہے کہ وہ نبیذ پیتا تھا۔ اور موئل بن اسماعیل ہے اور وہ بخاری کے ہاں متروک ہے۔ اور (یہ روایت اس روایت کے ساتھ معارض ہے جو صحیح سند کے ساتھ ہے۔) بے شک ابو عبد اللہ الحسین بن علی الصیمری۔ احمد بن محمد الصیرفی۔ محمد بن احمد المسکی۔ علی بن محمد النخعی۔ محمد بن سعدان۔ ابوسلیمان الجوزجانی۔ خارجہ بن مصعب کی سند نقل کر کے بیان کیا کہ خارجہ نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن عون سے سنا جبکہ وہ ابوحنیفہؒ کا ذکر کر رہے تھے تو اس نے کہا کہ وہ رات بھر عبادت کرنے والے اور بکثرت عبادت میں مشغول رہنے والے تھے۔ خارجہ کہتے ہیں کہ اس کے ہم مجلس لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ بے شک وہ آج کوئی بات کہتا ہے اور پھر اگلے دن اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو ابن عون نے کہا کہ یہی تو پرہیز گاری کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ دیندار آدمی ہی اپنی بات سے دوسری بات کی طرف رجوع کرتا ہے اور اگر یہ بات نہ ہو تو اس کی خطائیں غالب آتی رہیں گی اور اس کو راہ راست سے ہٹاتی رہیں گی۔ پھر اگر یہ کلام ان ائمہ سے ثابت ہو جائے تو خطیبؒ پہلے زمانہ کے علماء اور امت کے پیشواؤں کے بارہ میں اس بات کی تشہیر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے سینوں کا غصہ آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دے کر اور لعنتیں بھیج کر ٹھنڈا کرتے تھے جس کا اکثر بازاری لوگ بھی انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ علماء کی شان تو یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں صرف دلیل کا جواب دلیل سے دیں۔

اور بے شک جو بحث ہوئی اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس عار سے بری الذمہ ہیں۔ پس ہائے اللہ کی شان کہ ان راویوں کا دین کتنا کمزور ہے یہاں تک کہ انہوں نے ان ردی عیب والے کلمات کی نسبت انتہائی کمزور سندوں کے ساتھ اوزاعی۔ مالک۔ ثوری۔ ابن عیینہ اور ابن عون رحمہم اللہ جیسے حضرات کی طرف کر دی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب

حضرات ابوحنیفہؒ کی اس کی شان کے لائق تعریف کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ابن عبد البرؒ کی کتاب اور خود خطیبؒ کی تاریخ اور ابن ابی العوام کی کتاب وغیرہا کتب کے حوالہ سے کئی جگہ ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ان حضرات کے تعریفی کلمات کا اشارہ کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اتنا ہی کافی ہے۔

اعتراض ۸۷: (کہ سلیمان بن حرب نے کہا کہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب اللہ کے راستہ سے روکتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب نہ تو جہاد سے روکتے تھے اور نہ ہی دین کی کسی اور بات سے روکتے تھے تو یہ کلمات کہنے والے کی مراد ہی غیرواضح ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ فرض کرلیا جائے کہ روایت ثابت ہے حالانکہ یہ روایت ثابت ہی نہیں ہے)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۰ میں ابن الفضل۔ ابن درستویہ۔ یعقوب۔ سلیمان بن حرب۔ حماد بن زید کی سند نقل کر کے کہا کہ حماد بن زید نے کہا کہ ابن عون نے کہا کہ مجھے خبردی گئی ہے کہ بے شک تم میں اللہ کے راستہ سے روکنے والے لوگ ہیں۔ سلیمان بن حرب نے کہا کہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب اللہ کے راستہ سے روکتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ میں ابن درستویہ الدارہمی کا ذکر کر کے اکتا گیا ہوں مگر خطیبؒ نہیں اکتایا۔ وہ اس کی سند سے جو چاہتا ہے نقل کرتا جاتا ہے۔ پس ہائے اللہ کی شان کہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کب اللہ کے راستہ سے روکتے تھے؟ کیا جب انہوں نے جہاد اور سیر کے احکام پر مشتمل کتابیں لکھیں تو کیا ان سے پہلے وہ احکام موجود نہ تھے؟ اگر قائل کی مراد سبیل اللہ سے وہ معنی ہے جو جلدی ذہن میں آنے والا شرعی معنی ہے تو وہ کب اس سے روکتے تھے؟ اگر اس کی مراد اس کے علاوہ ہے تو اس کی وضاحت چاہیے تا کہ اس کو جواب سے پاش پاش کیا جائے اور اس کو نیند سے بیدار کرے۔ اور منہ سے نکلی ہوئی ہربات کو اس حالت میں نہیں چھوڑتا مگر وہی آدمی جو خواہش کے پیچھے چلنے والا ہو۔ اور بے شک یحیی بن سعید القطانؒ نے شعبہؒ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ بے شک یہ حدیث تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ پس کیا تم باز آنے والے ہو۔ جیسا کہ جامع بیان العلم ص ۱۳۰ ج ۲ میں ہے۔ تو جب ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جو حدیث کو اللہ کے ذکر سے

روکنے والا شمار کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کہ ایسے لوگ ہوں جو فقہ کو اس طرح شمار کریں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۷۹: (کہ البتیؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے اپنا دین بچانے میں غلطی کی ہے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو یہ روایت ثابت ہی نہیں اور اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ یہ روایت ثابت ہے تو یہ یوسف بن خالد السمتی کے سخت رویہ کے خلاف ان کا رد عمل تھا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۳۹۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۰ میں الخلال۔ یوسف بن عمر القواس۔ محمد بن عبد اللہ المستعینی۔ علی بن حرب۔ ابان بن سفیان۔ حماد بن زید کی سند نقل کر کے کہا کہ حماد نے کہا کہ البتی کے سامنے ابو حنیفہؒ کا ذکر کیا گیا تو اس نے کہا کہ یہ ایسا آدمی ہے جس نے اپنے دین کی حفاظت میں غلطی کی ہے' اس کا حال کیسا ہوگا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ابان بن سفیان ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ ثقہ راویوں کے نام لے کر موضوع روایات کرتا تھا۔ اور دار قطنیؒ نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ اور پھر منقطع بھی ہے۔ (اس لیے کہ نہ تو حماد نے کہا ہے کہ میں نے البتی سے خود سنا ہے اور نہ یہ کہا کہ میں موجود تھا تو اس تک یہ روایت جس واسطہ سے پہنچی اس کا ذکر نہیں ہے۔) اور عثمان بن مسلم البتی بصرہ کے فقیہ ہیں جن کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور ان کے اور ابو حنیفہؒ کے درمیان خط و کتابت رہتی تھی۔ اور اس کی طرف ابو حنیفہؒ نے اپنا مشہور رسالہ بھیجا جو ارجاء کے مسئلہ میں تھا۔ اور یوسف بن خالد السمتی جب ابو حنیفہؒ سے فقہ حاصل کر کے بصرہ واپس لوٹے تو اس نے البتی اور اس کے اصحاب کو ان کے اقوال میں سخت انداز میں جواب دینے شروع کر دیے اور اپنے استاد کی نصیحت کو فراموش کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور عوام الناس کی نظروں سے اس کو مختلف ذریعوں سے گرانے کی کوشش کرنے لگے۔ جو اس کی مخالفت کا بدلہ تھا۔ اس نے فقہ کی جانب دعوت میں حکمت کو اختیار نہ کیا تھا۔

لیکن جب امام زفرؒ بصرہ میں آئے تو انہوں نے ان کے ساتھ مناظروں میں حکمت سے کام لیا یہاں تک کہ ان کی طرف ابو حنیفہؒ کی فقہ محبوب ہوگئی اور یہ زیادتی کی حالت دور ہوگئی۔ اور البتی کا مذہب آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اب وہ صرف ہمارے اصحاب کی اختلاف

مذاہب پر لکھی گئی کتابوں کے اندر ہی زندہ ہے جیسا کہ معروف ہے۔

اعتراض ۸۰: (کہ سوار بن عبد اللہ سے کہا گیا کہ ابوحنیفہؒ کی کلام اور اس کے فیصلوں کو دیکھ لیا کر تو اس نے کہا کہ میں ایسے آدمی کا کلام کیوں دیکھوں جس کو اپنے دین میں نرمی نہیں دی گئی۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۰ میں ابراہیم بن محمد بن سلیمان الاصبہانی۔ ابوبکر بن المقرئی۔ سلامت بن محمود القیسی۔ ابراھیم بن ابی سفیان۔ الفریابی کی سند نقل کر کے کہا کہ الفریابی نے کہا کہ میں نے سفیانؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ سوار سے کہا گیا۔ کاش آپ ابوحنیفہؒ کے کلام سے کچھ اور اس کے فیصلوں کو دیکھ لیا کریں تو اس نے کہا کہ میں ایسے آدمی کی کلام میں کیونکر غور کروں جو اپنے دین میں نرمی نہیں دیا گیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ سوار بن عبد اللہ القاضی العنبری البصری اہل کوفہ کے بارہ میں انتہائی متعصب اور زبان دراز تھا تو آپ اس کو چھوڑ دیں کیونکہ وہ ایسی باتیں بھی کہتا پھرتا تھا جن سے بعد میں توبہ کرتا تھا۔ جب اس کے سامنے درست بات واضح ہو جاتی تو اس کی طرف رجوع کر لیتا تھا۔

اعتراض ۸۱: (کہ مالکؒ بن انس سے کعب کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا جو اس نے حضرت عمر کے سامنے کہا تھا کہ عراق میں لاعلاج بیماری ہے تو اس نے کہا کہ اس سے مراد دین میں ہلاکت ہے اور ان میں سے ابوحنیفہؒ بھی ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند ہی اس کے من گھڑت ہونے کا ثبوت دے رہی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۳۹۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۰ میں ابراہیم بن مخلد المعدل۔ محمد بن احمد بن ابراہیم الحکیمی۔ القاسم بن المغیرہ۔ الجوھری۔ مطرف ابو معصب الاصم کی سند نقل کر کے کہا کہ مطرف نے کہا کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کعب نے جو کہا کہ عراق میں لاعلاج بیماری ہے تو اس قول کے بارہ میں مالک بن انسؒ سے پوچھا گیا (کہ اس سے کیا مراد ہے) تو اس نے کہا کہ اس سے مراد دین میں تباہی کرنے والے ہیں اور ان میں سے ابوحنیفہؒ بھی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے ایک اور خبر امام مالکؒ سے ابن رزق کے طریق سے

نقل کی ہے کہ ابو معمر نے ولید بن مسلم سے روایت کی ہے کہ مجھے مالکؒ نے کہا۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی ہے جو ابو حنیفہؒ کے نظریہ کے مطابق کلام کرتا ہو؟ تو میں نے کہا ہاں تو اس نے کہا کہ تمہارے شہر میں رہنا ہی مناسب نہیں ہے۔ پھر خطیبؒ نے الصواف۔ عبد اللہ بن احمد۔ ابو معمر۔ ولید بن مسلم کی سند سے اس جیسی ایک اور خبر نقل کی ہے۔ اور پہلی سند میں محمد بن احمد الحکیمی ہے۔ البرقانی نے کہا کہ اس کی احادیث میں منکر باتیں ہوتی تھیں۔ اور اس کا راوی ابو مصعب مطرف الاصم کے بارہ میں ابن عدی نے کہا کہ وہ ابن ابی ذئب اور مالکؒ سے منکر روایات کرتا تھا۔ اسی لیے ابو الولید الباجیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور دوسری سند میں ابن رزق اور ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم الہذلی الہروی ہے اور یہ ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے آزمائش کے دور میں حکومتی نظریہ قبول کر لیا تھا۔ اور کہا کفرنا و خرجنا کہ "ہم نے کفر اختیار کیا اور بچ نکلے۔" اور کہا جاتا ہے کہ ابن معین نے کہا کہ یہ الہذلی رقہ کی طرف چلا گیا تھا اور اس نے پانچ ہزار حدیثیں بیان کیں تو ان میں سے تین ہزار میں غلطیاں کیں۔ اور اس کا راوی ولید بن مسلم جو ہے اس کے بارہ میں ابن عدی نے کہا کہ یہ تدلیس فاحش کیا کرتا تھا۔ اور تیسری خبر میں عبد اللہ بن احمد ان دونوں (ابو معمر اور ولید بن مسلم) کے ساتھ ہے تو یہ سندیں ہی بہانگ دہل کہہ رہی ہیں کہ بے شک یہ خبر امام مالکؒ سے ثابت ہی نہیں ہے۔

اعتراض ۸۲ : (کہ امام مالکؒ نے کہا کہ اگر ابو حنیفہؒ اس ستون کو سونے کا کہے تو وہ اس کو ثابت کر کے دکھائے گا۔ ابو محمد نے کہا کہ اس سے مالکؒ کی مراد یہ ہے کہ ابو حنیفہؒ کے سامنے بے شک حق ظاہر ہو جائے تو وہ حق کی طرف نہیں لوٹتا بلکہ اپنی خطا کے باوجود دلیل سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مالکؒ کا یہ کلام امام ابو حنیفہؒ کی ذہانت اور اپنی بات کو دلیل سے ثابت کرنے کی مہارت ظاہر کرنے کے لیے تھی مگر بعد کے راوی ابو محمد نے اس کی غلط تفسیر کر دی جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۱ میں احمد بن العتیقی۔ الحسین بن جعفر السلماسی۔ الحسن بن علی الجوہری۔ علی بن العزیز البرذعی۔ ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی حدثنا ابی۔ ابن ابی سریج۔ الشافعیؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مالکؒ بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا جب کہ اس سے پوچھا

گیا کہ کیا آپ ابو حنیفہؒ کو جانتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا ہاں تمہارا اس شخص کے بارہ میں کیا خیال ہے کہ اگر وہ اس ستون کو سونے کا کہے اور اس کو ثابت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو اس کو سونے کا کر دکھائے گا اگرچہ وہ ستون لکڑی کا ہو یا پتھر کا۔ ابو محمد نے کہا کہ ان کی مراد یہ تھی کہ بے شک وہ غلطی پر ڈٹے رہتے تھے اور اس پر دلیلیں دیتے رہتے تھے اور صحیح بات ان کے سامنے ظاہر بھی ہو جاتی تو اس کی طرف نہ لوٹتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابن ابی حاتمؒ نے متن کے الفاظ تبدیل کرنے کے بعد از خود ہی اس کی تفسیر کی ہے اور پہلے خطیبؒ نے ہی ص ۳۳۸ میں نقل کیا ہے کہ بے شک مالکؒ نے کہا' ہاں۔ میں نے ایسے آدمی کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تیرے ساتھ اس ستون کے بارہ میں کلام کرے تو اپنی دلیل کے ساتھ وہ اس کو سونے کا کر دکھائے گا۔ الخ۔ اور ابن ابی سریج نے مالکؒ تک اپنی سند کے ساتھ جو الفاظ نقل کیے ہیں جس کو ابو محمد حیان نے ابوالعباس الجمال سے روایت کیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں کہ ہاں میں نے ایسے آدمی کو دیکھا ہے کہ اگر وہ اس ستون کو دیکھے حالانکہ وہ پتھر کا ہے تو وہ کہے کہ بے شک وہ سونے کا ہے تو وہ اپنی دلیل کے ساتھ اس کو ثابت کر دکھائے گا۔ اور اسی کے مثل ابو اسحاق الشیرازی کی طبقات الفقہاء میں ہے۔ اور ابن الجوزی نے المنتظم میں کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ کی ذہانت اور اس کی فقاہت کے بارہ میں لوگوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سفیان ثوریؒ اور ابن المبارک دونوں کہا کرتے تھے کہ ابو حنیفہؒ افقہ الناس ہیں۔ اور مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا' آپ نے ابو حنیفہؒ کو دیکھا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے ایسے آدمی کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تیرے ساتھ اس ستون کے متعلق کلام کرے کہ وہ سونے کا ہے تو وہ اپنی دلیل سے ثابت کر دکھائے گا۔ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ سارے لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ الخ۔ پس آپ دیکھیں گے کہ ابن الجوزی باوجودیکہ ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب سے کنارہ کش تھے وہ امام مالکؒ کے کلام کو ابو حنیفہؒ کی فقاہت اور ذہانت پر دلیل کے ضمن میں نقل کر رہے ہیں اور اسی طرح سبط ابن الجوزی کی کتاب الانتصار والترجیح میں ہے۔

اور ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۳۶ میں احمد بن محمد ابو عمر بن الجباب۔ احمد بن الفضل الدینوری۔ محمد بن جریر۔ احمد بن خالد الخلال۔ الشافعیؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک دن امام مالکؒ سے عثمان البتی کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کان رجلا مقاربا کہ "وہ درمیانہ درجہ کا آدمی تھا۔" اور ان سے ابن شبرمہ کے متعلق پوچھا

گیا تو فرمایا کہ وہ درمیانہ درجہ کا آدمی تھا۔ تو ان سے پوچھا گیا' پس ابو حنیفہؒ کیسے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ تمہارے ان ستونوں کے پاس آئے پھر وہ تمہیں قیاس سے قائل کرنے لگے کہ بے شک وہ ستون لکڑی کے ہیں (حالانکہ وہ لکڑی کے نہ ہوں) تو تم یقین کر لو گے کہ بے شک وہ لکڑی کے ہیں۔ الخ

اور یہ ساری خبریں اس بات پر دلالت کے لیے نقل کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ابو حنیفہؒ کو عمدہ رائے اور معانی کی تہہ تک پہنچنے اور علم میں وسعت کی قوت دے رکھی تھی۔ عداوت کی وجہ سے اس میں عیب پر دلالت کے لیے نہیں نقل کی گئی۔ اور جس طرح مالکؒ نے ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے اسی جیسی تعریف بعض حضرات نے امام شافعیؒ کی بھی مدح کرتے ہوئے کی ہے نہ کہ اس میں عیب بتانے کے لیے۔ لیکن روایت میں راوی ابن ابی حاتم المسکین جس کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ بائیں جانب والے کاتب نے اس کے خلاف کچھ نہیں لکھا۔ (یعنی وہ بہت زیادہ پرہیزگار تھا) پھر اس کو حرب بن اسماعیل السیرجانی نے اعتقاد میں برباد کر دیا یہاں تک کہ وہ اہل حق متکلمین کے خلاف کمربستہ ہوگیا اور کہنے لگا کہ بے شک یہ کہنا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں تو یہ بھی کفر ہے۔ اس طرح کہنے والا ملت سے نکل جاتا ہے اور کتاب الرد علی الجہمیہ میں وہ چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو اس کی عقل کی خرابی پر دلالت کرتی ہیں اور وہ بے پناہ دشمنی چھپاتا تھا ان لوگوں کے بارہ میں جو قرآن کریم کے الفاظ کو مخلوق کہتے تھے۔ پس عقلیں تقسیم کرنے والی ذات بڑی پاک ذات ہے۔

پس آپ دیکھیں گے کہ وہ اسی وجہ سے امت کے حفاظ کے شیخ بخاری کے بارہ میں بھی کلام کرنے سے نہ بچتا تھا۔ اس کو ابو زرعہ اور ابو حاتم نے ترک کر دیا تھا۔ پس جب اس کی یہ حالت حدیث کی روایت کرنے والوں کے بارہ میں ہے تو پھر اس کی رائے اہل فقہ اور روایت کے بارہ میں کیا ہوگی۔ اور اس نے خود اعتراف کیا کہ وہ علم کلام سے ناواقف ہے۔ جیسا کہ کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۹ میں ہے مگر اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ وہ علم اصول الدین کی تنگ جگہوں میں داخل ہوتا ہے۔ تفویض (کہ متشابہات کے ظاہر پر ایمان رکھنا اور مفہوم کو اللہ کی طرف سونپ دینا) اور تنزیہہ (جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے لیے لائق نہیں ان سے اس کو منزہ ماننا) کے نظریہ سے دور ہٹنے والا تھا تو اس کے قدم پھسل گئے۔ اس کی حالت یہ تھی کہ جو کام اس نے کیا ہوتا اس کے متعلق گمان کرتا کہ اس نے نہیں کیا۔ اور وہ روایت بالمعنی نقل کرتا تو اس کو بالکل ہی بدل دیتا۔ اور یہی وہ شخص ہے جس کے

بارہ میں بے تکی باتیں کہنے والے کہتے تھے کہ بے شک کاتب شمال وہ چیز پاتا ہی نہیں جو اس کے خلاف لکھے (یعنی انہوں نے اس کو اتنا پارسا مشہور کر رکھا تھا)

بے شک کتاب الجرح والتعدیل میں اس نے کہا کہ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے میری طرف ابو عبد الرحمٰن المقری سے جو روایت لکھ کر بھیجی اس میں لکھا کہ ابو عبد الرحمٰن المقری نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے ہمارے سامنے حدیثیں بیان کیں۔ پھر جب حدیث سے فارغ ہوئے تو کہا یہ سب جو کچھ تم نے سنا ہے وہ سب ہوا اور بے اصل ہیں۔ پھر کہا کہ ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے مجھے لکھ کر بھیجا کہ مجھے اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا کہ میں نے جریر کو کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن جابر الیمامی نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے مجھ سے حماد کی کتابیں چوری کیں۔ پھر کہا کہ ہمیں احمد بن منصور المروزی نے بتلایا کہ میں نے سلمہ بن سلمان سے سنا وہ کہتا تھا کہ عبد اللہ یعنی ابن المبارک نے کہا کہ بے شک میرے ساتھی ابوحنیفہؒ سے روایت کرنے کے بارہ میں مجھے ملامت کرتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ بے شک اس نے محمد بن جابر کی کتاب لی جس میں اس نے حماد بن ابی سلیمان سے مروی روایات لکھی ہوئی تھیں پھر وہ روایات حماد سے کرنے لگے حالانکہ انہوں نے وہ روایات اس سے نہیں سنی تھیں۔ اور ابن ابی حاتم باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں کہ بے شک الجوزجانی اہل کوفہ سے کنارہ کش تھے۔ یہاں تک کہ اہل نقد کی اس کے بارہ میں رائے پختہ ہوگئی کہ اہل کوفہ کے بارہ میں اس کی بات قابل قبول نہیں ہے۔ اور وہ ناصبی خبیث حریزی مذہب کا تھا۔ اس کی ایک لونڈی نے چوزہ لیا تا کہ اس کو ذبح کرائے تو اس نے اس کو ذبح کرنے والا کوئی نہ پایا تو یہ کہنے لگا سبحان اللہ ایک چوزے کو ذبح کرنے والا نہیں ملتا اور علیؓ ایک صبح میں بیس ہزار سے اوپر مسلمانوں کو ذبح کر دیتا تھا۔ الخ۔ (حضرت علیؓ کے بارہ میں اس کا ایسا نظریہ تھا' معاذ اللہ) پس اس جیسے خبیث آدمی کی بات کی تصدیق کیا ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کوئی متقی پرہیزگار کر سکتا ہے؟ پھر اس روایت میں محمد بن جابر الیمامی الاعمٰی ہے جس کے بارہ میں امام احمد نے کہا کہ اس سے صرف وہی آدمی حدیث بیان کرے گا جو اس سے بھی زیادہ شریر ہوگا اور ابن معینؒ اور نسائیؒ نے اس کو ضعیف کہا۔ پس ابن ابی حاتمؒ اس جیسے آدمی کی سند سے ابوحنیفہؒ کو (علم وعمل سے) خالی کر دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ان روایات میں پائی جانے والی باتوں سے بھی خالی کرنا چاہتا ہے جو اس نے اپنے ایسے شیخ سے بیان کی ہیں جس کا ساتھ اس کو عرصہ دراز تک حاصل رہا اور اس کی وجہ سے وہ روایات فقہ میں پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن

تعصب اسی طرح دن کو رات بناتا رہتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق تو راوی کے اپنے خط کا بھروسہ نہیں ہوتا جب تک وہ اس کا ذکر نہ کرے جس سے روایت کی گئی ہے تو محمد بن جابر الاعمی کی کتاب پر کیسے بھروسہ ہو سکتا ہے جس کے بارہ میں معلوم ہی نہیں کہ اس کی کتاب کس نے لکھی۔ اور اگر ہم اس چیز سے پردے ہٹانے شروع کریں جو ابن ابی حاتم نے ردی قسم کے اعتقاد چھپا رکھے تھے اور جن کو اہل حق کے مقابلہ میں اٹھائے پھرتا تھا تو کلام طویل ہو جائے گی۔ پس اسی اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں تا کہ معلوم کیا جا سکے کہ اس سے اس کے فن کی صرف وہی بات لی جا سکتی ہے جس میں اس کا تعصب بھڑکا ہوا نہ ہو۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ بے شک فلاں آدمی کا کاتب شمال اس کے خلاف کچھ نہیں لکھتا تو اس قول کی وجہ سے تو جرأت کے ساتھ غیوب پر جا پڑتا ہے (یعنی اس کو غیب کا علم ہے جس سے اس نے معلوم کیا کہ اس کا بائیں جانب کا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہیں لکھتا) نیز یہ تو تعریف میں مبالغہ کرتا ہے اور ان دونوں چیزوں کا ہر دیندار آدمی انکار کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۸۳: (کہ امام مالکؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کاد الدین ہے اور جو کاد الدین ہو اس کا دین نہیں ہوتا۔ نیز کہا کہ ابو حنیفہؒ الداء العضال ہے اور الداء العضال سے مراد دین میں ہلاکت ہے۔ نیز کہا کہ ابو حنیفہؒ سے زیادہ منحوس اسلام میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خود مالکیہ میں سے بہت سے حضرات نے تردید کی ہے کہ اس قسم کے الفاظ امام مالکؒ سے ثابت نہیں ہیں اور اگر بالفرض ثابت بھی ہوں تو یہ وقتی کیفیت کا نتیجہ ہوں گے جن کو بیان کرنے کی علماء اجازت نہیں دیتے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۲ میں ابن محمد المعدل۔ ابو علی بن الصواف۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل۔ منصور بن ابی مزاحم کی سند نقل کر کے کہا کہ منصور بن ابی مزاحم نے کہا کہ میں نے مالکؒ بن انس کو یہ کہتے ہوئے سنا جبکہ ابو حنیفہؒ کا ذکر ہو رہا تھا کہ وہ کاد الدین ہے کاد الدین ہے۔ اور پھر دوسری سند ابن رزق۔ ابو بکر الشافعی۔ جعفر بن محمد بن الحسن القاضی۔ منصور بن ابی مزاحم کو نقل کر کے کہا کہ منصور نے کہا کہ میں نے امام مالکؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ بے شک ابو حنیفہؒ کاد الدین ہے اور جو کاد الدین ہو اس کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ اور پھر تیسری سند جعفر۔ الحسن بن علی الحلوانی۔ مطرف نقل کر کے کہا کہ مطرف نے کہا کہ میں نے مالکؒ کو کہتے ہوئے سنا الداء العضال

سے مراد دین میں ہلاکت ہے اور ابوحنیفہؒ الداء العضال میں سے ہے۔ اور پھر چوتھی سند ابوالفرج الطناجیری۔ عمر بن احمد الواعظ۔ محمد بن زکریا العسکری۔ علی بن زید الفرائضی۔ الحسینی نقل کر کے کہا کہ الحسینی نے کہا کہ میں نے مالکؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ اسلام میں ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر کوئی منحوس بچہ پیدا نہیں ہوا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی سند میں عبد اللہ بن احمد ہے جو ان گپوں کا راوی ہے جو اس نے اس کتاب میں نقل کی ہیں جس کا نام اس نے السنہ رکھا ہے۔ جو شخص اس پر اطلاع پانا چاہتا ہو اس کو وہ کتاب دستیاب ہو سکتی ہے۔ اور جو شخص اس کے مندرجات کے مطابق اعتقاد رکھتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے تو ہم ابوحنیفہؒ کے بارہ میں اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ اور یقیناً اس کی وجہ سے وہ فتنہ میں پڑا ہوا ہوگا۔ اور اس کا راوی منصور بن ابی مزاحم الترکی جو بہادر تیز رفتار تھا۔ وہ اس (علمی) میدان کے آدمیوں میں سے نہیں ہے۔ اور دوسری سند میں ابن رزق اور ابوبکر الشافعیؒ ہیں اور تیسری سند میں ان دونوں کے بعد الحلوانی اور مطرف ہیں اور چوتھی سند میں علی بن زید الفرائضی اور الحسینی ہیں اور ان تمام کے بارہ میں پہلے کلام ہو چکا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس (ابوحنیفہ) کی طرف کاو الدین ہونے کی نسبت کی ہے تو میں نہیں جان سکا کہ انہوں نے یہ نسبت کیوں کی ہے؟ باوجودیکہ وہ نہ تو طہارت کے بارہ میں سستی برتنے والے تھے اور ان سے جتنی روایات بھی مروی ہیں ان میں سے کسی ایک روایت میں بھی وہ مسح علی الخفین سے بھی انکاری نہ تھے اور نہ ہی وہ جمعہ اور عیدین چھوڑنے والے تھے۔ اور نہ ہی کتوں کا گوشت حلال کہنے والے تھے۔

اور نہ ہی انتفار کو مباح کہنے والے تھے اور نہ ہی رائے کی وجہ سے سد ذرائع میں وسعت رکھنے والے تھے اور نہ ہی بینہ کے بغیر سزاؤں میں سے کسی کو سزا دینے کی جرات کرنے والے تھے۔ اور نہ ہی وہ ان روایات کو معطل کرنے والے تھے جو قیلولہ کی جگہ نہ ہو (یعنی جو روایات اپنے اپنے مقام پر فٹ ہوں ان کو معطل کرنے والے نہ تھے) اور نہ ہی مصلحت مرسلہ کا نظریہ رکھنے والے تھے بلکہ وہ وہیں ٹھہرتے جہاں کتاب و سنت و اجماع اور قیاس ٹھہرتے۔ پھر دلیل ظاہر ہو جاتی اور راستہ واضح ہو جاتا اور جو کلمات روایت کیے گئے ہیں ان کے بارہ میں قدیم ما لکیہ میں بڑے بڑے حضرات سے ان کلمات کے بارہ میں تین رائے پائی جاتی ہیں۔

پہلی رائے امام ابوجعفر احمد بن نصر الداودی کی ہے جو کہ الموطا پر الشافی لکھنے والے

ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو ذکر کیا گیا ہے اگر وہ غلطی سے محفوظ ہے اور امام مالکؒ سے ثابت ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں کوئی ایسی چیز ذکر کی گئی ہو جس کو وہ اچھا نہ سمجھتے ہوں تو اس وقت ان کے بارہ میں سینہ تنگ ہو گیا ہو تو انہوں نے یہ بات کہہ دی ہو۔ اور عالم آدمی پر کبھی تنگ دلی کی حالت آجاتی ہے۔ پھر وہ ایسی بات کہہ دیتا ہے جس سے غصہ دور ہو جانے کے بعد استغفار کرتا ہے۔ اور دوسری رائے ابن عبد البرؒ کا قول ہے جو کہ الانتقاء ص ۱۵۰ میں ہے اس کو امام مالکؒ سے حدیث بیان کرنے والے تقریباً تمام حضرات نے روایت کیا ہے اور بہرحال امام مالکؒ کے وہ اصحاب جو اہل الرائے ہیں تو وہ امام مالکؒ سے اس قسم کی باتیں روایت نہیں کرتے۔ الخ۔ تو فقہاء کے علاوہ اس کے راوی متفرد ہیں اور ان کے انفراد کی طرف نظر موڑنا کافی ہے۔ اور فقہاء تو مالکؒ کے راز دان تھے۔

تیسری رائے ابو الولید الباجی کا قول ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ الموطا کی شرح المنتقی میں اس جیسی روایات کا امام مالکؒ سے ثبوت کا ہی سختی سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فقہاء کے بارہ میں قطعاً کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے تو صرف بعض راویوں کے بارہ میں قاعدہ کے مطابق کلام کیا ہے۔ پھر اس نے ذکر کیا کہ امام مالکؒ ابن المبارک کی کس قدر تعظیم کیا کرتے تھے جو کہ ابو حنیفہؒ کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ جیسا کہ محمد بن الحسن نے امام مالکؒ سے جو الموطا روایت کیا ہے اس میں مذکور ہے۔ اور الباجی کو اس کی روایت سے الموطا ابو ذر الہروی کی سند سے پہنچا اس کے آخر تک جو اس نے وہاں ذکر کیا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ بے شک یہ اقوال بالفرض اگر ثابت بھی ہو جائیں تو ان کا قائل ہی مجرم ہے تو مجرم کی تقلید اس کے جرم میں کیونکر کی جا سکتی ہے؟ اور اگر یہ روایات من گھڑت ہیں تو ان روایات کی کمزوری بیان کیے بغیر ان کو روایت کرنے والا گناہ میں گھڑنے والے کے ساتھ شریک ہوگا اگرچہ ان کے گھڑنے میں شریک نہیں ہے۔

پس ایسے آدمی کے راستہ پر نہیں چلنا چاہیے جس کے پیشوا گناہ گار ہوں۔

اعتراض ۸۴: (کہ ابو عوانہ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ ایک مسئلہ بیان کرتے پھر کچھ عرصہ بعد اس سے رجوع کر لیتے تو میں نے کہا کہ جس دین سے دوسری طرف منتقل ہونا پڑے اس کی کوئی ضرورت نہیں تو میں نے اپنے کپڑے جھاڑ دیے پھر اس کی طرف نہ لوٹ کر گیا ہو۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو امام ابو حنیفہؒ کی انتہائی دیانت ہے کہ وہ اپنے نظریہ کے خلاف دلیل قائم ہو جانے کی وجہ سے اپنے نظریہ سے رجوع کر لیتے تھے جیسا کہ صحابہ کرام کا طریق

کار تھا تو یہ بات تعریف کو ظاہر کرتی ہے مگر خطیبؒ نے ناسمجھی سے اس کو مطاعن میں ذکر کر دیا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۱ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۳ میں القاضی ابو بکر احمد بن الحسن الحرشی الحیری۔ ابو محمد حاجب بن احمد الطوسی۔ عبد الرحیم بن منیب۔ عفان کی سند نقل کر کے کہا کہ عفان نے کہا کہ میں نے ابو عوانہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس آتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے اس کی کلام میں مہارت حاصل کر لی۔ پھر میں حج کو چلا گیا تو جب میں آیا اور اس کی مجلس میں گیا تو اس کے اصحاب مجھ سے وہ مسائل پوچھنے لگے جو میں جانتا تھا اور انہوں نے ان مسائل میں میری مخالفت کی تو میں نے کہا کہ میں نے تو یہ مسائل ابو حنیفہؒ سے اسی طرح سنے ہیں جس طرح میں نے بیان کیے ہیں تو جب وہ مجلس میں آئے تو میں نے ان مسائل کے بارہ میں ان سے پوچھا تو اس وقت انہوں نے ان مسائل سے رجوع کر لیا ہوا تھا۔ تو کہا کہ میں نے اس سے زیادہ اچھی مسئلہ کی صورت دیکھ لی تھی تو میں نے کہا کہ ہر ایسا دین جس سے دوسری طرف پھرا جائے تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو میں نے اپنے کپڑے جھاڑ دیے پھر اس کی طرف لوٹ کر نہ گیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں حاجب بن احمد الطوسی ہے جس کے بارہ میں حاکم نے کہا کہ اس نے کبھی حدیث نہیں سنی بلکہ اس کا چچا تھا اس نے حدیث سنی۔ پس ایک دفعہ البلاذری اس کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ کیا تو اپنے چچا کے ساتھ مجلس میں حاضر ہوتا تھا تو اس نے کہا' ہاں۔ پھر اس نے اپنے چچا کی کتابوں سے اس کے لیے حدیثیں منتخب کیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ بے شک وہ ایک سو آٹھ سال کی عمر کا تھا جیسا کہ ذہبیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور عبد الرحیم کی عفان سے نقل میں انقطاع ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک ابو عوانہ وہ نہیں ہے جو المسند والا ہے بلکہ یہ ابن عبد اللہ الواسطی الوضاح ہے یہ جرجان کے قیدیوں میں سے تھا۔ تو اگر فرض کر لیا جائے کہ اس کی ولادت ۱۲۲ھ ہے جیسا کہ مشہور ہے تو بھی اس کا حسن بصری کو اور ابن سیرین کو دیکھنا درجہ صحت کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی ابو حنیفہؒ کے پاس اس کا آنا جانا درجہ صحت کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ بے شک ابو عوانہ واسطی کافی عرصہ اپنے مولی یزید بن عطاء کی غلامی میں رہے اور اس کی آزادی کی حکایت مشہور ہے۔ تو ممکن نہیں کہ کوفہ کی طرف اس کا سفر ہو اور اس کا ابو حنیفہؒ کے پاس آنا جانا ہو۔ اور سلیمان بن حرب اس کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ سوائے بکریاں چرانے کے کسی اور

کام کا نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ جب وہ زبانی بیان کرتا تو بہت غلطیاں کرتا تھا۔ نیز وہ پڑھ تو سکتا تھا مگر لکھ نہیں سکتا تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ مجتہد پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے جبکہ وہ ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف رجوع کر لے جبکہ اس کے سامنے درست بات ظاہر ہو جائے؟ اور اس بارہ میں پہلے ہم نے ابن عون کا قول نقل کیا ہے۔ اور خود خطیب نے الفقیہ والمتفقہ میں ایک مستقل باب خاص طور پر باندھا ہے جس میں صحابہ کرامؓ کا اپنے فتووں سے رجوع کا ذکر کیا ہے۔ تو کیا خطیبؒ کی یا ابو عوانہ کی مجال ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر طعن کریں۔ اور ابو عوانہ جیسے آدمی کو فقہ سے کیا سروکار؟ پس اس کے لیے اور لوگ ہیں اور روایات کے لیے اور قسم کے لوگ ہیں۔

پھر خطیبؒ نے نصر بن محمد سے روایت کی جس میں یحیٰ حاجب ہے جس کا ذکر ہوا ہے۔ بے شک اس نے شام کے ایک ایسے باشندے کو جو ابو حنیفہؒ کی فقہ سیکھ کر شام گیا تھا اس کو کہا کہ تو بہت بڑی شر اٹھا کر لایا ہے۔ اور حاجب کا حال ظاہر ہے جیسا کہ حاکم نے ذکر کیا ہے اور ابو عبد اللہ النضر بن محمد المروزی کو امام بخاریؒ نے اپنی الصغیر میں ضعیف کہا ہے۔ لیکن نسائی نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور وہ ابو حنیفہؒ کے فقیہ اصحاب میں سے ہیں۔ اور اس سے بکثرت روایات کرنے والوں میں سے ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس حکایت کا ثبوت اس سے ہے تو اس کے حال کو دیکھتے ہوئے اس کے قول سے مراد ان اہل شام پر چوٹ کرنا ہو گا جن کے بارہ میں اس زمانہ میں مشہور تھا کہ وہ ابو حنیفہؒ کی فقہ کو شر سمجھتے ہیں' حالانکہ وہ خالص خیر ہے۔ اور خطیبؒ کلام کے انداز کو نہ سمجھ سکا اور اس کو مطاعن میں نقل کر دیا۔ پھر خطیبؒ نے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس کا قول نقل کیا۔ اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ وہ باطل ہو جس میں کوئی شک نہیں جبکہ اس سے پوچھا گیا اس چیز کے بارہ میں جو اس نے اپنی کتابوں میں درج کی ہے ایسی سند کے ساتھ جس میں ابن درستویہ الدراہمی اور الحسن بن ابی بکر نبیذ پینے والا اور ابن کامل ہے جو روایت میں متساہل ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کا کیا قصور ہے اگر ان لوگوں نے سچ کہہ دیا ہے؟ اور مجتہد اپنی رائے کو حتمی تھوڑا ہی سمجھتا ہے بلکہ وہ غلبہ ظن پر مدار رکھتا ہے (اور غیر منصوص مسائل میں عمل کے لیے اسی کو علماء امت کافی سمجھتے ہیں) جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

اعتراض ۸۵: (کہ ابو حنیفہؒ نے خود ابو یوسفؒ کو منع کیا کہ میری ہر بات کو نہ لکھا کرو کیونکہ

میں ایک رائے اختیار کرتا ہوں اور اگلے دن اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بھی ان کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۴ میں علی بن القاسم بن الحسن البصری۔ علی بن اسحاق المادرائی۔ العباس بن محمد الدوری۔ ابونعیم الفضل بن دکین۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو نعیم نے کہا کہ میں نے زفر کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم ابوحنیفہؒ کے پاس آتے جاتے تھے اور ہمارے ساتھ ابویوسفؒ اور محمد بن الحسن بھی ہوتے تھے تو ہم ان سے سنی ہوئی باتوں کو لکھا کرتے تھے تو ایک دن ابوحنیفہؒ نے ابویوسفؒ سے کہا اے یعقوب! تجھ پر افسوس ہے' مجھ سے ہر سنی ہوئی بات کو نہ لکھا کر۔ پس بے شک میں آج ایک رائے اختیار کرتا ہوں تو اگلے دن اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور اگلے دن کوئی رائے رکھتا ہوں تو اس سے اگلے دن چھوڑ دیتا ہوں۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ ابوحنیفہؒ اپنے ساتھیوں کو اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ بحث کو ہر لحاظ سے مضبوط ہونے سے پہلے اس کے مسائل لکھیں اور یہ ان کی انتہائی پرہیز گاری تھی اور بے شک ابن ابی العوام نے طحاوی۔ محمد بن عبد اللہ الرعینی۔ سلیمان بن عمران۔ اسد بن الفرات کی سند سے نقل کیا ہے کہ اسد بن الفرات نے کہا کہ مجھے اسد بن عمرو نے کہا کہ وہ (یعنی فقہ مدون کرنے میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھی) ابوحنیفہؒ کے پاس کسی مسئلہ کے جواب میں مختلف جوابات دیتے تھے تو ایک اور جواب دیتا اور دوسرا اور جواب دیتا۔ پھر وہ اس کے سامنے پیش کرتے اور اس مسئلہ کے بارہ میں اس سے پوچھتے تو وہ کتابوں میں درج کرتے اور وہ ایک ایک مسئلہ میں تین تین دن تک ٹھہرے رہتے تھے پھر اس کو رجسٹر میں لکھتے اور اسی طرح ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے جو کتابوں کو لکھتے تھے وہ چالیس آدمی تھے اور اسد بن عمرو ان کے لیے تیس سال ان مسائل کو لکھتے رہے۔ الخ۔ اور الصیمری نے العباس بن احمد الھاشمی۔ احمد بن محمد المکی۔ علی بن محمد النخعی۔ ابراہیم بن محمد البلخی۔ محمد بن سعید الخوارزمی۔ اسحاق بن ابراہیم کی سند نقل کر کے کہا کہ اسحاق بن ابراہیم نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کے ساتھی ایک ایک مسئلہ میں اس کے ساتھ غور و خوض کرتے تو جب اس محفل میں عافیہ موجود نہ ہوتے تو ابوحنیفہؒ کہتے کہ عافیہ کے آنے تک اس مسئلہ کا فیصلہ مت کرو۔ پس جب عافیہ حاضر ہوتے اور ان کے ساتھ مسئلہ میں اتفاق کرتے تو پھر وہ اس مسئلہ کو درج کرتے۔ اور اگر وہ ان سے موافقت نہ کرتے تو ابوحنیفہؒ کہتے کہ اس کو درج نہ کرو۔ الخ

تو اس طریقہ کے ساتھ ایسی حیثیت سے ان کے مسائل پختہ ہوگئے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی ٹکرائے تو وہ اس کی سر کی چوٹی پر جا پڑتے ہیں۔ اور خطیبؒ نے یہاں جو روایت نقل کی ہے وہ میں نے یحییٰ بن معین کی تاریخ میں العباس بن محمد الدوری کی اس سے روایت دیکھی ہے۔ جو دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں خط قدیم کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد والی خبر میں (اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ البتہ باطل ہو جس میں کوئی شک نہیں) جو ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے تو وہ قطعی طور پر کسی ایک خاص مسئلہ کے بارہ میں ہی ہو سکتی ہے۔ اور اس سے بعد والی سند میں ابن رزق۔ ابن سلم اور ابراہیم الجوہری ہیں۔ اور ابراہیم کی طرف الحافظ حجاج بن الشاعر نے یہ منسوب کیا ہے کہ وہ سویا ہوا علم حاصل کرتا تھا۔ (یعنی استاد سے علم حاصل کرتے وقت سو جاتا تھا) اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ بے شک حفص بن غیاث ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے عرصہ دراز تک ابو حنیفہؒ کو لازم پکڑے رکھا اور اس کی وفات کے بعد فقہ کے اماموں میں شمار ہوتے تھے۔ ہاں ائمہ کے ہاں یہ صورت پائی جاتی رہی ہے کہ ایک ہی مسئلہ کے کئی جوابات ان سے روایت کیے جاتے رہے جیسا کہ امام مالکؒ صاحب سے مسح علی الخفین کے بارہ میں چھ روایات ہیں۔ اور امام شافعیؒ کی کتاب الام میں شفعہ کے متعلق کئی جوابات ہیں اور جیسا کہ حنبلی مذہب میں ابن احمد کی کتاب الرعایہ الکبریٰ میں عشر اٹھانے سے متعلق کئی جوابات ہیں اور یہی صورت بہت سے ابواب میں پائی جاتی ہے۔ رہا امام ابو حنیفہؒ کا مذہب' تو آپ ہر مسئلہ میں ظاہر الروایہ مسائل میں ان کا صرف ایک ہی قول پائیں گے۔ اور کتب نوادر کے مسائل کا حکم ظاہر الروایہ کے مسائل کے پہلو میں ہے اور ان کا حکم ایسے ہی ہے جیسا کہ قراء ت متواترہ کے مقابلہ میں قراء ت شاذہ کا حکم ہے۔ تو ان میں اس کا جو قول ہے اس کو شمار نہیں کیا جائے گا مگر اسی صورت میں کہ اس مسئلہ میں ظاہر الروایہ میں ان سے کوئی روایت نہ پائی جائے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ روایات نوادر کی قدر و منزلت کا مدار اس کے راویوں کی قدر و منزلت پر ہوگا۔ (یعنی جس منزلت کا راوی ہوگا اسی کے مطابق روایت کا درجہ ہوگا۔)

اعتراض ۸۶ : (کہ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں تم سے جو بیان کرتا ہوں اس کا اکثر خطا ہوتا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت المقری سے ثابت ہوتی تو وہ کبھی ابو حنیفہؒ سے روایت نہ کرتے حالانکہ وہ تو ان سے بہت سماعت کرنے والے ہیں تو یہی اس بات کی

دلیل ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۵ میں عبد اللہ بن محمد البغوی۔ ابن المقری۔ المقری کی سند نقل کر کے کہا کہ المقری نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عطاءؒ سے افضل کوئی نہیں دیکھا اور جو میں تمہیں اس کے بارہ میں بیان کرتا ہوں وہ اکثر غلط ہوتا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے اس کو دو سندوں سے پیش کیا ہے۔ پہلی سند میں البغوی ہے اور اس کے بارہ میں ابن عدیؒ کہتے تھے کہ بے شک بغداد کے مشائخ کا اس کی تضعیف پر اتفاق تھا۔ اور دوسری سند میں دعلج ہے اور اس کے پاس ابو الحسین العطار اور علی بن الحسین الرصافی جیسے لوگ کئی چیزیں داخل کرتے تھے اور اس میں الاہار بھی ہے۔ اور یہ روایت بھی دعلج کی کاروائی ہو سکتی ہے۔ اور شاید کہ ابن المقری کے بعد والے کسی رواى نے حدثکم میں ہمزہ زائد کر کے احدثکم کر دیا ہو اور ان کا کلام راویوں میں سے کسی راوی کی غلطی کے ضمن میں تھا۔ اور راوی ابن المقری سے اس کی عبارت ضبط نہ کر سکا ورنہ تو تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ابو عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن یزید المقری ابو حنیفہؒ کو اس واقعہ کے بعد بھی لازم پکڑے رکھتے اور ایسا کلام سننے کے بعد بھی اس سے سماعت کرتے رہتے۔ جبکہ حال یہ ہے کہ وہ اس سے بہت زیادہ سماعت کرنے والوں میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ اس جیسی کلام بالکل کسی عقلمند سے صادر نہیں ہو سکتی اور ابو حنیفہؒ کی عقل کا وزن اگر اس کے طبقہ کے اہل عقلوں کے ساتھ کیا جاتا تو وہ اس سے بھاری ہوتی تھی اور اس کی شہادت ان کے مخالفین بھی دیتے ہیں۔ اور شاید یہ قصہ گھڑنے والے نے یہ قصہ گھڑتے وقت غور نہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ اس کو گواہوں کی جماعت کے سامنے رسوا کرے۔

اعتراض ۸۷: (کہ وکیع نے کہا کہ ہمیں ابو حنیفہؒ نے بیان کیا کہ بے شک اس نے عطاء سے سنا ہے۔ اگر اس نے اس سے سنا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وکیع تو امام ابو حنیفہؒ کی عطاء سے سماعت کو ثابت کرتے ہیں جیسا کہ خود خطیبؒ نے اس کی صراحت کی ہے تو یہ شک کے الفاظ ذکر کرنا بعد والے کسی راوی کا کام ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۵ میں الحمیدی وکیعؒ

کی سند نقل کر کے کہا کہ وکیعؒ نے کہا کہ ہم سے ابو حنیفہؒ نے بیان کیا کہ بے شک اس نے عطاء سے سماعت کی ہے۔ اگر اس نے اس سے سماعت کی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ میرے خیال کے مطابق ان کان سمعه کا لفظ وکیعؒ کے بعد والے کسی راوی نے درج کر دیا ہے اور غالب یہی ہے کہ یہ الحمیدی کے الفاظ ہیں اور بالکل وکیع کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بے شک محمد بن ابان اور محمد بن سلام اور یحیٰی ابن جعفر وغیرہ جو وکیع کے خاص اصحاب ہیں وہ تو وکیع سے روایت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی عطاء سے سماعت ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ مسانید ابی حنیفہؒ کی احادیث میں اس کا مصداق پائیں گے اور ابن حبان نے یقین کے صیغے کے ساتھ ابو حنیفہؒ کی عطاء سے سماعت کا ذکر کیا ہے۔ اور خود خطیبؒ نے بھی ترجمہ کی ابتداء میں یقین کے صیغہ کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے تو یہاں اس کے مخالف روایت نہ جانے کیسے ذکر کر رہا ہے؟

اور قدیم زمانہ سے لے کر ابو الحجاج المزیؒ امام ذہبیؒ اور علامہ ابن حجرؒ تک جتنے حضرات نے امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کیا ہے۔ ان تمام کے کلمات اس بارہ میں ایک ہی جیسے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی عطاء بن ابی رباح سے سماعت ثابت ہے۔ اور لوگوں کے ہاں یہ بات بالکل محل نزاع نہیں ہے۔ اور اگر کسی اشتباہ کی وجہ سے کسی نے بظاہر اس سے اس کی سماعت کا انکار کیا ہے تو اس نے ایسا جواب پایا جس سے اس کا شبہ دور ہو گیا۔ پس اگر اشتباہ عمر کے لحاظ سے ہے تو کم از کم ابو حنیفہؒ کی ولادت کے بارہ میں جو قول کیا گیا ہے وہ ۸۰ھ ہے اور ابن حبان نے ۷۰ھ ذکر کیا ہے۔ اور ابن ذواد نے جو روایات کی ہیں ان میں ۶۱ھ ہے اور ان میں سے جو قول بھی لیا جائے اس کے مطابق تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے عطاء کو نہ پایا ہو اس لیے کہ عطاء کی وفات ۱۱۴ھ ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ ابو حنیفہؒ نے پچپن حج کیے ہیں اور امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں ابو حنیفہؒ کا قول ذکر کیا ہے کہ میں نے عطاء سے افضل کوئی نہیں دیکھا یعنی اہل مکہ میں سے۔ اور ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم ص ۴۵ ج ۱ میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ابو حنیفہؒ نے ۹۳ھ میں حج کیا پس جب ان کا حج اس سن میں ثابت ہے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عطاءؒ جو کہ مکہ کے عالم تھے ان سے ملاقات نہ کی ہو۔ پس ظاہر ہو گیا کہ اس سماع کے بارہ میں طعن کرنے والا عطاء سے ابو حنیفہؒ کی روایت کے بارہ میں اندھا نہیں بلکہ اپنی ذاتی بیماری کی وجہ سے اندھی راہ چلنے والا ہے اور اس کے بعد قارئین کرام یہ بھی جان لیں کہ بے شک اس خبر کی سند میں ابن رزق اور

ابی عمرو بن السماک اور الحمیدی جیسے حضرات ہیں جن کا کھلا تعصب تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے جس کی یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ بتانا ضروری ہے کہ بے شک ابن ابی حاتم نے یہ روایت اپنے باپ سے اور اس نے الحمیدی سے روایت کی ہے تو زیادتی الحمیدی سے ہے اور وہ اکثر ابن عیینہؒ کا کلام جب روایت کرتا ہے تو اس کی کلام ختم ہونے پر خاموش نہیں رہتا بلکہ اس کی کلام کے متصل کلام کرتا جاتا ہے تو مخاطب کو کلام کی ابتداء اور اس کی انتہاء کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ (تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں بھی الحمیدی نے ایسا ہی کیا ہے تو ان کان سمعہ کی زیادتی الحمیدی کی جانب سے ہے۔)

اعتراض ۸۸: (کہ محمد بن حماد نے خواب میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں ابو حنیفہؒ کی رائے پر عمل کروں تو آپ نے فرمایا' نہیں نہیں نہیں۔ تو پھر پوچھا کہ کیا حدیث پر عمل کروں تو آپ نے فرمایا۔ ہاں ہاں ہاں۔ پھر آپ نے مجھے دعا سکھائی مگر میں بیدار ہونے پر وہ دعا بھول گیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی لوگوں کی خوابیں اگر سچی بھی ہوں تو ان کا زیادہ سے زیادہ درجہ الہام کا ہے اور ان سے علمی مسائل اور شرعی احکامات میں دلیل پکڑنا درست نہیں ہے تو جب سچی خوابوں کا یہ حال ہے تو من گھڑت خوابوں سے کسی کی کردار کشی کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۵ میں البرقانی۔ ابوبکر احمد بن ابراہیم الجبلی۔ الخوارزمی۔ ابو محمد عبد اللہ بن ابی القاضی کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو محمد نے کہا کہ میں نے محمد بن حماد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کا ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے کلام میں نظر کرنے کے بارہ میں کیا فرمان ہے' کیا میں اس میں نظر کروں اور اس کے مطابق عمل کروں' تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ آپ نے تین مرتبہ نہیں فرمایا۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ کی حدیث اور آپ کے اصحاب کی حدیث میں نظر کروں اور اس کے مطابق عمل کروں تو آپ نے فرمایا ہاں ہاں ہاں۔ آپ نے تین مرتبہ ہاں فرمایا۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھائیں تا کہ میں وہ دعا کیا کروں تو آپ نے مجھے دعاء سکھائی اور تین مرتبہ میرے سامنے دہرائی تو جب میں بیدار ہوا تو اس دعاء کو بھول گیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اب خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور ابو حنیفہؒ کے مخالف اس

میں بھی اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ ان تک پہنچا نہیں جا سکتا۔ اور اس خواب کا راوی عبد اللہ بن ابی القاضی ایسا ہے کہ ہم نے اس فن کے آدمیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس کی توثیق کی ہو۔ اور امام بخاریؒ نے الضعفاء میں اس سے روایت لی ہے اور بہرحال جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس سے اپنی صحیح میں روایت لی ہے تو انہوں نے وہم کیا ہے کیونکہ وہ اس کی شرط کے مطابق نہیں ہے اور نہ ہی اس سے صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے روایت لی ہے۔ اور محمد بن حماد جو کہ مقاتل بن سلیمان المروزی شیخ المجسمہ کے اصحاب میں سے ہے وہ مشہور وضاع ہے۔ اور اس (زعفران سے رنگے ہوئے) رنگین خیال کے بطلان کی وضاحت میں صرف اتنا ہی کافی ہے۔ اور بہرحال سچے لوگوں کی سچی خوابیں تو ان کے بارہ میں زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ بے شک وہ الہام کے قبیل سے ہیں۔ تو دیکھنے والوں کے لیے صرف اپنی ذات کی حد تک اس پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم سے متصادم نہ ہو نیز یہ کہ اس نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے مطابق دیکھا ہو جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے جو کہ شمائل ترمذی ص ۹ میں ہے اور اس سچی خواب کے ذریعہ سے بھی مسائل علمیہ اور احکام شرعیہ میں دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔ اور اہل حق کے نزدیک الہام علم کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ اور جو کتابیں ابوحنیفہؒ کے مناقب میں لکھی گئی ہیں ان میں سے کئی کتابوں میں اس خواب کے برعکس خوابوں کا ذکر ہے۔ لیکن ہم یہاں ان کو نقل نہیں کرنا چاہتے اس لیے کہ یہ اہل علم کا طریق نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں راہ راست پر گامزن رکھے۔ اور اہل سنت کے ائمہ میں سے کئی ایسے پائے جاتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی خوابوں کے علاوہ دیگر لوگوں کی خوابوں کو باطل خیال سمجھتے ہیں۔

اور عجیب بات ہے کہ بے شک مخالفین کے پاس جب کوئی دلیل نہ رہی تو وہ گالیوں اور طعن پر اتر آئے۔ پھر خوابوں کا سہارا لیا پھر اس میں جس کو وہ چاہتے ہیں دلیل بنا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے بعض نے نبی کریم ﷺ کو اس محفل میں بھی حاضر کر دیا جس میں خطیبؒ نے اپنی تاریخ کو پڑھا۔ وہ تاریخ جو لوگوں کی خبروں سے متعلق کھلم کھلے جھوٹے واقعات کی وجہ سے اور ان موضوع احادیث کی وجہ سے غصہ دلانے والی ہے جن کو خطیبؒ نے ان کے وضع ہونے کی وضاحت کیے بغیر ہی نقل کر دیا ہے جیسا

کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے اور اس کا دارومدار صرف کمزور دینی اور چھپے ہوئے نفاق پر ہے جبکہ اس جیسی چیز سے صرف وہی آدمی دھوکہ دہی سے کام لیتا ہے جس کی عقل میں فتور ہو یا اس کا ایمان کمزور ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔

اعتراض ۸۹ : (کہ عبد اللہ بن المبارکؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے کتاب الحیل میں اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کتاب الحیل کی امام ابوحنیفہؒ کی طرف نسبت کرنا کھلم کھلا جھوٹ ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۶ میں محمد بن عبید اللہ الحنائی۔ محمد بن عبد اللہ الشافعی۔ محمد بن اسماعیل السلمی الترمذی۔ ابو توبہ الربیع بن نافع۔ عبد اللہ بن المبارکؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن المبارکؒ نے کہا' جو آدمی ابوحنیفہؒ کی کتاب الحیل دیکھے گا تو وہ پائے گا کہ اس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند مرکب ہے اور اس میں محمد بن اسماعیل السلمی ہے جس کے بارہ میں ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرات محدثین نے اس پر کلام کیا ہے اور اس کا راوی محمد بن عبد اللہ الشافعی تو انتہائی متعصب تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوحنیفہؒ کا ذکر اس روایت میں بہت عرصہ بعد درج کیا گیا ہے۔ اور الازہری کی سند جو آرہی ہے اس میں ہے اور وہ لوگ جو ان سے روایت کرتے ہیں' بے شک وہ کتاب الحیل میں کلام کرتے ہیں۔ پختہ بات ہے کہ وہ ایسی کتاب کے بارہ میں کلام کرتے ہیں جو ایسے مسائل پر مشتمل ہے جو صریح کفر تک پہنچانے والے ہیں اور حق کو باطل اور باطل کو حق کرنے والے اور واجب کو ساقط کرنے والے ہیں۔ اور تشریعی احکامات سے متضاد ہیں۔ اس کا چرچا وہ لوگ کرتے ہیں جو اس زمانہ میں بے حیا مشہور تھے۔

بہرحال اس مذکورہ کتاب کی نسبت ابوحنیفہؒ کی طرف کرنا بالکل باطل ہے اس لیے کہ بے شک اس کے اصحاب میں سے جو اس کی تالیفات کے راوی ہیں ان میں سے کسی نے بھی کسی ایسی کتاب کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی ثقہ راویوں میں سے کسی نے صحیح سند کے ساتھ اس سے یہ روایت کی ہے۔ پس جس نے اس کتاب کی نسبت اس کی طرف کی ہے تو اس نے جھوٹ اور غلط نسبت کی ہے اور کتنے ہی لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ

کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری الذمہ ہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو امت محمدیہ کا عالم کیسے اس صورت حال سے بچ سکتا ہے۔ اور خطیبؒ نے ابن المبارکؒ سے اور روایت بھی نقل کی ہے جس کی سند میں الخراز ہے اور اس کا پہلے کئی دفعہ ذکر ہو چکا ہے۔ اس روایت میں ہے کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ جس شخص کے پاس ابوحنیفہؒ کی کتاب الحیل ہے اور وہ اس کے مطابق عمل کرتا یا اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہے تو اس کا حج باطل ہوگیا اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہوگئی اور اس سند میں ایک راوی ہدیہ ہے اور یہ لفظ یاء کے ساتھ ہے اور اس کی دلیل کہ ابوحنیفہؒ کا ذکر اس میں بعد میں درج کیا گیا ہے ابن المبارکؒ کے مولی کا قول ہے جو اس نے اس کلام کو سننے کے بعد کہا۔ اے عبد الرحمٰن (یعنی ابن المبارک) میں نہیں خیال کرتا کہ کتاب الحیل صرف شیطان نے ہی وضع کی ہے تو ابن المبارکؒ نے کہا جس نے کتاب الحیل وضع کی ہے وہ شیطان سے بھی زیادہ شریر ہے اور اس کے مدرج ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جن حضرات نے ابوحنیفہؒ کے حالات لکھے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ ابن ابی حاتمؒ۔ العقیلیؒ۔ ابن عدیؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ۔ حالانکہ ان میں سے کئی ابوحنیفہؒ کے بارہ میں انتہائی متعصب ہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہوتی جس کی وجہ سے وہ اس کتاب کی نسبت ابوحنیفہؒ کی طرف کر سکتے تو وہ ڈھول پیٹتے اور بانسریاں بجا کر اس کی تشہیر کرتے جیسا کہ ان کی عادت مشہور ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوگیا کہ دونوں روایتوں میں ابوحنیفہؒ کا ذکر بہت عرصہ بعد درج کیا گیا ہے۔ ہاں ابن عبد البرؒ اور ابن ابی العوامؒ اور الصیمریؒ وغیرہ ثقہ لوگوں کی کتابوں میں کچھ تخریج کیے ہوئے مسائل ابوحنیفہؒ سے روایت کیے گئے ہیں لیکن ان میں سے کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جو کسی حکم شرعی سے ٹکراتا ہو بلکہ سارے کے سارے مسائل حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کیے بغیر تنگ مقامات سے جان چھڑانے کے طریق پر مشتمل ہیں۔ اور اسی کی طرف کتاب و سنت نمائندگی کرتی ہیں بلکہ وہ تمام حیلہ جات جو اس کے اصحاب سے صحیح سندوں کے ساتھ اس ضمن میں روایت کیے گئے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔

اور امام ذہبیؒ نے امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ کتاب الحیل سے بری الذمہ ہیں۔ اور اس نے صراحت کی ہے کہ وہ اس کے اصحاب کی کتابوں میں سے نہیں ہے۔ پس جو آدمی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کتاب الحیل ابوحنیفہؒ کی ہے تو وہ اس کا ذکر

صراحت کے ساتھ اس کے ایسے اصحاب اور اصحاب کے اصحاب کے طریق سے صحیح اسناد سے ثابت کرے جو کہ اس کی فقہ کے حامل ہیں۔ ورنہ یہ کھلم کھلا بہتان ہوگا اور بعض کذابوں نے ابو حنیفہؒ سے حیلہ جات میں ایک کتاب روایت کرنے کا ارادہ کیا ایسی سند کے ساتھ جو مرکب ہے تو وہ اس میں رسوا ہوئے اور وہ ابوالطیب محمد بن الحسین بن حمید بن الربیع ہے جو کہ کذاب ابن کذاب ہے۔ اس نے تین سو سال بعد دعویٰ کیا کہ بے شک اس نے ابو عبد اللہ محمد بن بشر الرقی عن خلف بن بیان کی سند سے ۲۵۸ھ میں کتاب الحیل سنی ہے۔ اور مطین نے کہا کہ بے شک یہ محمد بن الحسین کذاب ابن کذاب ہے اور ابن عقدہ نے اس کی تائید کی۔ پھر ابن عدی نے تائید کی اور ابو احمد الحاکم ابن عقدہ اس میں ہے اور ابن عدی نے ابن عقدہ کے معاملہ کو قوی قرار دیا ہے اور ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے اس کے بارہ میں کلام کیا ہے بلکہ امام سیوطی نے التعقبات ص ۵۷ میں کہا کہ ابن عقدہ بڑے حفاظ میں سے ہے اس کو لوگوں نے ثقہ کہا ہے۔ اور اس کو ضعیف صرف اس کے ہم عصر بعض متعصب لوگوں ہی نے کہا ہے۔ الخ۔

پھر محمد بن الحسین کا شیخ مجہول الصفت ہی نہیں بلکہ مجہول العین ہے اور اس کے شیخ کا شیخ بھی مجہول ہے بلکہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اور اس سے زیادہ کیا رسوائی ہو سکتی ہے کہ ابو حنیفہؒ کی طرف کتاب منسوب کی جائے جن کے اصحاب دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں ایسی روایت کے ساتھ جو مجہول شخص سے ہو اور وہ بھی ایسے مجہول سے روایت کر رہا ہو جس کا اس سند کے سوا کسی اور روایت میں کوئی وجود ہی ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے والے راویوں میں نہیں ملتا بلکہ مطلقاً راویوں میں اس کا نام نہیں ملتا۔ اور ابن ابی العوامؒ نے محمد بن احمد بن حماد۔ محمد بن شجاع کی سند سے نقل کیا ہے کہ محمد بن شجاع نے کہا کہ میں نے اپنے اصحاب الحسن بن ابی مالک اور ابو علی الرازی وغیرہ سے سنا جو کہ ابو یوسفؒ کے اصحاب میں سے تھے اور وہ آپس میں ایسے آدمی کے بارہ میں مذاکرہ کر رہے تھے جو دوسرے کو کفر کا حکم دیتا ہے تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اس پر متفق تھے کہ بے شک ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جس نے کسی دوسرے کو کفر کا حکم دیا تو وہ حکم کرنے کی وجہ سے ہی کافر ہو جاتا ہے اور اگر اس نے کفر کا ارادہ کیا تو وہ ارادہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے اس لیے کہ بے شک کفر کا حکم دینا کفر ہے اور کفر کا پختہ ارادہ کرنا بھی کفر ہے۔ پس کفر کا حکم دینے کا ارادہ

کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ کفر کا پختہ ارادہ کرنے والا۔ یہ قول ہے ابو حنیفہؒ کا۔ اور میں نے ان کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہو۔ محمد بن شجاع نے کہا کہ میں نے الحسن بن ابی مالک سے سنا جو مجلس میں اپنے اصحاب سے کہہ رہا تھا اور وہ اس پر متفق تھے کہ بے شک ابویوسفؒ نے ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کعبہ کے علاوہ کسی دوسری طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کی غلطی سے اتفاق سے منہ کعبہ کی طرف ہی رہا (مثلاً وہ کعبہ کی جانب کو اپنے خیال کے مطابق کوئی اور جانب سمجھ کر نماز پڑھتا ہے) تو بے شک وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس کا انکار کیا ہو۔ الخ۔ تو ابو حنیفہؒ کی کتاب میں ایسی باتیں کیسے ہو سکتی ہیں جو خطیبؒ نے نقل کی ہیں اور جس کتاب کی نسبت اس کی طرف کی ہے وہ کتاب اس کی کیسے ہو سکتی ہے؟

اعتراض ۹۰: (کہ حفص بن غیاثؒ نے کہا کہ ایک ہی دن میں ایک ہی مسئلہ میں ابو حنیفہؒ نے پانچ قول کیے تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حفص بن غیاث کا امام ابو حنیفہؒ کو چھوڑ دینے کا قول بالکل باطل ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ مجتہد پر اپنی رائے بدلنے کی وجہ سے کوئی طعن نہیں ہو سکتا)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۷ میں حفص بن غیاث سے نقل کیا ہے کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میں نے اس سے سنا کہ اس سے ایک مسئلہ کے بارہ میں ایک ہی دن میں کئی بار پوچھا گیا تو اس نے اس کے بارہ میں پانچ مختلف اقوال سے فتویٰ دیا۔ تو جب میں نے یہ دیکھا تو اس کو ترک کر دیا اور حدیث پر توجہ کرنے لگا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ حدیث پر متوجہ ہونے کی وجہ سے اس (حفص) پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اور بہرحال اس کا ابو حنیفہؒ کو چھوڑ دینا تو یہ اس پر جھوٹ ہے کیونکہ وہ تو اس کی زندگی اور مرنے کے بعد اس کے تلامذہ میں سے بہت ہی زیادہ اس سے سلوک کرنے والا تھا۔ اور اس واقعہ کی سند میں ابن رزق۔ الابار اور ابراہیم بن سعید ہیں اور مطبوعہ نسخوں میں ابن سلم اور ابراہیم بن سعید کے درمیان سے الابار چھوٹ گیا ہے اور یہ چولہے کا تیسرا پتھر ہے۔

اعتراض ۹۱: (کہ عبد اللہ بن المبارکؒ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے جو چیز بھی روایت کی ہر چیز کو چھوڑ دیا۔ پھر اللہ سے بخشش مانگی اور توبہ کی۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عبد اللہ بن المبارکؒ کے ابو حنیفہؒ کو چھوڑ دینے کی روایت صحیح ہوتی تو اس کے چھوڑنے کا علم عبد اللہ بن المبارکؒ کے ساتھیوں کو ضرور ہوتا حالانکہ انہوں نے اس بارہ میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تو یہی اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے کافی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۸ میں زکریا۔ الحسین بن عبد اللہ نیسابوری۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ الحسین نے کہا کہ میں عبد اللہ یعنی ابن المبارکؒ پر ایسی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارہ میں پوچھیں گے کہ بے شک اس نے مجھ سے کہا اے حسین بے شک میں نے ہر وہ چیز جو ابو حنیفہؒ سے روایت کی اس کو ترک کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگی اور توبہ کی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس روایت کا راوی زکریا جو ہے وہ ابن سہل المروزی ہے اور اس تک سند وہی ہے جو پہلی روایت کی سند ہے تو اس میں عمر بن محمد الجوھری ہے اور وہ السذابی ہے جو الحسن بن عرفہ۔ یزید بن ہارون۔ حماد بن سلمہ۔ قتادہ۔ عکرمہ۔ ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ کی سند سے روایت نقل کرنے میں منفرد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جس نے میرا کلمہ پڑھا میں اس کو اپنی جنت میں داخل کروں گا اور جس کو میں اپنی جنت میں داخل کروں گا تو وہ میرے عذاب سے امن پائے گا اور قرآن میرا کلام ہے اور مجھ سے نکلا ہے۔" اور امام ذہبیؒ نے خطیبؒ کی سند سے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ یہ موضوع روایت ہے اور جو موضوع روایت کرنے میں منفرد ہو تو اس سے بہت ممکن ہے کہ وہ ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ابن المبارکؒ کی زبان سے جو چاہے کہتا پھرے۔ اور سند میں کتنے بڑے بڑے حنابلہ ہیں۔ اور ابو بکر المروزی نے کتاب الورع میں ذکر کیا ہے جو احمد کی روایت سے ہے کہ بے شک ابن راھویہ نے ابن المبارکؒ کی کتابوں سے تین سو سے زائد ایسی حدیثیں منتخب کیں جو ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیلیں تھیں اور ان کو ابن المبارکؒ کی وفات کے بعد عراق لے کر آیا تا کہ ان کے بارہ میں اہل علم سے پوچھے اور وہ خیال کرتا تھا کہ روئے زمین پر کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو ابو حنیفہؒ کا رد کر سکے۔ تو وہ بصرہ میں عبد الرحمٰن بن مہدیؒ سے ملا تو ابن مہدیؒ نے ابو تمیلہ

کا مرثیہ اس کے سامنے پڑھا جو اس نے ابن المبارکؒ کی وفات پر کہا تھا۔ اور وہ مرثیہ طویل ہے اور ابن مہدیؒ مرثیہ سن کر روتا رہا کیونکہ اس کے دل میں ابن المبارکؒ کی بہت قدر و منزلت تھی اور جب وہ اس کے اس شعر تک پہنچا۔

وبرأى النعمان كنت بصيرا حين يوتى مقايس النعمان

"اے ابن المبارکؒ تو نعمان کی رائے کو بہت اچھی طرح جاننے والا تھا جبکہ نعمان کے قیاسی مسائل پیش کیے جاتے تھے۔" تو اس نے یہ کہتے ہوئے اس کی کلام کو قطع کر دیا کہ بے شک تو نے شعر بگاڑ دیا ہے اور کہا کہ ابن المبارکؒ کا عراق میں ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے کے علاوہ اور کوئی گناہ نہیں ہے جیسا کہ یہ حکایت تفصیل سے ابن قتیبہؒ کی کتاب الاختلاف فی اللفظ کے مقدمہ میں بیان کی گئی ہے اور ابو حنیفہؒ سے اس کے انحراف کی وجہ بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور اگر ابن مہدیؒ کو علم ہوتا کہ ابن المبارکؒ نے ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے سے رجوع کر لیا تھا تو وہ تو چیخ چیخ کر اس کا ذکر کرتا اور اس جیسی شخصیت کا ابو حنیفہؒ سے انحراف اور ابن المبارکؒ کے پاس ابن مہدیؒ کا اہتمام سے آنا جانا تو اس لائق ہے کہ اگر اس (ابن المبارکؒ) نے رجوع کیا ہوتا تو اس (ابن مہدیؒ) کو رجوع کا علم ہوتا۔ اور اسی طرح اگر ابن المبارکؒ کا ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کرنے اور روایت لینے سے رجوع کر لینا صحیح ہوتا تو ابو تمیلہ اپنے مرثیہ میں ان الفاظ سے اس کی مدح نہ کرتا کہ تو نعمان کی رای کا بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اور آدمی کے شہر والے اس کے حالات کو بہتر جانتے ہیں۔ اور ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۳۲ میں اپنی سند کے ساتھ ابن المبارکؒ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ بے شک انہوں نے ایک ایسے آدمی سے کہا جس نے ان کی مجلس میں ابو حنیفہؒ پر طعن کیا تھا کہ چپ ہو جا۔ اللہ کی قسم اگر تو ابو حنیفہؒ۔ دیکھتا تو یقیناً عقلمند اور عالی نسب کو دیکھتا۔ اور بے شک ابن المبارکؒ ابو حنیفہؒ کا ذکر اچھے کلمات سے کرتے تھے اور ان کی تعریف اور مدح کرتے تھے۔ اور ابو اسحاق الفزاری ابو حنیفہؒ سے بغض رکھتا تھا اور جب وہ جمع ہوتے تو ابو اسحاق کو جرات نہ ہوتی تھی کہ ابن المبارکؒ کے سامنے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ذرا بھی کچھ ذکر کر سکے۔

اور ابو القاسم بن ابی العوامؒ نے محمد بن احمد بن حماد۔ احمد بن القاسم البرتی۔ ابن ابی رزمہ۔ عبدان کی سند نقل کر کے کہا کہ عبدان نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن المبارکؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ لوگ جب ابو حنیفہؒ کا تذکرہ برائی سے کرتے ہیں تو مجھے یہ بات بری لگتی

ہے اور میں ان پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف کھاتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی ان سے ایسے اقوال موجود ہیں جن سے بہتان تراشوں کی بہتان تراشی کا بھید کھل جاتا ہے۔

اور بہرحال خطیبؒ نے جو اس کے بعد روایت کی ہے (کہ ابوداؤد نے کہا کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کی مجلس حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے سے خالی ہوتی تھی اور ہم ابوحنیفہؒ کی مجلس میں سفیان ثوری سے چوری چھپے جاتے تھے تو) اس کی سند مقطوع ہے۔ اس لیے کہ ابوداؤد نے ابن المبارکؒ کو نہیں پایا اور ان کے درمیان بیابان ہیں۔ نیز ابوداؤد تک سند بیان کرنے میں بھی خطیبؒ منفرد ہے۔ اور ابو صالح محمد سعید بن حماد الجلودی نے جو کہا ہے قال ابوداؤد تو یہ بھی انقطاع کا صیغہ ہے۔ اور ابوداؤد تو ابوحنیفہؒ کی امامت کا اقرار کرنے والے لوگوں میں سے ہیں جیسا کہ ابن عبد البرؒ کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔ بلکہ ابو بشر الدولابیؒ کی روایت میں ہے جو کہ ابراہیم الجوزجانی۔ عبدان کی سند سے ہے کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ مجھے ثوری کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ میں جب چاہتا تو اس کو نماز پڑھتے ہوئے اور جب چاہتا تو عبادت میں اور جب چاہتا تو فقہ میں دقیق مسائل حل کرتے ہوئے دیکھتا الخ۔ یہاں ابوحنیفہؒ کے ذکر کا ذرا بھی اشارہ کیے بغیر ابن المبارکؒ کا قول ہے۔ اور بہتان تراش نے خبر میں ہیر پھیر کردی اور مرضی کے مطابق اضافہ کر دیا یہاں تک کہ ابوحنیفہؒ کی مجلس کو ایسا بنا دیا کہ اس میں نہ تو نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوتا اور نہ ہی آپ پر درود شریف ہوتا۔ اے اللہ تیری ذات پاک ہے۔ یہ ابن المبارکؒ پر ایسا بہتان تراشی کا بہتان ہے، جس کا پردہ چاک ہے۔ جب مخالفین کی روایات کے مطابق یہ بات ثابت ہے جو کہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں (ابن المبارکؒ) نے ابوحنیفہؒ سے چار سو حدیثیں حاصل کیں اور کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی روایت میں نبی کریم ﷺ کا ذکر اور آپ پر درود شریف نہ ہو تو یہ دعویٰ (کہ ابو حنیفہؒ کی محفل درود شریف سے خالی ہوتی تھی) انتہائی بے شرمی کی بات ہے۔

اور بے شک ابن ابی العوامؒ نے ابراہیم بن احمد بن سہل۔ القاسم بن غسان۔ عن ابیہ۔ بشر بن یحییٰ۔ ابن المبارکؒ کی سند سے بیان کیا ہے کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے بڑھ کر اپنی مجلس میں زیادہ حلم والا اور اچھی عادت والا اور باوقار نہ کسی عالم کو اور نہ غیر عالم کو دیکھا ہے۔ اور البتہ تحقیق ہم ایک دن جامع مسجد میں اس کے ساتھ تھے تو

ہمیں پتہ ہی نہ چلا کہ اچانک ایک سانپ چھت سے گر کر ابو حنیفہؒ کی گود میں جا گرا تو انہوں نے دامن جھاڑ کر اس کو پھینک دینے سے زیادہ کوئی عمل نہ کیا اور ہم میں سے ہر آدمی بھاگ گیا تو ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبد الرحمن آپ بھی بھاگ گئے تھے تو اس نے کہا کہ میں تو بھاگنے میں ان سب سے زیادہ تیز تھا۔ پھر وہ شروع ہوئے ابو حنیفہؒ کی اور اس کے اخلاق کی تعریف کرنے لگے۔ الخ۔ تو کیا اس جیسا آدمی وہ کچھ کہہ سکتا ہے جو ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس سے خطیبؒ نے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تعصب کا ستیاناس کرے۔

اعتراض ۹۲: (کہ محمد بن عبد الوھاب نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کی مجلس لغو اور بے وقار ہوتی تھی اور سفیان ثوری کی مجلس میں وقار، سکون اور علم ہوتا تھا تو میں نے اسی کو اختیار کر لیا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن عبد الوھاب القناد تو وہ ہیں جو مسانید میں امام ابو حنیفہؒ سے بکثرت روایت کرنے والے ہیں۔ اگر انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی مجلس اختیار نہ کی ہوتی یا ترک کر دی ہوتی تو وہ کیسے ان روایات کو بیان کرتے اور یہی بات خطیبؒ کی اس روایت کے رد کے لیے کافی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۲۹ میں ابو نصر احمد بن الحسین القاضی۔ ابوبکر احمد بن محمد اسحاق السنی الحافظ۔ عبد اللہ بن محمد بن جعفر۔ ہارون بن اسحاق۔ کی سند نقل کرتے ہوئے کہا کہ ہارون بن اسحاق نے کہا کہ میں نے محمد بن عبد الوھاب القناد کو کہتے ہوئے سنا کہ میں ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ یہ مجلس لغو ہے، اس میں کوئی وقار نہیں ہے۔ اور میں سفیان ثوریؒ کی مجلس میں حاضر ہوا تو اس میں وقار اور سکون اور علم تھا تو میں نے اس مجلس کو لازم پکڑ لیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ القناد تو ان لوگوں میں سے ہے جو مسانید میں ابو حنیفہؒ سے بکثرت روایت کرنے والے ہیں۔ اور خطیبؒ کی روایت کے جھوٹا ہونا پر یہی دلیل کافی ہے۔ اور عبد اللہ بن محمد بن جعفر وہ نہیں ہے جو الشیخ بن حیان کا باپ ہے اس لیے کہ اس نے ھارون بن اسحاق الھمدانی کو نہیں پایا جس کی وفات ۲۵۸ھ میں ہوئی۔ بلکہ یہ عبد اللہ بن محمد القاضی القزوینی ہے جو کہ کذاب مشہور ہے جس نے امام شافعیؒ کی جانب منسوب کر کے دو سو کے قریب ایسی حدیثیں وضع کیں جن میں سے کسی کو امام شافعیؒ نے بالکل بیان نہیں کیا۔ لیکن خطیبؒ پرہیز نہیں کرتا بلکہ وہ اس کے طریق سے ابو حنیفہؒ کے مطاعن کی روایات کرتا جاتا

ہے جیسا کہ وہ اس کی روایت سے امام شافعیؒ کے مناقب میں روایت لینے سے نہیں ڈرتا۔ اور بے شک اسی طرح کیا ہے اس نے احمد بن عبد الرحمٰن بن الجارود الرقی کے بارہ میں جس کو اس نے خود تاریخ ص ۶۱-۶۹ ج ۲ اور ص ۷ ۲۴۴ میں جھوٹا قرار دیا ہے۔ اور اگر یہ کھلے امور نہ ہوتے تو ایسے تیر نہ برستے جو سیدھے خطیبؒ کی گردن تک پہنچ رہے ہیں تا کہ اس کو قتل کرنے کے مقام تک پہنچا دیں۔

اور خطیبؒ نے اس کے بعد محمد بن عبد اللہ الحضرمی کے طریق سے ثوری سے حکایت کی ہے کہ بے شک وہ ابو حنیفہؒ کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے روکتے تھے۔ اور ثوری کا اس کی مجلس سے روکنے کا ابو حنیفہؒ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یہ فرض کر کے کہ ابن رزق کو ضبط ہے اور یہ فرض کر کے کہ بے شک محمد بن ابی شیبہ کا مطین الحضرمی کے بارہ میں طعن درست نہیں ہے اور اس قسم کا روکنا تو ہم عصر لوگوں کے درمیان بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور یہی حال اس خبر کا ہے جو اس کے بعد ہے۔ اور رہی تیسری سند تو اس میں الہیتی ہے جس کے بارہ میں خطیبؒ خود کہتا ہے کہ اس کے اصول کمزور تھے اور وہ بکثرت غلطیاں کرتا تھا اور وہ غفلت کا شکار تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ علم حدیث سے بالکل کورا تھا۔ (تاریخ ص ۷۵ ۲ ج ۵)

اور اس کا راوی الجلاد تو ایسا راوی ہے جو ایسی باتوں کو بھی روایت کرتا تھا جن کا اس کو سماع نہیں ہوتا تھا۔ جس کی صراحت الدار قطنیؒ نے کی ہے جیسا کہ خطیبؒ کی تاریخ ص ۱۹۱ ج ۴ میں ہے۔ بے شک احمد بن سلیمان نے دوسرے کی کتاب سے ان چیزوں کو بیان کیا جو اس کے اصول کے مطابق نہ تھیں جو لَعَلَّ وَلَعَلَّ کے ساتھ ہی ہیں۔ تو اس طریق کے ساتھ خطیبؒ کی ثوریؒ کے بارہ میں یہ روایت ساقط ہو جاتی ہے کہ بے شک وہ ابو حنیفہؒ کی رائے میں غور کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ بعض دفعہ ابو حنیفہؒ میرے سامنے آجاتے تو مجھ سے کوئی مسئلہ پوچھتے تو میں اس کا جواب تو دے دیتا تھا مگر اس بات کو اچھا نہ سمجھتا تھا اور میں نے اس سے کبھی کوئی چیز دریافت نہیں کی۔ یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے حالانکہ علی بن مسہر سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ بے شک وہ ابو حنیفہؒ کی کتابیں ثوری کے پاس ان کے طلب کرنے پر لے کر جاتے تھے اور جب اس سے ابو حنیفہؒ نے اس کو منع کیا تو ثوری نے ابو حنیفہؒ کی مجلس میں اس حال میں حاضر ہونا شروع کر دیا کہ اپنا سر ڈھانپ رکھا ہوتا تھا۔ اور ابن ابی العوامؒ اور ابو عبد اللہ الصیمریؒ کی کتابوں میں ان

روایات کو بیان کیا گیا ہے جن کو یہاں نقل کرنے سے بحث طویل ہو جائے گی اور عنقریب ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ثوری کی روایت المرتدہ والی حدیث میں آرہی ہے۔ اور اس کے بعد والی خبر جس میں ہے کہ سفیان ثوری نے کہا کہ ابوحنیفہؒ علم اور سنت کے بغیر ہی امور میں بے سوچے سمجھے باتیں کیا کرتے تھے تو اس کی سند میں محمد بن الحسین بن حمید الربیع ہے جو کذاب ابن کذاب ہے اور اس سند میں جو محمد بن عمر ہے وہ ابن ولید التیمی ہے اور مطبوعہ تمام نسخوں میں ولیدؒ کی جگہ دلیل لکھ دیا گیا ہے جو کہ تصحیف ہے اور اس کے بارہ میں ابن حبان نے کہا کہ وہ امام مالکؒ سے ایسی باتیں نقل کرتا تھا جو اس کی حدیث میں سے نہ ہوتی تھیں تو اس سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ اور ابو حاتمؒ نے اس کے معاملہ کو مضطرب خیال کیا ہے اور ابن الجوزیؒ نے اس کو الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کے بعد والی خبر جس میں ہے کہ سفیان کی مجلس میں لوگوں نے ابوحنیفہؒ کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ 'کہا جاتا تھا کہ نبطی جب عرب بن جائے تو اس کے شر سے پناہ مانگو۔ تو اس کی سند میں تینوں ساتھی ابن رزق اور ابن سلم اور الابار ہیں۔ اور بے شک ان کے تذکرے پہلے ہو چکے ہیں اور سفیان بن وکیع نے اس روایت کو بگاڑ کر خوش منظر بنا دیا ہے تو یہ روایت ایسی ہو گئی کہ اہل جرح کے ہاں اس کے ساتھ احتجاج درست نہیں ہے۔ اور ابوحنیفہؒ اصل فارسی النسب ہیں جو کہ بعد میں عرب بن گئے جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سریانی تھے تو عرب بن گئے تھے۔ اور النبط تو وہ لوگ ہیں جو آرامی ہیں جو کہ عراق کے اصلی باشندے ہیں اور اسی لیے تو النبطی کا لفظ عراقی پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ ان کے نسب سے نہ ہو۔ جیسا کہ یہ بات انساب السمعانی سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ تو یہ صحیح ہے کہ ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کہا جائے کہ وہ نبطی تھے اس معنی کہ میں کہ وہ عراقی تھے اور یہ ایسے ہی ہیں کہ ان لوگوں کو رومی کہا جائے جو ترک کے بلاد عثمانیہ سے ہوں۔ یہ اعتبار کر کے کہ بے شک یہ بلاد اس کے اصلی باشندوں کے ساتھ مشہور ہیں اور وہ روم ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہر نبطی جو عرب بن جائے اس سے پناہ مانگنا تو نری جہالت ہے اور جاہلیت کی وجہ سے ہے۔ اور ائمہ کے درمیان کتنے ہی الزعفرانی جیسے تھے جو امام شافعیؒ سے کنارہ کش رہتے تھے۔ (تو جیسے اس کی وجہ سے امام شافعیؒ پر کوئی طعن نہیں تو اگر بالفرض ثابت بھی ہو جائے کہ سفیان ثوریؒ ابو حنیفہؒ سے کنارہ کش ہو گئے تھے تو اس کی وجہ سے ابو حنیفہؒ پر بھی کوئی

طعن نہیں ہے)

اعتراض ۹۳: (کہ قیس بن ربیع نے کہا کہ ابوحنیفہؒ گزری ہوئی باتوں میں اجہل الناس تھے اور جو باتیں نہ ہوئی ہوں ان کے زیادہ عالم تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ علم تو صرف اس ذات کو ہو سکتا ہے جس کا علم گزری ہوئی اور ہونے والی باتوں کو محیط ہو اس کا علم قیس بن ربیع کو کیسے ہو سکتا ہے اور یہی واضح بات اس روایت کے من گھڑت ہونے کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۰ میں الآبار۔ ابراہیم بن سعید الجوہری۔ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن نے کہا کہ قیس بن ربیع سے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ وہ گزری ہوئی باتوں میں تمام لوگوں سے زیادہ جاہل تھے اور جو باتیں نہیں ہوئیں ان کو زیادہ جانتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ابن رزق اور ابن سلم اور الآبار کے علاوہ ابراہیم بن سعید بھی ہے جو کہ نیند کی حالت میں علم حاصل کرتا تھا۔ اور قیس بن الربیع تو ایسا آدمی ہے جس کو بہت سے حضرات نے چھوڑ دیا تھا۔ اور اس کا بیٹا لوگوں کی احادیث لیتا' پھر ان کو اپنے باپ کی کتاب میں داخل کر دیتا تھا تو اس کا باپ قیس باطنی سلامتی کی وجہ سے ان کو روایت کر دیتا تھا۔ اور اس جیسی نکتہ چینی اس کی کاروائی نہیں ہو سکتی۔ اور ابن عبد البرؒ نے اس جیسا قول رقبہ بن مصقلہ کی طرف منسوب کیا ہے اور وہی اس کے لائق ہے اور ہر حالت میں کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس جیسی گواہی دے سوائے اس ذات کے جس کا علم گزری ہوئی باتوں اور نہ گزری ہوئی باتوں کو محیط ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ خطیبؒ نے یہ خیال کر لیا ہو کہ قیس بن الربیع کو ان تمام گزری ہوئی اور نہ گزری ہوئی باتوں کا علم تھا۔ (مگر یہ خیال باطل ہے اس لیے کہ) وہ ذات بزرگ و برتر ہے جس کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اس کے بعد والی خبر بھی اس جیسی ہے اور اس کی سند میں سنید اور الحجاج الاعور۔ اور یہی قیس ہے جس کا ذکر ہوا۔ اور سنید نے حجاج سے اس وقت روایات لی ہیں جبکہ وہ سخت قسم کے اختلاط میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اور بے شک اہل علم نے اس کو دیکھا کہ اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی کہ وہ حجاج کو بتاتا جاتا تو وہ اس کے مطابق کہتا جاتا تھا۔ اور اہل جرح کے نزدیک ملقن (جو تلفظ کراتا جائے) بھی سقوط میں اسی درجہ میں ہے جس طرح متلقن (جس

کو تلفظ کرلیا جائے) ہے۔ اور نسائیؒ نے اس کے بارہ میں کہا کہ وہ غیر ثقہ ہے۔

اعتراض ۹۴: (کہ ابن ادریس نے کہا کہ دنیا کے اندر میری خواہش یہ ہے کہ کوفہ سے ابوحنیفہؒ کی فقہ اور نشہ آور چیزوں کا پینا اور حمزہ قاری کی قراءت نکل دی جائے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو ابن ادریس کی خواہش خاک میں مل گئی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ کی فقہ کو صرف کوفہ میں ہی نہیں بلکہ اطراف عالم میں پھیلایا اور اس کی حفاظت فرمائی۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۰ میں البرقانی۔ محمد بن احمد بن محمد الادمی۔ محمد بن علی الایادی۔ زکریا بن یحییٰ الساجی کی سند نقل کر کے کہا کہ زکریا نے کہا کہ ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ ابن ادریس نے کہا کہ بے شک میں دنیا کے اندر اس بات کی خواہش رکھتا ہوں کہ کوفہ سے ابوحنیفہؒ کی فقہ اور نشہ اور چیزوں کا پینا اور حمزہ قاری کی قراءۃ نکل جائے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ آپ دیکھیں گے کہ البرقانی نے اپنے آپ کو کیسے لوگوں کی صف میں بیان کیا ہے۔ پھر محمد بن احمد بن محمد الادمی جیسے آدمی سے روایت کرتا ہے جو کہ العلل الساجی کا راوی ہے۔ اور وہ صدوق نہ تھا۔ کتابوں میں اپنے لیے ان چیزوں کی سماعت کا دعویٰ بھی کرتا تھا جو اس نے نہ سنی ہوتی تھیں اور وہ بے ہودہ گو تھا جیسا کہ خطیبؒ نے خود اس کا بیان کیا ہے۔ اور بہرحال الساجی تو اس کی حالت کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اور اس کا شیخ مجہول ہے اس کے اور عبد اللہ بن ادریس الاودی کے درمیان تو جنگلات ہیں (یعنی درمیان میں بہت سے نامعلوم راوی ہیں) اور اس حکایت کو ابن ادریس کی زبان پر گھڑنے والا بے شرم اور کمزور دین والا ہے کہ اس نے نشہ آور چیز کے پینے اور فقہ کو اور القراءۃ المتواترہ کو ایک جیسا شمار کیا ہے۔ اور تا کہ اس واضع کا دل مطمئن ہو جائے اس بات کی وجہ سے کہ بے شک وہ دونوں (یعنی ابوحنیفہؒ کی فقہ اور حمزہ قاری کی قراءۃ) کوفہ سے نکل جائیں اس کے علاوہ زمین کے مشرق اور مغرب میں بے شک پھیلتی جائیں اور ان کی نشر و اشاعت ہوتی رہے۔

اعتراض ۹۵: (کہ ابوعاصم نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کی فقہ سے توبہ کرنی چاہیے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۱ میں کہا کہ زکریا نے کہا کہ میں نے محمد بن الولید البسری سے سنا وہ کہتے تھے کہ بے شک میں ابو حنیفہؒ کی فقہ یاد کیا کرتا تھا تو ایک دن میں ابوعاصم کے پاس تھا تو میں نے اس کے سامنے ابو حنیفہؒ کے مسائل میں سے کچھ پڑھے تو اس نے کہا کہ تیرا حافظہ کس قدر اچھا ہے لیکن تجھے کیا ضرورت پڑی کہ تو ایسی چیز یاد کرتا ہے جس کی وجہ سے تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرنے کی ضرورت پیش آئے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں الادمی اور زکریا الساجی ہیں اور پہلے خطیبؒ نے ہی ص ۳۴۲ میں خود ابو عاصم سے عمدہ سند کے ساتھ ایسا واقعہ نقل کیا ہے جو اس کے منافی ہے۔ اور ابو عاصم النبیل تو بصرہ میں امام زفر کے اصحاب میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو ابوحنیفہؒ کی فقہ کو بہت ہی زیادہ پسند کرتے تھے مگر کذاب لوگ (جھوٹی روایات کر کے) اسی طرح اپنے آپ کو رسوا کرتے ہیں۔

اعتراض ۹۶: (کہ حماد نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کا علم تو میری ڈاڑھی کے خضاب سے بھی زیادہ حادث ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت حماد سے ثابت بھی ہو جائے تو اس کی وجہ سے اعتراض کی کون سی بات ہے اس لیے کہ کون ابوحنیفہؒ کے علم کو قدیم مانتا ہے نیز حماد کی وفات امام ابوحنیفہؒ کی وفات سے سترہ سال بعد ہوئی تو کیا حماد جوانی میں ہی خضاب لگانا شروع ہو گئے تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۱ میں ابن رزق۔ ابن سلم۔ الابار۔ احمد بن عبد اللہ العتکی۔ ابو عبد الرحمٰن۔ مصعب بن خارجہ بن مصعب کی سند نقل کر کے کہا کہ مصعب نے کہا کہ میں نے جامع مسجد میں حماد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ کا علم کیا ہے؟ اس کا علم تو میری اس ڈاڑھی کے خضاب سے بھی زیادہ حادث ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں تینوں ساتھی ابن رزق اور ابن سلم اور الابار اور ان کے ساتھ احمد بن عبد اللہ الفریاناني المروزی ہے جس کے بارہ میں ابونعیم نے کہا کہ یہ حدیثیں گھڑنے میں مشہور ہے۔ اور نسائی نے کہا کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور ابن عدیؒ نے کہا کہ وہ الفضیل اور ابن المبارکؒ وغیرہ سے منکر روایات کرتا تھا۔ اور دار قطنیؒ نے کہا کہ وہ

متروک الحدیث ہے۔ اور ابن حبانؒ نے کہا کہ وہ ثقہ راویوں سے ایسی احادیث بیان کرتا تھا جو ان سے نہ ہوتی تھیں۔ اور ثبت راویوں سے ایسی روایات کرتا تھا جو انہوں نے بیان نہ کی ہوتی تھیں۔ اور ابن السمعانی نے کہا کہ وہ ثقہ راویوں سے ایسی احادیث بیان کرتا تھا جو ان کی احادیث نہ ہوتی تھیں۔ اور محمد بن علی الحافظؒ اس کے بارہ میں اچھی رائے نہ رکھتا تھا۔ اور وضاع (روایات گھڑنے والے) پر الاباز جیسے جیب کترے کے سوا کون اعتماد کر سکتا ہے جس کو لکھنے کی مزدوری ملتی تھی۔ اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں العتکی کی جگہ العکی لکھا ہوا ہے مگر صحیح العتکی ہے جیسا کہ ابن السمعانی کی کتاب انساب میں ہے۔ اور خارجہ بن مصعب خود تو معروف ہے لیکن اس کا بیٹا مصعب مجهول الصفت ہے جیسا کہ ابو حاتمؒ نے کہا ہے۔ اور اس سند میں حماد جو ہے وہ حماد ابن سلمہ ہے۔ اگر یہ واقعہ درست مان لیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس نے اپنے آپ پر آزمائش کا ذکر کیا حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ لوگوں کے بارہ میں کلام کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھے۔ اور دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جاتا جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ ابو حنیفہؒ کا علم قدیم ہے۔ اور اس کے علم کے حادث ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ رہی بات اس کے اس کا حماد ابن سلمہ کی داڑھی کے خضاب سے بھی زیادہ حادث ہونے کی جس کی وفات اس (ابوحنیفہ) سے تقریباً سترہ سال بعد ہے تو اس روایت کا تصور صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ حماد جوانی میں ہی خضاب لگانے والا ہو۔ لیکن آدمی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کے منہ سے کیا نکلتا ہے۔ (اور اگلی روایت میں جو یہ ہے کہ سفیان بن سعید اور شریک بن عبد اللہ اور الحسن بن صالح نے کہا کہ ہم نے ابوحنیفہؒ کو اس طرح پایا کہ وہ فقہ میں ذرا بھی معروف نہ تھے' ہم تو اس کو صرف مناظروں میں پہچانتے ہیں) تو ابوحنیفہؒ پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے جبکہ کئی لوگوں نے اس کو اس وقت پایا جبکہ وہ فقہ میں مشہور ہونے سے پہلے مناظروں میں مشہور تھے۔ اور وہ خبر جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ جب مناظرہ کرتے تھے تو اپنی آواز بلند کرتے تھے تو اس روایت کی سند صحیح نہیں ہے۔ پس اگر امام شافعیؒ تک سند کو صحیح مان بھی لیا جائے تو تب بھی اعتبار نہیں اس لیے کہ امام شافعیؒ اور ابوحنیفہؒ کے درمیان سند مذکور نہیں ہے۔ اور شوافع حضرات تو منقطع خبر کو دلیل نہیں مانتے۔ اور بہرحال وہ روایت جو ابن المبارکؒ سے کی گئی ہے کہ بے شک ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ کیا ابوحنیفہؒ مجتهد تھے یعنی بہت زیادہ

عبادت گزار تھے تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ایسا کرنا اس کی عادت نہ تھی۔ وہ تو صبح سے ظہر تک اور ظہر سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک اور مغرب سے عشاء تک گفتگو میں چست و چالاک رہتے تھے تو وہ مجتہد کیسے ہو سکتے تھے؟ اور وہ عبارت ابو قدامہ کی یوں ہے کہ میں نے سلمہ بن سلیمان سے سنا اس نے کہا کہ ایک آدمی نے ابن المبارکؒ سے کہا تو اس کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے۔ اس لیے کہ اس نے وضاحت نہیں کی کہ بے شک اس نے آدمی کو کہتے ہوئے خود سنا۔ کہ وہ قصہ کے وقت حاضر تھا جیسا کہ اس نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ وہ آدمی کون تھا؟ پس اللہ کی ذات پاک ہے کہ ابو حنیفہؒ کا مخالف بھی اس کے بارہ میں یہ تو اعتراف کر رہا ہے کہ بے شک وہ صبح سے عشاء تک سارا وقت فقہ اور علم سکھانے میں گزارتے تھے۔ مگر وہ اس کے باوجود اس کی کثرت عبادت کا اعتراف نہیں کرتا۔ اور فرائض ادا کرنے کے بعد لوگوں کو ان کے دین کی فقہ سکھانے سے زیادہ پسندیدہ عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں اور کون سی ہو سکتی ہے؟ اور اگر ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب نہ ہوتے تو فقہ کا پھل اس انداز کا نہ پکتا۔ اور ہو سکتا ہے کہ راوی نے روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے اس میں تغیر و تبدل کر دیا ہو۔ اور ابن المبارکؒ کا قول بہت احتمال رکھتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ مدح ہو مگر الفاظ ایسے ہیں جو کہ مذمت کے مشابہ ہیں اور خاص کر اس ذکر کے بعد جس کو خطیبؒ نے اس باب میں مسعر بن کدام سے نقل کیا ہے۔ جہاں اس نے ص ۳۵۵ میں محمد بن احمد بن رزق۔ القاضی ابو نصر اور دوسری سند الحسن بن ابی بکر۔ القاضی ابو نصر احمد بن نصر بن محمد بن اشکاب البخاری۔ محمد بن خلف بن رجاء۔ محمد بن سلمہ۔ ابن ابی معاذ۔ مسعر بن کدام کی سند نقل کر کے کہا کہ مسعر بن کدام نے کہا کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس اس کی مسجد میں آیا تو میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے صبح کی نماز پڑھی پھر وہ لوگوں کو علم سکھانے بیٹھ گئے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی، پھر وہ عصر تک بیٹھے۔ پس جب عصر کی نماز پڑھ لی تو مغرب تک بیٹھے پھر جب مغرب کی نماز پڑھ لی تو عشاء کی نماز پڑھنے تک بیٹھے۔ تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص اس مصروفیت میں کب عبادت کے لیے فارغ ہوتا ہوگا؟ آج رات ضرور ضرور اس کی نگرانی کروں گا۔ اس نے کہا کہ پھر میں نے اس کی نگرانی کی تو جب لوگوں کی آمد و رفت تھم گئی تو وہ مسجد کی طرف نکلے تو نماز کے لیے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی پھر اپنے گھر گئے اور کپڑے بدل کر مسجد کی طرف آ گئے

اور صبح کی نماز پڑھی پھر لوگوں کے لیے ظہر تک بیٹھے رہے۔ پھر آخر تک روایت بیان کی۔ الخ۔ اس کی حالت دن اور رات میں اسی طرح تھی۔ اور اگر وہ فرائض کی ادائیگی کے بعد صرف لوگوں کو فقہ کی تعلیم ہی دیتے رہتے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یہی اطاعت اور عبادت اس کے لیے کافی ہوتی تو کیا شان ہے جبکہ وہ عبادت میں رات کو بھی گزارنے والے تھے جیسا کہ آپ نے معلوم کرلیا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ دعویٰ کرنے والا یہ دعویٰ کر رہا ہے اور ابوحنیفہؒ کے بارہ میں کہہ رہا ہے کہ انہوں نے عطاء کو چھوڑ دیا تھا اور ابوالعطوف کی جانب متوجہ ہوگئے تھے حالانکہ ابوحنیفہؒ کی احادیث میں جو سترہ مسانید لکھی ہوئی ہیں ان میں سے ہر مسند میں اس کی عطاء سے ہی روایات بکثرت ہیں۔ اور بہرحال ابوالعطوف جراح بن منھال الجزری، تو اس کی وفات ابوحنیفہؒ کی وفات سے تقریباً" اٹھارہ سال بعد ہے اور اس سے تو ابوحنیفہؒ کی روایات بہت ہی کم ہیں۔ اور جب تک اس پر غفلت طاری نہ ہوئی تھی اس سے پہلے پہلے اس سے روایت لینے میں کوئی مانع بھی نہیں ہے۔ اور امام احمدؒ نے اس کے بارہ میں صرف غفلت کا ذکر کیا ہے اور ابن معین نے کہا کہ وہ لیس بشئی ہے اور وہ یہ الفاظ بکثرت اس راوی کے بارہ میں کہتے تھے جس کی حدیثیں کم ہوں۔ اور جس آدمی کا خیال یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ میں اتنا علم نہیں تھا کہ وہ غفلت والے یا تہمت والے آدمی اور اس کے غیر کے درمیان فرق کر سکیں حالانکہ اس کو اس کے ساتھ صحبت بھی حاصل تھی تو بے شک اس شخص نے باطل خیال کیا۔ اور ابوحنیفہؒ تو عطاء بن ابی رباح سے بکثرت روایت کرتے تھے بلکہ حماد ابن ابی سلیمان کے بعد اس کے شیوخ میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے ابوحنیفہؒ کی روایات عطاء سے زیادہ ہوں۔ اور بہرحال ابو العطوف، تو اس سے اس کی روایات ساری کی ساری صرف پانچ کے قریب روایات ہیں۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی روایت اور روزے کی حالت میں سینگی لگوانے والی اور نَهَىٰ عَنْ بَيْعٍ وَ شَرْطٍ والی روایت اور آزاد مسلمان اور کتابی کی دیت برابر ہونے والی روایت اور مہینہ کے انتیس دن یا تیس دن کا ہونے والی روایت اور یہ ایسی روایات ہیں کہ اس کے علاوہ بھی کئی حضرات سے کئی طریقوں سے موجود ہیں۔ (روایت کی حالت تو یہ ہے مگر اس کے باوجود اس کو گھڑنے والا اور بیان کرنے والے بیان کرتے جا رہے ہیں) اور یہی ہوتا ہے کھلا جھوٹ۔ اور ابن المبارکؒ دونوں روایتوں سے بری ہیں۔ وہ تو

ابوحنیفہؒ کے بارہ میں یوں کہتے تھے کہ بے شک وہ افقہ الناس تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ واعبدھم اور ان میں زیادہ عبادت گزار واورعھم اور ان میں زیادہ پرہیز گار تھے جیسا کہ خود خطیبؒ نے ص ۳۴۲' ۳۵۵' ۳۵۹ میں پہلے بیان کیا ہے۔ اور بھول جانا تو خطیبؒ کی عادت ہے۔ اور پہلے ابن عون سے گزر چکا ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ رات کو زندہ رکھنے والے اور عبادت گزار تھے۔ بلکہ ان کا عبادت میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا ہونا تو لوگوں میں ضرب المثل ہے۔ تفصیل کے لیے ابن عبد البرؒ کی الانتقاء دیکھیں۔

اعتراض ۹۷ : (کہ حماد بن سلمہؒ ابوحنیفہؒ کو ابوجیفہ (مردار کا باپ) کہتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ حماد سے ثابت ہو جائیں تو اس کو ان الفاظ کی وجہ سے تو تعزیر لگنی چاہیے تھی اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے اس سے بھی کم الفاظ سے توہین کرنے والے کو تعزیر لگائی تھی۔ اس لیے ان الفاظ کی وجہ سے تو کہنے والے کی توہین ہونی چاہیے اس لیے کہ اس نے شرعی حکم وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ کی مخالفت کی ہے مگر متعصب اس کی بات کو بڑے فخر سے بیان کر رہے ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۲ میں الازھری۔ محمد بن العباس۔ ابوالقاسم بن بشار۔ ابراہیم بن راشد الادمی۔ ابوربیعہ فھد بن عوف کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو ربیعہ نے کہا کہ میں نے حماد بن سلمہ کو سنا کہ وہ ابوحنیفہؒ کی کنیت ابوجیفہ رکھتے تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ قارئین کرام اس کی وجہ سے ابوحنیفہؒ کے مخالفین کا اس کے ساتھ ادب کا درجہ دیکھ لیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ بے شک خطیبؒ متعصب ہے اور الازھری بھی متعصب ہے لیکن ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ بے شک یہ دونوں ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں اس جیسی احمقانہ بات لکھ کر غصہ کا اظہار کریں گے۔ اور وہ بھی محمد بن العباس الخراز جیسے آدمی کی سند سے جس سند میں ابراہیم بن راشد الادمی ہے جو کہ ابن عدی کے ہاں متہم ہے جیسا کہ اس کا ذکر امام ذہبی نے کیا ہے۔ اور ابو ربیعہ فھد بن عوف کو تو ابن المدینی نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ اور حماد بن سلمہ جس کی طرف یہ احمقانہ بات منسوب کی گئی ہے وہ ان آفت زدہ روایات کا راوی ہے جو ان کتابوں میں ہیں جو موضوعات پر لکھی گئی ہیں اس کی کتابوں میں اس کے لے پالک نے اپنی مرضی سے بہت کچھ داخل کر

دیا تھا جو رسوائی کا باعث ہے جیسا کہ ابن الجوزیؒ نے کہا ہے۔ اور بخاریؒ نے اس سے اجتناب کیا اور مسلمؒ نے اس کی صرف وہ روایات ذکر کی ہیں جو اس کے اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہونے سے پہلے کی ہیں اور تخلیط سے محفوظ ہیں۔ اور وہ اپنی فضیلت اور اچھی شہرت کے باوجود عربیت میں مسکین تھا۔ اس کی ابتدائی شہرت اچھی نہ تھی۔ اور وہ آخر عمر میں حشویہ کے ہاتھوں میں بڑا خطرناک ہتھیار بن گیا تھا اور اس کی مروی روایات میں یہ روایت بھی ہے کہ میں نے اپنے رب کو ایک بے ریش جوان آدمی کی صورت میں دیکھا جس کے بال بہت گھنگھریالے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت ہی بلند ہے اور جن لوگوں نے اس کا دفاع کیا ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ یا تو اس کے حال سے بے خبر ہوں گے یا کج رو ہوں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتے ہیں۔ اور اگر یہ کلمہ اس سے ثابت ہو جائے تو اس حماقت پر تو اس پر تعزیر واجب ہوگی جس حماقت کو زبان پر لانے سے بازاری آدمی بھی انکار کرتا ہے۔ اور آپ کو علم ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حطیئہ کو تعزیر لگائی تھی جبکہ اس نے زبرقان کے بارہ میں یہ اشعار کہے تھے۔

دع المکارم لا ترحل لبغیتها   واقعد فانک انت الطاعم الکاسی

"بزرگیوں کو چھوڑ دے اور ان کی تلاش میں سفر نہ کر۔ اور بیٹھا رہ کیونکہ بے شک تو بہت ہی کھانے والا پہننے والا ہے۔"

جیسا کہ اس کا بیان پہلے بھی ہو چکا ہے اور یہ اشعار تو اس احمقانہ جملہ (ابو جیفہ) کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اور خطیبؒ کے ہاں انصاف کی بربادی ہے کہ وہ ابو حنیفہؒ کے مطاعن میں اس جیسی باتیں ذکر کر رہا ہے۔ پختہ بات ہے کہ مناسب تو یہ تھا کہ یہ بات حماد بن سلمہ کی انتہائی بے وقوفی پر اطلاع دینے کے لیے اور اس کی بے ہودہ گوئی واضح کرنے کے لیے اس کے مطاعن میں ذکر کرتا۔ بشرطیکہ خطیبؒ کی نظر میں اس حکایت کا ثبوت فرض کر لیا جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عبد اللہ بن المبارکؒ نے اس فحش کلام کرنے والے کے رد کا ہی ارادہ کیا ہو جبکہ اس نے کہا:

الا یا جیفة تعلوک جیفة   واعیا قاری ما فی صحیفه

"خبردار اے گلی سڑی مردار لاش اس کا بدبودار ہونا تجھ پر چھا جائے۔ اور اے وہ شخص

جو اس چیز کو پڑھنے سے عاجز ہے جو قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔"

امثلک لا هدیت ولست تهدی　　　یعیب اخا العفاف اباحنیفة

"کیا تیرے جیسا آدمی بھی راہنمائی کر سکتا ہے حالانکہ تو خود راہ راست پر نہیں ہے۔ پاک دامنی والے ابوحنیفہؒ پر عیب لگاتا ہے۔"

اور اس نے آخر تک ان اشعار کو پڑھا جو ابن ابی العوامؒ الحافظ نے العباس بن الفضل۔ یوسف بن ابی یوسف کی سند سے عبد اللہ بن المبارکؒ سے نقل کیے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ابوحنیفہؒ کی جانب سے ابن المبارکؒ کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ اس نے ظالم کو اس کی زیادتی کے مطابق بدلہ دے دیا۔

اعتراض ۹۸: (کہ حمیدی لوگوں کے سامنے ابوحنیفہؒ کو ابوجیفہ کہتے تھے۔ اور اس کا جواب بھی اس سے پہلے اعتراض میں ہو چکا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۲ میں ابن رزق۔ عثمان بن احمد۔ حنبل بن اسحاق۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ حنبل بن اسحاق نے کہا کہ میں نے الحمیدی کو سنا کہ جب وہ ابوحنیفہؒ کی کنیت بیان کرتے تو ابوجیفہ کہتے اور اس کو چھپاتے نہ تھے اور مسجد حرام میں اپنے حلقہ میں اس وقت ظاہر کرتے جبکہ لوگ اس کے اردگرد ہوتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اگر اس روایت کو ابن رزق نے ضبط کیا ہے اور ابن السماک ابو عمرو عثمان بن احمد کی مصیبتوں میں سے یہ روایت نہیں ہے اور نہ ہی یہ روایت حنبل کے تصرفات کا نتیجہ ہے تو عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی اس حرام کردہ برے لقب کو علانیہ کہنے کی وجہ سے درجہ قبول سے ساقط ہو جائے گا اور خصوصاً جبکہ وہ مسجد حرام میں ایسے الفاظ کہتے۔ اور الحمیدی انتہائی تعصب میں مشہور ہے۔ اور اس کی بات کو ترک کر دیا گیا بلکہ محمد بن عبد الحکم نے اس کو جھوٹا قرار دیا جبکہ وہ لوگوں کے بارہ میں کلام کرے۔ اگرچہ حدیث میں اس کی توثیق کی گئی ہے۔ اور جب امام شافعیؒ نے مصر کی جانب جاتے وقت صرف اس وجہ سے اس کو اپنا ساتھی بنانا چاہا کہ وہ ابن عیینہ سے روایت کرنے والا ہے تو یہ طمع کرنے لگا کہ شافعیؒ اس کو اپنی وفات کے بعد اپنا خلیفہ بنا دیں۔ اور جب اس نے معلوم کر لیا کہ بے شک

اس کے اصحاب اس کو پسند نہیں کرتے اس لیے کہ وہ فقہ سے بالکل نابلد تھا تو اس نے شافعیؒ سے یہ نقل کیا کہ بے شک اس کی جماعت میں سے اس کے مقام کا زیادہ حقدار البویطی ہے۔ تو محمد بن عبد الحکم نے اس کی تکذیب کی۔

اور امام شافعیؒ ایسے آدمی نہ تھے کہ دنیا والوں میں سے کسی کو اس چیز کا راز دان بناتے جس کو وہ اپنی جماعت سے چھپاتے تھے۔ اور اگر ان کی رائے ہوتی کہ ان کے بعد ان کا خلیفہ البویطی ہو تو وہ اس کو اپنی جماعت کے سامنے واضح کر دیتے تا کہ اس کے بعد وہ اختلاف نہ کریں۔ اور البویطی نے اس مقصد کے لیے ایک ہزار دینار خرچ کیے۔ اور جماعت کے دلوں کو مائل کرنے کے لیے ہزار دینار کثیر رقم ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے توالی التانیس میں اس سے نقل کیا ہے۔ اور رشوت کے لیے مختلف کاروائیاں ہوتی ہیں۔ اور الحمیدی کی دلی خواہش البویطی کے ساتھ تھی کیونکہ وہ دونوں جھگڑے کی جگہ میں ایک دوسرے کے قریب اور فقہ کی گہرائیوں میں غور و خوض سے دونوں دور تھے۔ بخلاف المزنی اور ابن عبد الحکم جیسے آدمیوں کے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ یہ ابن عیینہ سے روایت کرنے والوں میں سے ہے تو لوگ اس کے شدید تعصب کی وجہ سے اس کی پرواہ نہ کرتے اور نہ ہی اس کی بد زبانی کی وجہ سے اس کی حدیث کی پرواہ کرتے۔ اور شاید کہ امام شافعیؒ رضی اللہ عنہ نے اس کے رد کا ارادہ فرمایا ہے۔ ان اشعار کو پڑھ کر جو کہ ابن المبارکؒ نے کہے تھے جن کا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا:

الا یا جیفة تعلوک جیفة واعیا قارئ ما فی صحیفة

"خبردار اے مردار لاشے اس کا بدبودار ہونا تجھ پر چھا جائے۔ اور اے ایسے شخص جو اس کو پڑھنے سے عاجز ہے جو قرآن کریم میں ہے۔"

امثلک لاَ هُدِيْتَ ولست تهدی یعیب اخا العفاف اباحنیفة

"کیا تیرے جیسا آدمی بھی راہنمائی کر سکتا ہے حالانکہ تو خود راہ راست پر نہیں۔ پاک دامنی والے ابوحنیفہؒ پر عیب لگاتا ہے۔"

تعیب منشمرا سهر اللیالی وصام نهاره لله خیفة

"تو ایسے آدمی پر عیب لگاتا ہے جو راتوں کو جاگنے پر کمربستہ رہتا تھا۔ اور اللہ کے

خوف کی وجہ سے اس کا دن روزہ کی حالت میں گزرتا تھا۔"

وصان لسانه عن کل افک   وما زالت جوارحه عفیفة

"اور اس نے اپنی زبان کو ہر قسم کے جھوٹ سے بچائے رکھا۔ اور اس کے اعضاء ہمیشہ گناہوں سے بچتے رہے۔"

وغض عن المحارم والمناهی   ومرضاة الاله له وظیفه

"اور اس نے حرام اور ممنوع چیزوں سے اپنی آنکھیں بند رکھیں اور اس نے اپنے لیے رب تعالیٰ کی رضاء کو لازم پکڑے رکھا۔"

فمن کابی حنیفة فی نداه   لاهل الفقر فی السنة الحجیفة

"پس کون ہے ابو حنیفہؒ جیسا اپنی سخاوت میں۔ فقراء کے لیے قحط سالی میں۔"

اور بے شک میں نے العلامہ الشیخ عبد اللہ بن عیسیٰ الکوکبانی الیمانی کے مجموعہ میں دیکھا جس کی وفات ۱۲۲۴ھ ہے اور اس نے الملل والنحل کی شرح میں اپنے خط کے ساتھ لکھا۔ امام المہدی باللہ الیمانی نے لکھا ہے کہ بے شک امام شافعیؒ رضی اللہ عنہ نے جب اس آدمی سے سنا جو ابو حنیفہؒ کے بارہ میں ظالمانہ کلام کر رہا تھا تو انہوں نے اس آدمی کو تنبیہہ کرنے اور ڈانٹنے کے بعد یہ اشعار کہے۔ پھر اس نے ان اشعار کو ذکر کیا اور اس کے ساتھ دس کے قریب اور اشعار ذکر کیے۔ لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ بے شک امام شافعیؒ نے ابن المبارکؒ کے اشعار ہی کہے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ ان کی اپنی نظم میں سے نہیں ہیں۔ اگرچہ جن لوگوں نے ان اشعار کو بیان کیا ہے انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ شعر انہوں نے خود کہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اور ہم اس عیب لگانے والے فحش گو کے جواب میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے وہی کافی ہے جو کچھ امام شافعیؒ نے اس کے جواب میں اشعار کہہ دیے ہیں اور اس میں عبرت ہے۔

اعتراض ۹۹: (کہ عبد الرحمٰن بن مہدیؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ اور حق کے درمیان پردہ حائل ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بالکل بے تکی بات ہے اس لیے کہ اگر حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو حق تعالیٰ اور صرف ابو حنیفہؒ کے درمیان ہی پردہ حائل نہیں بلکہ

سب کے درمیان ہے اور اگر حق سے مراد اعتقادی مسائل ہیں تو ان میں دیگر حضرات بھی اس کے ساتھ شریک ہیں اور اگر حق سے مراد فروعی مسائل ہیں تو تقریباً" تین تہائی مسائل میں دیگر ائمہ ان کے ساتھ متفق ہیں اور اگر بعض فروعی مسائل کو حق سے تعبیر کیا ہے اور ان کی وجہ سے کہتا ہے کہ حق اور ابوحنیفہؒ کے درمیان پردہ حائل ہے تو یہ انتہائی تعصب ہے اس لیے کہ ایسی حالت تو دیگر ائمہ کی بھی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۰۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۲ میں العتیقی۔ یوسف بن احمد بن الصیدلانی۔ محمد بن عمرو العقیلی۔ زکریا بن یحییٰ الحلوانی کی سند نقل کر کے کہا کہ زکریا نے کہا کہ میں نے محمد بن بشار العبدی بندار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ عبد الرحمٰن بن مھدی نے ابوحنیفہؒ کا ذکر کیا ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ اس کے اور حق کے درمیان پردہ حائل ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اگر حق سے مراد حق تعالیٰ کی ذات ہے تو کون ہے کہ جس کے اور حق کے درمیان پردہ نہیں ہے اور اگر حق سے مراد مسائل کا درست ہونا ہے تو اعتقاد میں اس کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کا خلاف گمراہی نہ ہو (یعنی اس کے بیان کردہ مسائل حق ہیں اور ان کا خلاف گمراہی ہے) اور بہرحال فروعی مسائل' تو باقی ائمہ متبوعین کے فقہ میں مشغول ہونے سے پہلے ہی اس نے بھی اور اس کے دیگر اصحاب اصول نے اصول وضع کیے اور اپنے دلائل کے ساتھ فروعی مسائل نکالے۔ اور وہ (باقی ائمہ) فقہ کے تین تہائی مسائل میں اس کے ساتھ موافق ہیں جیسا کہ ان کتابوں میں ہے جو اختلافی مسائل پر لکھی گئی ہیں۔ ان میں ائمہ کے اتفاقی مسائل کے مقالات اور اختلاف کے مقالات پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔ اور فقہ کے باقی ایک چوتھائی مسائل میں اختلاف مسلسل ہے۔ پس مطلقاً یہ کہنا کہ اس کے اور حق کے درمیان پردہ حائل ہے تو یہ بے تکی بات ہے جو سراسر بے اعتبار ہے اس کو ساقط کرنے کی جانب ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر حق سے مراد بعض معمولی حصہ ہے جس کے بارہ میں مخالف کا نظریہ ہے کہ ابوحنیفہؒ نے اس میں غلطی کی ہے تو اس کے بارہ میں بات کرنے کی گنجائش ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ پہلی اور دوسری سند میں ایک راوی بندار ایسا ہے کہ پہلے لوگوں نے اس کے بارہ میں کلام کیا ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ وہ متہم با لکذب اور حدیثوں کا چور تھا۔ پھر متاخرین نے اس کی

روایات سے منتخب کر کے لینے کا عمل اختیار کیا اور تیسری سند میں اس کے ساتھ ساتھ ابن درستویہ بھی ہے۔ (جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔)

اعتراض ۱۰۰: (کہ عمر بن قیس نے کہا کہ جو حق راستہ چاہتا ہے وہ ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کی مخالفت کرے۔ اور اس کا جواب بھی اس سے پہلے اعتراض کے ضمن میں ہو گیا ہے۔)

اور خطیب نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۳ میں ابن رزق۔ ابن سلم۔ الابار۔ سلمہ بن شبیب۔ الولید بن عتبہ۔ مومل بن اسماعیل کی سند نقل کر کے کہا کہ مومل نے کہا کہ عمر بن قیس نے کہا کہ جو شخص حق چاہتا ہے تو وہ کوفہ میں جا کر دیکھے اور جو کچھ ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا ہے تو یہ ان کے خلاف کرے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ بے شک پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کی بات اعتقاد میں حق ہی ہے' اہل حق اس سے علیحدہ نہیں ہیں۔ پس آپ اس کا عقیدہ اس کتاب میں دیکھیں جو ابو جعفر الطحاوی نے لکھی ہے پس کیا اس میں کوئی ٹیڑھا پن ہے؟ اور بہرحال فروعی مسائل تو ائمہ متبوعین نے اس کے بعد اس کے اکثر مسائل میں اس کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور کسی امام کے ساتھ اس کے اختلافی مسائل کی تعداد ایک چوتھائی سے زائد نہیں ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ جو شخص ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کی اعتقاد میں یا ان مسائل میں مخالفت کرے گا جن میں ائمہ دین میں سے کسی نے اس کے ساتھ نزاع نہیں کیا تو یہ یقیناً حق کی مخالفت ہوگی۔ اور جس نے کسی واضح دلیل کے بغیر کم فہمی کی وجہ سے ان مسائل میں ان کی مخالفت کی جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اور ان کو اس کی وجہ سے گمراہی پر شمار کرتا ہے تو ایسا آدمی ان صحیح اور صریح احادیث کی مخالفت کرنے والا ہے جن میں آتا ہے کہ بے شک مجتہد کو درست اور غلطی دونوں حالتوں میں اجر ملتا ہے۔ یا وہ آدمی اس بات سے ناواقف ہے کہ اہل حق کے ہاں مسائل اجتہادیہ کا حکم کیا ہے؟ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ مجتہد کی غلطی ثابت ہے تو اس کے باوجود غلطی کرنے والے مجتہد کو گناہ گار قرار دینے کا قول گمراہ لوگوں کا ہے۔

اور رہا معاملہ خبر کی سند کا تو اس میں تینوں ہم پیشہ ابن رزق اور ابن سلم اور الابار ہیں۔ اور اس میں مومل بن اسماعیل بھی ہے اور وہ بخاری کے نزدیک متروک الحدیث ہے

اور بہرحال عمر بن قیس تو اگر وہ الماصر الکوفی ہے تو مول المکی نے اس کو نہیں پایا اور اگر ابو جعفر عمر بن قیس المکی ہے تو وہ منکر الحدیث ہے اور ساقط الاعتبار ہے جیسا کہ اہل جرح و تعدیل میں سے بہت سے حضرات نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کی طرف ابن سعد نے یہ بات منسوب کی ہے کہ بے شک اس نے کسی حاکم کے سامنے امام مالکؒ کے بارہ میں کہا کہ یہ شیخ کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی درست نہیں کہتا۔ تو مالکؒ نے کہا کہ لوگوں کی یہی شان ہے۔ پھر امام مالکؒ کو یہ بات پہنچی کہ اس نے اس بات میں اس کو غافل ثابت کرنے کا ارادہ کیا تھا تو کہا اللہ کی قسم میں اس سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ اور یہی ہے جس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ اس نے امام مالکؒ سے یہ بھی کہا ای مالک انت ھالک "اے مالک تو تو برباد ہے۔" رسول اللہ ﷺ کے شہر میں بیٹھ کر بیت اللہ کا حج کرنے والوں کو گمراہ کرتا ہے تو لوگوں سے یہ کہتا ہے کہ افراد کرو۔ اللہ تجھے اکیلا کرے۔ تو مالکؒ کے ساتھیوں نے اس سے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو امام مالکؒ نے کہا کہ اس سے کلام نہ کرو کیونکہ یہ نشہ آور چیز پیتا ہے۔ الخ۔ جیسا کہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ اور بعض حضرات نے پہلی حکایت کے بارہ میں نسبت کی ہے کہ یہ معاملہ رشید کی موجودگی میں ابویوسفؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ مول کی عبارت میں انقطاع ہے۔ اور اس کے بعد جو عمار بن زریق کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ تو ابوحنیفہؒ کی مخالفت کر پس یقیناً تو حق پالے گا۔ تو یہ عمار وہ ہے جو عبد اللہ بن شبرمہ کا چچا زاد ہے جس کے بارہ میں السلیمانی نے کہا کہ وہ رافضی تھا۔ اور اس سند میں ایک راوی الاحوص بن الجواب الضبی ہے جو کہ ابن ابی لیلی کے اصحاب میں سے ہے اور وہ ابن معین کے ہاں قوی نہ تھا۔ اور اس کے ساتھ والی روایت کی سند میں ابن درستویہ ہے جو یعقوب سے روایت کر رہا ہے اور اس نے ابن نمیر سے روایت کی کہ اس نے کہا کہ ہمارے کسی ساتھی نے ہمارے سامنے بیان کیا تو یہ راوی مجہول ہے اور وہ عمار بن زریق سے روایت کرتا ہے جس پر السلیمانی نے جرح کی ہے۔

اور اس کے بعد والی رلویت جو البرقانی سے الحسین بن لوریس تک کی سند کے ساتھ ہے اس نے کہا کہ ابن عمار نے کہا کہ جب تو کسی چیز میں شک کرے تو ابوحنیفہؒ کے قول کو دیکھ۔ اگر تو نے اس کے خلاف کیا تو وہی حق ہوگا۔ یا اس نے کہا کہ برکت اس کے خلاف

میں ہے۔ اور ابن عمار جو ہے وہ محمد بن عبد اللہ الموصلی التاجر ہے جس کی کتاب العلل ومعرفۃ الشیوخ ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ میں نے ابو یعلیٰ کو دیکھا کہ وہ اس کے بارہ میں اچھا قول نہیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اس نے میرے ماموں کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ اور اس کی اہل موصل سے غریب اور مفرد روایات ہیں۔ الخ

اور ابو یعلیٰ الموصلی تو باقی لوگوں کی بہ نسبت اس کو زیادہ جاننے والے تھے اور اس کا اس کے بارہ میں کلام تو دوسروں کے کلام پر فیصلہ کن ہے۔ اور الحسین بن ادریس الہروی صاحب التاریخ ہے جس کے بارہ میں ابن ابی حاتم نے اس کی باطل احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا کہ میں نہیں جانتا کہ معیبت اس کی طرف سے ہے یا خالد بن ھیاج کی طرف سے ہے۔ الخ۔ اور الہروی اور خالد دونوں کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر وہ ان کے حالات سے ناواقف تھا۔ اور توثیق میں وہ متساہل ہے اس لیے اس کی توثیق اہل نقد کے ہاں مردود ہے۔ تفصیل کے لیے اللسان کی طرف رجوع کریں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس خبر کا ثبوت اس کے قائل سے ہے تو یہ بے تکی بات اس کے قائل کے بارہ میں کمزور دینی کی اطلاع دیتی ہے۔

اعتراض ۱۲۱ : (کہ مساور کو جواب دیتے ہوئے کسی شاعر نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے کئی حرام شرمگاہوں کو حلال کر دیا تھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مجہول شاعر کے کلام کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۴ میں کہا کہ مساور کو کسی شاعر نے یوں جواب دیا:

فکم من فرج محصنة عفیف   احل حرامها بابی حنیفة

"پس کتنی ہی پاک حرمت والی شرمگاہیں۔ جن کو حرام ہونے کے باوجود ابو حنیفہؒ کی وجہ سے حلال کر لیا گیا۔"

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس خبر کی سند میں ہدیہ بن عبد الوھاب ہے اور ہدیہ یاء کے ساتھ ہے باء کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ مطبوعہ تینوں نسخوں میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور اس خبر میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ ایک مجہول شاعر نے فقیہ الملت کی توہین کی ہے تو اس کی

مذمت گوئی کی کیا قیمت ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ وہ اوندھے منہ آگ میں گرے۔ اور اگر مذمت کرنے والا اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر اپنی پہچان کراتا اور جس مسئلہ کو وہ پسند نہیں کرتا تھا اس کی صراحت کرتا اور جس مسئلہ میں وہ حرام کو حلال کرنا شمار کر رہا ہے اس کی صراحت کرتا تو اس کے بارہ میں بات کہنے اور اس کے اعتراض کا جواب دینے کا امکان تھا۔ تو جب تک کہنے والا مجہول ہے اور وہ مسئلہ بھی نامعلوم ہے تو ہم کیا بات کریں۔ اس کے حق میں دعاء ہی کرتے ہیں کہ جہالت کا پردہ اس کی عقل سے ہٹے تا کہ کوئی مجہول دوبارہ کسی مجہول مسئلہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ائمہ میں سے کسی امام کے بارہ میں تنقید کے درپے نہ ہو اور باب النکاح میں محارم کی تو صراحت موجود ہے اور ابو حنیفہؒ مصاہرت اور رضاعت کی وجہ سے حرمت کے بارے میں (باقی ائمہ سے) زیادہ سخت نظریہ رکھتے ہیں (ان کے نزدیک تو کسی عورت کی شرمگاہ کو نظر شہوت سے دیکھنے سے ہی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے) تو ان کا مذہب نکاح کے باب میں باقی مذاہب سے زیادہ احتیاط والا ہے اور اس میں کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں ہے لیکن شاعر ہر وادی میں حیران و سرگردان ہی پھرتا ہے۔

اعتراض ۱۰۲: (کہ ابوبکر بن عیاش نے اسماعیل بن حماد سے کہا کہ تیرے دادا نے کتنی ہی حرام شرمگاہوں کو حلال کر دیا تھا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۵ میں کہا کہ ابوبکر بن عیاش نے اسماعیل بن حماد سے کہا کہ کتنی ہی حرام شرمگاہیں تھیں جن کو تیرے دادا نے مباح قرار دے دیا تھا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ عبارت میں کم لا کر کثرت کو ظاہر کیا گیا ہے مگر اس میں سے کوئی ایک مثال بھی ذکر نہیں کی گئی تا کہ ہم اس کی طرف توجہ کرتے اور اس خبر کی سند میں ابن رزق اور ابو عمرو بن السماک ہیں اور سند میں یوں کہنا کہ ہمارے ایک ساتھی نے بیان کیا ہے جو ثقہ ہے تو یہ محدثین کے ہاں راوی کی جہالت کو دور نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ سے راوی مجہول ہی رہتا ہے۔ تو اس جیسی سند کے ساتھ ابن عیاش سے بالکل خبر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور اس کے بعد والی خبر میں تینوں ساتھی (ابن رزق۔ ابن سلم اور الابار) ہیں۔ اور اس سے بعد والی سند میں محمد بن العباس الخزاز اور ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم الھروی ہیں اور خطیبؒ نے خود پہلے ص ۳۲۷ میں ابوبکر بن عیاش کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ بے شک

ابو حنیفہؒ کو اس لیے مارا گیا کہ اس نے قضاء تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہاں کہہ رہا ہے کہ اس لیے مارا تھا کہ اس نے کپڑا بننے والے جولاہوں کا چودھری بننے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ پہلی خبر ہی صحیح ہے اور یہاں ابوبکر بن عیاش پر بہتان باندھا گیا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ قضاء تسلیم کرنے سے انکار کی وجہ سے اس کو مارا جانا تواتر سے ثابت ہے۔ بے شک خطیبؒ کا ناک خاک آلود ہو۔ اور یہی بعینہ رسوائی ہے۔

اعتراض ۱۴۳: (کہ اسود بن سالم نے ابوعبید سے مرتے دم تک صرف اس لیے کلام کرنا چھوڑ دیا تھا کہ اس نے مسجد میں ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کیا تھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو اسود بن سالم پرہیزگار ہونے کے باوجود وساوس کا شکار تھا تو اس کی بات کو کیسے حجت بنایا جا سکتا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۵ میں الحسن بن علی بن عبد اللہ المقرئی۔ محمد بن بکران البزاز۔ محمد بن مخلد۔ محمد بن حفص الدوری کی سند نقل کر کے کہا کہ الدوری نے کہا کہ میں نے ابوعبید کو کہتے ہوئے سنا کہ میں الاسود بن سالم کے ساتھ رصافہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا تو وہاں لوگوں نے کسی مسئلہ میں تکرار کیا تو میں نے کہا کہ بے شک ابو حنیفہؒ اس کے بارہ میں ایسا کہتے ہیں تو الاسود نے مجھے کہا کہ تو مسجد میں ابو حنیفہؒ کا ذکر کرتا ہے؟ پھر اس نے مرتے دم تک میرے ساتھ کلام نہ کیا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الاسود بن سالم کا ابوعبید کے مقابلہ میں کیا مقام ہو سکتا ہے جو کہ ہر علم میں امام تھا۔ اور الاسود بن سالم پرہیزگار اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھا مگر اس کو علم میں وسعت نہ تھی۔ اور نہ ہی فقہ میں اس کی گہری نظر تھی۔ تو اس کے بارہ میں یہ گمان کرنا مشکل ہے کہ وہ مسجد میں اللہ کے ذکر کے بغیر کسی اور کام میں مشغول ہو۔ وہ یہ احساس کرنے والا نہ تھا کہ فقہ کا پڑھنا پڑھانا بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے۔ اور اس بارہ میں اس کی اپنی رائے تھی اور اہل علم کی اپنی رائے ہے۔ نیز وہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ اس جیسی من گھڑت بات میں اس کے قول کو دلیل بنایا جا سکے۔ اور میں نہیں جان سکا کہ خطیبؒ نے اس سے روایت کرنے کی تکلیف کیوں اٹھائی ہے حالانکہ اس کا حال اس کو معلوم ہے جیسا کہ خود خطیبؒ نے ص ۳۶ ج ۷ میں الحسین بن علی الطناجیری۔ محمد بن علی بن سوید المؤدب۔ عثمان بن اسماعیل بن بکر السکری۔ حبش بن برد کی سند نقل کر کے کہا کہ حبش بن برد نے کہا

کہ اسود بن سالم صبح سے نصف النہار تک اپنا چہرہ دھوتا رہتا تھا تو اس سے پوچھا گیا کہ تیرا واقعہ کیسا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے آج ایک بدعتی کو دیکھا ہے تو میں اس وقت سے اب تک اپنا چہرہ دھو رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک صاف نہیں ہوا۔ الخ

اعتراض ۱۴۴: (کہ علی بن عثام نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نہ دین میں حجت ہے اور نہ دنیا میں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو جب خطیبؒ کے امام' امام شافعیؒ نے ابوحنیفہؒ کی مروی حدیث سے دلیل پکڑی ہے تو پھر خطیبؒ کی اس کہانی کی کیا وقعت رہ جاتی ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۵ میں محمد بن احمد بن یعقوب۔ محمد بن نعیم الضبی اور یہ حاکم ہے جس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کی گئی ہے۔ محمد بن حامد البزاز۔ الحسن بن منصور۔ محمد بن الوہاب کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن عبد الوہاب نے کہا کہ میں نے علی بن عثام سے پوچھا کہ ابوحنیفہؒ حجت ہے؟ تو اس نے کہا نہ دین کے معاملہ میں اور نہ دنیا کے معاملہ میں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اللہ کے دین میں حجت تو اپنی شرطوں کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت اور اجماع اور قیاس ہے۔ اور دنیا میں حجت عادل گواہوں کی گواہی ہے اور مدعا علیہ کا اقرار ہے اور محدثین کی اصطلاح جو الحجہ ہے وہ تو نئی اصطلاح ہے (امام ابو حنیفہؒ کے دور میں یہ اصطلاح نہ تھی) تو یہاں اس حکایت کو ذکر کرنے کا کیا مقصد ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ اس کی روایت سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی تو یہ جرح غیر مفسر ہے۔ (اور جرح غیر مفسر کا اعتبار نہیں ہوتا) علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی مروی حدیث سے دلیل پکڑی ہے اور وہ تو خطیبؒ کے امام ہیں۔ اور وہ جس قدر ابوحنیفہؒ کی تعریف کرتے تھے وہ ابن عبد البر کی کتاب الانتقاء سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس کی ثقاہت اور امانت اور امامت تو متواترات میں سے ہے۔ تو اس کے بارہ میں طعن صرف کج رو آدمی ہی کر سکتا ہے جیسا کہ دوسرے مقام میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ پھر علی بن عثام تک سند میں محمد بن عبد الوہاب الفراء ہے اور وہ ہذایت کے معاملہ میں ابو یعلی الخلیلی کے نزدیک معلول ہے جیسا کہ من الامھات فی ابا صوفیا فی الرجال میں ہے۔

اور حاکم کا تعصب اور اختلاط مشہور ہے اور علی بن عثام مسلم کے راویوں میں سے

ہے اور حاشیہ میں جس نے یہ کہا ہے کہ یہ مجہول ہے تو اس کو وہم ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں خلاصہ الخزرجی جو کہ رجال میں چھوٹی سی کتاب ہے تا کہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ مجہول نہیں ہے۔

اعتراض ۱۰۵: (کہ محمد بن علی بن النعمان شیعہ نے جس کو شیطان الطاق کہا جاتا تھا اس نے ابوحنیفہؒ کو گفتگو میں لاجواب کر دیا تھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو کس قدر افسوس کی بات ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف شیطان الطاق جیسے آدمی کی بات کو درج کر کے پھیلایا جاتا ہے حالانکہ اس کے ساتھیوں نے تو امام شافعیؒ کے خلاف بھی بہت کچھ کہا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۰۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۵ میں ابوحازم عمر بن احمد بن ابراہیم العبدوی الحافظ۔ محمد بن احمد بن الغطریف العبدی۔ محمد بن علی البلخی۔ محمد بن احمد التمیمی۔ عبد اللہ بن محمد بن جعفر الاسامی کی سند نقل کر کے کہا کہ ابوحنیفہؒ شیطان الطاق کو رجعت کے ساتھ متہم کرتے تھے (حضرت علیؓ کے بارہ میں بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر اسی دنیا میں آئیں گے۔ اس نظریہ کو رجعت سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور شیطان الطاق ابوحنیفہؒ کو تناسخ کے نظریہ کے ساتھ متہم کرتا تھا۔ (بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی روح کسی دوسرے جانور میں داخل کر دی جاتی ہے اور یہ نظریہ ہندوؤں کا ہے۔ شیطان الطاق نے ابو حنیفہؒ کی طرف میں اس کی غلط نسبت کی ہے) عبد اللہ بن محمد نے کہا کہ ابوحنیفہؒ بازار گئے تو اس کے سامنے شیطان الطاق آیا اور اس کے پاس کپڑا تھا جس کو وہ بیچنا چاہتا تھا تو اس کو ابوحنیفہؒ نے کہا کیا تو یہ کپڑا مجھ پر بیچتا ہے۔ اور جب حضرت علی دوبارہ آئیں گے تو اس وقت تو مجھ سے رقم لے لینا۔ (گویا یہ اس کے نظریہ پر چوٹ تھی) تو اس نے کہا اگر تو مجھے کوئی ضامن دے کہ تو بندر کی صورت میں تبدیل ہو کر نہ آئے گا تو میں تجھ پر یہ کپڑا بیچ دیتا ہوں تو ابوحنیفہؒ اس کی یہ بات سن کر لاجواب ہو گئے۔ عبد اللہ بن جعفر نے کہا کہ جب جعفر بن محمد علیہ السلام کی وفات ہوئی تو شیطان الطاق اور ابوحنیفہؒ کی ملاقات ہوئی تو ابوحنیفہؒ نے اس کو کہا کہ تیرا امام تو فوت ہو گیا تو شیطان الطاق نے اس کو کہا کہ بیشک تیرے امام (ابلیس) کو تو قیامت کے دن تک مہلت ملی ہوئی ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ دیوانہ ہوگیا ہے کیونکہ اس نے ابوحنیفہؒ کے بارہ میں وہ باتیں شروع کر دی ہیں جو باتیں شیطان الطاق جیسے آدمی کی طرف منسوب کی گئی ہیں تا کہ خطیبؒ اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرے۔ اور ادب ہمیں مانع ہے اس بات سے کہ ہم وہ کچھ نقل کریں جو شیطان الطاق کے ساتھیوں نے اس (خطیب) کے امام (شافعی) کے متعلق کہی ہیں۔ اور بحار الانوار اور روضات الجنات میں اس قسم کی بہت سی باتیں مذکور ہیں۔ کیا ان باتوں میں دلوں کی شفاء ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس میں تو دلوں کی بیماریاں ہیں۔ اور اس خبر کا راوی ابن الغطریف کی روایات کو محدثین نے منکر کہا ہے۔ جیسا کہ لسان المیزان میں ہے۔

اور محمد بن علی بن الحسین البلخی الھروی کی اکثر روایات منکر ہیں۔ اور محمد بن احمد التمیمی العامری المصری کذاب تھا۔ کتابوں سے موضوع روایات کرتا تھا۔ جیسا کہ ابن یونس نے کہا ہے اور یہ بات دیکھتے ہوئے کہ اس کی وفات ۳۴۳ھ میں ہے تو اس کے شیخ کی ولادت تیسری صدی کے نصف آخر میں ہی ہوگی تو اس کے شیخ محمد بن جعفر الاساھی اور شیطان الطاق کے درمیان بیابان ہیں اور شیطان الطاق تو ابوحنیفہؒ کا ہم عصر ہے۔ سند میں ظاہراً تو اتصال نہیں۔ ہاں ایسا کوئی رابطہ ہو جو شیاطین کے درمیان ہوتا ہے تو وہ الگ بات ہے۔ ہم شیاطین سے بھی اور جن پر یہ اپنی روایات میں اعتماد کرتے ہیں ان سب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اعتراض ۱۰۶ : (کہ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت من گھڑت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۹ میں ابونعیم الحافظ۔ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حیان۔ سالم بن عصام۔ رستہ عبد الرحمٰن بن عمر۔ موسیٰ بن المساور۔ جبر (اور وہ محمد بن عصام بن یزید الاصبہانی ہے) کی سند نقل کر کے کہا کہ جبر نے کہا کہ میں نے سفیان ثوریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ ضال و مضل ہے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس خبر کے راوی خطیبؒ اور ثوریؒ کے علاوہ باقی سب اصبہانی ہیں۔ ابونعیم اپنے تعصب کے ساتھ ساتھ متکلم فیہ ہے اور اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اسی طرح اس کے شیخ کو ابو احمد العسال نے ضعیف کہا ہے جو اس کا ہم شہر تھا۔ اور سالم بن

عصام تو غریب روایات والا ہے اور رستہ اصبہانی کی ولادت ۱۸۸ھ ہے اور اس کے بھتیجے کی روایت کے مطابق اس کی ولادت ابن مھدی کی وفات سے صرف دس سال پہلے ہے۔ اور یہ بعید ہے کہ اس کا بھتیجا اس کی سن ولادت سے ناواقف ہو اور اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ بے شک اس نے ابن مھدی سے تیس ہزار احادیث روایت کی ہیں تو اتنی کثرت سے احادیث لینا دس سال کی عمر کے بچہ سے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور صحاح ستہ والوں میں صرف ابن ماجہ نے اس سے روایت کی ہے۔ ابو موسیٰ المدینی نے کہا کہ اس کے بارہ میں ابو مسعود نے کلام کیا ہے جو کہ الحافظ البارع احمد بن الفرات الرازی ہے۔ اس نے ری والوں کو خط لکھا اور ان کو اس سے روایت کرنے سے منع کیا۔ نیز وہ اپنی حدیث میں بکثرت غریب حدیث لاتا ہے۔ اور ابو محمد بن حیان نے کہا کہ اس کی غریب احادیث زیادہ ہیں۔ اور موسیٰ بن المساور ابو الھیثم الضبی الحلیہ کے راویوں میں سے ہے اور مجہول الحال ہے اور میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس نے اس کی توثیق کی ہو۔ اور جبر کا تلفظ جیم اور باء مشدد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ سفیان ثوریؒ نے ابو حنیفہؒ کو ضال (گمراہ) شمار کیا ہے تو اس کی کوئی وضاحت نہیں کہ اس نے کس وجہ سے ایسا کہا ہے۔ اگر ایمان کی کسی بات میں کہا ہے تو ایمان سے متعلق عقائد تو ان کے خالص ہدایت ہیں جیسا کہ پہلے اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ اور اگر اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہے تو ہمیں معلوم نہیں کہ ان دونوں کے درمیان کسی اعتقادی مسئلے میں اختلاف ہوا ہو۔ اور ایسا جملہ تو اعتقادی مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے ہی کہا جا سکتا ہے۔ اور پہلے خطیبؒ نے خود ص ۳۴۱ میں ثوریؒ سے ابو حنیفہؒ کی تعریف پر مشتمل روایت بیان کی ہے اور ابن عبد البر نے الانتقاء ص ۱۲۷ میں کئی روایات نقل کی ہیں جن میں ثوریؒ نے ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے۔ اور یہاں سند کا جو حال ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اور اگر ہم فرض کر لیں کہ ایمان کا معاملہ ثوریؒ پر مخفی تھا تو اس نے ابو حنیفہؒ کو اس وجہ سے ضال و مضل شمار کیا ہے تو ابو حنیفہؒ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اور اس کے بعد والی روایت میں عبد اللہ بن ادریس کا قول کہ ابو حنیفہؒ ضال اور مضل ہے اور ابو یوسفؒ کا قول کہ وہ فاسقوں میں سے ایک فاسق ہے تو اس کی سند میں الداعر ایوب بن اسحاق السافری ہے جس کے بارہ میں ابن یونس نے کلام کیا ہے اور اس کی سند میں رجاء ابن السندی بھی ہے اور غیبت میں اس کی زبان کھلی رہتی تھی۔ اور صحاح ستہ والوں نے اس

سے اعراض کیا ہے۔ اور عبد الغنی المقدسی کو مغالطہ ہوا ہے جو اس نے کہا کہ بخاری نے اس سے روایت لی ہے جیسا کہ المزی وغیرہ نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عبد اللہ بن ادریس الاودی کو معاف فرمائے کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق معمولی وجہ سے لوگوں کو گمراہ کہہ دیتا تھا۔ اور اس کے بعد والی خبر میں ایوب بن اسحاق بن سافری السافری بھی ہے۔

اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ اس نے ایوب الواسطی پر جھوٹ ہی باندھا ہے کیونکہ اس نے یزید بن ہارون کی جانب یہ بات منسوب کی ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ کے ساتھیوں سے زیادہ عیسائیوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حالانکہ صحیح سند کے ساتھ تو یزید بن ھارون سے ابوحنیفہ کی شان میں انتہائی تعریف ثابت ہے جیسا کہ خود خطیب نے ص ۳۴۲ میں روایت نقل کی ہے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ابن عبد البر نے الحکم بن المنذر۔ یوسف بن احمد۔ محمد بن علی السمنانی۔ احمد بن حماد۔ القاسم بن عباد۔ محمد بن علی۔ یزید بن ہارون کی سند نقل کر کے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ مجھ سے خالد بن عبد اللہ الطحان الواسطی نے کہا کہ تو ابوحنیفہ کی کلام دیکھا کرتا کہ تجھے فقہ حاصل ہوجائے کیونکہ تجھے ضرورت ہے۔ یا کہا کہ تو اس کی طرف محتاج ہے۔ اور خالد الواسطی نے اس سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ پس اے مخاطب ذرا سمجھ سے کام لے کہ کیا کوئی شخص اپنے شیخ کی نصیحت کو ان لوگوں کے حق میں قبول کر سکتا ہے جن کو وہ نصاریٰ کی طرح سمجھتا ہو۔ اللہ کی قسم یہ تو خالص بہتان ہے۔

اور بے شک ابن ابی العوام نے جعفر بن محمد ابن اعین۔ یعقوب بن شیبہ۔ یعقوب بن احمد۔ الحسن بن علی۔ یزید بن ھارون کی سند نقل کر کے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا جبکہ اس سے کسی آدمی نے پوچھا کہ اے ابو خالد تو سب سے زیادہ فقیہ کس کو سمجھتا ہے؟ تو اس نے کہا ابوحنیفہ کو۔ اور ابوحنیفہ تو ان کے اکابر کا یقیناً استاد ہے۔ اور میری خواہش ہے کہ میرے پاس اس کے مسائل میں سے ایک لاکھ مسائل ہوتے اور اس نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ یہ مجلس موت سے صرف ایک ہفتہ پہلے کی ہے۔ الخ۔ اور ابن ابی العوام نے اسی طرح ابراہیم بن احمد بن سہل۔ القاسم بن غسان۔ ابراہیم بن عبد اللہ الھروی کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک ہزار فقہاء کو پایا اور ان میں سے اکثر سے لکھا تو میں نے ان میں سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ حلیم اور سب سے زیادہ پرہیز گار پانچ آدمیوں کو پایا۔ ان میں پہلا نمبر ابوحنیفہ کا ہے۔

الخ۔ پس اللہ کی پناہ کہ یزید بن ہارون نے اپنی زبان سے وہ بات کہی ہو جس کو خطیبؒ نے اس کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے۔ اور یہ صرف ابن سافری کی شرارت ہی ہو سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس سے حساب لے گا اور ان لوگوں سے بھی جنہوں نے اس کی روایت کو موضوع ہونے کی نشاندہی کیے بغیر روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔

اعتراض ۱۰۷: (کہ امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کے اصحاب کی کتابوں میں ایک کتاب دیکھی جس کے ایک سو تیس اوراق تھے تو ان میں سے میں نے اسی اوراق ایسے شمار کیے جو کہ کتاب و سنت کے خلاف تھے۔ ابو محمد نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیاد ہی غلط تھی تو جو مسائل ان سے نکالے گئے تو وہ بھی غلط ہی رہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت امام شافعیؒ سے ثابت ہو جائے تو پھر امام شافعیؒ نے اس کتاب اور اس کے مولف کا نام ذکر کیوں نہیں کیا اور اس کے غلط مسائل کی نشاندہی کیوں نہیں کی۔ نیز امام شافعیؒ نے خود اپنے بے شمار مسائل سے رجوع کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کو کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے تھے ورنہ وہ ان سے رجوع نہ کرتے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۷ میں احمد بن محمد العتیقی۔ الحسن بن جعفر السلماسی۔ الحسن بن علی الجوھری۔ علی بن عبد العزیز البرذعی۔ ابو محمد عبد الرحمٰن بن ابی حاتم۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن عبد اللہ نے کہا کہ مجھ سے محمد بن ادریس الشافعیؒ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کے اصحاب کی کتابوں میں ایک کتاب دیکھی جس کے ایک سو تیس اوراق تھے تو میں نے اس میں اسی اوراق ایسے شمار کیے جو کتاب و سنت کے خلاف تھے۔ ابو محمد نے کہا اس لیے کہ بے شک اصل ہی غلط تھا تو فروع بھی غلطی پر ہی رہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے ابو حنیفہؒ کا ترجمہ شروع کرنے سے لے کر یہاں تک صبر کیا کہ امام شافعیؒ سے ابو حنیفہؒ پر عیب والی کوئی روایت ذکر نہ کی۔ حالانکہ اس نے ابو حنیفہؒ کے خاص اصحاب کی اس بارہ میں روایات ذکر کی ہیں۔ اور یہاں اس نے اپنے دل کو ٹھنڈا کیا اور امام شافعیؒ سے چار روایات اس ضمن میں ذکر کی ہیں۔ اور بے شک البرذعی جن حالات میں گھرا ہوا ہے' ان کو واضح کر کے میں پہلی روایت کی سند میں کلام نہیں کروں گا

اور نہ ان وجوہ کو بیان کروں گا جو جرح میں اس کے شیخ کا ضد بازی میں مشہور ہونا ثابت ہے۔ اور نہ اس کو بیان کروں گا۔ جو اس پر اس کا وہ اعتقاد املاء کرواتا تھا جو اس نے حرب بن اسماعیل سے سیکھا تھا۔ اور نہ ہی وہ باتیں نقل کروں گا جو ابن عبد الحکم کے بارہ میں الحمیدی اور الربیع الموذن نے کہی ہیں۔ بلکہ میں متعین کرتا ہوں کہ بے شک اس روایت کا متن جس کو امام شافعیؒ نے محمد بن عبد الحکم کے پاس راز رکھا یہ تو اس روایت کے خلاف ہے جو امام شافعیؒ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ سارے لوگ فقہ میں ابو حنیفہؒ کے محتاج ہیں۔ اور یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ انہوں نے امام محمد بن الحسنؒ سے اس قدر کتابوں کا علم حاصل کیا جو ایک اونٹ کا بوجھ بن جاتا ہے اور یہ کہ انہوں نے کہا کہ فقہ میں تمام لوگوں سے بڑھ کر احسان مجھ پر امام محمد کا ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی صریح روایات موجود ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں اسناد کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں۔ اور خود خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں ان کو لکھا ہے۔ بلکہ میں یہاں صرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ تینوں مطبوعہ نسخوں میں اور دار الکتب المصریہ کے قلمی نسخہ میں اس مقام پر جو نص نقل کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اس میں کتب کا کلمہ نکرہ واقع ہے جو کہ ابو حنیفہؒ کے تمام اصحاب کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ان اوراق کو اصحاب ابی حنیفہؒ کی تمام کتب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ ایسی کتابیں تھیں جن کے صرف ایک سو بیس ورق تھے بلکہ اوراق کی یہ تعداد تو بتلاتی ہے کہ وہ کوئی چھوٹی سی کتاب ہی ہوگی۔ اور یہ چھوٹی سی کتاب ابو حنیفہؒ کے تمام اصحاب کی تالیف تو نہیں ہو سکتی بلکہ صرف کسی ایک کی ہوگی اور یہ تو میرے خیال کے مطابق بالکل ظاہر اور واضح بات ہے۔ تو شاید اصل روایت یوں ہو کہ میں نے ابو حنیفہؒ کے کسی ساتھی کی ایک چھوٹی سی کتاب دیکھی جس کے ایک سو تیس اوراق تھے تو میں نے اس میں اسی اوراق کتاب و سنت کے خلاف شمار کیے۔ تو اصل عبارت کے نقل کرنے میں یا تو لکھنے والے نے غلطی کی یا راویوں میں سے کسی سے غلطی ہوئی۔ یہاں تک کہ عبارت کی وہ شکل بن گئی جو بیان ہوئی ہے۔ اور ہم امام شافعیؒ کی شان بہت بلند سمجھتے ہیں اس سے کہ انہوں نے کوئی غیر معقول بات کہی ہو۔ پس امام شافعیؒ نے صرف محمد بن الحسن سے جو علم حاصل کیا وہ کتابیں پورے ایک بختی اونٹ کا بوجھ ہیں۔ اور اس کا اعتراف خود ان کو ہے۔ اور امام محمد بن الحسنؒ کی جن کتابوں کا مطالعہ امام شافعیؒ نے کیا وہ بھی تمام اصحاب ابی حنیفہؒ کی کتابیں نہ تھیں بلکہ انہوں نے ابو یوسفؒ کی

کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ان کتابوں میں صرف الامالی کی تین سو کے قریب جلدیں ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے وکیع بن الجراحؒ اور اسد بن عمروؒ اور یوسف بن خالد السمتیؒ وغیرہ اصحاب ابی حنیفہؒ سے بہت کچھ سنا ہے اور ان کی کتابوں سے تو کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ اور بعض بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ان کے اوراق اتنے ہیں کہ امام شافعیؒ کی تمام تالیفات کے کلمات اور جملے بھی اتنے نہ ہوں گے۔ تو اس صورت میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ بے شک اس کا قول صرف ایسی چھوٹی سی کتاب کے بارہ میں ہے جس کے صرف اتنے اوراق ہوں تو اگر وہ اس مذکورہ کتاب کا صراحت سے ذکر کر دیتے اور اس کے مسائل میں سے جو کتاب و سنت کے خلاف تھے ان کو ظاہر کر دیتے تو اس میں امام شافعیؒ کا کیا بگڑتا تھا۔ جبکہ وہ اس کتاب کے دو ثلث مسائل تھے۔ پس اگر وہ ایسا کر دیتے تو ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا مولف اگر زندہ ہوتا تو صحیح بات کی طرف رجوع کر لیتا۔ یا وہ اس کا جواب دے دیتا اور اگر مر گیا ہوتا تو اس کے شاگردوں میں سے ہی کوئی اٹھ کھڑا ہوتا جو اس کا جواب لکھ دیتا تو اس کو لینے یا جواب دینے کا نفع عام ہو جاتا اور مسائل میں سے غلط اور درست واضح ہو جاتے۔

اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے کسی نے ایک چھوٹی سی کتاب میں اکثر مسائل غلط لکھے ہیں تو اس کی وجہ سے ابو حنیفہؒ پر کیا اعتراض ہے؟ اور خود امام شافعیؒ نے ان مسائل سے رجوع کیا جو کتاب الحجہ میں جمع ہیں جو سارے کے سارے ان کے قدیم مسائل مشہور رہیں اور اس کو دھو ڈالنے اور اس سے اعراض کرنے کا حکم دیا۔ اور وہ تو بہت بڑی جلد ہے جس کے اوراق آٹھ سو سے کم نہ ہوں گے۔ اور اگر امام شافعیؒ ان قدیم اقوال کو کتاب و سنت کے خلاف نہ سمجھتے تو ان سے رجوع نہ کرتے اور نہ ہی اس بارہ میں اتنا تشدد کرتے۔ تو امام شافعیؒ کے لیے کیسے گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ کسی کو ایسی خطاء پر عار دلائیں جو خطاء ان کی اپنی خطاء کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔ اور یہ عالم جس کی خطا فرض کی گئی ہے اس نے تو ابھی تک اپنی خطا کا اعتراف کیا ہی نہیں جیسا کہ اعتراف امام شافعیؒ نے اپنے قدیم مسائل کی غلطی کا کیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب کے لکھنے والے کے پاس ایسے دلائل ہوں جو معترض کے اعتراض کو دفع کر سکیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ اعتراض کیا تھے؟ اور علماء میں یہ پایا جاتا ہے کہ وہ جلد بازی میں کسی بات کو کتاب و سنت کے خلاف ہونے کا حکم دے دیتے ہیں۔ مگر جب گہری نظر سے اس کلام میں

غور کیا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ جس کو کتاب و سنت کے خلاف قرار دیا گیا ہے وہ تو کتاب و سنت کے بالکل موافق ہے۔ اور یہی بات درست ہے۔ اور ہاں یہاں ایک راوی محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم جو امام شافعیؒ سے اس روایت کا راوی ہے اس نے خود ایک کتاب لکھی جس کا نام اس نے رکھا ما خالف فیہ الشافعیؒ کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (یعنی اس کتاب میں وہ مسائل بتلائے گئے ہیں جن میں امام شافعیؒ نے کتاب اللہ اور سنت رسول کی مخالفت کی ہے) جیسا کہ اس کا ذکر ابن السبکی وغیرہ نے کیا ہے۔ تو کیا ہم اس کی اس بات کی بھی تصدیق کر دیں صرف یہ دیکھتے ہوئے کہ اس راوی کی تعریف میں ابن خزیمہ نے بہت مبالغہ کیا ہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے کہ آسمان کے نیچے کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم سے زیادہ صحابہ اور تابعین کے اختلاف کو جاننے والا ہو۔ اور اگر اصل حکایت میں عبارت یوں ہوتی کہ امام شافعیؒ نے کہا ہوتا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کی کتاب میں دیکھا تو پھر سند کی خرابی سے چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے وہ معنی درست ہو سکتا تھا جو مخالف لے رہا ہے۔ مگر بے شک کلام مرسل ہے جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا گیا ہے اس کی وضاحت کیے بغیر کہ ابو حنیفہؒ کی کتابوں میں سے وہ کونسی کتاب تھی؟

اور بہرحال وہ روایت جو خطیبؒ نے امام شافعیؒ سے کی ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ ابو حنیفہؒ پہلے غلط مسئلہ گھڑتے ہیں پھر ساری کتاب کو اس پر قیاس کرتے ہیں۔ تو ہم اس کی سند کے راویوں کے بارہ میں کلام نہیں کرتے۔ اگرچہ ان میں پہلی سند کے راویوں کے ساتھ الربیع المرادی بھی ہے جس کے بارہ میں ابو یزید القراطیسی کلام کرتے ہیں۔ پھر جو اس نے کہا ہے ہم بھی اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک مجتہد کبھی فروعی مسائل میں غلطی کر جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کے بھی فقہ میں بعض ابواب اس قبیل سے ہیں۔ پس کتاب الوقف میں انہوں نے قاضی شریح کے قول کو لیا اور اس کو بنیاد بنا کر اس کے مطابق مسائل نکالے تو اس کتاب کے فروع غیر مقبول ٹھہرے۔ یہاں تک کہ ان مسائل کو ان کے دونوں ساتھیوں (ابو یوسف اور محمد) نے بھی رد کر دیا۔ اور اسی طرح انہوں نے کتاب المزارعہ میں ابراہیم النخعیؒ کے قول کو بنیاد بنایا تو اس پر فروعی مسائل نکالے لیکن ابو حنیفہؒ کے اس قبیل سے جو مسائل ہیں ان کی تعداد لو تو ایک ہاتھ کی انگلیوں تک بھی نہیں پہنچتی۔ بخلاف اس کے کہ عیب لگانے والے (یعنی امام شافعیؒ اگر ان سے یہ حکایت ثابت ہو جائے) کے مسائل اس قبیل سے اس کثرت سے ہیں کہ ان کے ہم مذہب بڑے بڑے فقہاء حیران رہ جاتے ہیں تو

آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ عمل کے لیے مذہب میں قدیم اور جدید مسائل کے درمیان سے مسئلہ انتخاب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور جن مسائل میں ان کے اماموں کے دو دو قول پائے جاتے ہیں ان کے جوابات دیتے ہیں۔ پھر وہ شکوہ کرتے ہیں کہ یہاں اصول کے مطابق فروع میں طریق اختیار نہیں کیا گیا اور اصل اور فروع میں مطابقت نہیں ہے۔ اور اس کی وضاحت کا یہ موقعہ نہیں۔ اس کا مقام اور ہے۔

اور بہرحال ابو جعفر الایلی نے جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ بے شک وہ کسی آدمی کو نہیں جانتے کہ اس نے کتاب لکھی ہو اور وہ اس کے قول کی کمزوری پر دلالت کرتی ہو۔ جتنا کہ ابو حنیفہؒ کی کتاب اس کے قول کی کمزوری پر دلالت کرتی ہے اور اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ ضعف کے مقامات میں اپنے کلام میں اخفاء کے طریق پر نہ چلتے تھے (یعنی اگر قول میں کچھ کمزوری ہوتی تو وہ اس کمزوری کو چھپاتے نہیں تھے) اور یہ تو علم میں اس کی امانت داری ہے۔ اور جو اس نے یہ قول اس کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ کی رائے کو جادوگر کے دھاگے کے مشابہ دیکھا ہے ادھر کھینچتا ہے تو سبز ہوتا ہے' ادھر کھینچتا ہے تو زرد ہو جاتا ہے۔ تو اس حکایت کی سند میں ابن رزق اور ابو عمرو بن السماک ہیں تو ہم یقین نہیں کر سکتے کہ امام شافعیؒ نے ابو حنیفہؒ کی فقہ کے بارہ میں اس قسم کی کلام کی ہو۔ حالانکہ آپ کو علم ہے کہ وہ اور اس کے اصحاب اپنی کتاب میں اس کا ذکر تعریف کے ساتھ اور ان کے حق میں دعاء کے ساتھ ہی کرتے ہیں۔ اور جن باتوں کا جواب دینا چاہتے ہوں ان کا جواب دلیل سے دینے میں عاجز نہ تھے کہ وہ بے حیاء لوگوں جیسے شور شرابے کی پناہ لیتے۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ یہ بات منافی ہے اس کے جو پہلے بیان ہو چکی کہ بے شک (اگر ابو حنیفہؒ کی کلام میں کوئی عیب ہوتا تو) وہ اپنے کلام میں عیب کو واضح چھوڑتے تھے تا کہ دیکھنے والا اس کی رائے کو دیکھ سکے' پھر وہ غلطی میں نہ پڑے جیسا کہ یہ عادت ہوتی ہے ان لوگوں کی جو اپنے دین کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہاں یہ بات ہے کہ ابو حنیفہؒ اپنے اصحاب کے ساتھ مسائل کا مذاکرہ کرنے کے دوران مسئلہ میں ایک احتمال ذکر کرتے تو وہ لوگ ان کی تائید کرتے جو ان کے اردگرد ہوتے تھے۔ پھر وہ اپنے اصحاب سے پوچھتے کہ ان کے پاس اس سے معارض کوئی صورت ہے تو پیش کرے تو جب وہ محسوس کرتے کہ یہ لوگ اس صورت کو ماننے کے راستہ پر چل پڑے ہیں تو خود اس کے الٹ صورت پیش کرتے جو پہلے پیش کی ہوتی تھی۔ اور وہ

اس انداز سے پیش کرتے تھے کہ سامعین ان کی دوسری رائے کو درست قرار دینے میں اکتفا کر لیتے تو پھر وہ ان سے پوچھتے کہ اس نئی رائے کے بارہ میں ان کے پاس کوئی اعتراض ہے تو پیش کریں تو جب وہ دیکھتے کہ ان کے پاس کچھ نہیں تو تیسری صورت پیش کر دیتے تو سارے کے سارے اس تیسری رائے کی طرف منتقل ہوجاتے اور پھر آخر میں ان تمام صورتوں میں سے ایک کے بارہ میں فیصلہ فرماتے کہ یہی صورت درست ہے۔ اور اس کو مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت کرتے۔ اور یہ جادوگر کے دھاگے کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ یہ تو فقہ سیکھنے سکھانے میں ایسا امتیازی طریق ہے جو اس نے اور اس کے اصحاب فقہاء نے اختیار کیا۔ اور ابن ابی العوام نے ابراہیم بن احمد بن سھل۔ القاسم بن عثمان عن ابیہ۔ ابو سلیمان الجوزجانی۔ محمد بن الحسن کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن الحسن نے کہا کہ ابوحنیفہؒ بغداد تشریف لاتے تھے تو ان کے تمام اصحاب جمع ہوجاتے اور ان میں ابویوسف۔ زفر اور اسد بن عمرو اور اس کے اصحاب میں عام متقدمین فقہاء ہوتے تھے۔ تو ایک دفعہ ان کو ایک ایسا مسئلہ معلوم ہوگیا جس کو دلائل کی تائید حاصل تھی اور انہوں نے اس کو مضبوط کرنے میں بڑی ترتیب سے کام لیا۔ اور کہنے لگے کہ جب ابوحنیفہؒ تشریف لائیں گے تو ہم پہلے یہی مسئلہ ان سے پوچھیں گے۔ تو جب ابوحنیفہؒ تشریف لائے تو اسی مسئلہ کے بارہ میں انہوں نے پہلے ان سے پوچھا تو جو جواب ان لوگوں نے تیار کر رکھا تھا ابوحنیفہؒ نے اس کے علاوہ جواب دیا تو وہ حلقہ کے کناروں سے زور زور سے بولنے لگے۔ اے ابوحنیفہؒ تیرا شہر مسافری کا ہے (یعنی اس میں تیرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں ہے) تو اس نے ان سے کہا نرمی کرو نرمی کرو۔ تم کیا کہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ بات اس طرح نہیں ہے جو تم نے کہی ہے تو اس نے کہا کہ کیا بات دلیل سے ہوگی یا بغیر دلیل کے؟ تو انہوں نے کہا کہ دلیل سے ہوگی۔ تو انہوں نے کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو۔ پھر اس نے ان سے مناظرہ کیا تو دلائل کے ساتھ ان پر غالب آگیا۔ یہاں تک کہ ان کو اپنے قول کی طرف پھیر دیا۔ اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ غلطی پر تھے۔ تو اس نے کہا کہ کیا تم اب سمجھ چکے ہو تو انہوں نے کہا ہاں۔ تو اس نے کہا کہ تمہارا اس شخص کے بارہ میں کیا نظریہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے اور تمہاری ہی بات صحیح تھی۔ تو وہ کہنے لگے کہ ایسا نہیں ہو سکتا بے شک یہی بات صحیح ہے۔ تو ان سے مناظرہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کو بات سے پھیر دیا۔ تو وہ کہنے لگے اے ابوحنیفہؒ پہلے تو نے ہمیں ہمارے قول سے پھیر کر ظلم کیا کیونکہ حق تو ہمارے ساتھ تھا۔ تو اس نے کہا کہ تمہارا اس شخص کے بارے

میں کیا نظریہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ پہلی بات بھی غلط تھی اور یہ دوسری بات بھی غلط ہے اور درست تیسری بات ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تو اس نے کہا پس غور سے سنو اور اس نے تیسرا قول گھڑ لیا اور اس پر ان سے مناظرہ کیا یہاں تک کہ ان کو اپنے قول کی طرف پھیر دیا تو انہوں نے یقین کر لیا۔ اور وہ کہنے لگے اے ابوحنیفہؒ ہمیں بتاؤ کہ ان میں سے درست صورت کون سی ہے تو اس نے کہا کہ درست پہلی بات ہی تھی جو میں نے تمہیں جواب میں کہی تھی اور اس اس علت کی وجہ سے وہ درست ہے۔ اور یہ مسئلہ ان ہی تین صورتوں سے نہیں نکلتا (بلکہ اور صورت بھی بن سکتی ہے) اور ان میں سے ہر ایک پہلو کی فقہ میں دلیل موجود ہے۔ مگر یہ صورت درست ہے اس کو لے لو اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دو۔ الخ۔ اگر عیب لگانے والا اس کو جادو سمجھتا ہے تو یہ نعمانی جادو ہے جس نے فقہاء کی عقلوں پر جادو کیا یہاں تک کہ عیب لگانے والے پر بھی۔ یہ بابلی جادو نہیں ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرتا ہے۔ اور فقہ کی جماعت اسی طرح کی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے تو اس کے اصحاب امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد۔ محمد بن شجاع۔ الحسن بن ابی مالک۔ ابویوسفؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابویوسفؒ نے کہا کہ جب ابوحنیفہؒ کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تھا تو وہ کہتے کہ تمہارے پاس اس کے بارہ میں کیا اقوال ہیں۔ تو جب ہم آثار روایت کرتے اور ذکر کرتے اور جو چیز ان کے پاس ہوتی وہ بھی اس کو ذکر کر دیتے تو پھر غور و فکر کرتے۔ پھر اگر دو مختلف اقوال میں سے ایک میں آثار زیادہ ہوتے تو اس کو لے لیتے۔ اگر دونوں قولوں میں (صحابہ و تابعین کے) اقوال قریب قریب اور برابر ہوتے تو نظر و فکر کے بعد ان میں سے ایک کو اختیار کر لیتے تھے۔ الخ

اعتراض ۱۰۸: (کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ مسلمانوں کے خلاف عمرو بن عبید کی بہ نسبت ابوحنیفہؒ نے زیادہ سختی کی ہے کیونکہ اس کے اصحاب بھی تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت بالکل من گھڑت ہے۔ اس لیے کہ امام احمدؒ بن حنبل یہ قطعاً نہیں کہہ سکتے کہ عمرو بن عبید کے اصحاب نہ تھے اس لیے کہ ان کے اصحاب سے تو شہروں کے شہر بھرے ہوئے تھے تو اتنے کھلے جھوٹ کی توقع امام احمدؒ بن حنبل سے ہم نہیں کر سکتے۔ اور پھر یہ بھی کہ انہوں نے تو فقہ ہی امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب سے حاصل کی تو ان سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس احسان کا بدلہ اس طرح چکائیں۔)

خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۱ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۷ میں البرقانی۔ محمد بن العباس ابو عمر الخزاز۔ ابوالفضل جعفر بن محمد الصندلی اور یہ راوی ایسا ہے کہ اس کی ابو عمر نے بہت تعریف کی ہے۔ المروزی ابوبکر احمد بن الحجاج کی سند نقل کر کے کہا کہ المروزی نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل سے ابو حنیفہؒ اور عمرو بن عبید کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے خلاف عمرو بن عبید کی بہ نسبت ابو حنیفہؒ زیادہ سخت تھے اس لیے کہ بے شک اس کے اصحاب تھے۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ یہاں خطیبؒ نے امام احمدؒ سے چھ روایات بیان کی ہیں تو پہلی روایت میں ابو عمر محمد بن العباس ہے جو ابن حیویہ الخزاز کے ساتھ مشہور ہے۔ جو اس الرزاز کی کتابوں کی سماعت کرنے والا ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اور الصندلی جس کی تعریف ابن حیویہ نے کی ہے وہ بھی اسی طرح کا ہے۔ اور ابوبکر احمد بن الحجاج المروزی جس کا یہ نظریہ ہے کہ مقام محمود سے مراد رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے پہلو میں عرش پر بیٹھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بہت ہی بلند ہے اس سے جو المجسمہ کہتے ہیں۔ اور المجسمہ فرقے کے البربہاری کا جو فتنہ بغداد میں اس افسانہ کے اردگرد ہوا وہ تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے۔ تفصیل کے لیے ابن اثیرؒ کی الکامل ۳۱۷ھ اور ۳۲۳ھ کی اخبار میں دیکھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ امام احمدؒ کس طرح یہ کہہ سکتے تھے کہ بے شک عمرو بن عبید کے اصحاب نہیں تھے۔ حالانکہ بصرہ اور بغداد اس کے اصحاب اور اصحاب کے اصحاب سے بھرے ہوئے تھے اور یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ امام احمدؒ اس عظیم مصیبت میں گرفتار ہوئے اور امام احمدؒ تو ابو حنیفہؒ کے لیے رحمت کی دعا کیا کرتے تھے اور اس کی تعریف کیا کرتے تھے جبکہ عمرو بن عبید کے اصحاب ان کو مارتے تھے اس آزمائش میں جو کہ معروف ہے جیسا کہ خود خطیبؒ نے ص ۳۴۷ میں پہلے بیان کیا ہے۔ اور انہوں نے سب سے پہلے فقہ ہی ابو یوسفؒ القاضی سے حاصل کی۔ اور ان سے اتنا علم حاصل کیا کہ اگر اس کو لکھا جائے تو ان لکھی ہوئی کتابوں سے تین صندوق بھر جاتے۔ جیسا کہ سیرت ابن سید الناس کی ابتداء میں اور تاریخ الخطیبؒ ص ۱۵ ج ۳ میں ہے اور وہ دقیق مسائل کے جوابات محمد بن الحسن کی کتابوں سے نکالتے تھے۔ جیسا کہ اس سے ابراہیم الحربی نے روایت کی ہے اور تاریخ الخطیبؒ ص ۱۷۷ ج ۲ میں مذکور ہے۔ پس اگر خطیبؒ پہلی روایت کی سند جیسی سند پر اعتماد کرتا تو اس کے لیے امکان تھا کہ وہ ابوالحسین بن ابی یعلی حنبلیؒ کی طبقات الحنابلہ سے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں جو چاہتا

نقل کرنا۔ اس لیے کہ ہر کج رو ابو حنیفہؒ کے بارہ میں بہتان تراشی کر سکتا ہے۔

اور البتہ تحقیق عبد العزیز بن ابی رواد نے سچ کہا ہے جو اس نے کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ آزمائش ہے جو اس سے محبت رکھتا ہے تو وہ سنی ہے اور جو اس سے بغض رکھتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ اور اس کا مصداق یہ ہے کہ بے شک جب آپ اس کے بارہ میں طعن کرنے والوں کے اعتقاد پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اعتقاد کھلی گمراہی پر مشتمل ہیں۔

اعتراض ۱۰۹: (کہ امام احمدؒ ابو حنیفہؒ اور اس کے مذہب پر عیب لگاتے تھے۔)

الجواب: اور بہرحال دوسری روایت جو یہ ہے کہ بے شک وہ (امام احمد) ابو حنیفہؒ اور اس کے مذہب پر عیب لگاتے تھے تو اس کی سند میں ابو الشیخ الاصبہانی ہے اور بے شک العسال نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور الملک المعظمؒ نے کہا کہ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اس لیے کہ ابو حنیفہؒ کے اصحاب کی باقی کتابیں تو چھوڑ دیں' ہمارے اس زمانہ تک امام احمدؒ کے اصحاب میں سے کوئی ایک بھی (امام محمدؒ کی) الجامع الکبیر کو نہیں سمجھ سکا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو نہیں جان سکا اور جب اس پر واقف ہی نہیں ہو سکا تو کوئی شک نہیں کہ وہ اس کا انکار کرے۔

اور الملک المعظم لوگوں میں سب سے زیادہ الجامع الکبیر کو جاننے والوں اور اس کے اسرار پہنچاننے والوں میں سے تھے۔ تب ہی تو اس نے اس کی شرح لکھی ہے۔ اور اس کے زمانہ میں دمشق میں اکابر حنابلہ موجود تھے تو وہ ان کے احوال نزدیک سے جانتا تھا اور جو آدمی کسی چیز کو نہیں جانتا تو وہ اس کا انکار کر دیتا ہے۔ اور اس کے بارہ میں اعتدال سے نکل جاتا ہے۔ اور فقہاء میں کوئی تھوڑی تعداد نہیں ہے (بلکہ بہت بڑی تعداد ہے) جو امام احمدؒ کے اقوال کو فقہاء کے اقوال کے زمرہ میں شمار کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے کہ وہ محدث تو ہیں مگر فقیہ نہیں ہیں۔ اور غیر فقیہ کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ فقہاء کی فقہ میں کوئی وزنی رائے ظاہر کر سکے؟

اعتراض ۱۱۰: (کہ امام ابو حنیفہؒ نے عقیقہ کو جاہلیت کا طریق کار کہا حالانکہ اس کے بارہ میں تو مسند احادیث ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیقہ کو جاہلیت کا طریق کار کسی نے نہیں کہا بلکہ عقیقہ کے وجوب کے نظریہ کو جاہلیت کا طریق کار کہا گیا ہے۔ اور وہ جاہلیت کے دور

میں واجب سمجھا جاتا تھا جبکہ اسلام میں اس کا وجوب باقی نہیں رہا اور یہی نظریہ بڑے بڑے اکابر کا ہے۔)

اور تیسری روایت میں احمد بن جعفر بن حمدان القطیعی ہے جو اختلاط کا شکار بہت سی غلطیاں کرنے والا تھا جیسا کہ ہم نے تفصیل سے اس بارہ میں ابو موسیٰ المدینی کی کتاب خصائص مسند احمد کے حاشیہ اور مسند احمد کے آخر میں ابن الجزری کی المصعد الاحمد میں لکھا ہے۔ اور محمد بن جعفر الراشدی۔ یہ نسبت ہے الراشدیہ کی طرف جو کہ بغداد کے قریب ہے۔ اور وہ الاثرم سے العلل کا راوی ہے۔ اور اس کے دو راوی القطیعی اور احمد بن نصر الذراع تو روایت کرنے کے قابل ہی نہیں۔ اور روایت کا متن یہ ہے کہ عقیقہ کے بارہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسند احادیث ہیں اور صحابہ کرام اور تابعین سے بھی ہیں اور ابوحنیفہؒ نے کہا کہ یہ جاہلیت کا طریق کار ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت عقیقہ کو واجب سمجھتے تھے اور ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کی رائے میں اسلام کے اندر اس کا وجوب ختم کر کے اس کی صرف اباحت رکھی گئی ہے اور امام محمد بن الحسن الشیبانی نے الآثار میں ابوحنیفہ۔ حماد۔ ابراہیم کی سند نقل کر کے کہا کہ ابراہیم نے کہا کہ عقیقہ جاہلیت میں تھا تو جب اسلام آیا تو چھوڑ دیا گیا۔ (یعنی اس کی پہلے جیسی حالت باقی نہ رہی) اور امام محمد نے ابوحنیفۃ عن رجل عن محمد بن الحنفیۃ کی سند نقل کر کے کہا کہ بے شک عقیقہ جاہلیت میں تھا تو جب اسلام آیا تو اس کو چھوڑ دیا گیا۔ امام محمد نے کہا کہ اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ الخ۔

اور اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ پہلے جاہلیت کے عمل سے تھا' پھر اسلام میں اس پر عمل کیا گیا۔ ابوحنیفہؒ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بے شک جو عمل جاہلیت کے دور میں واجب تھا جب اسلام میں اس عمل کی اجازت دی گئی تو یہ عمل صرف اباحت پر دلالت کرتا ہے اس کا وہ وجوب باقی نہیں رہتا جو جاہلیت میں تھا۔ اور اس کے ساتھ اس نظریہ میں محمد بن حنفیہ بھی ہیں وہ اتنے بڑے فقیہ تھے کہ افتاء میں وہ فقہاء صحابہ کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ اور اسی طرح اس کے ساتھ ابراہیم النخعیؒ ہیں۔ یہ جلیل القدر فقیہ جس کے بارہ میں شعبیؒ نے کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد کوئی ایسا آدمی نہیں چھوڑا جو اس سے زیادہ عالم ہو تو اس سے پوچھا گیا کہ الحسن اور ابن سیرینؒ بھی نہیں تو اس نے کہا کہ نہ الحسن ہیں اور نہ ابن سیرین اور نہ ہی اہل بصرہ اور اہل کوفہ اور اہل حجاز میں سے کوئی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ

اس نے یہ بھی کہا کہ نہ ہی اہل شام میں سے کوئی ہے۔ اور اسی طرح اس کے ساتھ اس نظریہ میں محمد بن الحسن ہیں۔ یہ وہ عظمت والا فقیہ ہے جس نے ابوحنیفہ' ابو یوسف' الاوزاعی' ثوری اور مالک رضی اللہ عنہم کے علم کو اپنے اندر جمع کیا ہوا تھا۔ اور عقیقہ کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں' یہ حضرات ان سے عقیقہ کا وجوب نہیں سمجھتے۔ اگرچہ امام احمدؒ نے اس (کے وجوب) کا دعویٰ کیا ہے اور جماعت سے کٹ کر اکیلے رہ گئے۔ اور بہرحال اس عقیقہ کی اباحت جو ندب کو مشتمل ہے تو ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کا انکار کرتا ہو۔ اور عقیقہ والی احادیث میں کافی لمبی بحث ہے۔ اور ابوحنیفہؒ نے عقیقہ کو جو جاہلیت کے عمل سے کہا ہے تو اس کی مراد وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ علاوہ اس کے یہاں ایک روایت ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف لفظ عقیقہ کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ (اور اس نام کو حضور علیہ السلام نے بھی اچھا نہیں سمجھا جیسا کہ ابو داؤد ج ۲ ص ۳۶ وغیرہ کی روایت میں ہے)

اعتراض ۱۱۱: (کہ امام احمدؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کیسے جرات کرتا ہے کہ کہتا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق ہو جاتی ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق کا کوئی بھی قائل نہیں اور جس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے اس میں طلاق قبل النکاح پائی ہی نہیں جاتی اس لیے یہ تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ امام احمد نے ایسی کلام کی ہو۔)

بہرحال چوتھی روایت جس میں ہے کہ احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ ابوحنیفہؒ کا قول نکاح سے پہلے طلاق کے بارہ میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ مسکین ہے گویا کہ وہ عراقی نہیں۔ گویا کہ وہ علم کے کسی درجہ پر نہیں۔ بے شک اس کے بارہ میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ اور بیس سے اوپر تابعین سے وارد ہے جن میں سعید بن جبیر اور سعید بن المسیب اور عطاء اور طاؤس اور عکرمہ جیسے حضرات ہیں تو وہ کیسے جرات کرتا ہے کہ کہتا ہے کہ طلاق ہو جاتی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس میں راوی البیکندی کا قول منقطع ہے۔ (اس لیے کہ اس نے کہا ہے قیل لاحمد تو معلوم نہیں کہ کہنے والا کون تھا) اور ہمیں اس کے راوی القواس اور اس کے ساتھی پر اعتماد نہیں۔ اور خطیبؒ نے یہ روایت محمد بن عبد الملک القرشی۔ احمد بن محمد الحسین الرازی۔ محمود بن اسحاق بن محمود القواس۔ ابو عمرو حریث بن عبد الرحمٰن۔ محمد

بن یوسف الیکندی کی سند سے نقل کی ہے کہ الیکندی نے کہا کہ امام احمدؒ سے پوچھا گیا۔ اور پھر آخر تک روایت بیان کی۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ عورت کو طلاق تب ہوتی ہے جبکہ وہ نکاح کی صورت میں آدمی کی ملک میں ہو یا یہ ہے کہ طلاق کو ملک کی طرف مضاف کیا جائے (یعنی یوں کہے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق۔ تو یہ طلاق ملک کی طرف مضاف ہے) یا یہ کہ ملک کی متعلقہ چیزوں میں سے کسی سے معلق کرے۔

لازمی بات ہے کہ امام احمدؒ باقی لوگوں کی بہ نسبت اس کو زیادہ جانتے ہوں گے اس لیے کہ بے شک وہ عراقی ہیں کیونکہ انہوں نے ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے عراقی علماء سے فقہ سیکھی ہے اور بے شک امت کا اتفاق ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو ان کو چھونے سے پہلے تو ان عورتوں پر عدت نہیں ہے۔" تو جس شخص نے طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا اور کہا کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق تو اس معلق کو نکاح سے پہلے مطلقاً شمار نہیں کیا جاتا اور نہ ہی نکاح سے پہلے طلاق واقع ہوتی ہے۔ پکی بات ہے کہ نکاح کے بعد ہی طلاق شمار کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق عقد نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے تو یہ مسئلہ اس آیت کے مضمون سے خارج ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے بھی خارج ہے جس میں آتا ہے لا طلاق قبل النکاح کہ "نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے۔" اس لیے کہ بے شک اس مسئلہ میں طلاق نکاح کے بعد ہے اس سے پہلے نہیں ہے۔ اور یہی نظریہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب ثلاثہ (ابویوسف۔ محمد بن الحسن اور زفر) اور عثمان البتی کا ہے اور یہی قول ہے ثوری۔ مالک۔ النخعی۔ مجاہد۔ الشعبی۔ اور عمر بن عبد العزیز کا اس صورت میں جبکہ اس نے اس کو متعین کیا ہو۔ اور اس باب میں جو احادیث ہیں وہ اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ اور اختلاف سلف کے درمیان طویل ہے اس صورت میں جبکہ اس قائل نے عام کیا ہو یا خاص کیا ہو۔ (یعنی یہ کہا ہو کہ جس عورت سے بھی نکاح کروں اس کو طلاق یا کسی عورت کو متعین کر کے کہا ہو کہ اگر اس سے نکاح کروں تو اس کو طلاق) اور جو نظریہ ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب نے اپنایا ہے اس میں عمر بن الخطاب کا قول وضاحت سے ملتا ہے۔ اور امام شافعیؒ اور ابن المسیب نے یہ نظریہ اپنایا ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ اس نے عام کیا یا خاص کیا ہو۔ اور یہی نظریہ ہے امام احمدؒ کا۔ اور اس مسئلہ

میں کلام کی کافی گنجائش موجود ہے۔ تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام احمدؒ نے وہ بات کی ہو جو اس چوتھی روایت میں ان کی طرف منسوب کی گئی ہے حالانکہ ابوحنیفہؒ کے پاس اس بارہ میں واضح دلیل موجود ہے اور اس کے ساتھ سلف فقہاء میں سے اس قدر افراد ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ تفصیل کے لیے ابوبکر الرازیؒ کی احکام القرآن ص ۳۴۱ ج ۳ دیکھیں۔

اعتراض ۱۱۱: (کہ امام احمدؒ نے کہا کہ میرے نزدیک ابوحنیفہؒ کا قول اور مینگنی برابر ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ امام احمدؒ پر بہتان ہے وہ اس قسم کے الفاظ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ ان کا معنی یہ بنتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کی ہر بات مینگنی برابر ہے ایسا تو کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا اور اگر کوئی مخصوص قول مراد ہے تو اس کی وضاحت نہیں اور یہ مبہم سی بات ہے جس کی توقع امام احمد سے نہیں کی جا سکتی۔)

الجواب: بہرحال پانچویں روایت جس میں ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کہ میرے نزدیک ابوحنیفہؒ کا قول اور مینگنی برابر ہیں۔ تو اس کی سند میں ابن رزق کے علاوہ النجاد اور عبد اللہ بن احمد اور مہناء بن یحییٰ ہیں اور ابوالفتح الازدی نے کہا کہ یہ مہناء منکر الحدیث ہے اور خطیبؒ نے بھی اس کی پیروی میں یہی کہا ہے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام احمدؒ نے اس جیسے قبیح الفاظ کا اپنی زبان سے تلفظ کیا ہو گا؟ جبکہ بہت سے بازاری لوگوں کی تہذیب بھی اس جیسے الفاظ ادا کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور فقہاء کے ہاں جب مصدر مضاف ہو تو وہ الفاظ عموم میں سے ہوتا ہے۔ (اور یہاں بھی قول مصدر مضاف ہے تو معنی یہ ہوا کہ ابوحنیفہؒ کی ہر بات مینگنی کے برابر ہے۔) تو اس لفظ کا وبال تو بہت ہو گا اس لیے کہ ابوحنیفہؒ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں جو اعتقاد رکھتے ہیں اس کا خلاف کفر ہے یا بدترین قسم کی بدعت ہے ہر اس شخص کے ہاں جو دل کو حاضر کر کے کان لگاتا ہے اور فقہ میں اس کے مسائل کی اکثریت ائمہ متبوعین کے درمیان اتفاقی ہے جن کی تدوین میں ابوحنیفہؒ ان سے سبقت لے گئے۔ اور جن مسائل میں اختلاف ہے وہ تھوڑے سے ہیں تو اعتقادی مسائل اور ان اتفاقی فقہی مسائل کی توہین تو خالص کفر ہے جن میں اس سے ائمہ مسلمین میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور ایسی بات کوئی دین دار آدمی نہیں کہہ سکتا۔ تو (اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو) یہ روایت امام احمدؒ پر طعن ہے نہ کہ ابوحنیفہؒ پر۔ اور (اے خطیب) تو نے اپنی سند کے ساتھ بلال الاجری سے خود ہمیں وہ روایت بتائی جو ابن الجوزیؒ نے مناقب احمد کے بارہ میں ص ۲۲۳ میں کی

جہاں اس نے امام کے صبر اور تکالیف برداشت کرنے کا ذکر کیا ہے کہ احمدؒ کے پاس ابو حنیفہؒ کا ذکر کیا گیا تو اس طرح اپنے ہاتھ سے کیا اور اس کو جھاڑ دیا۔ (یعنی یہ ظاہر کیا کہ وہ کچھ بھی نہیں) پھر بلال الاجری نے کہا کہ میں نے کہا کہ تیرے جیسے آدمیوں سے زمین بھر جائے تو اس سے بھی کہیں زیادہ ابو حنیفہؒ کا قول نفع دینے والا ہے۔ (علامہ کوثریؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہاں قول ابی حنیفہؒ اصل میں بول ابی حنیفہؒ ہے اور لکھنے میں تصحیف ہوئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ آجری نے کہا کہ تیرے جیسے آدمیوں سے زمین بھر جائے تو اس سے بھی کہیں زیادہ ابو حنیفہؒ کا پیشاب نفع والا ہے۔) اور ہوا میں کاشت کرنے والا اسی طرح کا طوفان کاٹتا ہے۔

اعتراض ۱۱۱ : (کہ امام احمدؒ نے کہا کہ اگر کوئی قاضی ابو حنیفہؒ کے نظریہ کے مطابق فیصلہ کرے تو میں اس کے فیصلہ کو رد کردوں گا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمدؒ تو بڑے بڑے اختلافی مسائل میں ابو حنیفہؒ کی پیروی کرتے تھے اور باریک مسائل میں امام محمد بن الحسن کی کتابوں سے جواب تلاش کرتے تھے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے وہ الفاظ کہے ہوں جن کی خطیبؒ نے کمزور راویوں سے روایت کر کے ان کی طرف نسبت کی ہے۔)

الجواب : بہرحال چھٹی روایت جو امام احمدؒ کی طرف منسوب کر کے خطیبؒ نے بیان کی ہے جس میں ہے کہ امام احمدؒ نے کہا کہ اگر کسی کو قاضی مقرر کیا گیا پھر اس نے ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ پھر مجھ سے اس کے بارہ میں پوچھا جائے تو میں ضرور اس کے احکام کو رد کر دوں گا۔ تو اس کی سند میں محمد بن احمد الادمی اور زکریا بن یحییٰ الساجی ہیں اور ان کا حال پہلے کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ اور اسی طرح اس میں محمد بن روح ہے جو کہ مجہول ہے اور ظاہر حال اس روایت کے جھوٹا ہونے کے شاہد ہیں اس لیے کہ بے شک امام احمدؒ تو بڑے بڑے اختلافی مسائل میں ابو حنیفہؒ کی پیروی کرتے تھے۔ اور ابو المؤید الخوارزمیؒ جامع المسانید ص ۷۶ ج ۱ میں کہتے ہیں کہ بے شک ابو حنیفہؒ کی کتابوں میں پائے جانے والے جن مسائل کی امام احمدؒ نے مخالفت کی ہے وہ تعداد اس سے بہت کم ہے جن میں امام شافعیؒ وغیرہ نے مخالفت کی ہے۔ اور بے شک میں نے اصولی مسائل میں سے ایک سو پچیس مسائل ایسے لکھے ہیں جن میں امام احمدؒ نے ابو حنیفہؒ کے ساتھ موافقت کی ہے اور امام شافعیؒ نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے۔ الخ

اور آپ کے لیے موفق الدین ابن قدامہؒ کی المغنی اس پر دلیل کافی ہے بلکہ ابن ھبیرہ الوزیر حنبلیؒ کی الافصاح باوجودیکہ وہ کتاب چھوٹی سی ہے وہ بھی اس پر کافی ہے۔
اور بے شک سلیمان بن عبد القوی الطوفی حنبلیؒ نے شرح مختصر الروضہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کتاب حنابلہ کے اصول میں سے ہے۔ اور بے شک اللہ کی قسم میں تو یہی دیکھتا ہوں کہ ابو حنیفہؒ اس سے محفوظ ہیں جو ان لوگوں نے کہا ہے۔ اور جو چیزیں ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان سے وہ منزہ ہیں۔ اور اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ بے شک انہوں نے ضد اور مخالفت کی وجہ سے سنت کی مخالفت نہیں کی۔ اگر کسی جگہ مخالفت بظاہر نظر آتی ہے تو وہ اجتہاداً" مخالفت ہے۔ واضح دلائل کے ساتھ ہے اور ایسے مناسب دلائل کے ساتھ ہے جو بالکل روشن ہیں اور ان کے دلائل لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ (اور ایسی صورت تو باقی ائمہ میں بھی موجود ہے) اور بہت کم ایسا ہوا کہ اس کے مخالفین نے ان دلائل کا جواب دے کر بدلہ چکایا ہو۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ان سے غلطی ہوئی ہے تو تب بھی ان کے لیے اجر ہے۔ اور درست ہونے کی صورت میں تو دوگنا اجر ہے۔ اور اس پر طعن کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا اجتہاد کے مواقع سے ناواقف ہیں۔ اور آخری وہ قول جو امام احمدؒ رضی اللہ عنہ سے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں صحیح طور پر ثابت ہے تو وہ انہی کے بارہ میں اچھا نظریہ رکھنا اور اس کی تعریف کرنا ہی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے ابوالورد نے اپنی کتاب اصول الدین میں اس کا ذکر کیا ہے۔ الخ

اور بے شک میں نے بلوغ الامانی فی سیرة الامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ میں اور ابن قتیبہؒ کی کتاب الاختلاف فی اللفظ کا جو حاشیہ لکھا ہے اس میں ان اسباب کی وضاحت کر دی ہے کہ امام احمدؒ سے اس باب میں روایات مختلف کیوں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعصب کی وجہ سے طعن و تشنیع سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

اعتراض ۱۱۴: (کہ خالد بن یزید نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے زنا اور سود کو حلال کہا اور خون کو رائیگاں قرار دیا اور ابوالحسن النجاد نے کہا کہ اس میں شریعت اور احکام کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ من گھڑت روایت امام ابو حنیفہؒ کے اس نظریہ کے خلاف ہے جو ان کے مذہب کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔)
اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۳۹ میں الحسن بن ابی طالب۔ محمد بن نصر بن مالک۔ ابوالحسن علی بن ابراھیم النجاد۔ محمد بن المسیب۔ ابو ہبیرة

الدمشقی۔ ابو مسہر۔ خالد بن یزید بن ابی مالک کی سند نقل کر کے کہا کہ خالد بن یزید نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے زنا کو حلال قرار دیا۔ اور سود کو حلال کہا۔ اور خونوں کو رائیگاں قرار دیا تو ایک آدمی نے اس سے پوچھا کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ تو اس نے کہا بہرحال سود کو حلال کہنا تو اس نے کہا ہے کہ ایک درہم اور اخروٹ اگر دو درہموں کے بدلے میں ادھار بیچا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور رہا خون رائیگاں کرنے کا معاملہ تو اس نے کہا ہے کہ اگر بے شک کسی آدمی نے کسی آدمی کو بڑا پتھر مار کر قتل کر دیا تو (اس پر قصاص نہیں بلکہ) عاقلہ پر اس کی دیت ہوگی۔ پھر اس نے کلام کیا جو نحوی طور پر درست نہ تھا۔ اس نے کہا لَوْ ضَرَبَهٗ بِاَبَا قُبَيْسٍ كَانَ عَلَى الْعَاقِلَةِ کہ اگر وہ اس کو ابو قبیس کے ساتھ مارے تو عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس نے کہا بہرحال زنا کو حلال کرنا تو اس نے کہا ہے کہ اگر ایک مرد اور عورت دونوں ایک مکان میں پائے گئے اور ان دونوں کے ماں باپ معروف ہوں تو عورت نے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے اور مرد نے کہا کہ یہ میری عورت ہے تو ابو حنیفہؒ نے کہا کہ میں ان دونوں کو برائی سے یاد نہ کروں گا۔ ابو الحسن النجاد نے کہا اور اس میں تو شرائع اور احکام کو باطل کرنا لازم آتا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ مطبوعہ تینوں نسخوں میں نصر بن لمک ہے اور صحیح نصر بن مالک ہے جیسا کہ ہم نے لکھا ہے۔ اور اس نا معقول حکایت کی سند میں محمد بن نصر بن احمد بن نصر بن مالک القطیعی ہے جو کہ کذاب ہے۔ اور ورق ۴۵ خطیبؒ کی تاریخ ص ۳۳۱ ج ۳ میں الازھری سے روایت ہے کہ اس نے ابو الحسن بن رزقویہ کو کہتے ہوئے سنا کہ کیا تو ابن مالک کی طرف نہیں دیکھتا یعنی اس القطیعی کی طرف۔ بے شک وہ میرے پاس ابن ابی الدنیا کی کتابوں میں سے کچھ لایا اور کہا کہ مجھ سے یہ خرید لو کیونکہ اس میں وہ روایات ہیں جو تو نے میرے ساتھ شریک ہو کر البرذعی سے سنی ہیں۔ تو میں نے اس کو کہا اے شخص! اللہ کی قسم میں نے تو البرذعی سے کچھ سنا ہی نہیں۔ الازھری نے کہا کہ پھر میں نے ان کتابوں کو دیکھا اور بے شک اس میں ابن مالک نے اپنے خط کے ساتھ ابن رزقویہ سے سننے کا لکھا تھا۔

(روایت کا حال تو یہ ہے مگر) اس جیسے آدمی کی روایت خطیبؒ کے ہاں محفوظ کے زمرہ میں شمار کی جاتی ہے۔ اور رہا اس کا راوی خالد بن یزید بن ابی مالک الدمشقی تو اس کے بارہ میں ابن معین نے کہا کہ شام میں ایک کتاب اس لائق ہے کہ اس کو دفن کر دیا جائے اور وہ خالد بن زید بن ابی مالک کی کتاب الدیات ہے۔ وہ صرف اپنے باپ پر ہی جھوٹ بولنا پسند

نہیں کرتا بلکہ اس نے صحابہ پر جھوٹ لکھ دیا۔ ابن ابی الحواری نے کہا کہ میں نے یہ کتاب خالد سے سنی پھر میں نے وہ کتاب (ردی میں) عطر فروش کو دے دی تو وہ اس میں لوگوں کو چیزیں لپیٹ کر دیتا تھا۔ امام نسائیؒ نے کہا کہ خالد ثقہ نہیں ہے اور احمدؒ نے کہا کہ وہ لیس بشئی ہے۔ اور یہ سب کچھ امام ذہبیؒ نے المیزان میں کہا ہے اور نہ جانے اس وقت خطیبؒ کی عقل اور دین کہاں تھا جب اس نے یہ افسانہ مدون کر کے اس کو ناقلین کے ہاں محفوظ کے زمرہ میں ظاہر کیا۔ ایسی سند کے ساتھ جس میں ان دونوں جیسے جھوٹے راوی ہیں۔ حالانکہ وہ باقی لوگوں کی بہ نسبت ان دونوں کے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ پس شاید کہ غلط بات کہنے کی جرات کرنے اور افتراء باندھنے میں خود خطیبؒ کی حالت ان دونوں سے کم نہیں ہے۔ رہی بات مسائل کی تو ایک درہم اور ایک اخروٹ کو دو دراہم کے بدلے ادھار بیچنا تو یہ بلا شک بہتان ہے اس لیے کہ یہ اس کے خلاف ہے جو اس کے مذہب کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور ادہار کے معاملہ میں تو ابو حنیفہؒ باقی فقہاء سے زیادہ سخت نظریہ رکھتے ہیں۔ اور خالد بن ابی مالک جس کا ذکر کیا گیا ہے اس سے اسی جیسے افتراء کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔ اور بہرحال کسی مثقل (بھاری) چیز کے ساتھ قتل کرنا تو اس کا بیان پہلے تفصیل سے ہو چکا ہے' یہاں ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے۔ اور اسی طرح نحوی غلطی کا دعویٰ کہ انہوں نے کہا ولو ضربہ بابا قبیس تو اس کا بیان بھی پہلے گزر چکا ہے۔ اور رہا زنا کا مسئلہ تو الملک المعظمؒ نے السہم المصیب میں کہا ہے کہ جب ایک آدمی ایک عورت اور مرد کے پاس آیا تو ان دونوں نے اس کو کہا کہ ہم میاں بیوی ہیں تو یہ آدمی کس دلیل سے ان دونوں کے درمیان تفریق کرے گا یا ان کے خلاف کوئی کاروائی کرے گا۔ اس لیے کہ بے شک ان میں سے ہر ایک حلال چیز کا دعویٰ کر رہا ہے۔ اور اگر اس کاروائی کا دروازہ کھول دیا گیا تو ہر انسان ہر دن بلکہ ہر گھڑی اپنے آپ پر اور اپنی بیوی پر گواہ ہی پیش کرتا رہے کہ بے شک وہ دونوں میاں بیوی ہیں اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس کا ائمہ میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اس میں تمام لوگوں کو مشقت میں ڈالنا بھی ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ الخ۔ پس اسی طرح ابو حنیفہؒ کے مذہب میں عیب لگانے کے بارہ میں من گھڑت ہوائی روایات کو درج کرنے کے ساتھ خطیبؒ کی کوشش ضائع ہو گئی۔

اعتراض ۱۱۵: (کہ ابو مسہر نے کہا کہ اس منبر پر بیٹھ کر ائمہ ابو فلاں پر لعنت کرتے تھے اور الفرابنیانی نے کہا کہ وہ ابو حنیفہؒ تھا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ الفرابنیانی نے ابو فلان کی

تعبیر ابو حنیفہؒ سے جو کی ہے وہ اس کی خباثت ہے۔ پھر یہ بھی کہ امام ابو حنیفہؒ کے دور میں تو دمشق دارالخلافہ تھا ہی نہیں کہ تصور کیا جائے کہ دمشق میں منبر پر بیٹھ کر ائمہ ابو حنیفہؒ پر لعنت کرتے تھے۔ اور اگر بالفرض یہ روایت ثابت ہو جائے تو شریعت میں تو کسی معین شخص پر لعنت کی اجازت ہی نہیں ہے تو لعنت کرنے والا خود مجرم ہے اور کس قدر افسوس کی بات ہے کہ خطیبؒ تعصب میں ایک مجرم کی بات کو دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۰ میں البرقانی۔ بشر بن احمد الاسفرائنی۔ عبد اللہ بن محمد سیار الفراہینانی۔ القاسم بن عبد الملک ابو عثمان کی سند نقل کر کے کہا کہ میں نے ابو مسہر کو کہتے ہوئے سنا کہ اس منبر پر ائمہ ابو فلاں پر لعنت کرتے تھے اور دمشق کے منبر کی طرف اشارہ کیا۔ الفراھنیانی نے کہا کہ وہ ابو حنیفہؒ تھا۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ تینوں مطبوعہ نسخوں میں الفراہینانی کی جگہ الفرھیانی لکھا ہوا ہے اور یہ غلط ہے اور کسی معین شخص پر لعنت کرنے کی شریعت میں نص نہیں آئی۔ یہ اعتبار کر کے کہ بے شک وہ اہل نار میں سے ہے۔ بلکہ اس دین حنیف میں یہ گناہ عظیم شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ وہ عام ظالم آدمی ہو تو کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ لعنت دین کے اماموں میں سے کسی پر کی جائے۔ اور صرف یہی جرم لعنت کرنے والے کے سقوط کے لیے کافی ہے۔ پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو مجرموں کے جرائم کو دلیل بناتے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ابو مسہر کی روایت میں دمشق کے منبر پر ابو حنیفہؒ پر لعنت کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ آپ کے سامنے یہ واضح ہے بلکہ اس نے کہا کہ اس منبر پر ائمہ ابوفلاں پر لعنت کرتے تھے تو الفراہینانی خبیث نے بغیر دلیل کے ابوفلان کی جگہ ابو حنیفہؒ کر دیا اور ائمہ کے الفاظ سے جبکہ اس کو منبر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تو اس سے یہی معنی سمجھ آتا ہے کہ اس سے مراد خلفاء ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بنی امیہ کے خلفاء (حضرت امیر معاویہؓ کے دور کے بعد) حضرت علیؓ بن ابی طالب پر اس منبر پر بیٹھ کر لعنت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے۔ یہاں تک کہ اس معاملہ کو عمر بن عبد العزیز نے ختم کیا اور ان کے بعد تو دمشق دارالخلافہ رہا ہی نہیں کہ تصور کیا جائے کہ بے شک وہ خلفاء اس منبر پر بیٹھ کر ابو حنیفہؒ پر لعنت کرتے تھے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ کاروائی ان حکمرانوں یا ظالم حکمرانوں کی پناہ لینے والے خطیبوں کی طرف سے ہوتی رہی ہے تو ابو حنیفہؒ کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طریقہ میں بہترین نمونہ ہے۔ اور الفراہینانی جو کہ اعتقاد میں ابن عدی اور محمد بن الحسن

نقاش اور ان دونوں کے طریقہ پر چلنے والوں کے شیوخ میں سے ہے تو اس پر اعتماد اسی جیسا آدمی ہی کر سکتا ہے۔ اور ابو مسہر تو اپنے مخالفین کے خلاف زبان درازی کرنے والا تھا۔ لیکن قرآن کریم کے مسئلہ کے بارہ میں جو آزمائش آئی اس میں جلد ہی حکومتی نظریہ کو اس نے قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے۔

اعتراض ۱۱۹: (کہ ایک آدمی نے خواب میں نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام کو دیکھا اور اس جماعت میں ایک میلے کچیلے کپڑوں اور خستہ حالت والا آدمی تھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو جانتا ہے کہ یہ کون ہے تو میں نے کہا کہ نہیں' میں نہیں جانتا۔ تو آپ نے فرمایا' یہ ابوحنیفہؒ ہے جو ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی عقل کی وجہ سے گناہ گاروں پر سردار بنا ہے۔ تو اس کو سعید بن عبد العزیز نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو سچ کہتا ہے۔ اگر تو نے یہ خواب نہ دیکھی ہوتی تو یہ بات تو اچھے طریقہ سے نہ کر سکتا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے تو خواب دیکھنے والا مجہول ہے اور پھر یہ بھی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ باقی لوگوں کی خواب حجت نہیں ہوتی اور پھر اس روایت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابوحنیفہؒ صحابہ کی جماعت میں تھے اور یہ تو مقام کی بات ہے مگر خطیبؒ نے بے سوچے سمجھے اس کو مطاعن میں ذکر کر دیا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۲ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۰ میں الخلال۔ ابو الفضل عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن محمد الزہری۔ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابو محمد السکری۔ العباس بن عبد اللہ الترقفی۔ الفریابی محمد بن یوسف کی سند نقل کر کے کہا کہ الفریابی نے کہا کہ ہم دمشق میں سعید بن عبد العزیز کی مجلس میں تھے کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ اس نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ وہ مسجد کے مشرقی دروازہ سے داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر بہت سے صحابہ کرام تھے اور اس جماعت میں ایک آدمی میلے کچیلے کپڑوں اور خستہ حالت والا تھا۔ تو آپؐ نے اس سے پوچھا کیا تو اس شخص کو جانتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا' یہ ابوحنیفہؒ ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اپنی عقل کی وجہ سے گناہ گاروں پر سردار بن گیا ہے تو اس کو سعید بن عبد العزیز نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو سچا ہے اگر تو نے یہ خواب نہ دیکھا ہوتا تو اچھے طریقہ سے تو یہ بات نہ کر سکتا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ مطبوعہ تینوں نسخوں میں عبارت ہے لولا انک رأیت ھذالم

یکن الحسن یقول هذا اور اس کلام کا ماقبل سے کوئی ربط سمجھ نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت تبدیل ہو گئی ہو اور اصل یوں ہو لولا انک رأیت هذا لم تکن تحسن تقول هذا۔ (اسی لیے عبارت اسی طرح لی گئی ہے تا کہ اس کا مفہوم بن سکے۔) اور یہ خواب دیکھنے والے کی خواب میں تصدیق کرنے میں انوکھا استدلال ہے۔ جبکہ سعید بن عبد العزیز نے اپنے لیے مباح سمجھا کہ اس مجہول کی گواہی دے کہ بے شک وہ اپنی خواب میں سچا ہے۔ گویا کہ وہ خواب دیکھنے میں اس کے ساتھ واقعہ میں حاضر تھا۔ اور یہ تو ہم نے ابو حنیفہؒ کے مخالفین کی سوچ کا تھوڑا سا نمونہ پیش کیا ہے۔ اور اس (سعید) سے جو روایت کرنے والا ہے وہ محمد بن یوسف الفریابی ہے۔ یہ نیک آدمی تھا۔ عسقلان میں رہتا تھا۔ چوکیداروں کی جماعت کے ساتھ سرحد کا پہرہ دینے والا تھا اور سرحدی لوگوں کو ہر چیز میں استثناء (یعنی انشاء اللہ کہنے) کا حکم دیتا تھا اور دلیل یہ دیتا تھا کہ سلف میں سے بہت سے حضرات ایمان میں استثناء کرتے ہیں۔ (یعنی وہ انا مؤمن انشاء اللہ کہتے ہیں) اور مرجئہ جو کہ ایمان میں استثناء نہ کرتے تھے ان کا یہ انتہائی دشمن تھا اور ابو حنیفہؒ کے ساتھ بغض میں بہت غالی تھا کیونکہ اس کے زمانہ میں جو لوگ یہ کہتے تھے انا مومن حقا اور استثناء نہ کرتے تھے تو ان کے پیشوا ابو حنیفہؒ ہی تھے۔ اور اس قسم کے لوگ یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ وہ مرجئہ کے سردار ہیں حالانکہ ایمان میں استثناء صرف اس اعتبار سے صحیح ہے کہ کسی کو اپنے خاتمہ کا علم نہیں ہے۔ اور اسی مفہوم کے مطابق سلف یہ کیا کرتے تھے (اور المرجئہ کا نظریہ اس سے یکسر مختلف تھا) اور عسقلان میں اپنی جماعت کے ساتھ الفریابی کا اس بارہ میں غلو اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ وہ ہر چیز میں ان شاء اللہ کہتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ ان سے پوچھتے کہ کیا زمین ہمارے پاؤں کے نیچے ہے تو وہ کہتا انشاء اللہ اور اگر کسی نے نماز پڑھ لی ہوتی اور اس سے کوئی پوچھتا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے تو وہ کہتا انشاء اللہ۔ اور اسی طرح اس مذہب کا طریق رائج ہو گیا اور معاملہ وہاں تک جا پہنچا جو ابن رجبؒ نے طبقات الحنابلہ میں ابو عمرو سعد بن مرزوق حنبلی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے جو کہ اس جماعت کا سردار تھا۔ جو یہ کہتے تھے کہ بے شک ایمان کے اقوال اور افعال مخلوق نہیں ہیں اور بے شک بندوں کی حرکات مخلوق ہیں لیکن ان میں قدیم ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ کلام قدیم ہے اور بندوں کے الفاظ میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان جیسے لوگوں کو چھوڑ دینا ضروری ہے اور ان کی طرف تو توجہ ہی نہیں کرنی چاہیے مگر ان لوگوں کی کاروائی میں عبرت اور تعجب کا مقام ہے کہ باقی وہ ہر چیز میں استثناء کرتے ہیں اور

شک کرتے ہیں مگر جو واقعات ابو حنیفہؒ کے طعن والے نقل کر دیے گئے ہیں ان پر یقین کرتے ہیں خواہ وہ بیداری کی حالت کے ہوں یا خواب کی حالت کے۔ اور یہ پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ یہ خواب دیکھنے والا کون ہے اور جو خواب بیان کی گئی اس کی تعبیر پوچھنا بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعض خوابیں بھی تعبیر کی محتاج ہوتی ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری وغیرہ میں ہے۔ اور خوابوں کی تعبیر کا علم جاننے والے حضرات اکثر پریشان کن خوابوں کی تعبیر خوشی اور خوش کن خوابوں کی تعبیر پریشانی سے بتاتے رہے ہیں۔ اور جن لوگوں کی ہم نے حالت بیان کی اس گروہ پر تعجب نہیں ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ خطیبؒ ہر وہ چیز تلاش کرتا جاتا ہے جس کو وہ ابو حنیفہؒ کے مطاعن میں ذکر کر سکے اور اس کے درختوں سے پتے جھاڑ کر اس کو چنتا جاتا ہے گویا کہ وہ ابو حنیفہؒ کے خلاف بہت بڑی دلیل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ (وہ ابو حنیفہؒ کے خلاف کوئی ٹھوس دلیل تو پیش نہ کر سکا مگر) ہاں صرف ایسی دلیل حاصل کر کے کامیاب ہوا ہے جو ابو حنیفہؒ کی دشمنی میں خطیبؒ کے اصحاب کی انتہائی کمزور عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ اور شریعت میں خواب کا جو حکم ہے وہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ تو ہم اس کو دوبارہ نہیں ذکر کرتے۔ اور ان کی یہ خواب اگر ان کے نزدیک اسی طرح حقیقت ہے جس طرح بیداری میں واقعہ ہوتا ہے تو اس خواب میں تو ثابت ہے کہ ابو حنیفہؒ تو صحابہ کی جماعت میں سے تھے اور یہ مرتبہ کی بات ہے مگر حکایت نقل کرنے والے اس کو اس مقصد کے لیے بیان نہیں کرتے۔

اعتراض ۱۷۷: (کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق ابو حنیفہؒ کو گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس نے محمد ﷺ کا دین بدل ڈالا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کے راوی اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔)

الجواب: اور خواب والی اس خبر میں جو ابو حنیفہؒ کو گلے میں کپڑا ڈالنے سے متعلق ہے تو اس کی سند میں ابوالفتح محمد بن المظفر الحیاط ہے جس کو خطیبؒ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور نے اس سے کوئی روایت کی ہے۔ اور اس کا شیخ (محمد بن علی بن عطیہ المکی) جس کی کتاب قوت القلوب ہے' وہ ایسا آدمی ہے جس کے بارہ میں خود خطیبؒ نے کہا کہ صفات کے بارہ میں اس کی کئی باتیں منکر ہیں۔ اتنے اعتراف کے بعد بھی خطیبؒ

اس سے روایت کرتا ہے۔

اعتراض ۱۱۸: (کہ ابن ابی شیبہؒ نے کہا کہ میں ابو حنیفہؒ کو یہودی خیال کرتا ہوں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہودی کہنے کی وجہ سے تو تعزیر لگتی ہے اور یہ تو بہت بڑا جرم ہے مگر افسوس کہ خطیبؒ مجرم پر طعن کرنے کے بجائے اس کی بات کو ابو حنیفہؒ کے مطاعن میں ذکر کر کے خوش ہو رہا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۲۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۱ میں القاضی ابوالعلاء محمد بن علی الواسطی۔ عبد اللہ بن محمد بن عثمان المزنی۔ طریف بن عبید اللہ الموصلی کی سند نقل کر کے کہا کہ طریف نے کہا کہ میں نے ابن ابی شیبہ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ابو حنیفہؒ کا ذکر ہو رہا تھا تو اس نے کہا کہ میں اس کو یہودی خیال کرتا ہوں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ روایت بھی خطیبؒ کی نظر میں ایسی ہے کہ اس کو ناقلین کے ہاں محفوظ کے زمرہ میں شمار کیا جائے حالانکہ خود اس نے ابوالعلاء الواسطی کے بارہ میں کہا ہے کہ میں نے اس کے اصول متضاد دیکھے ہیں۔ اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں اس کا سماع برباد ہے یا تو قلم سے اصلاح کے قابل ہے یا چھری کے ساتھ ان کو کھرچ دینا چاہیے اور وہ ہاتھ پکڑنے والی مسلسل روایت کرنے میں منفرد ہے۔ تفصیل کے لیے خطیبؒ کی تاریخ ص ۹۹ ج ۳ دیکھیں اور اس کا شیخ عبد اللہ بن محمد المزنی جو کہ ابن السقاء الحافظ الواسطی ہے جو کہ الساجی کے ساتھیوں میں سے ہے اور مشہور ہے کہ جب اس نے حدیث الطیر روایت کی تو اہل واسط نے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ جیسا کہ امام ذہبیؒ کی طبقات الحفاظ ص ۱۶۵ ج ۳ میں ہے۔ اور اس حکایت کا ایک راوی طریف بن عبید اللہ الموصلی ضعیف ہے اس کی منکر روایات تھیں۔ امام دار قطنیؒ نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ اور ابو زکریا یزید بن محمد بن ایاس نے اپنی تاریخ میں کہا کہ وہ محدثین کے زمرہ میں سے نہ تھا۔ اس کی وفات ۳۰۴ھ میں ہوئی۔ اور وہ ابن السقاء کے شیوخ میں سے ہے۔ تفصیل کے لیے اللسان دیکھیں۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ بے شک ابن ابی شیبہؒ جو کہ طریف کا شیخ ہے وہ محمد بن عثمان ہے جو کہ رب تعالیٰ کے لیے جسم ماننے والا تھا اور کذاب تھا۔ اس کو بہت سے حضرات نے کذاب کہا ہے۔ تفصیل کے لیے الذہبیؒ کی میزان اور تکملۃ الرد علی نونیۃ ابن القیمؒ دیکھیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ خطیبؒ کو اگرچہ القاضی ابوالطیبؒ کی مجلس میں فقہ سیکھنے

کا موقعہ کم ملا ہے مگر وہ اتنی بات احسن طریقہ سے جانتا ہوگا کہ جو شخص کسی مسلمان کو اے یہودی کہہ کر پکارتا ہے تو فقہ کی کتابوں کے باب التعزیر میں اس کا کیا حکم ہے؟ یہ تو عام مسلمان کے بارہ میں ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایسے امام کو کہا جائے جس کو نصف امت بلکہ امت کی دو تہائی اکثریت نے اپنے دین کے معاملہ میں اپنا امام بنایا ہے۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک اس کا دین اور اس کا علم قابل اعتماد تھا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ سند کا حال بھی آپ نے دیکھ لیا اور متن کا بھی جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے مگر اس کے باوجود خطیبؒ اس خبر کو لکھتا ہے اس لیے کہ اس نے شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ دیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ایسی حالت سے بچائے اور محفوظ رکھے۔

اعتراض ۱۱۹: (کہ امام احمدؒ نے ابو حنیفہؒ کے کچھ مسائل سن کر تعجب کیا اور کہا کہ وہ تو نو مسلم معلوم ہوتا ہے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ راویوں کی حالت اس کے من گھڑت ہونے کا واضح ثبوت دے رہی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۱ میں ابراہیم بن عمر البرمکی۔ عبید اللہ بن محمد بن حمدان العکبری۔ محمد بن ایوب بن المعافی البزاز کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن ایوب نے کہا کہ میں نے ابراہیم الحربی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ نے علم میں کچھ چیزیں ایجاد کی ہیں۔ ان سے بہتر ہے کہ پانی کو چبایا جائے۔ اور میں نے ایک دن اس کے مسائل میں سے کچھ احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کیے تو وہ ان سے تعجب کرنے لگے پھر کہا کہ گویا کہ وہ نو مسلم تھا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس میں جو العکبری ہے وہ ابن بطہ حنبلیؒ ہے جس کی کتاب الابانہ ہے۔ وہ حشویہ فرقہ کے راہنماؤں میں سے تھا اور ان کے ہاں اس کا مقام تھا مگر در حقیقت وہ ایک پیسہ کے برابر بھی نہ تھا۔ اور یہ وہی ہے جس نے حضرت ابن مسعود کی یہ روایت بیان کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جس دن کلام کیا تھا تو اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اون کا جبہ اور اون کی چادر اوڑھ رکھی تھی اور ان کے جوتے غیر مذبوح گدھے کے چمڑے کے بنے ہوئے تھے۔ تو اس نے اس روایت میں یوں اضافہ کر دیا کہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ کون عبرانی زبان بولنے والا ہے جو درخت میں سے میرے ساتھ کلام کر رہا ہے۔ تو آواز آئی کہ میں اللہ ہوں۔ اور اس اضافہ کی تہمت یقیناً اسی

پر ہے کیونکہ اس زیادتی کو روایت کرنے میں یہ منفرد ہے جیسا کہ لسان المیزان وغیرہ میں حدیث کی اسناد سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس نے یہ کاروائی صرف اس لیے کی تا کہ سننے والوں کے دل میں یہ بات ڈال سکے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا کلام انسان کے کلام سے اس قدر مشابہ ہے کہ سننے والے پر اللہ تعالیٰ کا کلام غیر کے کلام کے ساتھ اشتباہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات المشبہہ فرقہ کے نظریات سے بہت بلند ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے حرف اور آواز کو ثابت کرتے ہیں۔ اور اس کی کتابیں شر انگیز کتابیں ہیں۔ اور اس کی روایات آفت زدہ ہیں تو اس کی روایت پر ایسے مقام میں اعتبار نہیں ہو سکتا اور الحربی جیسا آدمی کیسے وہ الفاظ زبان سے نکال سکتا ہے جو اس کی طرف یہاں منسوب کیے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۲۰: (کہ عبد اللہ بن المبارکؒ سے کہا گیا کہ تو ابو حنیفہؒ سے روایت کرتا ہے اسی وجہ سے لوگ ایک کافر کو امام بنائے بیٹھے ہیں تو اس نے کہا کہ میں ابو حنیفہؒ کی روایات سے توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مسانید میں ثوریؒ کا ابو حنیفہؒ سے روایات کا ہونا ہی اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے کافی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۱ میں ابن رزق۔ ابن سلم۔ الابار۔ محمد بن المهلب السرخسی۔ علی بن جریر کی سند نقل کر کے کہا کہ علی بن جریر نے کہا میں کوفہ میں تھا پھر میں بصرہ آیا تو وہاں ابن المبارکؒ تھے تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ لوگوں کو کس حال میں چھوڑ کر آیا ہے تو میں نے کہا کہ میں کوفہ میں ایک ایسی جماعت کو چھوڑ کر آیا ہوں جو یہ خیال کرتی ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ عالم تھے تو اس نے کہا کہ یہ تو کفر ہے۔ میں نے کہا کہ انہوں نے کفر میں تجھے امام بنایا ہے۔ علی بن جریر نے کہا کہ پھر ابن المبارکؒ اتنا روئے کہ ان کی داڑھی تر ہو گئی۔ اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ ابن المبارکؒ ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے تھے۔ اور خطیبؒ نے دوسری روایت محمد بن علی المقرئی۔ محمد بن عبد اللہ نیسابوری الحاکم۔ ابو جعفر محمد بن صالح بن ہانی۔ مسدد بن قطن۔ محمد بن ابی عتاب الاعین۔ علی بن جریر الابیوردی۔ کی سند نقل کر کے بیان کی ہے کہ علی بن جریر نے کہا کہ میں ابن المبارکؒ کے پاس آیا تو اس کو ایک آدمی نے بتایا کہ بے شک دو آدمی آپس میں ایک مسئلہ میں جھگڑا کر رہے تھے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور دوسرے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس طرح ہے تو

پہلے نے کہا کہ ابوحنیفہؒ قضاء کو زیادہ جانتے تھے۔ تو ابن المبارکؒ نے اس سے کہا کہ ان کلمات کو دوبارہ دہراؤ تو اس نے جب کلمات دوبارہ دہرائے تو وہ کہنے لگے کہ یہ کفر ہے کفر ہے۔ تو میں نے کہا کہ تیری وجہ سے ہی وہ کافر ہوئے ہیں اور تیری وجہ سے ہی انہوں نے کافر کو امام بنایا ہے تو اس نے کہا وہ کیسے؟ تو میں نے کہا اس وجہ سے کہ تو ابوحنیفہؒ سے روایت کرتا ہے تو اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ سے کی گئی اپنی روایات کی وجہ سے میں اللہؒ سے معافی مانگتا ہوں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی خبر کی سند میں ابن رزق اور ابن سلم اور الابار ہیں اور علی بن جریر کی ابن المبارکؒ سے ان دو خبروں کے علاوہ کوئی روایت مطلقاً آپ نہ پائیں گے۔ اور یہ علی بن جریر الباوردی گمراہ ہے۔ اور ابن ابی حاتمؒ پوری محنت کے باوجود نہ تو اس کا کوئی شیخ ذکر کر سکا اور نہ اس سے کوئی روایت کرنے والا۔ اور اس نے اس کو اس راوی کے مرتبہ کا قرار دیا جس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے اور صرف اس روایت میں غور کیا جاتا ہے جو وہ اپنے باپ سے روایت کرے۔ اس کو ان لوگوں کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا جن سے دلیل پکڑی جا سکتی ہے۔ اور ہم جب اس میں غور کرتے ہیں تو اس کو بہتان تراش پاتے ہیں۔ اس کا دل تعصب سے بھرا ہوا ہے اور اس کی گلے میں اٹک جانے والی بے تکی بات اور چھپی ہوئی عصبیت پر کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے' صرف یہی دلیل کے لیے کافی ہے جو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اعتراض ۱۴۱: (کہ ایک آدمی نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ حضور علیہ السلام سے زیادہ عالم تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسا کوئی واقعہ ہوتا تو ایسا شخص کبھی سزا سے نہ بچ سکتا اور ایسے شخص کو بعد والوں کو کے لیے ضرور عبرت بنا دیا جاتا۔)

الجواب: اور دوسری خبر میں الحاکم ہے جو انتہائی متعصب ہے اور آخر میں اختلاط کا شکار بھی ہو گیا تھا۔ اور اس کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ رافضی خبیث تھا۔ تفصیل کے لیے اللسان اور المیزان دیکھیں۔ اور مسدد بن قطن کا حال بھی اپنے باپ سے کوئی اچھا نہ تھا جس کا ذکر پہلے ہوا ہے۔ اور یقیناً دونوں حکایتیں من گھڑت ہیں۔ اور ابن المبارکؒ اس جیسی حماقت پر خاموش رہنے والے نہ تھے۔ اور حالات ہی پہلی خبر کے جھوٹ ہونے پر گواہ ہیں۔ پس کون تصور کر سکتا ہے کہ اس (خیر القرون کے) زمانہ میں کوئی آدمی کہے کہ فلاں آدمی رسول اللہ

ﷺ سے زیادہ عالم ہے اور اس کا معاملہ قاضی کی عدالت میں نہ پہنچتا ہو تا کہ اس پر شرعی حکم قائم کرے۔ اور زیادہ سے زیادہ یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ ' ہو سکتا ہے کہ واقع کوفہ میں پیش آیا ہو جہاں لوگ ابو حنیفہؒ کی فقہ کا اہتمام کرتے تھے اور کسی بہتان تراش اور مفہوم پر غور کیے بغیر الفاظ پر جم جانے والے راوی کی حدیث کی پرواہ نہ کرتے ہوں اور وہ اس کو اللہ کے دین کے معاملہ میں امین نہ سمجھتے ہوئے اس کی جانب توجہ نہ کرتے ہوں۔ تو اس بہتان تراش نے ان کی جانب یہ نسبت کر دی ہو کہ انہوں نے اس کی حدیث سے اعراض کیا اور اس نے اس کاروائی کو یوں شمار کر لیا کہ وہ ابو حنیفہؒ کو سید الاولین والاخرین سے زیادہ عالم جانتے ہیں۔ اور اس نے یہ ظاہر کیا کہ اگر ان کا اعتقاد ابو حنیفہؒ کے بارے میں یہ نہ ہوتا تو اس فسادی کے حدیث بیان کرنے سے وہ اعراض نہ کرتے۔ اور اس جیسے مطالب نکالنا تو بہتان تراشی اور کذب میں انتہا ہے (اور اس بہتان تراش سے کوئی پوچھے) اور باقی شہروں کے علماء میں سے کون ہے جس نے تیری توثیق کی ہو اور تیری حدیث کی طرف توجہ کی ہو؟ یہاں تک کہ تو اہل کوفہ کی طرف اس برے افتراء کی نسبت کرتا ہے۔ پھر اے کمینے تو نے کیسے شمار کر لیا کہ ابو حنیفہؒ سے روایت کرنا کفر میں امام بنانا ہے؟ پھر آپ غور کریں کہ دوسری خبر میں یہ ابن المبارکؒ کے سامنے ایک اور مجہول آدمی کی بات کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ قضاء کے معاملہ کو زیادہ جانتے ہیں اور یہ نہیں ذکر کیا کہ کس کی بہ نسبت زیادہ جانتے ہیں اور یہ کاروائی صرف اس لیے کی تا کہ وہم ڈال سکے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ابو حنیفہؒ کو قضاء کے معاملہ میں زیادہ جانتا تھا۔

اور حدیث کا سیاق دلالت کرتا کہ بے شک دو شخصوں نے ایک فیصلہ کے قابل مسئلہ میں جھگڑا کیا تو ان میں سے ایک نے مسئلہ میں ابو حنیفہؒ کا قول ذکر کیا اور دوسرے نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث ذکر کی تو پہلے نے دیکھا کہ یہ شخص جس نے حدیث پیش کی ہے یہ اجتہاد کے لائق نہیں ہے کیونکہ بعض دفعہ روایت منسوخ ہوتی ہے یا وہ ثابت نہیں ہوتی یا اس میں کوئی علت ہوتی ہے یا اس کے مفہوم میں کوئی خاص بات ہوتی ہے اور یہ ساری کی ساری باتیں صرف مجتہد کے سامنے ظاہر ہوتی ہیں۔ علم کے دعوے دار بے تکی کہنے والے اور ائمہ کے خلاف زبان درازی کرنے والے کے سامنے یہ چیزیں ظاہر نہیں ہوتیں تو اس نے کہہ دیا کہ قضاء کے معاملہ کو ابو حنیفہؒ زیادہ جانتے تھے یعنی تجھ سے زیادہ جانتے تھے۔ اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے ابو حنیفہؒ کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ عالم کہا ہو۔ اور ابن

المبارکؒ بھی کسی کو کافر قرار دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ کرنے والے نہ تھے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے تھے جو اس برے اتہام پر خاموشی اختیار کر لیتے۔ اور صحیح معنی میں کافر وہی ہے جس نے مسلمانوں کے امام اور فقیہ الملت کو کافر کہا اس لیے کہ وہی یہ نظریہ رکھتا ہے کہ بے شک ایمان کفر ہے اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے تو وہی کافر ہے۔ اور بدر الدین العینیؒ نے اپنی تاریخ کبیر میں جہاں اس نے ابوحنیفہؒ کا ترجمہ کیا ہے وہاں ابوحنیفہؒ کے بارہ میں ابن الجارود کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کے اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے' جو آدمی یہ کہتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے تو اس کے بارہ میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اسلام نہ ہونے کے بارہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور کیا جائز ہو سکتا ہے کسی ایسے آدمی کے لیے جس میں ذرا سا اسلام بھی پایا جاتا ہو کہ اس قسم کی بات کہے۔ اور اسی طرح کی وہ روایت ہے جو حاکم نے معرفت علوم الحدیث میں دعلج عن الابار کی سند سے محمود بن غیلان کی نقل کی ہے کہ محمود بن غیلان نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارون سے کہا کہ تو الحسن بن زیاد اللؤلؤی کے بارہ میں کیا کہتا ہے تو اس نے کہا او مسلم ھو "کیا وہ مسلمان ہے؟" اور آپ دعلج اور الابار کو خوب جانتے ہیں۔ اور قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس البلوردی خبیث نے لوگوں پر کیسا بہتان باندھا جو بات انہوں نے نہیں کہی' وہ ان کی طرف منسوب کر دی۔ جبکہ اس نے ان کے سامنے حدیث بیان کرنا چاہی اور انہوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس جیسے لوگوں سے انتقام لے گا۔

اعتراض ۴۲: (کہ ابن المبارکؒ نے ابوحنیفہؒ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد کہا کہ میرے دل میں اس نماز کے بارہ میں کھٹکا ہے اور کہا کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے چار سو حدیثیں لکھی تھیں تو جب میں عراق واپس جاؤں گا تو ان کو مٹا دوں گا۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کو نہ مٹانا ہی اس روایت کے من گھڑت ہونے کا ثبوت ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۴ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۲ میں الحسن بن ابی طالب۔ احمد بن محمد بن یوسف۔ محمد بن جعفر المطیری۔ عیسیٰ بن عبد اللہ الطیالسی۔ الحمیدی کی سند نقل کر کے کہا کہ الحمیدی نے کہا کہ میں نے ابن المبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوحنیفہؒ کے پیچھے ایک نماز پڑھی اور میرے دل میں اس نماز کے بارہ میں کھٹکا رہا۔ الحمیدی نے کہا کہ میں نے ابن المبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے چار سو حدیثیں لکھی تھیں تو جب واپس عراق جاؤں گا تو انشاء اللہ ان کو مٹا دوں گا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں احمد بن محمد بن یوسف بن محمد بن دوست البزاز ہے اس نے جو روایت الملیری سے کی ہے اس پر محمد بن ابی الفوارس نے کلام کیا ہے اور اس کے بارہ میں طعن کیا ہے اور الازھری نے کہا کہ ابن دوست ضعیف ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی کتابیں ساری کی ساری نئی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ جزئیں لکھتا اور ان کی ترتیب ایسے رکھتا کہ گمان کیا جاتا کہ وہ پرانی ہے۔ اور اس کے بارہ میں بہت لمبا چوڑا کلام ہے۔ تفصیل کے لیے خطیب" کی تاریخ ص ۲۵ ج ۵ دیکھیں اور یہی ہمیں بے پرواہ کر دیتا ہے کہ ہم سند کے کسی اور راوی کے بارہ میں بحث کریں۔ اور الحمیدی کی روایت ابن المبارک" سے غیر معروف ہے اور جو اس نے یہ نسبت ابن المبارک" کی طرف کی ہے کہ اس نے کہا کہ اگر میں واپس لوٹا تو ضرور بضرور ابوحنیفہ" کو اپنی کتابوں سے نکال دوں گا۔ تو اس کی سند میں اسماعیل بن حمدویہ مجہول ہے۔ اور الحمیدی انتہائی متعصب ہے اور محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے اس کو جھوٹا کہا ہے اس روایت میں جو اس نے شافعی" سے کی ہے اس شخص کے بارہ میں جس کو وہ اپنے بعد خلیفہ بنائیں گے۔ جیسا کہ تاج الدین السبکی" کی الطبقات الکبریٰ ص ۲۲۴ ج ۱ میں ہے۔

اور ابراہیم بن شماس عبادت گزار اور غازی تھا مگر ابوحنیفہ" کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ صرف دشمنی میں حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔ اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو فقہ میں قوت اور ضعف کے مقام کو جانتے ہیں وہ تو صرف اپنے چوکیدار بھائیوں سے سنتا پھر ان کو پھیلا دیتا۔ اور یہ چیز اس کے عالی طبقہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے اس سے روایت نہیں لی۔ اور ان کے علاوہ جن حضرات نے روایت لی ہے تو وہ زیادہ نہیں ہیں۔ وہ تو لوٹ مار کرنے والا فوجی عبادت گزار متعصب تھا۔ اور ابن المبارک" کی عادت تھی کہ جب کوئی آدمی بہت زیادہ کسی چیز پر اصرار کرتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر معلق کر کے اس سے وعدہ کر دیتے۔ (جیسا کہ یہاں بھی کہا کہ انشاء اللہ مٹا دوں گا۔)

پھر خطیب" نے ایک اور خبر پیش کی جس میں ابن المبارک" کا قول ہے کہ ابوحنیفہ" کی حدیث کھرچ ڈالو۔ مگر اس کی سند میں العقیلی ہے اور یہ نقصانی متعصب ہے۔ اور اس کا شیخ محمد بن ابراہیم بن جناد المنقری کو ابن خراش کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس کا ہم مذہب ہو۔ اور ابوبکر محمد بن ابی عتاب الاعین تو محدثین کے طبقہ کا تھا ہی نہیں۔ جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔ اور ابراہیم بن شماس عبادت گزار ہونے کے باوجود

اس کا چڑا تعصب سے بھرا ہوا تھا۔ اور ابو حنیفہؒ کا اس میں کیا نقصان ہے۔ جبکہ فرض کر لیا جائے کہ راویوں میں سے کوئی اس کی احادیث میں سے کسی خاص حدیث کو کھرچ دیتا ہے۔ اور یہ کبھی اس لیے ہوتا ہے کہ وہ روایت اس سے اس انداز کی ہوتی ہے کہ راوی کو ضبط نہ رہا ہو۔ اور اس بارہ میں مخالفین کی من گھڑت روایتوں کا فیصلہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کی سترہ مسانید میں ابن المبارکؒ کی روایتیں بہت زیادہ ہیں۔ بے شک ابو حنیفہؒ سے انحراف کرنے والے جاہد قسم کے راویوں کی خواہشات خاک میں ملتی رہیں۔ تو کیسے یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے کہ ابن المبارکؒ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے ابو حنیفہؒ کی حدیث کو کھرچ دیا تھا؟ اور ہم نے پہلے سیر حاصل بحث کر دی ہے جس سے یقینی طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ابن المبارکؒ اپنی وفات تک مسلسل ابو حنیفہؒ کے ساتھ وابستہ رہے اور ان کی بزرگی کو تسلیم کرتے رہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور آخری روایت کی سند میں عبد اللہ بن سلیمان ہے اور وہ ابن ابی داؤد ہے جو کہ کذاب اور ساقط ہے اور عبد اللہ بن احمد جس کی کتاب السنہ ہے اور اس کتاب کے مضامین ہی اس آدمی کی پہچان کے لیے کافی ہیں اور ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس جیسے آدمی کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ نیز اس کو جھوٹ میں آزمایا گیا ہے اور بے شک علی بن حمشاذ نے روایت کی ہے اور علم میں اس کا مرتبہ آپ جانتے ہیں۔ بے شک اس نے احمد بن عبد اللہ الاصبہانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عبد اللہ بن احمد بن حنبل کے پاس آیا تو اس نے پوچھا تو کہاں تھا؟ تو میں نے کہا کہ الکدیمی کی مجلس میں تھا تو اس نے کہا کہ اس کے پاس نہ جایا کر کیونکہ وہ کذاب ہے پھر کسی دن میرا وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہاں خود عبد اللہ اس سے لکھ رہا تھا تو میں نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن کیا تو نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو اس سے نہ لکھا کر کیونکہ یہ کذاب ہے تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تو جب فارغ ہوا اور اس کے پاس سے اٹھا تو میں نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ اس سے نہ لکھا کر کیونکہ یہ کذاب ہے تو اس نے کہا کہ اس سے میرا مقصد یہ تھا کہ بچے نہ آنے لگ جائیں تا کہ وہ ایک سند میں ہمارے ساتھ شریک نہ ہو جائیں۔ الخ۔ اگرچہ خطیبؒ نے ص ۴۲۹ ج ۳ میں اس واقعہ کی تعلیل کرنے کی کوشش کی ہے کہ بے شک احمد بن عبد اللہ الاصفہانی مجہول ہے۔ مگر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو ابن حمشاذ کے ثقہ شیوخ میں سے ہے۔ اور اس کا ترجمہ ابو نعیم کی تاریخ اصفہان میں موجود ہے۔ اور ابن

حمشاذ الحافظ الثقہ ایسا آدمی نہیں ہے کہ مجہول راویوں سے روایت کرے۔ اور نہ ہی ایسا تھا کہ ایسے آدمی پر بھروسہ کرے جو اس پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اگرچہ خطیبؒ نے نفسانی ضرورت کی وجہ سے اس کو مجہول قرار دے دیا ہے تو یہ اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا۔ اور الحسن بن الربیع کے بارہ میں ابن معین نے کہا کہ اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو مغازی میں وہ کچھ بیان نہ کرتا جس کو وہ اچھے طریقہ سے پڑھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اور پھر اس تمام صورت حال کے ساتھ اس کی عبارت منقطع ہے۔ (اس لیے کہ اس نے کہا کہ ابن المبارکؒ نے اپنی وفات سے چند دن پہلے ابو حنیفہؒ کی حدیث کو کھرچ دیا تھا تو اس نے نہیں بتایا کہ اس کے سامنے کھرچا تھا یا اس کو کسی نے بتایا تھا' اگر بتایا ہے تو کس نے بتایا۔ اس لحاظ سے اس کی عبارت منقطع ہے۔)

اعتراض ۱۲۳ : (کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ زہریؒ کی ایک حدیث میرے نزدیک ابو حنیفہؒ کے سارے کلام سے زیادہ پسندیدہ ہے۔)

الجواب : اور اس کے بعد والی خبر کی سند میں ابن شفیق ہے اور وہ لیس بذاک ہے۔ (یعنی کسی شمار میں نہیں ہے) اور اس روایت کا متن یوں ہے لَحَدِيْثٌ وَّاحِدٌ مِّنْ حَدِيْثِ الزُّهَرِي اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ جَمِيْعِ كَلَامِ اَبِيْ حَنِيْفَة کہ "ابن المبارکؒ نے کہا کہ زہری کی ایک حدیث میرے نزدیک ابو حنیفہؒ کی تمام کلام سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اس کا ابو حنیفہؒ کو کیا نقصان ہے؟ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ خبر ثابت ہے تو ابن المبارکؒ نے زہری کی اس ایک حدیث کو ابو حنیفہؒ کی تمام کلام پر فضیلت دی ہے جو وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابو حنیفہؒ نے کتاب اللہ اور سنت رسول کے علاوہ اپنے قیاس سے جو روایات کی ہیں تو ان تمام سے نبی کریم ﷺ سے ایک مروی حدیث فضیلت رکھتی ہے۔

اعتراض ۱۲۴ : (کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے اور ابو قطن نے کہا کہ حدیث میں اپاہج تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یتیم فی الحدیث اور اپاہج ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک حدیث کی زیادہ اسناد تلاش کرنے کے درپے نہ ہوتے تھے۔ اگر ایک صحیح یا حسن درجہ کی سند مل جاتی تو اس روایت سے احکام استنباط کرتے تھے)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۴ میں کہا کہ ابن المبارکؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں یتیم تھے اور ابو قطن نے کہا کہ وہ حدیث میں لپاچ تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ نے پہلی خبر دو سندوں سے نقل کی ہے ان میں سے ایک سند میں ابن دوما ہے۔ اور جھوٹا آدمی کبھی سچ کہہ ہی دیتا ہے۔ اور یہ خبر ان میں سے ہے جن کو ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۳۲ میں ذکر کیا ہے مگر اس میں تصحیف ہوئی ہے کہ یتیما کو تہیما لکھ دیا گیا ہے اور یہ واضح غلطی ہے اور ابن ابی حاتمؒ کے ہاں کان مسکینا فی الحدیث کے الفاظ ہیں اور آخری سند میں عبد اللہ بن احمد ہے اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ واقعہ ثابت ہے تو جس نے یتیم یا الزمانۃ کی صفت کی نسبت ابوحنیفہؒ کی طرف کی ہے تو اس کی مراد یہ ہے کہ وہ حدیث کی روایت میں سندوں کی زیادتی تلاش کرنے کی پرواہ نہ کرتے تھے جیسا کہ ان لوگوں کی عادت تھی جو صرف روایت کی جانب ہی توجہ کرنے والے تھے بخلاف مجتہدین کے کہ اگر ان کو چند اسناد کے ساتھ یا ایک ہی صحیح یا حسن درجہ کی سند کے ساتھ روایت مل جائے تو وہ اس میں سے احکام استنباط کرنے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کثرت طرق کے متلاشی نہیں ہوتے اور ابراہیم بن سعید الجوہری کہا کرتے تھے کہ ہر ایسی حدیث جو میرے پاس سو سندوں کے ساتھ نہ ہو تو میں اس حدیث میں یتیم ہوں۔

فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا امتیازی طریق کار

اور ہمیں اعتراف ہے کہ ابوحنیفہؒ اس انداز میں نہ تھے کہ وہ احادیث کے کثرت طرق ہی تلاش کرتے رہے ہوں اور نہ ہی وہ ان راویوں میں سے تھے جن کے پاس ایک ایک حدیث کے لاکھوں راوی ہوں۔ پختہ بات ہے کہ ان کے پاس حدیث کے کئی صندوق تھے ان میں سے چار ہزار کے قریب احادیث انہوں نے منتخب کیں۔ ان میں سے نصف تو وہ تھیں جو انہوں نے اپنے خاص شیخ حماد بن سلیمان سے لی تھیں اور باقی نصف ان کے باقی شیوخ سے تھیں۔ اور ان کے علاوہ باقی میں وہ اس لیے اکتفاء کرتے کہ ان کو مختلف علوم میں فوقیت والے ان کے اصحاب روایت کرتے ہیں جو اس فقہی مجلس کے ارکان تھے جس کے وہ سردار تھے۔ اور وہ ان ارکان سے مسائل کے ہر پہلو میں خوب بحث کرتے پھر اس کو رجسٹر میں درج کرتے۔ ابن ابی العوامؒ نے محمد بن احمد بن حماد۔ محمد بن شجاع۔ الحسن بن ابی مالک۔

ابو یوسف کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو یوسفؒ نے کہا کہ جب کوئی مسئلہ در پیش ہوتا تو ابو حنیفہؒ کہا کرتے تھے کہ اس بارہ میں تمہارے پاس کیا آثار ہیں؟ تو جب ہم آثار رلویت کرتے اور ذکر کر دیتے اور وہ بھی ان آثار کو ذکر کر دیتے جو ان کے پاس ہوتے تو پھر غور و فکر کرتے تو اگر کسی مسئلہ میں دو رائے ہوتیں اور ان میں سے ایک رائے پر آثار زیادہ ہوتے تو اس رائے کو اختیار کر لیتے۔ اور اگر دونوں میں آثار قریب قریب اور برابر ہوتے تو غور و فکر کے بعد ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے۔ الخ۔

امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں وکیعؒ کا نظریہ

اور خطیبؒ نے ص ۲۴۷ ج ۱۴ میں الخلال۔ الحریری علی بن عمرو۔ علی بن محمد النخعی۔ نجیح یعنی ابراہیم۔ ابن کرامہ۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابن کرامہ نے کہا کہ ہم وکیعؒ کے پاس تھے تو ایک آدمی نے کہا کہ ابو حنیفہؒ نے خطا کی ہے تو وکیع نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابو حنیفہؒ خطا کرتے؟ اس لیے کہ ان کے ساتھ تو قیاس میں ابو یوسفؒ اور زفرؒ جیسے اور حفاظ حدیث میں یحییٰ بن ابی زائدہؒ اور حفص بن غیاثؒ اور حبانؒ اور مندلؒ جیسے اور لغت اور عربیت میں القاسم بن معنؒ جیسے اور زہد و تقویٰ میں داؤد الطائیؒ اور فضیل بن عیاضؒ جیسے آدمی تھے۔ اور یہ لوگ جس کے ہم مجلس ہوں تو وہ غلطی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اگر وہ غلطی کرے گا تو یہ حضرات اس کو رد کر دیں گے۔ الخ۔ اور اس کے قریب ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ ہمارے یہ چھتیس اصحاب ہیں۔ اور میں نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ اس فقہی مجلس کے ہونے پر ان اخبار کو پیش کیا ہے جو اس پر وارد ہیں۔

مجتہد کے پاس کم از کم کتنی احادیث کا ہونا ضروری ہے

اور ابو حنیفہؒ کے پاس وہ احادیث تھیں جن میں احکامات کا ذکر ہے جو متن کے تکرار کے بغیر مسانید میں روایت کی گئی ہیں اور ایک ہی حدیث کے متعلق بہت بڑی تعداد میں کئی کئی اسناد بھی ذکر نہیں کی گئیں۔ اس کے باوجود ان احادیث کی تعداد اس تعداد سے کم نہیں جو احکام والی روایات امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے پاس معلوم کی جا سکی ہیں حالانکہ ان دونوں اماموں سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اپنی ہی مروی کئی روایات پر عمل نہیں کرتے۔ اور جزء ابن عقال میں ابن بشکوال کی روایت ہے کہ مجتہد کو کتنی احادیث کی جانب لازماً حاجت ہوتی ہے تو اس بارہ میں آراء مختلف ہیں اور ان کے نقل کرنے میں طوالت کا خوف بھی

ہے۔ اور تمام آراء کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ کم از کم پانچ سو احادیث کا ہونا ضروری ہے بلکہ متاخرین میں سے بعض حنابلہ نے صراحت کی ہے کہ مجتہد کے لیے پانچ سو احادیث کا ہونا ضروری ہے۔

اور جس آدمی کا یہ خیال ہے کہ ابو حنیفہؒ کے پاس کم حدیثیں تھیں یا وہ حدیث کی بکثرت مخالفت کرنے والے تھے یا بکثرت ضعیف احادیث کو لینے والے تھے تو وہ ان تمام باتوں سے ناواقف ہے۔ اور ائمہ کے ہاں اخبار قبول کرنے کی جو شرائط ہیں ایسا آدمی ان سے بھی ناواقف ہے اور وہ ائمہ مجتہدین کے علوم کا وزن اپنے اس ناقص ترازو پر کرنا چاہتا ہے جو بعض اوقات پرکھنے میں خلل ڈالتا ہے۔

احکام استنباط کرنے میں امام ابو حنیفہؒ کے بعض اصول

اور امام صاحب کے احکام استنباط کرنے کے باب میں اصول پختہ ہیں تو جو آدمی ان سے ناواقف ہے۔ وہ بعض دفعہ ان چیزوں کی نسبت ان کی طرف کر دیتا ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ (یعنی یہ کہ ابو حنیفہؒ قلیل الحدیث تھے یا اکثر حدیث کی مخالفت کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ) اور امام ابو حنیفہؒ کے ان اصولوں میں یہ بھی ہے کہ ثقہ راویوں کی مرسلات بھی قبول کرتے ہیں جبکہ ان کے مقابل ان سے زیادہ قوی دلیل یا روایت موجود نہ ہو۔ اور مرسل کو دلیل بنانا تو ایسا طریق ہے جو شروع سے چلا آرہا ہے کہ فضیلت والے زمانوں میں امت کا عمل اس پر جاری رہا ہے۔ یہاں تک کہ ابن جریر نے کہا کہ مطلقاً مرسل روایت کو رد کرنا ایسی بدعت ہے جو دوسری صدی کی ابتداء میں رائج ہوئی۔ الخ۔ جیسا کہ الباجیؒ نے اپنے اصول میں اور ابن عبد البرؒ نے التمہید میں اور ابن رجبؒ نے شرح علل الترمذی میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بلکہ آپ دیکھیں گے کہ امام بخاریؒ نے جیسے جزء القراءۃ خلف الامام وغیرہ میں ان مراسیل سے دلیل پکڑی ہے' اسی طرح اپنی صحیح میں بھی مرسل روایات سے دلیل پکڑی ہے بلکہ مسلمؒ کے ہاں اپنی صحیح میں تو بہت سے مراسیل ہیں۔ جیسا کہ آپ اس کی وضاحت فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں دیکھ سکتے ہیں جو مولانا المحدث شبیر احمد عثمانیؒ کی ہے۔

اور جو آدمی محض ارسال کی وجہ سے روایت کو کمزور قرار دیتا ہے تو اس نے سنت کے ایک بڑے ایسے حصہ کو پھینک دیا جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کے اصول میں سے یہ بات بھی ہے کہ اگر خبر واحد ہو تو اس کو ایسے اصول پر پیش کیا جاتا ہے جن پر اتفاق ہے اور

یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ خوب اچھی طرح موارد الشرع کی چھان بین کرلی جاتی ہے۔ تو جب خبر واحد ان اصولوں کے خلاف ہو تو وہ اپنے اس قاعدہ پر عمل کرتے ہیں کہ دو دلیلوں میں سے جو زیادہ قوی ہو اس کو لیا جاتا ہے اور جو اس کے مخالف ہو اس کو شاذ خبر شمار کیا جاتا ہے اور اس کے بہت سے نمونے امام طحاویؒ کی معانی الاثار میں موجود ہیں اور اس میں خبر صحیح کی مخالفت نہیں ہوتی۔ پختہ بات ہے کہ اس میں اس خبر کی مخالفت ہوتی ہے جس میں مجتہد کے سامنے کوئی علت ظاہر ہوجاتی ہے۔ اور حدیث کا صحیح ہونا تو تب ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد کے ہاں وہ حدیث عیب والی علتوں سے خالی ہو۔

اور ان کے اصول میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خبر واحد کو کتاب اللہ کے عموم اور اس کے ظاہر پر پیش کرتے ہیں تو جب یہ خبر اس کے عام یا ظاہر کے خلاف ہو جو کتاب میں ہے تو کتاب پر عمل کرتے ہیں اور خبر کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہاں بھی دو دلیلوں میں سے اقوی کو لینے کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کتاب قطعی الثبوت ہے اور اس کا ظاہر اور اس کا عموم ان کے نزدیک قطعی الدلالت ہے اور اس پر ان کے پاس دلائل قاطعہ ہیں جو اصول کی کتابوں جیسا کہ ابوبکر الرازیؒ کی الفصول اور الاتقانی کی شامل میں تفصیل سے موجود ہیں۔ اور بہرحال جب خبر واحد کتاب کے عام یا ظاہر کے خلاف نہ ہو بلکہ اس میں مجمل کا بیان ہو تو اس پر عمل کرتے ہیں کیونکہ بیان کے بغیر اس (کتاب) میں کوئی دلالت ہی نہیں ہوتی۔ (جب دلالت نہیں ہوتی تو عمل بھی نہ ہوسکے گا اس لیے حدیث سے اس کا بیان لیا جاتا ہے تاکہ کتاب پر عمل کیا جاسکے) اور اس کو اس باب میں شامل نہیں کیا جا سکتا کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب پر زیادتی کی گئی ہے۔ اگرچہ ان لوگوں نے یہ وہم کیا ہے جنہوں نے شور وغل کو عادت بنا رکھا ہے۔

اور ابوحنیفہؒ کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ خبر واحد کو اس وقت لیا جاتا ہے جبکہ وہ سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو خواہ وہ سنت فعلیہ ہو یا قولیہ ہو۔ اور یہاں بھی یہی اصول پیش نظر ہوتا ہے کہ دو دلیلوں میں سے زیادہ قوی پر عمل کرنا۔ اور اسی طرح اس کے اصول میں یہ بھی ہے کہ خبر واحد کو اس وقت لیا جائے گا جبکہ وہ اپنے جیسی خبر کے معارض نہ ہو اور تعارض کے وقت ترجیح کی جو وجوہات متعین کی گئی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر ان دو متعارض اخبار میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور یہ وجوہ ترجیح مجتہدین کی نظروں میں مختلف ہیں۔ جیسا کہ ان دو اخبار میں سے ایک کا راوی فقیہ ہو اور دوسرے کا فقیہ نہ ہو یا

ایک روایت کا راوی دوسری روایت کے راوی سے زیادہ فقیہ ہو تو فقیہ کی روایت کو غیر فقیہ کی روایت پر اور افقہ کی روایت کو دوسری پر ترجیح دی جاتی ہے تو راوی کا فقیہ یا افقہ ہونا بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوہ ترجیح میں سے ہے۔

اور اسی طرح اس کے اصول میں سے ہے کہ خبر کے راوی کا عمل اپنی مروی روایت کے خلاف نہ ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کہ جب کتا برتن میں منہ ڈالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے جبکہ ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے کہ انہوں نے تین مرتبہ دھونے کا فتویٰ دیا تو ابوحنیفہؒ نے اس علت کی وجہ سے اس سات مرتبہ والی روایت پر عمل ترک کر دیا۔ اور ان اعلال میں امام ابوحنیفہؒ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ سلف میں سے بہت سے حضرات ہیں جیسا کہ ابن رجبؒ کی شرح علل الترمذی میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اگرچہ کچھ لوگوں نے اس کے خلاف رائے قائم کی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی فقہ الظاہریہ کے زیادہ قریب ہے۔ (ظاہریہ وہ ہیں جو حدیث کے مفہوم پر توجہ کیے بغیر صرف الفاظ ہی کو پیش نظر رکھ کر عمل کرتے ہیں)

اور اس کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ اگر ایک روایت میں متن یا سند کے لحاظ سے زیادتی ہو اور دوسری روایت میں زیادتی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے دین میں احتیاط کا پہلو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادتی کو رد کر کے ناقص پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر ابن رجبؒ نے کیا ہے اور مخالفین کے ساتھ بحث و مباحثہ کے دوران ہمارے بعض متاخرین اصحاب کا اس قاعدہ سے غفلت برتنا جو پایا جاتا ہے تو یہ الزام الخصم بما یراہ ھو کے قبیل سے ہے (یعنی مخالف جس نظریہ کا قائل ہے اسی میں اس کو جواب دینا۔)

اور اس کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جس معاملہ میں عموم بلوی ہو اس میں خبر واحد کو نہیں لیتے یعنی ایسی چیز ہو جس میں تمام لوگوں کو ضرورت ہو تو ایسے معاملہ میں کم از کم خبر مشہور یا متواتر ہونی چاہیے۔ خبر واحد کو نہیں لیا جا سکتا۔ اور اس میں حدود اور کفارات داخل ہیں جو شبہ کی وجہ سے ٹل جاتے ہیں۔ اور اس کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ جو روایت کسی صحابی نے کی تو اس کے حکم میں اختلاف کرنے والے صحابہ میں سے کسی نے اس حدیث سے احتجاج کو نہ چھوڑا ہو۔

اور اس کے اصول میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خبر واحد ایسی ہو کہ اس میں سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو۔ اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ حدود اور عقوبات میں

جب روایات مختلف ہوں تو جن روایات میں تخفیف ہو ان کو لیتے ہیں۔

اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ راوی نے جب روایت سنی اس وقت سے لے کر آگے دوسرے تک پہنچانے تک اس کو وہ روایت خوب یاد ہو۔ درمیان میں نسیان طاری نہ ہوا ہو۔ اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ راوی اس وقت تک اپنے خط پر اعتماد نہ کرے جب تک اپنی مروی روایت کو ذکر نہ کر دے۔

اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ جو حدود شبہات کی وجہ سے ٹل جاتی ہیں ان میں روایات مختلف ہوں تو جس روایت میں سب سے زیادہ احتیاط ہو اس کو لیتے ہیں جیساکہ چور کا ہاتھ کاٹنے کا معاملہ کہ ایک روایت میں ہے کہ مسروقہ چیز کی قیمت دس درہم ہو۔ دوسری میں ہے کہ ربع دینار یعنی تین درہم ہو تو دس دراہم والی روایت میں زیادہ احتیاط ہے اور اعتماد کے زیادہ لائق ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ دونوں روایتوں کی تقدیم و تاخیر کا علم نہ ہو یہاں تک کہ ان میں سے کسی ایک پر منسوخ ہونے کا حکم نہ لگایا جا سکے۔ اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ اگر دو حدیثیں متعارض ہوں اور دونوں کے ساتھ صحابہ کے آثار پائے جاتے ہوں تو جس کے ساتھ آثار زیادہ ہوں اس کو لیا جائے گا۔ اور ان اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خبر واحد ایسی ہو کہ اس میں اس عمل کی مخالفت نہ پائی جاتی ہو۔ جو عمل صحابہ اور تابعین میں مسلسل پایا جاتا ہو اور یہ حضرات جس شہر میں بھی رہائش پذیر ہوں یہ حکم عام ہے اور یہ کسی شہر کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ جیساکہ اس کی طرف لیث بن سعد نے اپنے اس خط میں اشارہ کیا ہے جو امام مالک کی طرف لکھا تھا۔

اور امام صاحب کے جو اصول بیان ہو چکے ہیں ان جیسے اور اصول بھی ہیں جو اقوی پر عمل کرتے ہوئے بہت سی روایات سے اعراض کا باعث بنتے ہیں۔ (اور جو حدیث قواعد و اصول پر پوری نہ اترے اس سے اعراض کو حدیث کے انکار پر محمول کرنا یا مجتہد کو اس کی وجہ سے طعن و تشنیع کرنا سراسر جہالت ہے) اور بے شک السیرۃ الشامیہ الکبری والے الحافظ محمد بن یوسف الصالحی نے ان بعض اصول کی جانب اپنی اس بحث میں اشارہ کیا ہے جو اس نے ابن ابی شیبہؒ کے خلاف عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان میں کی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ان قواعد کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے بہت سی اخبار آحاد پر عمل کو چھوڑا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ان باتوں سے محفوظ ہیں جو اس کے بارہ میں اس کے مخالف کہتے ہیں اور وہ بری الذمہ ہے ان چیزوں سے جو مخالفین اس کی طرف منسوب کرتے

ہیں اور حق بات یہ ہے کہ انہوں نے عناداً کسی حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان سے اعراض پر واضح دلائل کی وجہ سے اجتہاداً" ان کے خلاف کیا ہے۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ اس معاملہ میں ان سے غلطی ہوئی ہے تب بھی ان کے لیے ایک اجر ہے اور اگر وہ درست ہے تو دوہرا اجر ہے۔ اور اس پر طعن کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا پھر اجتہاد کے مواقع سے ناواقف ہیں۔ الخ۔

اور بہرحال اس کے بعض شیوخ یا شیوخ کے شیوخ کی وجہ سے اس کی بعض احادیث کو ضعیف قرار دینا تو اس کا دارومدار بعض متاخرین کے قول پر ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ ظاہر بات ہے کہ وہ یقیناً اپنے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ کے احوال کو جانتے تھے اور ان کے اور صحابی کے درمیان اکثر روایات میں زیادہ سے زیادہ دو راوی ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تو ان کے احوال کا جاننا ان کے لیے کیسے دشوار ہو سکتا ہے؟)

اعتراض ۱۲۵: (کہ حسن بن صالح کو بتایا گیا کہ النخع قبیلہ کا ایک آدمی ابو حنیفہؒ کی مجلس میں جاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اگر یہ النخع قبیلہ کی فقہ حاصل کرے تو اس کے لیے بہتر ہو۔ جن سے تم علم حاصل کرتے ہو ان کو پرکھ لیا کرو۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن بن صالح امام ابوحنیفہؒ کے بہت مداح تھے اس لیے ان کا یہ کلام طعن نہیں بلکہ تعریف کے لیے ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی جو امام ابو حنیفہؒ کے پاس جاتا ہو وہ فقہ سیکھنے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے جاتا ہو تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ النخع قبیلہ کی فقہ سیکھے تو اس کے لیے بہتر ہو اور ابو حنیفہؒ کی فقہ کو انہوں نے النخع کی فقہ قرار دیا ہو۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۴ میں کہا ہے کہ ابو غسان نے کہا کہ میں نے حسن بن صالح کے سامنے ذکر کیا کہ ایک آدمی النخع قبیلہ کا ابو حنیفہؒ کی مجلس میں جاتا ہے تو اس نے کہا کہ اگر وہ النخع قبیلہ کی فقہ سیکھے تو وہ اس کے لیے بہتر ہوگی۔ جن سے تم دین حاصل کرتے ہو ان کی پرکھ کر لیا کرو۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ نسخوں میں اسی طرح ہے اور یہ کلام بالکل سمجھ سے باہر ہے اور الحسن بن صالح بن حی الہمدانی تو ابو حنیفہؒ کے بہت زیادہ مدح خوان تھے اور اس کے بارہ میں کہا کرتے تھے کہ نعمان بن ثابت ذہین عالم اور علم میں پختہ تھے جب اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث آجاتی تو کسی دوسری کی طرف توجہ نہ کرتے جیسا کہ الانتقاء ص

۴۲۸ میں ہے۔ اور شاید کہ مذکورہ خبر میں اس کے قول کی مراد یہ ہو کہ بے شک وہ النخع قبیلہ کا آدمی جو ابو حنیفہؒ کی مجلس میں بیٹھتا تھا وہ فقہ سیکھنے کے لیے نہ بیٹھتا ہو۔ اور اگر وہ فقہ سیکھتا اور ان سے النخع قبیلہ کی فقہ سیکھتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا۔ گویا کہ اس نے ابو حنیفہؒ کی فقہ کو النخع قبیلہ کی فقہ شمار کیا۔ اس لیے کہ کوفہ میں ابو حنیفہؒ کے شیوخ اور شیوخ کے شیوخ جو کہ حضرت ابن مسعود کے اصحاب اور ان کے اصحاب کے اصحاب تھے' ان کی اکثریت النخع قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔

اعتراض ۱۲۶ : (کہ سفیان بن عیینہؒ نے کہا کہ میں نے ابو حنیفہؒ سے کچھ یاد نہیں کیا۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۵ میں محمد بن یونس الکدیمی۔ مومل بن اسماعیل ابو عبد الرحمٰن کی سند نقل کر کے کہا کہ مومل نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا کہ کیا تو نے ابو حنیفہؒ سے کوئی چیز یاد کی ہے تو اس نے کہا' نہیں۔

الجواب : میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں الکدیمی اور مومل ہیں۔ اور ابو حنیفہؒ کی مسانید میں جو ابن عیینہ کی روایات ہیں وہی تکذیب کرتی ہیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہو۔ اور خصوصاً الحارثی کی روایت جو مسند ہے۔ تفصیل کے لیے ابن العوام اور ابن عبد البرؒ کی کتب کا مطالعہ کریں۔

اعتراض ۱۲۷ : (کہ عبد اللہ بن نمیر نے کہا کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ ابو حنیفہؒ سے حدیث نہیں لکھتے تھے تو فقہ کیسے لکھتے ہوں گے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۴ میں کہا کہ عبد اللہ بن نمیر نے کہا کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ ابو حنیفہؒ سے حدیث نہیں لکھتے تھے تو وہ اس کی فقہ کیسے لکھتے ہوں گے؟

الجواب : میں کہتا ہوں کہ راویوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو فقہ سے ذرا بھی مس نہیں ہے اور نہ ہی ان کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ بری رائے اور صحیح رائے میں فرق کر سکیں۔ پھر وہ اہل الرائے فقہاء کی احادیث روایت کرنے میں اور فقہ کی روایت کرنے میں مطلقاً بے پرواہی کرتے ہیں۔ تو فقہ اور احادیث میں ان کا رغبت کرنا ان کے اندر کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں ان کا زہد ہے اور نہ ہی ان کی یہ کاروائی ان فقہاء میں کچھ نقص پیدا

کرتی ہے۔ تو ان راویوں کے عمل سے ابو حنیفہؒ پر کیا اعتراض ہے؟ اس کو تو وہی لوگ کافی ہیں جو اس سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اور انہوں نے دنیا کے کناروں کو علم سے بھر دیا۔ یہاں تک کہ ابن حجر المکیؒ نے مناقب ابی حنیفہؒ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ائمہ میں سے کسی کو اتفاق سے اتنے کثرت سے اصحاب نہیں ملے جتنے ابو حنیفہؒ کو ملے تھے اور انہوں نے دنیا کے کناروں میں علم پھیلایا۔ تفصیل کے لیے ابن الحجاج المزی کی تہذیب الکمال دیکھیں۔ تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس سے روایت کرنے والے کون لوگ تھے۔ اور پھر ان کو اور اس واقعہ میں منسوب بات کے قائل کی بات کو ملا کر دیکھیں تا کہ آپ کے سامنے فرق روشن ہو جائے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ابن نمیر تو خود ابو حنیفہؒ سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں اور اس کے ثنا خوان ہیں۔ یہاں تک کہ ابن ابی شیبہؒ نے بھی لعان کے بارہ میں ایک حدیث ابن نمیر کی روایت کی ہے جو اس نے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے۔ اور اس کے بارہ میں جو اس کی فقہ ہے اس کو بھی روایت کیا ہے۔ اور (اس کی) سند پہاڑ کی طرح (مضبوط) ہے۔

اعتراض ۱۲۸: (کہ حجاج بن ارطاۃ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کون ہے اور کون اس سے علم حاصل کرتا ہے اور ابو حنیفہؒ کیا چیز ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۵ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۵ میں کہا کہ حماد بن زید نے کہا کہ میں نے حجاج بن ارطاۃ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ابو حنیفہؒ کون ہے اور کون ابو حنیفہؒ سے علم حاصل کرتا ہے اور ابو حنیفہؒ کیا چیز ہے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ الحجاج بن ارطاۃ کوفہ کے محدثین اور فقہاء میں سے ہے اور نقد وجرح والے حضرات نے اس کی حدیث میں کلام کیا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنی کتاب الاشفاق علی احکام الطلاق میں بیان کر دی ہے۔ اور یہ عرب کے باشندوں میں سے تھا اور لوگوں کے سامنے ڈھینگیں مارنے والا تھا اور رقبہ بن مصقلہ کے طریق پر لوگوں کی عزت و آبرو سے بہت کھیلتا تھا۔ فالودہ کا پچھاڑا ہوا تھا۔ اور جو شخص ان دونوں کا ذکر کرتا ہے اور ان کے کلام کو اہل فن کی جرح کے زمرہ میں قرار دیتا ہے تو اس نے اس علم الجرح والتعدیل سے ذرا بھی ذائقہ نہیں چکھا جو نقاد کی کتابوں میں مدون ہے۔ اور اس کا کلام ذکر کرنے کا مقام کتب النوادر والمحاضرات میں ہے۔ اور کون ہے جو ابو حنیفہؒ کو نہیں

جانتا کہ ہم اس کو تعارف کرائیں؟ حالانکہ اس کے علم اور اس کے اصحاب کے علم سے تو دنیا بھری پڑی ہے۔ اور اس کے علوم کی بادشاہی کے سامنے علماء جھکے ہوئے ہیں۔ ذلیل ہو وہ آدمی جس نے اپنے آپ پر حماقت کو طاری کر رکھا ہے۔ اور بے شک الملک المعظمؒ الایوبی نے اپنی کتاب السہم المصیب میں اس شخص کو اس کی خوب پہچان کرائی ہے جو اس کو نہیں پہچانتا۔ پس اگر تو بھی ان لوگوں میں سے ہے جو ابو حنیفہؒ کو نہیں پہچانتے تو السہم المصیب کی طرف رجوع کر اور اس کا مطالعہ کر۔

اعتراض ۱۲۹: (کہ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ ابو حنیفہؒ صاحب حدیث نہ تھے۔ اور ابن معینؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں کیا چیز تھی کہ تو اس کے بارہ میں پوچھتا ہے؟)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۵ میں کہا کہ یحییٰ بن سعید القطان سے پوچھا گیا کہ ابو حنیفہؒ کی حدیث کیسی ہوتی تھی تو اس نے کہا کہ وہ صاحب حدیث نہ تھا۔ اور ابن معینؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں کیا چیز تھی کہ تو اس کے بارہ میں پوچھتا ہے؟

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی سند میں محمد بن العباس الخزاز اور دوسری سند میں علی بن محمد بن مہران السواق ہیں جو الدار قطنی کے ان شیوخ میں سے ہیں جو ضعیف ہیں۔ پھر اگر صاحب الحدیث سے قائل کی مراد یہ ہے کہ وہ ہر اڑتی اور پوشیدہ قسم کی لاکھوں حدیثیں روایت کرے اور ہر اس روایت کو بیان کرے جس کے گرد حائک۔ حلاق۔ حمال۔ فحام۔ بزار۔ بزاز اور باقی ہر قسم کے فیق کار لپٹے ہوئے ہوں تو ہم اعتراف کرتے ہیں کہ بے شک ابو حنیفہؒ ایسے نہ تھے۔ بلکہ ان کا طریق کار تو اللہ کے دین میں علم تلاش کرنے والوں کو فقہ سکھانا اور ان کو وہ حدیثیں بیان کرنا تھا جو ان کے پاس صحیح احادیث اور آثار ہوتے تھے جو احکام میں مناسب ہوتے تھے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

ابو حنیفہؒ بڑے حفاظ حدیث میں سے تھے

اور السیرۃ الکبریٰ الشامیہ کے مولف الحافظ محمد بن یوسف الصالحی الشافعیؒ نے عقود الجمان میں کہا ہے کہ ابو حنیفہؒ من کبار حفاظ الحدیث واعیانھم "بڑے حفاظ میں سے اور ان کے سردار تھے۔" اور اگر حدیث میں ان کی گہری نظر نہ ہوتی تو وہ فقہ میں مسائل

استنباط کرنے کے قابل نہ ہوتے۔ اور الذھبی نے طبقات الحفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے اور بڑے اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ الخ۔ پھر اس نے عقود الجمان کے تیسویں باب میں کہا کہ امام صاحب اگرچہ وسیع حافظہ والے تھے اس کے باوجود ان سے روایات کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ احکام استنباط کرنے میں مشغول رہتے تھے اور اسی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے جس قدر روایات سنی ہوئی تھیں اتنی مقدار ان سے روایات نہیں کی گئیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہ ان کو معلومات بہت تھیں مگر ان سے روایات کم ہیں حالانکہ ان سے کم درجہ لوگوں کی روایات ان کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔ الخ۔ پھر اس نے وہ اخبار بیان کیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے پاس احادیث بہت زیادہ تھیں۔ پھر اس نے لمبی بحث کی۔ ان اسانید کے ضمن میں جو سترہ مسانید ابی حنیفہؒ کی روایت میں ہیں جن کو جمع کرنے والے حماد بن ابی حنیفہ۔ ابویوسف۔ محمد بن الحسن۔ الحسن بن زیاد۔ ابومحمد الحارثی۔ ابن ابی العوام۔ طلحہ بن محمد۔ ابن المظفر۔ ابن عدی۔ ابونعیم الاصبہانی۔ عمرو بن الحسن الاشنانی۔ ابوبکر الکلاعی۔ ابوبکر بن المقرئ۔ ابن خسرو۔ اور ابو علی البکری ہیں۔ جو امام ابوحنیفہؒ کی کثرت احادیث پر دلالت کرتی ہیں۔ اور ہم ان مسانید کو الخیر الرملی۔ محمد بن السراج عمر الحانوتی۔ الشمس ابن طولون۔ الحافظ کی سند کے ساتھ اجازۃً روایت کرتے ہیں۔ ان سترہ مسانید کی سندیں الفہرست الاوسط میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ اور ہماری سند اس تک التحریر الوجیز میں مذکور ہے۔ بلکہ خود خطیبؒ جب دمشق کی طرف سفر کر کے گیا تو وہ اپنے ساتھ دار قطنی کی مسند ابی حنیفہؒ اور ابن شاہین کی مسند ابی حنیفہؒ لے کر گیا تھا۔ اور یہ ان سترہ مسانید کے علاوہ ہیں اور بدر الدین العینیؒ نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے کہ بے شک ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہؒ اکیلی ہزار احادیث سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ یہ بھی ان مسانید کے علاوہ ہے۔ اور امام سیوطی نے التعقبات میں کہا کہ ابن عقدہ بڑے حفاظ میں سے ہے۔ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی شک تضعیف متعصب کے علاوہ کسی نے نہیں کی۔ الخ۔ اور اسی طرح زفر کی کتاب الاثار بھی ہے جس میں اکثر روایات ابوحنیفہؒ سے ہیں اور حدیث میں امام زفر کی دو کتابیں ہیں جن کا ذکر امام حاکمؒ نے معرفت علوم الحدیث میں کیا ہے۔

اور یحییٰ بن سعید القطان جس کے بارہ میں اس راویت میں ہے کہ اس سے اس کے

بارہ میں پوچھا گیا تھا۔ اس کے متعلق تو یحیٰی بن معینؒ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا جو الدوری کی روایت سے ہے اور مکتبہ الظاہریہ دمشق میں ہے کہ یہ ان لوگوں میں سے تھے جو وکیع بن الجراح کی طرح ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کے مطابق عمل کرتے تھے۔ اور اس کا ذکر ابن عبد البرؒ نے بھی الانتقاء ص ۱۳۱ میں کیا ہے بلکہ خود خطیبؒ نے بھی ص ۳۴۵ و ۳۴۶ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اور ہو سکتا ہے کہ ابو حنیفہؒ کے پاس جو احادیث تھیں ان کو ابن معینؒ ان لوگوں کی روایات کے مقابلہ میں کم سمجھتے ہوں جو صرف راویوں سے محض روایت کو بکثرت بیان کرنے والے ہوں جیسا کہ خود ابن معینؒ۔ اور ابن معینؒ کا کثیر الحدیث ہونا ایسا تھا کہ کہا جاتا ہے کہ بے شک اس نے اپنے خط کے ساتھ چھ لاکھ احادیث لکھی تھیں۔ ابو حنیفہؒ تو ایسے لوگوں میں سے نہ تھے جو ہر اڑتی اور پوشیدہ روایت کو روایت کرتے بلکہ وہ صرف ان احادیث کو لیتے تھے جو احکام سے متعلق ہوتی تھیں اور ان آثار کو لیتے جو احکام کے بارہ میں مروی ہوتے تھے۔ اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حدیث لینے کے لیے ہر زیات' حائک' لبان اور بناء کے پاس نہیں بیٹھے رہتے تھے بلکہ اس کا حدیث بیان کرنا اس کی فقہ بیان کرنے کے دوران ہوتا تھا جو مناسبات کے ساتھ ان لوگوں کے سامنے ہوتا تھا جو اس سے فقہ حاصل کرنے والے تھے' اور اس جیسی احادیث مختلف قسم کے ان رفیق کار لوگوں کے ہاتھوں نہیں لگ سکتی تھیں جن کی روایتیں لاکھوں تک پہنچی ہوں۔ اور ابن معینؒ حنفی تھے۔ انہوں نے محمد بن الحسنؒ سے الجامع الصغیر پڑھی۔ بلکہ ان کو تو حنفیت میں تعصب کا طعن دیا جاتا ہے جبکہ وہ امام شافعیؒ کے بارہ میں کلام کرتے ہیں۔ پھر راوی جو اس کی طرف ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں جو چاہیں جس طرح کے چاہیں اقوال منسوب کریں۔ حالانکہ وہ اس سے بری الذمہ ہیں اور یہ تعجب کی انتہاء ہے۔

اعتراض ۱۳۰: (کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ امام مالکؒ کی حدیث صحیح اور رائے کمزور ہے اور ابو حنیفہؒ کی نہ رائے ہے اور نہ حدیث اور امام شافعیؒ کی رائے بھی صحیح ہے اور حدیث بھی صحیح ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۵ میں الحسن بن الحسن بن المنذر القاضی۔ الحسن بن ابی بکر البزاز۔ محمد بن عبد اللہ الشافعی۔ ابراہیم بن اسحاق الحربی

کی سند نقل کر کے کہا کہ ابراہیم نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ کو کہتے ہوئے سنا جبکہ ان سے امام مالکؒ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان کی حدیث صحیح اور رائے کمزور تھی اور امام اوزاعیؒ کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ ان کی حدیث بھی ضعیف اور رائے بھی ضعیف تھی اور ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو کہا ان کی نہ کوئی رائے تھی اور نہ حدیث تھی۔ اور امام شافعیؒ کے متعلق پوچھا گیا تو کہا کہ ان کی حدیث بھی صحیح اور رائے بھی صحیح تھی۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ آپ محمد بن عبد اللہ الشافعیؒ کا حال نہ بھولے ہوں گے جبکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ ایک ایسی خبر بیان کرنے میں منفرد ہے جو خبر امام شافعیؒ کے علاوہ باقی تمام ائمہ پر یا تو حدیث میں یا رائے میں یا دونوں چیزوں میں ضعف کا فیصلہ کر رہی ہے۔ اور یہ جواب مکمل نہیں ہو سکتے جب تک محذوفات کو مد نظر نہ رکھا جائے۔ پس اگر مراد یہ ہے کہ بے شک اس کی حدیث صحیح حدیث ہے اور اس کی کوئی معین رائے ضعیف ہے اور اس کو معہود مسئلہ میں قرار دیا جائے جو سائل اور مجیب کے درمیان جاری ہوا تھا۔ تو پھر یہ ایسی کلام ہے کہ اس میں کوئی غبار نہیں ہے۔ اس لیے کہ بے شک کوئی عالم ایسا نہیں مگر اس کی روایات میں سے کوئی حدیث تو صحیح ہوگی اور اس کی آراء میں سے کوئی رائے تو ضعیف ہوگی۔ اور بہرحال جب ہم یہ اعتبار کریں کہ محذوف عام ہے اور کہیں کہ اس کی ہر حدیث صحیح ہے اور اس کی ہر رائے ضعیف ہے تو یہ کھلم کھلا جھوٹ ہوگا کیونکہ امام مالکؒ کی کتنی ہی حدیثیں ایسی ہیں جو صحیح نہیں ہیں جیسا کہ جزء الدار قطنی میں ہے اور اس کی کتنی ہی رائے ایسی ہیں جو صحیح اور بہت زیادہ مضبوط ہیں جیسا کہ المصلحة المرسلة ان مقامات میں جہاں نص موجود نہیں۔ اور اسی طرح باقی جوابات میں بھی کلام ہے۔ اور بہرحال اس کا قول ابو حنیفہؒ کے بارہ میں کہ بے شک نہ اس کی رائے ہے اور نہ حدیث ہے تو میں نہیں جان سکا کہ اس سے قائل کی مراد کیا ہے؟ کیا اس کی مراد اس سے رائے صحیح کی نفی کرنا ہے یا ضعیف رائے کی یا صحیح حدیث کی یا ضعیف کی نفی کرنا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے کہ ہم ان میں سے کسی کو متعین کریں۔ اور اگر وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کی بالکل کوئی رائے نہیں خواہ صحیح ہو یا ضعیف تو یہ کھلا جھوٹ ہے اور وہ راوی جو ابو حنیفہؒ کو اہل الرای کا امام شمار کرتے ہیں تو ان کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی یہاں کوئی رائے ہونے کی نفی کریں۔ بالخصوص جبکہ العقیلی عبد اللہ بن احمد سے اور وہ اپنے باپ سے روایت

کرتا ہے کہ ابوحنیفہؒ کی حدیث ضعیف اور اس کی رائے ضعیف ہے۔ (تو یہاں انہوں نے اس کی حدیث اور رائے دونوں کو تسلیم کیا ہے اگرچہ ان کو ضعیف کہا ہے) اور بے شک خطیبؒ بھی اس روایت کو العقیلی تک اپنی سند کے ساتھ روایت کرتا ہے جب کہ یہاں اسی کو رد کر رہا ہے۔ پس ابوحنیفہؒ کے بارہ میں العقیلی نے جو رلویت کی ہے وہ بعینہ وہ روایت ہے جو خطیبؒ نے یہاں اوزاعیؒ کے بارہ میں کی ہے تو اے شخص تو غور سے اس شخص کو دیکھ جو دو جگہوں میں دو مختلف کے ساتھ ماپتا ہے (اور یہ دیانت کے خلاف ہے)

اعتراض ۱۳۱: (کہ ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا کہ ابوحنیفہؒ کی کل مروی حدیثیں ایک سو پچاس ہیں اور ان میں سے اس نے نصف میں غلطی کی ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۶ میں کہا کہ میں نے احمد بن علی البادا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے ابوبکر بن شاذان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا کہ ساری کی ساری حدیثیں جو ابوحنیفہؒ سے روایت کی گئی ہیں وہ ایک سو پچاس ہیں اس نے ان کے نصف میں خطا کی یا کہا کہ غلطی کی ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ ابن ابی داؤد کا معاملہ واضح ہے اور بے شک اس کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے پس ہم اس کے مرسل بے تکے کلام کے رد میں مشغول نہیں ہوتے جبکہ اس نے یہ کوئی وضاحت نہیں کی کہ اس کی خطاء کیا ہے۔ اور یہ خطاء کس حدیث میں تھی۔ اور کیسے اس کی حدیث شمار کی گئی۔ اور ہر ایک کی جانب منسوب کر کے طعن کرنے والا اسی کے مثل بولتا ہے جبکہ وہ اہل علم کے بارہ میں طعن کرنے کے معاملہ میں اللہ کا خوف نہیں رکھتا۔ ہم اللہ سے سلامتی کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۳۲: (کہ رقبہ بن مصقلہ نے ایک آدمی سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے تو اس نے کہا کہ میں ابوحنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تو اس نے کہا کہ تو رائے چباتا رہے گا اور اپنے اہل کی طرف ایسی حالت میں لوٹے گا کہ ثقہ نہ ہو گا۔

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۶ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۶ میں ابن دوما۔ ابن سلم۔ الابار۔ ابراہیم بن سعید۔ ابو اسامہ کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو اسامہ نے کہا کہ ایک آدمی رقبہ کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے تو اس نے کہا کہ

ابو حنیفہؒ کے پاس سے آیا ہوں تو اس نے کہا کہ تجھے طاقت ہے اس رائے کی جو تو چباتا ہے اور تو اپنے اہل کی طرف بغیر ثقہ کے لوٹے گا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ بعض روایات میں (بغیر ثقہ کی جگہ) بغیر نفقہ کے الفاظ ہیں پس شاید کہ یہی درست ہو اور بعض نسخوں میں یمکنک کی جگہ یکفیک کے الفاظ ہیں اور خطیبؒ نے یہاں رقبہ بن مصقلہ سے دو روایتیں ذکر کی ہیں۔ اور اصل حکایت اس سے ثابت ہے اگرچہ یہاں اسانید ایسی ہیں کہ ان میں قابل گرفت راوی موجود ہیں مگر بے شک جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔

اور یہ رقبہ جرح و تعدیل کے رجال میں سے نہیں ہے۔ وہ تو عربؒ کے ان مردوں میں سے تھا جو نکتہ چینی اور لطیفوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور یہ وہی شخص ہے جو مسجد میں پشت کے بل لیٹا ہوا کروٹیں بدل رہا تھا اور جو اس سے اس کی وجہ پوچھتا تو اس کو کہتا کہ بے شک میں فالودہ کا بچھاڑا ہوا ہوں یعنی وہ زیادہ کھا کر بد ہضمی کا شکار ہوں یا میں اس کے عشق میں بچھاڑا ہوا ہوں۔ (کہ اس کا شوق مجھے چین نہیں لینے دیتا) اور اس جیسی کلام کا مقام تو نوادر اور محاضرات سے متعلق لکھی گئی کتابوں میں ہے یا ان کتابوں میں جو قصے کہانیوں اور مزاح پر لکھی گئی ہیں۔ ہاں بے شک خطیبؒ نے ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کتاب التطفیل میں بھی نہیں چھوڑا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا ہے۔

اعتراض ۱۳۳: (کہ شعبہ نے کہا کہ مٹھی بھر مٹی ابو حنیفہؒ سے بہتر ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۹ میں العتیقی۔ یوسف بن احمد۔ العقیلی۔ عبد اللہ بن اللیث المروزی۔ محمد بن یونس الجمال۔ یحییٰ بن سعید کی سند نقل کر کے کہا کہ یحییٰ بن سعید نے کہا کہ میں نے شعبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ مٹھی بھر مٹی ابو حنیفہؒ سے بہتر ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں محمد بن یونس الجمال ہے جس کے بارہ میں محمد بن الجہم نے کہا کہ وہ میرے نزدیک متہم ہے۔ راویوں نے کہا ہے کہ اس کا ایک بیٹا اس کی احادیث میں مزید باتیں شامل کر دیتا تھا اور ابن عدی نے کہا کہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو لوگوں کی حدیث چوری کرتے ہیں۔ ابن الجوزیؒ نے اس کا تذکرہ الضعفاء میں کیا ہے۔

تفصیل کے لیے المیزان اور تہذیب التہذیب دیکھیں اور جس آدمی نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ مسلم کے راویوں میں سے ہے تو اس کو وہم ہوا ہے تو اس جیسی سند کے ساتھ یہ بات شعبہ سے کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور خطیبؒ نے اپنے شیخ العتیقی جو کہ یوسف بن احمد الصیدلانی المکی سے العقیلی کی راویت کرنے والا ہے۔ اس کی روایت تو بیان کر دی ہے لیکن میں نہیں جان سکا کہ خطیبؒ نے ابوحنیفہؒ کے بارہ میں شعبہ کا العتیقی کی سند سے وہ قول کیوں نہیں نقل کیا جو اس نے اپنی سند کے ساتھ یوسف سے کیا ہے۔ جیسا کہ ابن عبد البرؒ نے حکم بن المنذر سے نقل کیا ہے جو اس کی اس کتاب میں ہے جو ابوحنیفہؒ کے فضائل پر لکھی گئی ہے۔ اور اسی سے شبابہ کا قول ہے کہ شعبہ ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اچھی رائے رکھتے تھے اور مجھ سے مساور الوراق کے اشعار پڑھواتے تھے۔ اور عبد الصمد بن عبد الوارث کا قول ہے کہ ہم شعبہ بن الحجاج کے پاس تھے تو اس کو بتایا گیا کہ ابوحنیفہؒ وفات پا گئے ہیں تو شعبہ نے کہا البتہ تحقیق اس کے ساتھ کوفہ کی فقہ بھی ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور اس پر اپنی رحمت کے ساتھ فضل فرمائے۔ اور ابن معینؒ کا قول ان کے بارہ میں ہے کہ وہ ثقہ ہے۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اس کی تضعیف کی ہو۔ اور شعبہ بن الحجاج تو اس کی طرف لکھتے تھے کہ حدیث لکھ کر بھیجے اور شعبہؒ تو شعبہ ہے۔ اس واقعہ کی اسانید الانتقاء ص ۱۲۶ میں ہیں اور ابن ابی العوامؒ وغیرہ کی کتاب میں ابوحنیفہؒ کی کس قدر تعریف شعبہؒ سے نقل کی گئی ہے۔ لیکن خطیبؒ کا مقصد باطل اور کمزور اسناد کے ساتھ صرف ابوحنیفہؒ کے بارہ میں طعن ہی نقل کرنا ہے۔ (روایت کا حال تو یہ ہے مگر) خطیبؒ کے ہاں محفوظ روایت اسی طرح کی ہوتی ہے۔

اعتراض ۱۳۴: (کہ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ مرتد کے بارہ میں عاصم کی حدیث کوئی ثقہ راوی تو روایت نہیں کرتا البتہ ابوحنیفہؒ اس کو روایت کرتے تھے۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کے من گھڑت ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ مرتدہ والی حدیث خود سفیان ثوریؒ امام ابوحنیفہؒ سے کرتے تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۷ میں البرکی۔ محمد بن عبد اللہ بن خلف۔ عمر بن محمد الجوھری۔ ابوبکر الاثرم۔ ابو عبد اللہ۔ عبد الرحمٰن بن مھدی کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد الرحمٰن نے کہا کہ میں نے سفیان سے مرتدہ کے متعلق عاصم سے

مروی حدیث کے بارہ میں پوچھا تو اس نے کہا کہ بہرحال کوئی ثقہ تو نہیں البتہ ابو حنیفہؒ اس کو روایت کرتے تھے۔ ابو عبد اللہ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ عاصم۔ ابی رزین کے واسطہ سے عورت کے بارہ میں حضرت ابن عباس سے روایت کرتے تھے کہ جب وہ مرتدہ ہو جائے تو اس کو قید کیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں عمر بن محمد الجوھری السذابی ہے جو کہ موضوع حدیث کی روایت میں منفرد ہے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ تو ایسی سند جس میں السذابی ہو اس کے ساتھ ثوریؒ سے یہ روایت ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور جو روایت خطیبؒ نے ابوبکر بن عیاش کی طرف منسوب کی ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ اللہ کی قسم ابو حنیفہؒ نے اس کو کبھی نہیں سنا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ابوبکر بن عیاش سے یہ روایت ثابت ہے تو اس کی کلام نفی پر شہادت ہے جو کہ مردود ہے۔ اور جو آدمی یاد رکھتا ہے وہ اس کے خلاف حجت ہوتا ہے جس نے یاد نہیں رکھا۔ یا یہ کہ اس کی تاویل یہ ہوگی کہ اس کی کلام کا مطلب یہ ہے کہ میری معلومات کے مطابق اس نے اس کو نہیں سنا۔ اور ابن عدیؒ نے الکامل میں مرتدہ سے متعلق ابو حنیفہؒ کی روایت ذکر کی ہے جس کی سند یوں ہے۔ حدثنا احمد بن محمد بن سعید حدثنا احمد بن زهیر بن حرب قال سمعت یحیی بن معین یقول کان الثوری کہ یحیٰ بن معینؒ نے کہا کہ ثوریؒ ابو حنیفہؒ پر ایک حدیث کی وجہ سے عیب لگاتے تھے جو ابو حنیفہؒ کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا اور وہ ابو حنیفہ۔ عاصم۔ ابو رزین عن ابن عباس کی سند سے روایت کرتے ہیں۔ پھر جب یمن کی طرف گئے تو اس کو عاصم سے تدلیس کرتے تھے۔ پھر ابن عدی نے احمد بن محمد بن سعید۔ علی بن الحسن بن سہل۔ محمد بن فضل البلخی۔ داؤد بن حماد بن فرافصہ۔ وکیع۔ ابو حنیفہ۔ عاصم۔ ابو رزین عن ابن عباس کی سند نقل کر کے کہا' عورتوں کے بارہ میں جبکہ وہ مرتد ہو جائیں کہ ان کو قید کیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔ وکیع نے کہا کہ شام میں اس حدیث کے متعلق سفیان سے پوچھا جاتا تو کبھی وہ نعمان عن عاصم کہتے اور کبھی کہتے کہ بعض اصحابنا کہ "ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے"۔ الخ

اور ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد۔ ابو یحیٰ محمد بن عبد اللہ بن یزید المقرئ۔ عبد اللہ بن الولید العدنی۔ سفیان ثوریؒ عن رجل عن عاصم۔ اور دوسری سند ابو بشر الدولابی۔

صاحب لنا جس کی کنیت ابوبکر تھی۔ یعقوب بن اسحاق۔ ابو یوسف العطار الفقیہ۔ عبد الرزاق۔ سفیان۔ ابو حنیفہ۔ عاصم۔ ابو رزین عن ابن عباس۔ نقل کی کہ حضرت ابن عباس نے عورت کے بارہ میں کہا جو مرتدہ ہو جائے اس کو قید کیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔ الخ۔ اور اس کے ساتھ ظاہر ہوگیا کہ بے شک یہ روایت تو خود سفیان ابوحنیفہؒ سے کرتے تھے۔ خواہ ہر منکر ذلیل و خوار ہوتا رہے۔

اعتراض ۱۳۵: (کہ سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نہ ثقہ ہیں اور نہ مامون ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۷ میں علی بن احمد الرزاز۔ علی بن محمد بن سعید الموصلی۔ یاسین بن سہل۔ احمد بن حنبل۔ مومل کی سند نقل کر کے کہا کہ مومل نے کہا کہ سفیان ثوریؒ کے سامنے ابوحنیفہؒ کا تذکرہ لوگوں نے کیا تو اس نے دو مرتبہ کہا کہ وہ نہ ثقہ ہیں اور نہ مامون ہیں۔ اور دوسری سند محمد بن عمر بن بکیر المقرئی۔ عثمان بن احمد بن سمعان الرزاز۔ ھیثم بن خلف۔ محمود بن غیلان۔ مومل کی سند نقل کر کے کہا کہ مومل نے کہا کہ سفیان ثوریؒ کے پاس ابوحنیفہؒ کا ذکر کیا گیا جبکہ وہ مقام حجر میں تھے تو کہا وہ نہ ثقہ ہیں اور نہ مامون ہیں اور وہ یہ کلمات مسلسل کہتے رہے یہاں تک کہ طواف پورا کر لیا۔ اور تیسری سند ابو سعید بن حسنویہ۔ عبد اللہ بن محمد بن عیسیٰ الخشاب۔ احمد بن مہدی۔ ابراھیم بن ابی اللیث کی سند نقل کر کے کہا کہ ابراہیم نے کہا کہ میں نے الاشجعی سے کئی بار سنا کہ اس نے کہا کہ ایک آدمی نے سفیان سے ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا تو اس نے تین مرتبہ کہا کہ وہ نہ ثقہ ہیں اور نہ مامون ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ پہلی سند میں علی بن احمد الرزاز ہے یہ وہی ہے جس کی کتابوں میں اس کا بیٹا نئی سنی سنائی باتیں شامل کر دیتا تھا۔ اور الموصلی غیر ثقہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں علی بن محمد بن معبد الموصلی ہے جو کہ سعید سے معبد کی طرف تصحیف ہے اور صحیح علی بن محمد بن سعید الموصلی ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ اور مومل متروک الحدیث ہے۔ اور دوسری سند میں ھیثم بن خلف کے ساتھ مومل بھی ہے۔ اور تیسری سند میں ابراہیم بن ابی اللیث نصر الترمذی ہے جس کے بارہ میں ابن معینؒ کہتے تھے کہ اگر منصور بن المعتمر جیسے آدمی بھی اس کے پاس آتے جاتے رہیں تب بھی وہ کذاب ہی تھا۔ اور اس کو کئی آدمیوں نے کذاب کہا ہے۔ مگر خطیبؒ کی نظر میں اس جیسی روایت

ناقلین کے ہاں محفوظ روایات کے زمرہ میں سے ہے۔ اور ثوریؒ اگرچہ ابوحنیفہؒ سے علیحدہ ہو چکے تھے لیکن وہ انحراف کی اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ اس کے بارہ میں اس جیسی باطل کلام کہتے اور بے شک پہلے گزر چکا ہے کہ سفیان ثوریؒ ابوحنیفہؒ کی تعریف کیا کرتے تھے۔

اعتراض ۱۳۶: (کہ سفیان ثوریؒ کے سامنے ایک آدمی نے کہا کہ ابوحنیفہؒ نے اس طرح حدیث بیان نہیں کی جس طرح آپ نے بیان کی ہے تو اس نے کہا کہ تو نے مجھے ایسے آدمی کے حوالے کر دیا جو قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۷ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۷ میں البرقانی۔ محمد بن الحسن السراج۔ عبد الرحمٰن بن ابی حاتم۔ ابو حاتم۔ محمد بن کثیر العبدی کی سند نقل کر کے کہا کہ میں سفیان ثوریؒ کے پاس تھا تو انہوں نے ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے کہا کہ فلاں آدمی نے مجھے یہ حدیث اس کے خلاف بیان کی ہے تو اس نے کہا کہ وہ کون ہے تو اس آدمی نے کہا کہ وہ ابوحنیفہؒ ہے تو سفیان نے کہا کہ تو نے مجھے ایسے آدمی کے حوالے کیا جو قرض اتارنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں محمد بن کثیر العبدی ہے اور اس کے بارہ میں ابن معینؒ کہتے تھے کہ اس سے نہ لکھو کیونکہ وہ ثقہ نہیں ہے جیسا کہ امام الذہبی کی المیزان میں ہے۔ اور خطیبؒ نے دوسری سند کے ساتھ جو خبر نقل کی ہے تو اس میں بھی محمد بن کثیر العبدی ہے۔ اور الحسن بن الفضل البوصرائی ہے۔ ابن المنادی نے کہا کہ لوگ اس سے کثرت سے روایت لیتے تھے پھر جب اس کا معاملہ واضح ہوا تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس سے مروی احادیث کو پھاڑ ڈالا۔ یہ ذہبیؒ نے کہا ہے اور اسی کے مثل خود خطیبؒ نے اپنی کتاب میں کہا ہے مگر پھر بھی یہ روایت اس کے ہاں محفوظ ہے۔

اعتراض ۱۳۷: (کہ عبد الرزاق نے کہا کہ میں ابوحنیفہؒ سے روایت صرف اس لیے لکھتا ہوں تا کہ میرے رجال زیادہ ہو جائیں اور وہ ان سے بیس سے کچھ اوپر روایات کیا کرتے تھے۔

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۸ میں کہا کہ عبد الرزاق نے کہا کہ میں ابوحنیفہؒ سے صرف اس لیے لکھتا ہوں تا کہ اس کی وجہ سے میرے

رجال زیادہ ہو جائیں اور وہ ابو حنیفہؒ سے بیس سے کچھ اوپر روایات کیا کرتے تھے۔)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ عبد الرزاق کا ابو حنیفہؒ سے اس لیے روایت کرنا کہ اس کے رجال اور شیوخ میں اضافہ ہو جائے اگرچہ وہ احادیث اس کے پاس دوسرے مشائخ سے بھی مروی ہوتی تھیں تو بے شک یہ محدثین کے ہاں انتہائی عظمت کی بات ہے تو اس خبر سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ بے شک ابو حنیفہؒ اسی روایت کو بیان کرتے تھے جس میں اور بھی ان کے ساتھ شریک ہوتے۔ اور غریب روایات بیان نہ کرتے تھے۔ اور یہ تو ان کی تعریف ہے۔ اور بے شک عبد الرزاق نے کئی مقامات میں ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے۔ تفصیل کے لیے الانتقاء ص ۱۳۵ اور خطیبؒ کی تاریخ کی اسی جلد کا ص ۳۵۱ دیکھیں۔

اعتراض ۸ نمبر ۱۴: (کہ امام احمدؒ نے کہا کہ ضعیف حدیث بہتر ہے ابو حنیفہؒ کی رائے سے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۸ میں علی بن احمد بن عمر المقرئی۔ اسماعیل بن علی الخطبی۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبلؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے ایسے آدمی کے بارہ میں پوچھا جو اپنے کسی دینی معاملہ میں پوچھنا چاہتا ہے یعنی وہ طلاق سے متعلق قسم اٹھانے یا اس کے علاوہ کسی اور معاملہ میں مبتلا ہو اور اس کے شہر میں اصحاب الرای بھی ہوں اور ایسے اصحاب حدیث بھی ہوں جو ضعیف حدیث کی اور اسناد کے قوی ہونے کی پہچان نہیں رکھتے تو یہ آدمی ان دو طبقوں میں سے کس سے مسئلہ پوچھے۔ اصحاب الرائے سے یا ان محدثین سے جو معرفت میں کمزور ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ وہ آدمی اصحاب الحدیث سے پوچھے اور اصحاب الرای سے نہ پوچھے۔ ضعیف حدیث ابو حنیفہؒ کی رائے سے بہتر ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ فقہاء عراق اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک ضعیف حدیث قیاس پر راجح ہوتی ہے جیسا کہ ابن حزم نے ان سے روایت کی ہے۔ اور اس بارہ میں حنابلہ ان فقہاء کے گروہ کے تابع ہیں۔ تو رائے کو ابو حنیفہؒ کی طرف اضافت کر کے رائے کو مقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ حق کلام یہ ہے کہ کہا جائے کہ ضعیف حدیث رجال کی آراء سے بہتر ہے۔ اور راوی کا کلام اہل الرائے کی جانب سے مجمل ہے اور مقصد کو چھپانے سے دوری اختیار کرنا راوی پر واجب تھا اور اس بات کی صراحت کرنا ضروری تھا کہ

مراد یہ ہے کہ جس کو کتاب و سنت کا علم نہیں تو اس کی رائے خواہش سے مدد طلب کرنے والی ہے نہ کہ کتاب و سنت سے اور اسی طرح حدیث کی جانب میں قول بھی مجمل ہے۔ پس اگر ایسے محدثین کی حدیث مراد ہے جن کی جہالت اس حد تک ہے کہ وہ موضوع اور غیر موضوع میں فرق نہیں کر سکتے تو ان کو چھوڑ دینا ضروری ہے اور ان سے ایک مرتبہ بھی فتویٰ نہیں طلب کرنا چاہیے۔ اور بہت سے قدیم محدثین کے نزدیک ضعیف حدیث ایسے معنی میں استعمال کی جاتی ہے جو کہ موضوع کو بھی شامل ہے تو رائے اور اجتہاد پر ترجیح کے ضمن میں اس کا مراد لینا یہاں صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات واضح ہے۔ اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے عالم سے شہر والوں کو محروم نہ رکھیں جو ان کو درست فتویٰ دے سکے۔ تو تصور نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں ایسی گھٹا ٹوپ جہالت کی حالت اس وقت سے پہلے طاری ہو گئی ہو جبکہ ان کا معاملہ لاقانونیت سے دور تھا۔ اور میں خیال نہیں کرتا کہ عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ سے اس روایت کو ایسے انداز سے ضبط کیا ہو جیسا کہ اس کا ضبط کرنا ضروری ہے۔ ورنہ کلام میں ایسی گڑبڑ نہ ہوتی جس کی وضاحت کی گئی ہے۔

اعتراض ۱۳۹: (کہ امام احمدؒ نے کہا کہ ابو حنیفہؒ ضعیف ہے اور اس کی رائے ضعیف ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۸ میں العتیقی۔ یوسف بن احمد الصیدلانی۔ محمد بن عمرو العقیلی۔ عبد اللہ بن احمد کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابو حنیفہؒ ضعیف ہے اور اس کی رائے ضعیف ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس قول کے منافی ہے جو پہلے گزرا ہے کہ ابو حنیفہؒ کی نہ رائے ہے اور نہ حدیث ہے۔ (اس لیے کہ ایک روایت میں ہے کہ اس کی رائے اور حدیث ہی کوئی نہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کی رائے اور حدیث ہے تو سہی مگر ضعیف ہے تو دونوں اقوال میں تضاد ہے) علاوہ اس کے کلام میں خفاء بھی ہے۔ پس اگر مراد یہ ہے کہ اس کی کوئی خاص حدیث یا کوئی خاص رائے ضعیف ہے تو ضروری تھا کہ اس کی صراحت کی جاتی۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی کوئی حدیث ضعیف ہو یا اس کی بعض آراء کمزور ہوں۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ اس کی تمام احادیث ضعیف اور اس کی تمام آراء ضعیف

ہیں تو یہ جھوٹ ہے' یہ بات صرف وہی کر سکتا ہے جس کی کلام کا کوئی میزان نہ ہو۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اس کی اکثر احادیث اور اکثر آراء ضعیف ہیں تو یہ بھی بہت قبیح من گھڑت بات ہوگی جس کا تلفظ صرف وہی کر سکتا ہے جس نے کلام کو یوں کھلا چھوڑ رکھا ہو کہ جو کچھ منہ میں آئے کہتا جائے۔

اعتراض ۱۴۰: (کہ احمد بن حنبلؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ جھوٹ بولتے تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۱۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۸ میں العتیقی۔ یوسف۔ العقیلی۔ سلیمان بن داؤد العقیلی۔ احمد بن الحسن الترمذی اور دوسری سند عبید اللہ بن عمر الواعظ۔ عمر الواعظ۔ عثمان بن جعفر بن محمد السبیعی الصوفی۔ الفریابی جعفر بن محمد۔ احمد بن الحسن الترمذی۔ کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد بن الحسن نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبلؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہؒ جھوٹ بولتے تھے۔ اور العتیقی جب روایت کرتا ہے تو کان ابوحنیفۃ یکذب نہیں بلکہ ابوحنیفۃ یکتب کہتا ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ کی تدقیق کی انتہاء کو دیکھیں کہ روایت میں کان کا اثبات اور اسقاط بھی اس کی نظر سے فوت نہیں ہوتا لیکن یہ اس کو نظر نہیں آتا کہ یکذب مصحف ہے یکتب سے۔ اس میں لکھنے میں باء کو تھوڑا سا جدا کر دیا اور وہ بغیر کسی خوف کے فقیہ الملت کی طرف کذب کی نسبت کرتا ہے۔ اور وہ امت کو اس زمرہ میں شمار کرنے سے نہیں بچتا کہ اس نے ایک جھوٹے کو امام بنا لیا ہے۔ اور اس خطیبؒ کے امام' امام شافعیؒ نے اس (ابو حنیفہؒ جس کو خطیب جھوٹا ثابت کر رہا ہے) جھوٹے سے المسند اور الام میں دلیل پکڑی ہے۔ (تو جھوٹے سے دلیل پکڑنے والے کا کیا مقام ہوگا؟) اور پہلے ابن عبد البرؒ کی راویت میں ابن معینؒ کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں۔ میں نے کسی کو نہیں سنا کہ اس نے اس کو ضعیف کہا ہو۔ چہ جائیکہ کسی نے اس کی تکذیب کی ہو۔ پس اگر امام احمدؒ نے یہ کہا ہوتا تو وہ ابن معینؒ کے ساتھ تو کثرت سے مجلس کرتے تھے تو اس کا کلام اس کو پہنچا ہوتا۔ پس یا تو اصل میں مصحف ہے یا نرا جھوٹ ہے۔ اور سلف میں سے بہت سے حضرات حدیث کی کتابت سے بچتے تھے اور ان میں سے ابراہیم النخعی بھی ہیں۔ تو اس کے قول کان یکتب کا معنی یہ ہوگا کہ وہ کتابت حدیث سے نہیں بچتے تھے۔ ہاں واقع کے خلاف خبر دینا کذب ہی ہے اور اس معنی میں کذب کا اطلاق غلطی کرنے والے اور وہم

کرنے والے پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ پس جس نے غلطی کی یا کسی بات میں وہم کیا تو اس رائے کے مطابق اس کو کذوب شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن غلطی کرنے والے کو اکثر غالط اور وہم کرنے والے کو واہم کا حکم لگایا جاتا ہے۔ تو جس آدمی نے کسی کے بارہ میں کہا کہ فلان یکذب تو اس کے قول کو اس وقت تک شمار میں نہ لایا جائے گا جب تک وہ کذب کی وجہ بیان نہ کرے۔ اور اسی لیے بہت سے اہل نقد کذب فلان کے قول کو جرح غیر مفسر شمار کرتے ہیں۔ اور بے شک پہلے تاریخ الخطیبؒ ص ۳۸۳۔۳۹۳ میں گزر چکا ہے کہ بعض حضرات نے ابوحنیفہؒ کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کذاب من یقول ان الایمان لا یزید ولا ینقص وہ آدمی کذاب ہے جو کہتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور ہو سکتا ہے کہ یہاں کذب سے مراد بھی اسی انداز کا کذب ہو اور بے شک ہم نے وہاں (ایمان کی کمی بیشی کے تحت) شافی کافی بحث کی ہے تو وہاں ہی دیکھ لیں۔ اور پختہ بات ہے کہ اہل جرح کے ہاں وہ کذب جو جرح بنتا ہے وہ' وہ ہوتا ہے جو جان بوجھ کر ہو۔ اور بہرحال راوی کا غلطی کرنا یا اس کو وہم ہوجانا تو اس کے احکام اپنے مقام میں واضح ہیں۔ تو جب غلط اور وہم کو ہم نے کذب اعتبار کر لیا تو امت کے تمام طبقات میں ساری امت کو کذب کا عیب لگنا لازم آتا ہے اور یہ تو بہت قبیح فساد میں پڑنا ہے۔

اور بہت دفعہ ضدی لوگ سچے لوگوں کی طرف کذب کی نسبت کرتے ہیں اس معنی میں کہ ان کی کسی کلام میں غلطی یا وہم واقع ہوا۔ اور یہ قبیح تصرف ہے جو طعن کرنے والے کے اندرونی خبث کی خبر دیتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ہم نہ تو خطیبؒ جیسے آدمی پر اور نہ ہی العقیلی جیسے آدمی پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ بعد اس کے کہ ہم نے ان دونوں کے بارہ میں شواہد پیش کر دیے ہیں۔ پھر رہا معاملہ عبد اللہ بن احمد کا تو اس کے تصرفات اور اس کے حال کی وضاحت بھی پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور احمد بن الحسن الترمذیؒ جو امام احمدؒ کے اصحاب میں سے ہیں وہ بھی تعصب میں عبد اللہ سے کوئی کم نہ تھا۔ اور بے شک بخاری نے صرف ایک حدیث اس سے المغازی میں روایت کی ہے۔ اور بخاری کے رجال میں کتنے ہی ایسے پائے جاتے ہیں جن سے کوئی چیز لی جاتی ہے اور کوئی چیز نہیں لی جاتی۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

اور جعفر بن محمد الفریابی ایسا آدمی تھا کہ اس کے حدیث بیان کرنے کی مجلس میں تیس ہزار آدمی جمع ہوتے تھے۔ ان میں دس ہزار کے قریب بڑے بڑے ماہر علماء ہوتے تھے۔ پس

جب اس جیسا آدمی کوئی چیز روایت کرے تو سوار اس کو لے دوڑتے ہیں۔ اور یہ وہی شخص ہے جس نے لوگوں کے سامنے جنونی دورے والے آدمی کے کان کے پاس اذان کہی تو جن دوڑتا ہوا پکارتا ہوا چلا گیا کہ آگے محمد کا تلفظ نہ کریں جا رہا ہوں اور اس کی بات کو لوگوں نے سنا یعنی میں جا رہا ہوں' تو محمد" نہ کہہ۔ جیسا کہ تاریخ الخطیب" میں ہے اور اس جیسے راوی کے متعلق کچھ کہنے کی ہم ہمت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کا احاطہ کرنے والا ہے۔

علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ جب منصور نے ابوحنیفہ" کو قضاء قبول کرنے پر مجبور کیا تو انہوں نے ان الفاظ سے اس کو جواب دیا کہ میں تو قضاء کے لائق نہیں ہوں۔ تو منصور نے کہا کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ تو ابوحنیفہ" نے کہا' بے شک امیرالمومنین نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ میں قضاء کے لائق نہیں ہوں۔ اس لیے کہ اس نے میری طرف جھوٹ کی نسبت کی ہے۔ تو اگر میں جھوٹا ہوں تو قضاء کے لائق نہیں ہوں تو اگر سچا ہوں تو یقیناً میں نے امیرالمومنین کو بتا دیا ہے کہ میں اس لائق نہیں ہوں۔ جیسا کہ تاریخ الخطیب" ص ۳۳۸ میں ہے۔

تو ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس قسم کا جھوٹ اس میں پایا جاتا تھا۔

اعتراض ۱۴۱: (کہ یحییٰ بن معین" نے کہا کہ ابوحنیفہ" جھوٹ بولنے سے بہت شریف النسب تھے۔ وہ صدوق تھے مگر بے شک ان کی حدیث میں وہ کچھ ہوتا تھا جو شیوخ کی حدیث میں نہیں ہوتا۔)

اور خطیب" نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۸ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۹ میں القاضی ابو الطیب طاہر بن عبد اللہ الطبری۔ علی بن ابراہیم البیضاوی۔ احمد بن عبد الرحمٰن بن الجارود الرقی۔ عباس بن محمد الدوری کی سند نقل کر کے کہا کہ عباس بن محمد نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین" کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی نے اس کو کہا کہ کیا ابوحنیفہ" کذاب ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ جھوٹ بولنے سے بہت عالی نسب تھے۔ وہ صدوق تھے مگر بے شک اس کی حدیث میں وہ چیز ہے جو شیوخ کی حدیث میں نہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیب" کی عادت ہے کہ ابوحنیفہ" کے مناقب میں ان ہی راویوں سے روایت لیتے ہیں جن پر خود اس نے اپنی کتاب میں طعن کیا ہے حالانکہ وہ خبر ایسے راویوں سے بھی ثابت ہوتی ہے جن پر کوئی طعن نہیں اور یہ صرف اس لیے کرتا ہے تا کہ

وہم ڈالے کہ یہ واقعہ جھوٹ ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کو ایسی روایت کی کوئی ضرورت نہیں جس کی سند میں ابن الجارود الرقی اور ابن درستویہ اور محمد بن العباس الخزاز وغیرہ جیسے آدمی ہوں اور اس روایت سے اس کا صدق اور امانت ثابت کی جائے۔ تو اس لحاظ سے اس کے بعد والی روایات کے بارہ میں ہم کچھ نہیں کہتے۔ اور تینوں مطبوعہ نسخوں میں المطیری ہے حالانکہ یہ غلط ہے اور اصل الطبری ہے۔

اعتراض ۱۴۲: (کہ یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ محمد بن الحسن کذاب اور جہمی تھے اور ابو حنیفہؒ جہمی تھے کذاب نہ تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۴۹ میں العتیقی۔ تمام بن محمد بن عبد اللہ الرازی۔ ابوالمیمون عبد الرحمٰن بن عبد اللہ البجلی الدمشقی۔ نصر بن محمد البغدادی کی سند نقل کر کے کہا کہ نصر بن محمد نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن الحسن کذاب اور جہمی تھے اور ابو حنیفہؒ جہمی تھے کذاب نہ تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اللہ کی قسم وہ دونوں کذب اور جہمیت سے بری الذمہ تھے اور امام شافعیؒ جو کہ خطیبؒ کے امام ہیں انہوں نے محمد بن الحسن سے دلیل پکڑی ہے اور علی بن المدینیؒ نے بھی اس کی توثیق کی ہے جیسا کہ ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب المنتظم میں اور ابن حجرؒ نے تعجیل المنفعۃ میں نقل کیا ہے۔ حالانکہ بے شک ابن معینؒ کی نسبت ابن المدینیؒ ابو حنیفہؒ کے اصحاب کو برا بھلا کہنے کی طرف زیادہ قریب تھے۔ اور الدار قطنی تو اپنے انتہائی تعصب کے باوجود غرائب مالکؒ میں کہتے ہیں جبکہ انہوں نے الرفع فی الرکوع والی حدیث کے راویوں کا ذکر کیا کہ اس کو بیس ثقہ حفاظ حضرات بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے محمد بن الحسنؒ الشیبانی بھی ہیں۔ جیسا کہ نصب الرایہ ص ۴۰۸ ج ا میں ہے اور یہ بالکل ظاہر توثیق ہے۔ اور ابن معینؒ دیگر لوگوں کی بہ نسبت زیادہ بری الذمہ ہیں اس سے کہ وہ ان دونوں کو جھوٹا کہیں۔ اور ابن معینؒ وہی ہے جس نے کہا کہ میں نے الجامع الصغیر محمد بن الحسن سے سنی ہے اور وہ ان لوگوں میں سے نہ تھا کہ ایسے لوگوں سے فقہ سیکھتا جو اس کی نظر میں کذاب تھے۔ اور اس کا تفصیل سے ترجمہ بلوغ الامانی میں ہے۔ اور آگے اس سے بعض احادیث خاتمہ میں آرہی ہیں اور جس نے ان دونوں کی طرف یا کسی ایک کی طرف کذب یا جہمی ہونے کی نسبت کی ہے تو وہ جھوٹ اور بہتان تراشی میں بہت دور نکل گیا

ہے۔ ہاں اگر وہ آدمی یہ کہتا ہے کہ وہ کذاب ہے جو کہتا ہے کہ ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے اس معنی میں جو ابوحنیفہؒ کہتا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض سے گزر چکا ہے یا ہر ایسی چیز جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات منزہ ہے' مخلوق کے مشابہ ہونا۔ اور حوادث کا اس میں حلول کرنا یا اس کا حوادث میں حلول کرنا اور ایسے شخص کو وہ جہمی کہتا ہے جیسا کہ حشویہ کی اصطلاح ہے تو بے شک ہر وہ شخص کذاب اور جہمی ہے جو اللہ تعالیٰ کو جسمیت کے لوازم سے منزہ سمجھتا ہے۔

اِنْ كَانَ تَنْزِيْهُ الْاِلٰهِ تَجَهُّمًا فَالْمُؤْمِنُوْنَ جَمِيْعُهُمْ جَهْمِيٌّ

"اگر اللہ تعالیٰ کو منزہ ماننا جہمی بننا ہے۔ تو مومن سارے کے سارے جہمی ہیں۔"

ورنہ نہ تو ابوحنیفہؒ اور نہ ہی محمد بن الحسن ان لوگوں میں سے ہیں جو جبر کے قائل ہیں اور نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرتے ہیں جیسا کہ اس کا قائل جہم بن صفوان ہے۔ اور ان دونوں کے قول سے تو صدق ہی نمایاں تھا ورنہ امت محمدیہ کا نصف بلکہ دو تہائی اکثریت زمانہ در زمانہ ان دونوں کی اتباع نہ کرتی۔ اور رہا کسی چیز میں غلطی کرنا تو اس سے سوائے معصوم شخصیتوں (انبیاء کرام علیہم السلام) کے اور کوئی منزہ نہیں ہے۔ پس یہ خبر ابن معینؒ پر جھوٹ ہی باندھا گیا ہے۔ اگرچہ اس کو نصر بن محمد البغدادی جیسے ہزار شخص روایت کرتے رہیں۔ اور عجیب بات ہے کہ جب ہزارہا راوی ابن معینؒ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ بے شک الشافعی ثقہ نہیں ہیں تو اس روایت کو اس سے جھوٹی خبر شمار کیا جاتا ہے بخلاف اس کے جب اس سے ایک ہی روایت ابوحنیفہؒ کے بارہ میں یا اس کے کسی ایک ساتھی کے بارہ میں ہو تو وہ راویت صحیح قرار دی جاتی ہے۔ اگرچہ انتہائی کمزور سند سے روایت کی گئی ہو۔ ہاں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ابویوسفؒ نے محمد کی بعض ایسے مسائل میں تکذیب کی جو اس کی طرف منسوب تھے اور جب امام محمد کو خبر پہنچی تو کہا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ لیکن شیخ کو بھول ہوئی ہے پھر ظاہر ہوگیا کہ بے شک امام محمد کی بات ہی درست تھی۔ اور یہ تکذیب کا انداز ایسا ہے جو استاد اور شاگرد کے درمیان بھی ہو سکتا ہے بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کو عیب لگایا جائے۔ تو اس قسم کی تکذیب سے عقلمند مخالفین خوش نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی اس جیسی تکذیب سے خوش ہوتے ہیں جو منصور نے ابوحنیفہؒ کی اس بات کے جواب میں کہی کہ میں قضاء کے لائق نہیں ہوں اور اس کے باوجود اس (ابوحنیفہ) کو اور اس (امام محمد)

کو کذب سے منسوب کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کذب تو ان ہی دو اسباب کی وجہ سے تھا (جن کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے)

اللہ تعالیٰ تعصب کا ستیاناس کرے۔ یہ اپنے صاحب کو کس قدر رسوا کر دیتا ہے۔

اعتراض ۱۴۳: (کہ سفیان نے ابوحنیفہؒ کو جو حدیث میں ثقہ اور صدوق اور فقہ میں مامون کہا ہے تو اس روایت کی سند کمزور ہے کیونکہ اس میں احمد بن عطیہ ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۱۹ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۰ میں الصیمری۔ عمر بن ابراہیم المقرئی۔ مکرم بن احمد۔ احمد بن عطیہ کی سند نقل کر کے کہا کہ احمد بن عطیہ نے کہا کہ یحییٰ بن معینؒ سے پوچھا گیا کہ سفیان نے ابوحنیفہؒ سے حدیث بیان کی ہے تو اس نے کہا ہاں۔ ابوحنیفہؒ حدیث میں ثقہ صدوق تھے اور فقہ میں مامون اور اللہ کے دین پر قائم تھے۔ میں (خطیب) کہتا ہوں کہ احمد بن عطیہ جو ہے وہ احمد بن الصلت ہے اور یہ ثقہ نہیں تھا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ میں نے تاریخ الخطیبؒ کے مطبوعہ دونوں مصری نسخوں میں ۳۵۳ کے حاشیہ میں احمد بن الصلت کے بارہ میں بیان کر دیا ہے۔ اور وہ ابوالعباس احمد بن محمد بن المغلس الحمانی ہے جو کہ اس جبارۃ بن المغلس کا بھتیجا ہے جو ابن ماجہ کا شیخ ہے۔ اس کا ذکر کبھی احمد بن محمد الحمانی کے نام سے اور کبھی احمد بن الصلت کے نام سے اور کبھی احمد بن عطیہ کے نام سے کیا جاتا ہے۔ اور یہ متکلم فیہ راوی ہے۔ اور ہمیں ابوحنیفہؒ کے مناقب میں اس کی روایات کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس ایسی سندیں ہیں جن کے راویوں پر کوئی کلام نہیں ہے جو بہت سی روایات اس معنی میں ہیں جو الحمانی نے روایت کی ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ مخالف سے اس کی کاروائی میں اس کے درجہ کی بحث کریں اور احمد بن محمد الحمانی پر ذہبی نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اس کی اس حدیث میں جو اس نے ابوحنیفہؒ کے طریق سے ابن جزء کی بیان کی ہے۔ اس اعتبار سے کہ بے شک ابن جزء نے مصر میں ۸۶ء میں وفات پائی۔ الخ۔ تو اس کو ابوحنیفہؒ نے نہیں پایا۔ اور ذہبی نے غفلت سے کام لیا اس لیے کہ پہلے زمانہ کے رجال کی پیدائش اور وفات کی تاریخوں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا دور اس سے بہت پہلے کا ہے جب سے وفات کے متعلق کتابیں لکھی جانے لگی ہیں۔ تو ناقلین میں سے کسی ایک کی روایت پر بہت سے لوگوں کی وفات کے بارہ میں قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اور حضرت ابی بن کعب

رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی ہیں ان کی وفات کے بارہ میں بھی اختلاف ہے۔ ۱۸ھ سے لے کر ۳۲ھ تک کے اقوال پائے جاتے ہیں اور ذھبی مصر ہیں کہ بے شک اس کی وفات ۲۲ھ میں ہے۔ جو اس کی تمام کتابوں میں ہے حالانکہ بے شک وہ تو ۳۲ھ تک زندہ رہے ہیں اور وہ حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن کریم جمع کرنے والے تھے جیسا کہ طبقات ابن سعد کی روایات سے ظاہر ہے۔ اور کہاں مقام حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا اور کہاں ابن جزء کا کہ جب ان کے بارہ میں قطعیت سے روایت ثابت نہیں تو ابن جزء کے بارہ میں کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ قطعیت کے ساتھ وفات مان لی جائے اس روایت کی وجہ سے جو اس نے صرف ابن یونس سے کی ہے۔ اور بے شک الحسن بن علی الغزنوی نے کہا کہ اس کی وفات ۹۹ھ ہے جیسا کہ ملا علی قاری کی شرح المسند میں ہے۔ اور شاید اس کی وفات کے بارہ میں یہی بات درست ہو۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے وفات پائی جبکہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام کی تعداد موجود تھی حالانکہ جو کتابیں صحابہ کرام کے بارہ میں لکھی گئی ہیں ان میں اس تعداد کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

اور یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں کہ اتفاق سے ان کے نام اور ان کے راویوں کے نام اور نسب ایک جیسے ہوں۔ خصوصاً ایسے لوگ جو روایت کم کرنے والے ہیں تو اعتماد روایت پر ہوگا۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ بے شک ابن الصلت اس حدیث کو ابوحنیفہؒ کے طریق سے روایت کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ اس کو ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم ص ۴۵ ج ۱ میں ایسی سند سے نقل کیا ہے جس میں ابن الصلت نہیں ہے تو اس سے ثابت ہوگیا کہ ابن الصلت اس روایت میں منفرد نہیں ہے۔ تو ضروری ہے کہ ذھبی کے غصہ کا جب سبب باقی نہیں رہا تو اس کا غصہ بھی باقی نہ رہے۔ لیکن ان سے ممکن نہیں کہ وہ مسامحت برتیں اس لیے کہ جو حدیث ابوحنیفہؒ کے طریق سے ذکر کی گئی ہے اس روایت کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ تابعین میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کے نزدیک محض ہم زمانہ ہونا یا صحابی کو دیکھ لینا تابعی ہونے کے لیے کافی نہیں تو ان کو بھی اس روایت کی وجہ سے ابوحنیفہؒ کو تابعی ماننا پڑتا ہے کیونکہ ان کی صحابی سے براہ راست روایت بھی ثابت ہوگئی۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس میں مسامحت برتنا ان مخالفین کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس صورت میں تو ابن عبد البرؒ سے بھی درگزر کا

معاملہ نہ ہو سکے گا اس لیے کہ بے شک اس نے اپنی سند کے ساتھ روایت پیش کی ہے کہ ابوحنیفہؒ کا ابن جزء سے سماع ثابت ہے۔ اپنی اس کتاب میں جس کا ذکر ابھی ہوا اور وہ روایت ابن الصلت کے طریق سے بھی نہیں ہے۔ اور اس نے صراحت کی ہے کہ ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ اور حضرت عبد اللہؓ بن جزء الزبیدی کو دیکھا ہے اور یہ روایت ابن سعد سے اس نے لی ہے۔ پھر بے شک خطیبؒ نے ۲۰۸ ج ۴ میں ابن الصلت کو کمزور ثابت کرنے کی لمبی چوڑی بحث کی ہے کہ بے شک وہ حضرت انسؓ سے ابوحنیفہؒ کی روایت میں منفرد ہے حالانکہ حضرت انسؓ کی وفات کے بارہ میں جو اکثر روایات ہیں اس وقت ابوحنیفہؒ کی عمر محدثین کی تحمل حدیث کے لیے مقرر کی گئی عمر سے کہیں زیادہ تھی اور یہ بھی کہ حضرت انس بالاتفاق اپنی وفات سے پہلے کوفہ آگئے تھے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ روایت کی گئی ہے کہ محمد بن المثنی نے ابن عیینہؒ سے روایت کی ہے کہ علماء چار ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اپنے زمانہ میں۔ اور الشعبیؒ اپنے زمانہ میں۔ اور ابوحنیفہؒ اپنے زمانہ میں۔ اور ثوریؒ اپنے زمانہ میں۔

اور خطیبؒ نے اس بات کو مناسب ہی نہ سمجھا کہ ابن عیینہ نے ابوحنیفہؒ کی جو تعریف کی ہے اس کا ذکر کرے بلکہ اس نے تو مشہور کیا ہے کہ ابن عیینہؒ نے ابوحنیفہؒ کے خلاف اقدام کیا ہے اور وہ خطیبؒ کی نظر میں اس کی محفوظ روایت ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ اسلام میں کوئی بچہ ایسا پیدا نہیں ہوا جو ابوحنیفہؒ سے زیادہ اسلام کے لیے نقصان دہ ہو۔ اور اس کو احمد بن محمد المنکدری۔ محمد بن ابی عمر۔ سفیان کی سند سے پھر ابن درستویہ سے محمد بن ابی عمر عن سفیان کی سند سے نقل کیا۔ پھر اس کو محفوظ روایت شمار کیا۔ حالانکہ بے شک محمد بن ابی عمر جو ہے وہ العدنی ہے اور اس کے بارہ میں ابوحاتم نے کہا کہ اس پر غفلت طاری تھی۔ وہ ابن عیینہؒ سے موضوع حدیث بیان کرتا ہے۔ اور رہا المنکدری تو اس کی بہت سی روایات غریب اور منفرد ہوتی ہیں۔ الادریسی نے کہا کہ اس کی حدیث میں مناکیر اور عجائب اور افرادات واقع ہیں۔ اور ابن درستویہ کا حال تو معلوم ہی ہے۔ تو کیا اس جیسی دو سندوں کے ساتھ خبر محفوظ ہو سکتی ہے؟ اور پہلے ہم نے بیان کر دیا کہ ابن عیینہ تو ابوحنیفہؒ کی تعریف کرنے والے حضرات میں شامل ہیں اور وہ ایسی تعریف کرتے ہیں جو خوشبو پھیلانے والی ہے۔ حالانکہ اس کے خلاف جو روایات مخالفین کرتے ہیں وہ انتہائی درجہ کی

کمزور ہیں۔ پس گویا کہ ابن الصلت نے خطیبؒ کی نظر میں کفر کا ارتکاب کر دیا کہ اس نے اپنی روایت میں ابو حنیفہؒ کا ذکر ان تین علماء کے ساتھ کر دیا اور ان کے ساتھ اس کو شامل کر دیا اور یہ تو محض طرفداری ہے۔ ابو حنیفہؒ کی شخصیت تو وہ ہے کہ دنیا کے کناروں میں اس کا علم بھرا ہوا ہے جس کے مطابق امت محمدیہ کا کم از کم نصف طبقہ عمل کرتا ہے جیسا کہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کہا ہے۔ اگر اس کے علم کے مطابق عمل کرنے والے امت کے دو تہائی لوگ نہ ہوتے جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں کہا ہے۔ اول زمانہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک تو اس صورت میں تو اس صورت میں جب اس کا ذکر ان تین علماء کے ساتھ کیا جاتا تو یہ احمد بن الصلت کے کذب پر سب سے زیادہ واضح حجت ہوتی۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اس کا تکلم صرف وہی کر سکتا ہے جس کا دل ایسی مرض میں مبتلا ہو جس کا کوئی علاج نہیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک یحییٰ بن معینؒ بھی کذابین میں سے ہو کیونکہ اس نے ابو حنیفہؒ کا ذکر فقہاء اربعہ میں کیا ہے۔ جیسا کہ یہ روایت الصیمری نے کی ہے۔ اور وہ خطیبؒ کے ہاں ثقہ ہے۔ اور اس نے ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں احمد بن محمد الحمانی ہے۔ اس نے عمر بن ابراہیم۔ مکرم۔ محمد بن علی۔ قاسم بن المقری۔ الحسین بن فہم وغیرہما کی سند نقل کر کے کہا کہ ان حضرات نے کہا کہ ہم نے یحییٰ بن معینؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ فقہاء چار ہیں۔ ابو حنیفہ۔ سفیان۔ مالکؒ اور الاوزاعی۔ الخ۔ بلکہ زمانہ در زمانہ گزرنے کے باوجود ساری کی ساری امت ابو حنیفہ کو ائمہ متبوعین میں سے پہلے نمبر پر اعتبار کرتی ہے اور اس نے اس کو امام اعظم کا لقب دیا ہے جبکہ خطیبؒ کا سینہ اس سے تنگ ہے۔ تو کیا خطیبؒ اور اس کے دم چھلوں کے علاوہ باقی ساری کی ساری امت جھوٹی اور خطا کار ہے۔ بلکہ خود خطیبؒ بھی اسی کی زد میں آتا ہے اس لیے کہ اس نے ائمہ سے کتنی ہی روایات جید اسناد سے نقل کی ہیں اپنی اس کتاب کے ص ۳۴۴ اور ص ۳۴۵ میں کہ بے شک ابو حنیفہؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور ان اسناد کے راویوں میں ابن الصلت نہیں ہے تو اگر وہ ابو حنیفہؒ کی حضرت انس سے حدیث میں منفرد ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے جبکہ محمد بن سعد الکاتب وغیرہ حفاظ سے ثابت ہو چکا کہ ابو حنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے۔ اور ان حفاظ کا ذکر کتاب کی ابتداء میں پہلے ہو چکا ہے۔ یہاں تک کہ یہ روایت ماننے والوں میں الدار قطنی بھی ہیں۔ حالانکہ وہ ایسا شخص ہے جو یہ کہنا جائز سمجھتا

ہے کہ اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ ثلاثتھم ضعفاء کہ "بیٹا باپ اور دادا تینوں ضعیف ہیں۔" اور وہ محمد بن عبد اللہ الانصاری کا قول کہاں لے جائے گا جو اس نے اسماعیل کے بارہ میں کہا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ سے لے کر اس زمانہ تک کوئی ایسا قاضی نہیں بنا جو اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ سے زیادہ عالم ہو۔ یعنی بصرہ میں۔ اور وہ محمد بن مخلد العطار الحافظ کو کہاں لے جائے گا جس نے حماد بن ابی حنیفہؒ کو ان اکابرین میں شمار کیا ہے جو امام مالکؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ ان لوگوں کے بارہ میں کیا کہیں گے جنہوں نے ابو حنیفہؒ کی تعریف کی ہے جو ابن الدخیلؒ اور ابن ابی العوامؒ کی کتابوں اور ابن عبد البرؒ کی الانتقاء میں مذکور ہیں۔ اور الدار قطنیؒ تو وہ شخص ہے جس نے ابو یوسفؒ کے بارہ میں نامعقول بات کی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ اندھوں میں کانا راجہ کا مصداق تھا حالانکہ وہ خود مسکین اندھا کانوں کے درمیان ہے۔ کیونکہ اس نے اعتقادی مسائل میں کج روی اختیار کی اور احادیث پر کلام کرنے میں خواہش کے پیچھے چلا اور اضطراب کیا جیسا کہ آگے اس کی بحث آئے گی جہاں ابو یوسفؒ کے بارہ میں کلام ہوا ہے۔ اگر خطیبؒ نے ابن عدی پر اعتماد کرتے ہوئے ابن الصلت کے خلاف اس کی انصاف سے ہٹی ہوئی بات کو لیا ہے جو اس نے اپنی کتاب کامل میں کی ہے تو خطیبؒ کو چاہیے کہ وہ اس کی انصاف سے ہٹی ہوئی ان باتوں کو بھی لے جو اس نے بہت سے صحابہ اور تابعین اور ان ائمہ کے خلاف کی ہیں جو اس فن والوں کے ہاں ثقہ ہیں۔ مگر میں خیال نہیں کرتا کہ وہ ایسا کر سکے۔ (تو جب یہاں ان باتوں کو نہیں لیتا تو امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں اس پر اعتماد کر کے طعن کیوں نقل کرتا ہے؟)

اور احمد بن الصلت تو وہ ہے کہ اس کے بارہ میں ابن ابی خیثمہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ سے کہا کہ اے بیٹے! اس شیخ سے لکھا کر کیونکہ یہ ہمارے ساتھ مجلس میں ستر سال تک لکھا کرتا تھا۔ اور یہ ایسی چیز ہے جو خطیبؒ کو بہت زیادہ غصہ دلاتی ہے اور یہ چیز اس کو اس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے بلافائدہ ہر سواری پر سوار ہو جانے پر ابھارتی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس کی سند عالی تھی اور اس کے شیوخ میں کثرت ہے۔ اور بے شک اس نے اس قدر لوگوں سے علم حاصل کیا کہ ان کی کثرت شمار نہیں کی جا سکتی اور ان میں بڑے بڑے جلیل القدر حضرات بھی ہیں لیکن اس آدمی (احمد بن الصلت) کا گناہ یہ ہے کہ اس نے ابو حنیفہؒ کے مناقب میں کتاب لکھی ہے۔ اس وقت سے ابو حنیفہؒ کے مخالفین

یہی خواہش کر رہے ہیں کہ الاہار کے لیے فضاء صاف کر دیں جس کو انہوں نے ابوحنیفہؒ کے مطاعن پر جھوٹ اور بہتان تراشی پر مشتمل کتابیں لکھنے پر ابھارا۔ تو انہوں نے الحمانی پر یہ نا انصافی کی تا کہ اس کی روایات ساقط ہو جائیں۔ بلکہ آپ خطیبؒ کو پائیں گے کہ اس نے خود احمد بن عطیہ کے بارہ میں اپنی کتاب میں کئی جگہ طعن کیا ہے۔ پھر ابوحنیفہؒ کے مناقب میں اسی کے طریق سے روایات بیان کیں حالانکہ وہ دوسرے طریقوں سے بھی مروی ہیں اور یہ کاروائی صرف اس لیے کی تا کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ شک ڈال دے کہ یہ روایات جھوٹی ہیں اور یہ انتہائی درجہ کی خباثت ہے۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جب کوئی طعن کرنے والا کسی آدمی کے بارہ میں طعن کرتا ہے تو آپ ایسے راویوں کے گروہ پائیں گے جو اس کے پیچھے دوڑتے جاتے ہیں طعن کرنے والے کی آواز بازگشت کو دہراتے جاتے ہیں خواہ اس کے طعن کی ذرا بھی قیمت نہ ہو۔ اور ان کے لیے قیامت کے دن ایسا خوفناک مقام ہوگا کہ اس پر رشک نہ کیے جائیں گے۔ (یعنی کوئی بھی اس مقام میں ٹھہرنے کی خواہش نہ کرے گا۔)

اعتراض ۱۴۴: (کہ یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ حدیث میں ضعیف تھے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۰ میں ابن رزق۔ ہبتہ اللہ بن محمد بن حبش الفراء۔ محمد بن عثمان بن ابی شیبہ کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن عثمان نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا جبکہ ان سے ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ حدیث میں ضعف کی طرف منسوب کیے جاتے تھے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایت خطیبؒ کے ہاں بھی اس روایت کے خلاف ہے جو کئی سندوں کے ساتھ ابن معینؒ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور اس کے باوجود وہ اس روایت کو نقل کرتا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی سند میں محمد بن عثمان بن ابی شیبہ ہے اور وہ کذاب ہے اور اس کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ اور خود خطیبؒ نے ایک جماعت سے اس کی تکذیب ص ۴۳ ج ۳ میں نقل کی ہے تو خطیبؒ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ احمد بن الصلت پر تو کلام کرتا ہے اس روایت میں جو پہلے گزری اور یہاں محمد بن ابی شیبہ کذاب کے بارہ میں خاموشی اختیار کر لی ہے۔ اسی طرح خواہش آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

اعتراض ۱۴۵: (کہ یحییٰ بن معین ؒ نے کہا کہ ابوحنیفہ ؒ سے حدیث نہ لکھی جائے۔)

اور خطیب ؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۰ میں اپنی سند کے ساتھ احمد بن سعد بن ابی مریم سے نقل کیا اس نے کہا کہ میں نے اس سے یعنی یحییٰ بن معین ؒ سے ابوحنیفہ ؒ کے بارہ میں پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کی حدیث نہ لکھا کر۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ احمد بن سعد بن ابی مریم المصری اپنے مسائل میں کثیر الوھم اور کثیر الاضطراب تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس کی یہ روایت اس روایت کے خلاف ہے جو ابن معین ؒ سے ثقہ حضرات کرتے ہیں۔ بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہی نہیں ہے کیونکہ ابوحنیفہ ؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں جو روایت ابن معین ؒ کے اصحاب میں سے ثقہ کرتے ہیں یہ ان کی مخالفت کرتا ہے۔

اعتراض ۱۴۶: (کہ علی بن عبد اللہ المدینی ؒ نے ابوحنیفہ ؒ کو بہت زیادہ ضعیف قرار دیا اور کہا کہ اگر وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اس سے کچھ بھی نہ پوچھتا۔ اس نے پچاس حدیثیں بیان کیں تو ان میں غلطی کی۔)

اور خطیب ؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۰ میں اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن علی بن عبد اللہ المدینی ؒ سے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ علی سے ابوحنیفہ ؒ کے متعلق پوچھا جو کہ صاحب الرای ہے تو اس نے اس کو بہت ضعیف کہا اور کہا کہ اگر وہ میرے سامنے ہوتا تو میں اس سے کوئی چیز نہ پوچھتا نیز کہا کہ اس نے پچاس حدیثیں بیان کیں تو ان میں غلطی کی۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ بے شک ابن المدینی ؒ کی عزت کو جس طرح خطیب ؒ نے ص ۴۵۹ ج ۱۱ میں اور ابن الجوزی ؒ نے مناقب احمد میں نوچا ہے اس کا اعتبار کریں تو اس کی کلام کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور خصوصاً جبکہ اس سے راوی اس کا بیٹا عبد اللہ ہے۔ حالانکہ اس نے اپنے باپ سے کچھ سنا ہی نہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ورنہ جیسے اس نے بعض لوگوں کا دامن ظلم اور زیادتی سے کھینچا ہے تو بدلے میں اس کا دامن کھینچا جا سکتا ہے۔

پھر جب اس نے حدیث میں غلطی کی وجہ بیان نہیں کی تا کہ جواب دیا جا سکتا اور وہ ہر حال میں جرح غیر مفسر ہے جس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے' یہاں

خطیبؒ نے ابن المدینیؒ سے جو روایت کی ہے وہ منافی ہے اس روایت کے جو ابوالفتح الازدیؒ نے کتاب الضعفاء میں ذکر کی ہے۔ کیونکہ اس نے کہا ہے کہ علی بن المدینیؒ نے کہا کہ ابوحنیفہؒ سے ثوریؒ اور ابن المبارکؒ اور حماد بن زید۔ اور ھیثم اور وکیع بن الجراحؒ اور عباد بن العوامؒ اور جعفر بن عونؒ نے روایت کی ہے اور وہ ثقہ ہے۔ لا باس بہ کے درجہ کا ہے۔ الخ۔ اور اس کے مثل ابن عبد البرؒ کی جامع بیان فضل العلم ص ۱۴۹ ج ۲ میں ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی درخواست کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۴۷: (کہ ابن الغلابی نے کہا کہ ابوحنیفہؒ ضعیف ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۰ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۰ میں اپنی سند کے ساتھ جعفر بن محمد بن الازھر کے واسطہ سے ابن الغلابی کا قول نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ ضعیف ہے۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ یہ جرح غیر مفسر ہے اور ابن الغلابی المفضل بن غسان البصری ان لوگوں میں سے ہے جو عمرو بن علی الفلاس البصری اور ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی الناصبی کی طرح اہل کوفہ سے منحرف ہوگئے تھے۔ اور ان کی حالت باقی اسانید میں کچھ کہنے سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔ علاوہ اس کے یہ جرح غیر مفسر ہے جو کسی راوی میں موثر نہیں چہ جائیکہ اس کی تاثیر اس شخصیت میں ثابت ہو جس کی امامت ثابت ہو چکی ہے۔ اور اس کی امامت تواتر سے ثابت ہے۔ پھر بعض راویوں سے خود خطیبؒ نے ابوحنیفہؒ کی وفات کے متعلق روایات نقل کی ہیں کہ ان کی وفات ۱۵۱ھ یا ۱۵۳ھ میں ہے۔ پس یہ دونوں ایک روایت کی طرح نہیں لکھی جا سکتیں بلکہ یہ دونوں روایتیں کھلی غلطی کا نتیجہ ہیں جو اس کے راویوں کے عدم ضبط کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ اور خطیبؒ دونوں روایتوں کی سند لگاتار ذکر کرنے سے اس بات سے غفلت میں پڑ گیا کہ وہ مورخین جن کی کلام پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ یہ روایت ان سب کے مقابلہ میں ہے اور ان کی روایت یہ ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ کا سن وفات ۱۵۰ھ ہے۔ نصف شعبان کی رات تھی رضی اللہ عنہ ونفعنا بعلومہ "اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو اور ہمیں اس کے علوم سے نفع اٹھانے کی توفیق بخشے۔"

اعتراض ۱۴۸: (کہ سفیان ثوریؒ نے ابوحنیفہؒ کی وفات کی خبر سن کر کہا کہ اللہ کا شکر ہے

کہ اس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۲۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۳ میں ابو قلابہ الرقاشی۔ ابو عاصم کی سند نقل کر کے کہا کہ ابوعاصم نے کہا کہ میں نے مکہ میں سفیان ثوریؒ سے سنا جبکہ ان سے کہا گیا کہ ابوحنیفہؒ وفات پا گئے ہیں تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں ابو قلابہ الرقاشی ہے جو سندوں اور متن میں بہت زیادہ غلطی کرنے والا تھا۔ جیسا کہ خود خطیبؒ نے دار قطنیؒ سے نقل کیا ہے اور اس کے بعد والی خبر کے الفاظ یہ ہیں۔ الحمد للّٰہ الذی عافنا مما ابتلاہ بہ کہ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا جس میں وہ مبتلا ہوا یعنی ایسی قید جس نے موت تک پہنچا دیا۔ اس لیے کہ بے شک اس سے ثوریؒ کے لیے بھاگنا آسان تھا جبکہ ابوحنیفہؒ کے لیے آسان نہ تھا۔ اور علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ ان دونوں کے درمیان کچھ شکر رنجی بھی تھی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ابن عدی فقہ اور نظر اور علوم عربیہ سے دور ہونے کی وجہ سے ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں طویل اللسان تھا۔ پھر جب وہ ابو جعفر الطحاویؒ کو ملا اور اس سے علم حاصل کیا تو اس کی حالت کچھ اچھی ہو گئی یہاں تک کہ اس نے ابوحنیفہؒ کی احادیث میں مسند لکھی اور اس نے اپنی مسند کی ابتداء میں لکھا ہے کہ بے شک ابوحنیفہؒ اور ثوریؒ کے درمیان کچھ رنجش تھی اور ان دونوں میں سے ابوحنیفہؒ اپنی زبان پر زیادہ کنٹرول کرنے والے تھے۔ اور ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ابن عدی جیسے آدمی سے ابوحنیفہؒ کی احادیث نقل کریں۔ اور بعض دفعہ دونوں سندوں میں ابو عاصم آتا ہے اور وہ العبادانی ہے اور اس کا حال معلوم ہے۔

اعتراض ۱۴۹: (کہ ابوحنیفہؒ کی وفات پر سفیان ثوریؒ نے ابراہیم بن طہمان کی طرف آدمی بھیجا کہ اس کو جا کر خوش خبری دے کہ اس امت کا فتنہ باز مر گیا ہے۔)

اور خطیبؒ نے طبع اولی کے ص ۴۲۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۳ میں محمد بن عمر بن بکیر المقرئی۔ الحسین بن احمد الھروی الصفار۔ احمد بن محمد بن یاسر۔ محمد بن عبد الوہاب بن یعلی الھروی۔ عبد اللہ بن مسمع الھروی کی سند نقل کر کے کہا کہ عبد اللہ بن مسمع نے کہا کہ میں نے عبد الصمد بن حسان کو کہتے ہوئے سنا کہ جب ابوحنیفہؒ کی وفات ہوئی تو مجھے

سفیان ثوریؒ نے کہا کہ ابراہیم بن طہمان کے پاس جا کر اس کو خوش خبری دے کہ بے شک اس امت کا فتنہ باز فوت ہوگیا ہے جب میں اس کی طرف گیا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کر رہے تھے تو میں نے سفیان کے پاس واپس آکر کہا کہ وہ قیلولہ کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ جا کر زور سے اس کو آواز دے کر سنا کہ بے شک اس امت کا فتنہ باز مر گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ثوریؒ کا ارادہ یہ تھا کہ ابوحنیفہؒ کی وفات پر ابراہیم سے تعزیت کرے۔ اس لیے کہ بے شک وہ ارجاء میں اس کا ہم مذہب تھا۔

الجواب: میں کہتا ہوں کہ البرقانی نے الحسین بن احمد الھروی الصفار کے بارہ میں کہا ہے کہ میں اس سے ناراض ہوں اور میں نے اس سے الصحیح میں ایک حرف بھی نقل نہیں کیا۔ اس نے ابوالقاسم البغوی سے صرف تین یا چار حدیثیں سنیں مگر پھر اس کے واسطہ سے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے لگا۔ میں نے پہلے اس سے حدیثیں لکھیں پھر اس کی حالت میرے سامنے ظاہر ہوگئی کہ بے شک وہ حجت نہیں ہے۔ اور الحاکم نے کہا کہ وہ کذاب ہے اس کے ساتھ شغل نہیں رکھنا چاہیے۔ تو اس جیسا گھٹیا کلام کہنے سے ثوریؒ بری الذمہ ہے۔ اور یہ سارا بوجھ خطیبؒ کے کندھے پر سوار ہو جاتا ہے جو اس ساری صورت حال کو جانتا ہے۔ اور ابوحنیفہؒ کی طرف جس ارجاء کی نسبت کی جاتی ہے وہ تو خالص سنت ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اس کی وضاحت سے تحقیق کر دی ہے اور اس کے خلاف نظریہ اپنا کر خوارج یا معتزلہ کی جانب میلان رکھنا ہے یا پھر آپ نظریہ میں خبط میں مبتلا رہیں گے۔ تو جب کسی مسئلہ میں ابوحنیفہؒ کی مخالفت کسی کے دل میں کھٹکے تو ان تین صورتوں میں سے جو صورت کوئی چاہے اختیار کرے۔

اعتراض ۱۵۰: (کہ بشر بن ابی الازہر النیسابوری نے خواب میں ایک جنازہ دیکھا جس پر سیاہ کپڑا تھا اور اس کے اردگرد پادری تھے تو اس نے پوچھا کہ یہ جنازہ کس کا ہے تو اس کو بتایا گیا کہ ابوحنیفہؒ کا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ خواب ابویوسف کے سامنے بیان کی تو اس نے کہا کہ یہ کسی اور کے سامنے نہ بیان کرنا)

اور خطیبؒ نے طبع اولیٰ کے ص ۴۲۳ اور طبع ثانیہ کے ص ۴۵۴ میں ابن الفضل۔ عبد اللہ بن جعفر۔ یعقوب بن سفیان۔ عبد الرحمن۔ علی بن المدینیؒ کی سند نقل کر کے کہا کہ علی بن المدینیؒ نے کہا کہ مجھے بشر بن ابی الازہر نیسابوری نے بتایا کہ میں نے خواب میں

ایک جنازہ دیکھا جس پر سیاہ کپڑا تھا اور اس کے اردگرد پادری تھے تو میں نے پوچھا کہ یہ جنازہ کس کا ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ جنازہ ابو حنیفہؒ کا ہے۔ میں نے یہ خواب ابو یوسف کے سامنے بیان کی تو اس نے کہا کہ یہ کسی اور کے سامنے بیان نہ کرنا۔)

الجواب: میں کہتا ہوں کہ خطیبؒ اپنے خاتمہ کا خوف پیش نظر رکھے بغیر ابو حنیفہؒ کے حالات کا اختتام اس خواب کو بیان کر کے کر رہا ہے۔ اور عبد اللہ بن جعفر جو اس کی سند میں ہے وہ ابن درستویہ ہے جس کو البرقانی اور اللالکائی نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ متہم ہے کہ جب اس کو ایک درہم دیا جاتا تو وہ ایسی روایت بھی کر دیتا جو اس نے نہ سنی ہوتی تھی اور خطیبؒ پسند کرتا ہے کہ اس کی زبانی لوگوں کو گالیاں دے اور اس سے پہلے اس نے اس کو ان باتوں سے بری الذمہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ لیکن تہمت لگانے کی جو بالکل ثابت شدہ باتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں خطیبؒ کے کندھے اس کو اٹھانے سے کمزور ہیں۔

اور خطیبؒ نے اپنی تاریخ میں ابن المدینیؒ کے بارہ میں جو ذکر کیا ہے وہ کچھ کم نہیں ہے۔ اور اسی میں سے اس کا احمد بن ابی داؤد کو اپنا عہد و پیمان پہنچانا ہے۔ اس دور میں جو محدثین پر آزمائش کا دور تھا۔ اور اس میں سے وہ بھی ہے جو اس کے بارہ میں کہا گیا ہے۔

اے ابن المدینیؒ جس کے سامنے دنیا ظاہر ہوئی تو اس نے اپنا دین قربان کر دیا تا کہ اس دنیا کو حاصل کرے۔ کس چیز نے تجھے ایسی بات پر اعتقاد رکھنے کی دعوت دی ہے کہ جس کا قائل تیرے نزدیک کافر ہوتا تھا۔ اور آخر تک وہ اشعار نقل کیے جو ص ۴۶۹ ج ۱۱ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اور بے شک آزمائشی دور کے بعد ابو زرعہ اور احمد نے اس سے روایت لینا چھوڑ دیا تھا۔ اور بشر بن ابی الازھر تو ابو یوسفؒ کے خاص ساتھیوں میں سے تھا اور اپنے زمانہ میں نیسابور میں حنفی فقہاء کا امام تھا۔ اور اہل علم میں سے ابو حنیفہؒ کی بہت زیادہ پیروی کرنے والوں میں سے اور دوسروں کی بہ نسبت اس کی زیادہ طرف داری کرنے والا تھا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ خواب بشر بن ابی الازھر کی زبان پر گھڑی گئی ہے جیسا کہ انہوں نے براہ راست ابو حنیفہؒ کے دیگر ساتھیوں کی زبان پر بہت سی اشیاء گھڑی ہیں۔ پس ہم سند کے راویوں کے بارہ میں اس سے زیادہ کلام میں مشغول نہیں ہوتے۔

بعض نیک لوگوں کا امام محمدؒ کو خواب میں دیکھنا

اور میں نہیں جان سکا کہ خطیب کی زبان کیسے اس افسانہ کے ساتھ بول پڑی۔ اور کیسے اس کا قلم اس باطل خیال کو لکھنے کے لیے جاری ہوگیا۔ حالانکہ یہ وہی ہے جس نے محمد بن الحسنؒ کے ترجمہ میں ص ۱۸۲ ج ۲ میں علی بن ابی علی۔ طلحہ بن محمد۔ مکرم بن احمد القاضی۔ احمد بن محمد بن المغلس۔ سلیمان بن ابی شیخ۔ ابن ابی رجاء القاضی۔ محمویہ کی سند نقل کر کے کہا' اور محمد ایسا آدمی تھا کہ ہم اس کو ابدال شمار کرتے تھے۔ محمویہ نے کہا کہ میں نے خواب میں محمد بن الحسنؒ کو دیکھا تو میں نے پوچھا اے ابو عبد اللہ تو کس حالت کی طرف منتقل ہوا ہے؟' اس نے کہا کہ اس نے (رب تعالیٰ نے یا اس کے بھیجے ہوئے فرشتہ نے قبر میں) مجھے کہا کہ بے شک میں نے تجھ کو علم کا برتن اس لیے نہیں بنایا تھا کہ تجھ کو عذاب میں مبتلا کروں۔ میں نے کہا کہ ابو یوسفؒ کے ساتھ کیا کاروائی ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ وہ میرے اوپر والے درجہ میں ہے۔ میں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ کے ساتھ کیا کاروائی ہوئی تو اس نے کہا وہ تو ابو یوسفؒ سے بھی کئی درجہ بلند ہے۔ الخ اور اگر خطیبؒ فقیہ الملت کے بارہ میں بدنیت نہ ہوتا تو اگر کسی خواب کا تذکرہ ضروری تھا تو یہاں ضرور اس خواب کو دوبارہ ذکر کرتا۔ نیز بے شک اس سند کے ساتھ اس خواب کا ذکر کرنے میں خطیبؒ کی چال ہے اس لیے کہ بے شک اس کی سند میں احمد بن المغلس ہے۔

اور بے شک اس نے اس کو ساقط کرنے میں پورا زور صرف کیا ہے تا کہ اس سے جان چھڑا لے جو اس نے ابو حنیفہؒ کے مناقب میں روایت کی ہے۔ حالانکہ اس کا معاملہ ایسا ہے جس کی ہم نے پہلے وضاحت کر دی ہے۔ اور یہ خواب احمد بن المغلس کی سند کے بغیر بھی مروی ہے اور خطیبؒ نے اس سے اعراض کیا اور صرف اسی کی روایت پر اکتفاء کیا تا کہ واقعہ کے بطلان کا وہم ڈال سکے۔ لیکن اس کی آرزو خاک میں مل گئی اور حقیقت واضح ہو کر رہی۔ ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۱۴۵ میں حکم بن المنذر۔ ابو یعقوب یوسف بن احمد الصیدلانی المکی۔ محمد بن علی السمنانی۔ احمد بن حماد بن العباس۔ القاسم بن عباد۔ محمد بن شجاع۔ ابو رجاء کی سند نقل کر کے کہا کہ ابو رجاء عبادت گزار لوگوں میں سے تھا۔ ابو رجاء نے کہا کہ میں نے محمد بن الحسنؒ کو خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ اس نے کہا کہ اس نے مجھے بخش دیا۔ میں نے پوچھا کہ اور ابو یوسفؒ تو اس نے کہا کہ وہ تو مجھ سے اعلیٰ درجہ میں ہے۔ میں نے کہا کہ ابو حنیفہؒ سے کیا

کاروائی ہوئی تو اس نے کہا وہ بہت دور اعلیٰ علیین میں ہے۔ الخ۔ اور خطیبؒ کے لیے ممکن تھا کہ یہ روایت ضرور ذکر کرتا اس لیے کہ یہ اس کے شیخ العتیقی کی مرویات میں سے ہے جو اسی الصیدلانی سے اس نے ذکر کی ہیں جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

اور ابو عبد اللہ الصیمری نے اخبار ابی حنیفہؒ و اصحابہ میں عمر بن ابراہیم۔ مکرم۔ محمد بن عبد السلام۔ سلیمان بن داؤد بن کثیر الباہلی۔ عبد الوہاب عیسی۔ محمد بن ابی رجاء کی سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن ابی رجاء نے کہا کہ میں نے اپنے باپ ابو رجاء سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے خواب میں محمد بن الحسنؒ کو دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا کاروائی کی تو اس نے کہا کہ اس نے مجھے جنت میں داخل فرما دیا اور مجھے کہا کہ میں نے تجھے علم کا برتن اس لیے نہیں بنایا تھا کہ تجھے عذاب میں مبتلا کرتا۔ ابو رجاء نے کہا کہ میں نے پھر پوچھا کہ ابویوسفؒ کا کیا بنا۔ تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے یا کہا کہ ہم سے ایک درجہ اوپر ہے۔ ابو رجاء نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ ابوحنیفہؒ کا کیا بنا تو اس نے کہا کہ وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ الخ۔ اور خطیبؒ کے لیے ممکن تھا کہ اس سند کے ساتھ بھی روایت کرتا اس لیے کہ یہ اس کے شیخ الصیمری کی روایت ہے اور خطیبؒ نے اس کی توثیق کی ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے۔

اور الحافظ ابوالقاسم بن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد۔ احمد بن القاسم البرتی۔ ابو علی احمد۔ محمد بن ابی رجاء۔ ابو رجاء کی سند نقل کر کے کہا کہ ابورجاء نے کہا کہ میں نے خواب میں محمد بن الحسنؒ کو دیکھا تو میں نے پوچھا کہ تو کس حالت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ رب تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کس وجہ سے؟ تو اس نے کہا کہ مجھے کہا گیا کہ ہم نے جب تجھ میں علم ڈالا تھا تو اسی وقت تجھے بخش دیا تھا۔ ابو رجاء نے کہا کہ میں نے پوچھا کہ ابوحنیفہؒ کا کیا بنا تو اس نے کہا وہ تو اعلیٰ علیین میں ہیں۔ الخ۔ اور ابن ابی العوام نے ابراہیم بن احمد بن سہل۔ القاسم بن غسان القاضی۔ غسان القاضی۔ ابو نعیم الفضل بن دکین کی سند نقل کر کے کہا کہ ابونعیم نے کہا کہ میں الحسن بن صالح کے پاس گیا۔ اس دن کے آخر میں جس دن اس کے بھائی علی بن صالح کو دفن کیا گیا تو اس نے سچی خوابوں کا ذکر کیا۔ پھر ابو نعیم نے کہا کہ میں پھر چند دنوں کے بعد الحسن بن صالح کے پاس گیا تو اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ اے ابو نعیم! کیا تو جانتا ہے کہ بے شک میں نے گزشتہ رات اپنے

بھائی کو خواب میں دیکھا۔ گویا کہ وہ میرے پاس پہنچا اور اس پر سبز رنگ کے کپڑے تھے۔ تو میں نے اس سے پوچھا اے میرے بھائی کیا تو فوت نہیں ہوگیا تھا تو اس نے کہا' ہاں۔ تو میں نے کہا کہ یہ تجھ پر کپڑے کیسے ہیں تو اس نے کہا یہ سندس (باریک ریشم) اور استبرق (موٹا ریشم) کے کپڑے ہیں۔ اور اس نے کہا کہ اے میرے بھائی تیرے لیے بھی ایسے ہی ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا تو اس نے کہا کہ مجھے اس نے بخش دیا اور میری وجہ سے اور ابو حنیفہؒ کی وجہ سے اس نے فرشتوں پر فخر کا اظہار کیا۔ میں نے پوچھا کہ ابو حنیفہؒ جو نعمان بن ثابت ہے؟ تو اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہے تو اس نے کہا کہ اعلیٰ علیین کے جوار میں۔

القاسم نے کہا کہ میرے باپ نے کہا کہ ابو نعیم جب ابو حنیفہؒ کا تذکرہ کرتے تھے یا اس کے سامنے تذکرہ ہوتا تو وہ کہتے آفرین آفرین اعلیٰ علیین میں ہے۔ پھر یہ واقعہ بیان کرتے۔ الخ۔ لیکن خطیبؒ کو صرف یہی پسند ہے کہ وہ فقیہ الملت کا حشر پادریوں کے ساتھ ہی دکھائے۔ اگرچہ اس خواب میں جو اس نے بیان کی ہے اس میں عبد اللہ بن جعفر الدراھمی جیسا راوی ہے۔ اور میں اس مقام میں خوابوں کے سلسلہ میں کوئی زیادہ بات نہیں کرنا چاہتا۔ اگر خطیبؒ نے مجھے اس پر برانگیختہ نہ کیا ہوتا تو یہ بھی ذکر نہ کرتا۔

اور جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ وہ اپنے شیوخ سے خوابیں روایت کرتا ہے اور خوابوں کے بعد ان کی تفسیر اور تعبیر بتانے کو بھی ضروری نہیں سمجھتا حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بھی بہت سی خوابوں میں اس کی طرف حاجت ہوتی ہے جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے۔ اور ابو حنیفہؒ کے حالات میں خطیبؒ نے جو کچھ نقل کیا ہے اس پر ہماری بحث مکمل ہوئی۔

خاتمہ

امام اعظم اور درجہ اول کے مجتہد کے خلاف خطیبؒ کا عمل اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی تاریخ کے بہت سے مقامات میں جہاں بھی طعن کرنا ممکن ہوا تو اس نے فقیہ الملت پر طعن کر کے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا ہے حالانکہ وہ تو اس کے امام (شافعیؒ) کو فقہ سکھانے والے (امام محمدؒ) کے استاذ ہیں۔ اور یہ کاروائی اس کی طرف سے صرف حسد کی وجہ سے ہی ہے جبکہ امام صاحب کے اصحاب مسلمانوں کے شہروں میں زمانہ در زمانہ گزرنے کے باوجود قضاء کے منصب پر فائز ہوتے رہے اور اس کی وجہ یہی تھی جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی یعنی فقہ میں گہری بصیرت۔ اور اسی لیے خطیبؒ نے اس کے اصحاب میں سے جن کے حالات ذکر کیے ہیں ان کو بھی طعن کیے بغیر نہیں چھوڑا اور اس میں بھی اس کا انداز رسوا کن ہے۔

اس نے مختلف مقامات میں ابو حنیفہؒ کے بارہ میں طعن کیا ہے۔ اس کو تلاش کرنے میں بحث طویل ہو جائے گی اور ان کی سندوں میں جو خرابیاں ہیں ان کے پہچاننے میں قارئین کرام کو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ راویوں کے بارہ میں وہی بحث کافی ہے جو ہم نے پہلے کر دی ہے۔ اس لیے کہ مختلف مقامات پر جن راویوں سے طعن اس نے نقل کیا ہے ان میں اکثر وہی ہیں جن کے حالات ہم نے تفصیل سے ذکر کر دیے ہیں۔

اور اسی طرح خطیبؒ نے ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے ابو یوسفؒ اور محمد بن الحسنؒ اور الحسن بن زیادؒ اور وکیعؒ بن الجراح اور نوح بن دراجؒ اور الفضل بن دکینؒ اور حفص بن غیاثؒ اور عافیہ بن زیدؒ اور اسد بن عمروؒ اور یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہؒ اور مندل بن علیؒ اور اس کے بھائی حبان العنزی اور القاسم بن معنؒ المسعودی وغیرہم جیسے جن حضرات کے تراجم بیان کیے ہیں تو ان کے تراجم میں ان کا حق ادا نہیں کیا بلکہ اس کا جہاں تک بس چلا اس نے ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں سے اکثر کے مطاعن نقل کرنے میں وہی حشر کیا ہے جو اس نے ابو حنیفہؒ کے مطاعن ذکر کرنے میں کیا ہے۔ پس کوئی حرج نہیں کہ ہم کچھ نمونہ اس کا ذکر کریں تا کہ قارئین کرام کو خطیبؒ کے ہیر پھیر کا پتہ لگ جائے۔ پس ہم ابو یوسفؒ اور محمد

بن الحسنؒ اور الحسن بن زیادؒ کے متعلق ابحاث کا ہی ذکر کرنے میں اکتفا کرتے ہیں اس چیز کو دیکھتے ہوئے کہ ان کا ذکر مذہب کی کتابوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اور ہم امام زفر بن الہذیلؒ الرائی کا ذکر نہیں کر رہے اس لیے کہ خطیبؒ کی تاریخ کے مطبوعہ نسخہ میں اس کا ترجمہ نامکمل چھوڑ دیا گیا ہے۔

ابو یوسفؒ یعقوب (المتوفی ۱۸۲ھ) بن ابراہیم الانصاری

اور وہ مجتہد امام ہیں جو اجتہاد مطلق کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے مجتہدین میں سے بہت سے حضرات کے شیخ ہیں۔ اور ابن حبان کو حنفیت سے انتہائی درجہ کی نفرت ہے اس کے باوجود وہ ابو یوسفؒ کے بارہ میں کہتا ہے کہ بیشک وہ حافظ متقن تھا اور بے شک وہ نیک آدمی تھا اور وہ مسلسل روزے رکھتا تھا۔ الخ۔ اور امام ذہبیؒ نے کہا کہ وہ قضاء کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ہر رات دو سو رکعت ادا کرتے تھے۔ الخ۔ اور احمد بن کامل الشجری جو ابن جریر کا ساتھی ہے اس نے کہا کہ یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ نے نقل میں اس کی ثقاہت کے بارہ میں اختلاف نہیں کیا۔ الخ۔ (یعنی اس کی ثقاہت پر ان حضرات کا اتفاق ہے)

اور الحافظ طلحہ بن محمد بن جعفر المعدل نے کہا کہ ابو یوسفؒ کا معاملہ مشہور اور فضیلت ظاہر ہے۔ اور وہ ابو حنیفہؒ کا ساتھی ہے اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ فقیہ تھا اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ اور علم و حکمت و ریاست اور مرتبہ میں انتہائی درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ اور یہی پہلا شخص ہے کہ جس نے ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق اصول فقہ میں کتابیں لکھیں۔ اور مسائل لکھوائے اور ان کو پھیلایا اور زمین کے کناروں میں ابو حنیفہؒ کا علم بکھیر دیا۔ الخ۔ اور ہلال بن یحییٰ البصری نے کہا کہ ابو یوسفؒ تفسیر اور المغازی اور تاریخ عرب کا حافظ تھا اور اس کے علوم میں کم درجہ کا علم فقہ ہے۔ الخ۔ یعنی اس کا فقہ میں وہ مقام ہے جو شہری دیہاتی سب جانتے ہیں۔ جب فقہ میں یہ حال ہے (حالانکہ یہ اس کے علوم میں سے کم درجہ علم ہے) تو باقی علوم کا کیا اندازہ ہوگا۔ اور امام ذہبیؒ کی روایت میں یحییٰ بن خالد نے کہا کہ ابو یوسفؒ ہمارے ہاں آئے اور ان کے علوم میں کم درجہ کا علم فقہ تھا اور بے شک اس کی فقہ کے ساتھ دنیا ساری بھری ہوئی ہے۔ الخ۔ (جب فقہ میں اس کا یہ حال ہے تو باقی علوم کا کیا حال ہوگا۔) اور الدوری کی روایت میں یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ ابو یوسفؒ

صاحب حدیث اور صاحب سنت تھے۔ الخ۔ اور ابن جریر نے اپنی کتاب ذیل المذیل میں کہا کہ وہ کسی محدث کے پاس حاضر ہوتا اور اس سے پچاس یا ساٹھ حدیثیں سنتا پھر وہاں سے نکلتا تو اس کو اس طرح یاد ہوتی تھیں کہ ان کو بیان کرتا۔ الخ۔ اور اسی لیے ابن الجوزی نے ان سے اختلاف کے باوجود اپنی کتاب اخبار الحفاظ میں اس کا ذکر اس امت کی ان سو یکتا شخصیتوں میں کیا ہے جن کے انتہائی قوی حافظہ کی مثال بیان کی جاتی ہے۔ اور ابن الجوزی کی یہ کتاب دمشق کے مکتبہ ظاہریہ میں موجود ہے اور اس کی ابتداء سے ایک ورق پھٹا ہوا ہے۔ (ابو یوسف کی شخصیت تو علوم میں نمایاں ہے مگر) اس کے باوجود خطیبؒ نے اس کی طرف اس مرض کی نسبت کی ہے جس مرض میں خود خطیبؒ مبتلا ہے۔

امام ابویوسفؒ پر خطیبؒ بغدادی کا پہلا اعتراض کہ وہ تصحیف کرتے تھے

خطیبؒ نے امام ابویوسفؒ کے بارہ میں کہا کہ السیر اور المغازی میں جو مشہور الفاظ مستعمل ہیں ابویوسفؒ ان میں تصحیف کرتے تھے۔ خطیبؒ نے اپنے زعم کے مطابق لکھا کہ بے شک اس نے رشید کی مجلس میں الغابہ اور ثنیہ کے الفاظ کا صحیح تلفظ کرنے کی بجائے اس میں تصحیف کی یعنی غلطی کر کے ان کو بدل ڈالا۔ اور یہ الفاظ اس حدیث میں ہے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے الغابة سے ثنية الوداع تک سواری دوڑائی تو ابویوسفؒ نے الغابة کو الغاية سے ثنية الوداع کو بنية الوداع سے بدل ڈالا۔ اور یہ ذکر کرنے سے خطیبؒ کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ گویا ابویوسف اتنی بات بھی نہ جانتے تھے کہ من ابتداء کے لیے ہوتا ہے اور وہ غایت پر داخل نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ الغابة یا الحفیاء مدینہ منورہ کے آس پاس کی بستیاں تھیں اور ثنية الوداع تین نقطوں والی ثاء کے ساتھ ہے۔ اور بے شک یہ مقام مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل دور تھا۔ لیکن کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ابویوسفؒ جیسے آدمی سے اس جیسی باتیں مخفی ہوں جبکہ ان کا علم حدیث اور مغازی اور سیر اور فقہ میں انتہائی وسیع تھا۔ اور ان مقامات کو تو کنواری لڑکیاں اپنے پردوں میں رہنے کے باوجود جانتی تھیں اور وہ گاتی تھیں۔ طلع البدر علینا۔ من ثنیات الوداع۔ ثنية الوداع کی جانب سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ اور یہ اشعار ان عورتوں نے حضور ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری پر کہے۔ اور ابویوسفؒ جو اہل علم کے ہاں حافظہ کی قوت اور علم کی وسعت میں بلند مقام پر تھے اور المغازی اور

السیر کے علم میں بہت وسیع تھے۔ اس وجہ سے کہ وہ صاحب المغازی محمد بن اسحاق کے ساتھ رہے۔ باوجودیکہ ابوحنیفہؒ نے اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کیا تھا۔ اور وہ اس کے ساتھ اس وقت تک رہے کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ حاصل کر لیا۔ اور السیر میں ایک کتاب لکھی جس میں الاوزاعی جیسے آدمی کا کامیاب رد کیا۔ اور کئی مرتبہ حج کیا اور ہر مرتبہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

خطیبؒ بغدادی خود تصحیف میں مشہور ہے

اور خطیبؒ جس کی صرف باتوں میں ہی نہیں بلکہ اس کی کتابوں میں تصحیف مشہور ہے جب رشید جیسے آدمی کی مجلس میں بالکل ظاہر اشیاء میں ابویوسفؒ کی جانب تصحیف کی نسبت خطیب نے کی تو وہ اس کے اپنے سر کی چوٹی پر گری کیونکہ ثابت اس کے جھوٹ ہونے کے گواہ ہیں۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ رشید جیسے آدمی سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک جاہل اور الفاظ میں تصحیف کرنے والے کو اپنے اتنا قریب کر لے۔ (جتنا اس نے ابویوسفؒ کو کر لیا تھا۔)

اور بہرحال یہ بہتان جو اس نے ص ۲۵۵ ج ۱۴ میں نقل کیا ہے' اس کی سند میں محمد بن العباس الخزاز ہے اور اس کا نہ سنی ہوئی روایات کو بیان کرنا مشہور ہے اور یہ چیز اہل نقد کے ہاں راوی کو ساقط کر دینے والی ہے۔ پھر اس کی سند میں سلیمان بن فلیح ہے جس کے بارہ میں الزین العراقی نے میزان الاعتدال کے حاشیہ میں کہا ہے کہ یہ مجہول راوی ہے۔ بلکہ ابو زرعہ نے کہا کہ میں اس کو نہیں پہچانتا اور نہ ہی محمد اور یحییٰ کے علاوہ فلیح کے کسی بیٹے کو جانتا ہوں۔ الخ۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا بیٹا موسیٰ بھی ہے مگر مجہول راویوں کے زمرہ میں ہے۔ اور بہرحال جو ابن حجر نے اللسان میں کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ فلیح بن سلیمان سے مقلوب ہو تو یہ بات قبول کرنے کے لائق نہیں۔ کیونکہ خطیبؒ کی تاریخ ص ۲۸۹ ج ۱۳ اور ص ۲۵۵ ج ۱۴ میں کئی جگہ صراحت موجود ہے کہ بے شک سلیمان محمد کا بھائی ہے۔ اگرچہ یہ صراحت اس سے جہالت کو دور نہیں کرتی نہ ذات کے لحاظ سے اور نہ صفات کے لحاظ سے۔ پس ہر حال میں سلیمان بن فلیح مجہول ہے۔ پس ایک ایسے شخص کا تصور کرنا جو رشید کی مجلس میں آتا ہے اور ابویوسفؒ جیسے آدمی کا رد کرتا ہے حالانکہ سلف و خلف میں اہل علم کے ہاں اس کی شخصیت معلوم ہی نہیں ہے۔ تو بیشک اس خبر کا من گھڑت ہونا پہچاننے کے لیے

اتنی بحث ہی کافی ہے اور اس روایت کی سند مرکب ہے۔

اور ابو یوسفؒ جیسا آدمی اگر کوئی معمولی غلطی بھی کرتا تو اس کی غلطی تو ہر جانب اڑتی۔ ایک مجہول شخص کی روایت میں منحصر نہ ہوتی جس کی سند میں ساقط راوی ہیں۔ اور خطیبؒ نے ابو یوسفؒ کی کتابیں جو مشہور ہیں ان میں سے کسی کتاب سے اس کی تصحیف نقل نہیں کی۔ بلکہ بعض مجہول راویوں نے یہ بیہودہ کلام کیا ہے۔

اور بہرحال خطیبؒ کی تصحیفات تو کتابوں میں خصوصاً ابن الماکولاؒ کی کتاب مستمر الاوہام میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہو چکی ہیں۔ اور وہ باقی لوگوں کی بہ نسبت اس کے مخفی پہلو زیادہ پہچانتا ہے اور باقی لوگوں کی بہ نسبت اس کے عیوب چھپانے میں زیادہ کوشش کرنے والا ہے۔ جہاں تک اس کے لیے چھپانا ممکن تھا اس نے چھپانے کی کوشش کی ہے مگر بے شک اس کی تصحیفات جب چھپانے کی حد سے زیادہ تھیں تو وہ ان کو لکھنے اور اپنی مذکورہ کتاب میں ثبت کرنے پر مجبور ہوا۔

اور خطیبؒ کی وہ تصحیفات جو الملک المعظم عیسیٰ بن ابی بکر الایوبی نے اپنی اس کتاب میں لکھی ہیں جو اس نے خطیبؒ کے ردّ میں لکھی ہے۔ اس میں ابوالیمن الکندی۔ ابوالفضل بن ناصر۔ الحافظ ابوالغنائم النرسی کی سند نقل کر کے کہا کہ ابوالغنائم نے کہا کہ میں نے خطیبؒ کو سنا وہ ابو محمد الجوھری کے سامنے واقدی کی کتاب المغازی پڑھ رہا تھا تو جب غزوہ احد کے واقعہ تک پہنچا اور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کیا یا لیتنی غوّدرت یوم احد مع اصحاب نحص الجبل "اے کاش! میں احد کے دن پہاڑ کے دامن پر ٹھہرائے گئے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا۔" اس جملہ میں نحص الجبل میں نحص کو نقطے والی ضاد سے پڑھا تو مجھے یہ اچھا نہ لگا تو میں ابوالقاسم ابن برہان النحویؒ سے ملا تو اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ خطیبؒ نے اس لفظ میں تصحیف کی ہے اور یہ لفظ نحض نہیں بلکہ النحص صاد کے ساتھ ہے اور یہ پہاڑ کے دامن کو کہتے ہیں۔ الخ۔

اور خطیبؒ تو ایسا آدمی ہے جس کی تصحیف معروف ہے اور اس کی تصحیفات پر مشتمل مستقل کتاب لکھی گئی ہے تو جب آدمی میں شرم نہ رہے تو وہ اس جیسی سند کے ساتھ اسی بیماری کی نسبت دوسروں کی طرف کرتا ہے جو اس کو خود لگی ہوتی ہے ——— اور اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق میں مختلف احوال ہیں۔

دوسرا اعتراض

کہ امام ابویوسفؒ نے ایک آدمی کو مسئلہ بتایا کہ عرفہ کی مسجد میں وقوف کرنے والے کا وقوف ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عرفہ کی مسجد تو بطن عرنہ میں ہے اور اس میں وقوف درست نہیں۔

الجواب : پھر خطیبؒ نے ص ۲۵۶ ج ۱۴ میں ایک آدمی کی روایت نقل کی کہ اس نے ابویوسفؒ سے مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے عرفہ کی مسجد میں امام کے ساتھ نماز پڑھی پھر وقوف کیا یہاں تک کہ امام کے جانے کے ساتھ وہ چلا گیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو ابویوسفؒ نے کہا کہ اس پر کوئی حرج نہیں تو اس آدمی نے کہا سبحان اللہ ! حالانکہ حضرت ابن عباسؓ نے تو فرمایا ہے کہ جو شخص وادی عرنہ سے لوٹ آیا تو اس کا حج نہیں ہے۔ اور عرفہ کی مسجد بطن عرنہ میں ہے۔ اور اس روایت کی سند میں عبد اللہ بن جعفر بن درستویہ ہے اور یہ متہم ہے اس بات کے ساتھ کہ یہ چند دراھم کی خاطر نہ سنی ہوئی روایت بھی کر دیتا تھا۔ جیسا کہ پہلے اس کے بارہ میں گزر چکا ہے۔ اور اس کی سند میں سعید بن منصور ہے اس نے ابویوسفؒ کے ساتھ مجلس ہی نہیں کی نیز اس کی عبارت منقطع ہے جس آدمی سے اس نے سنا اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس سے سعید بن منصورؒ روایت کر رہا ہے وہ مجہول العین ہے۔ تو اس جیسی سند کے ساتھ اس گفتگو کا ابویوسف سے ذرا بھی تعلق نہیں نظر آتا۔ اور ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ بطن عرنہ میں وقوف صحیح نہیں ہے۔ لیکن مسجد عرفہ' عرنہ میں نہیں بلکہ عرفہ میں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مسجد کی اضافت عرفہ کی طرف ہے۔ اور لفظ کو ظاہر سے کسی دلیل کے ساتھ ہی پھیرا جا سکتا ہے۔ ورنہ ظاہر پر ہی رکھا جاتا ہے اور یہاں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں یہ خیال لیا ہے کہ بے شک مسجد عرنہ میں ہے۔ اس بارہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے اور اختلافی مسائل کو طعن و تشنیع کا ذریعہ بنانا صحیح نہیں ہے اور عرفہ کی مسجد کی قبلہ جانب والی دیوار عرنہ کی حد پر ہے اور مسجد عرفہ کی مکہ کی جانب عرنہ ہے تو مسجد میں وقوف کرنے والا عرفات میں وقوف کرنے والا ہوگا نہ کہ عرنہ میں۔ امام مالکؒ نے الموازیہ میں فرمایا بطن عرنہ' عرفہ میں ایک وادی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بے شک مسجد عرفہ کی قبلہ

جانب والی دیوار اس کی حد پر ہے۔ اس انداز کی کہ اگر وہ گرے تو اسی میں گرے گی۔ اور اسی طرح الموازیہ میں کہا کہ جو شخص مسجد میں وقوف کرتا ہے تو بے شک وہ بطن عرنہ سے نکل گیا۔ لیکن فضیلت، امام کے قریب وقوف کرنے میں ہے۔ جیسا کہ ابن الباجی کی المنتقی ص ۱۷ ج ۳ میں اور ابن المواز کی کتاب میں ہے۔ امام مالکؒ کے مذہب پر جتنی اصولی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں القابسی اسی ابن المواز کی کتاب کو فضیلت دیتا ہے۔ اور ابن المواز محمد بن عبد الحکم کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہے۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ عرنہ کے موقف سے خارج ہونے پر کوئی مرفوع صحیح حدیث نہیں ہے۔ اور حدیث ارتفعوا عن بطن عرنة جو الموطا میں ہے وہ موصول سند کے ساتھ نہیں بلکہ بلاغات میں سے ہے۔ اور جس نے اس کو مسند کہا ہے تو وہ مسند صحیح کے ساتھ مسند نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ المسجد کو شامل نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ ارتفعوا عن بطن عرنة میں بطن عرنہ سے ارتفاع کا جو معنی امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے اس معنی کے پیش نظر یہاں اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ پس تفصیل کے لیے اسی کی طرف مراجعت کریں۔

اور پختہ بات ہے کہ جن ائمہ نے بطن عرنہ کو الموقف سے خارج قرار دیا ہے تو ان آثار کی وجہ سے قرار دیا ہے جو اس بارہ میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر پر موقوف ہیں۔ اور جو حضرات موقوف کو دلیل مانتے ہی نہیں تو ان کے لیے مسئلہ میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ تو جو روایت اس سند کے ساتھ خطیبؒ نے کی ہے تو یہ مسئلہ میں جہالت میں دور نکل جاتا ہے۔ اور فقہ کی مبسوط کتابیں اس مسئلہ میں اس سے زیادہ بحث کرنے سے بے پرواہ کر دیتی ہیں۔ (یعنی ان میں تفصیل موجود ہے)

تیسرا اعتراض کہ امام ابو یوسفؒ نے رشید کو حیلہ سمجھایا

اور وہ افسانہ بھی عجیب ہے جو خطیبؒ نے ص ۲۴۹ ج ۱۴ میں نقل کیا ہے کہ ابو یوسفؒ نے رشید کو حیلہ سمجھایا اور واقعہ یہ ہوا کہ ایک آدمی نے قسم اٹھائی کہ جس چیز کا میں مالکؒ ہوں نہ اس کو بیچوں گا اور نہ کسی کو ہبہ کروں گا۔ اور اس کی ایک لونڈی بھی تھی جس کا وہ مالکؒ تھا تو رشید نے اس لونڈی کو خریدنا چاہا تو مالکؒ نے اپنی قسم کی وجہ سے انکار کر دیا تو رشید نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے یہ لونڈی مجھ کو نہ دی تو میں اس کو قتل کر دوں

گا۔ تو ابو یوسف نے اس کو فتویٰ دیا کہ اس لونڈی کا نصف بیچ دے اور نصف ہبہ کر دے تا کہ دونوں کی قسمیں نہ ٹوٹیں اور ابویوسفؒ نے اس کی وجہ سے کافی دنیا حاصل کی۔ اور آخر تک اس افسانہ کو بیان کیا۔ اور خطیبؒ نے یہ افسانہ صرف اس لیے نقل کیا ہے تا کہ ظاہر کرے کہ ابویوسفؒ مفاد پرست قسم کے مفتیوں میں سے تھے جن کے دلوں سے اللہ کے واعظ نے اثر نکال دیا تھا۔ اور یہ خطیبؒ کا اس پر بدترین بہتان ہے۔

اور ابویوسفؒ کی کتاب الخراج جو کہ مشہور ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حق کے بیان میں کسی کی طرف داری کرنے والے نہ تھے۔ اور بے شک خطیبؒ نے اس افسانہ کو بڑی کھینچا تانی کر کے بیان کیا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی تاریخ میں اس سے دو صفحات بھر دیے۔ اور اس بہتان کی سند خطیبؒ کے چہرہ سے تعصب کا پردہ چاک کرتی ہے۔ پس بے شک اس میں محمد بن الازھر مزید ہے جس کے بارہ میں خود خطیبؒ نے ص ۲۸۸ ج ۳ میں کہا کہ یہ کذاب تھا۔ اس کا قبیح کذب ظاہر ہے۔ الخ۔ تو ظاہر ہوگیا کہ بے شک خطیبؒ نے ابویوسفؒ کی طرف جو حیلہ بتانے کی نسبت کی ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے جس کا قبیح بہتان ہونا ظاہر ہے۔ اور ابن ابی الازھر کا استاد حماد بن اسحاق الموصلی ہے جو خطیبؒ کی سند میں اپنے باپ سے افسانے نقل کرنے کا راوی ہے اور یہ باپ بیٹا دونوں گویے تھے جو الاغانی کے رجال میں سے مشہور ہیں۔ تو وہ بھی اور اس کا باپ بھی دونوں قصہ گو راویوں میں سے ہیں۔ جلیل القدر ائمہ کے تراجم میں ان کے ساتھ دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔

چوتھا اعتراض کہ ایک شاعر نے امام ابویوسفؒ کی وفات پر مرثیہ پڑھ کر اس کی مذمت کی

الجواب : پھر خطیبؒ نے ابن درید۔ السکن بن سعید عن ابیہ۔ ھشام بن محمد الکلبی کی سند نقل کر کے کہا کہ ھشام نے کہا کہ ابن ابی کثیر جو کہ بنی الحارث بن کعب کا آزاد کردہ غلام تھا اور اہل بصرہ میں سے تھا اس نے ابویوسفؒ کی وفات پر یہ مرثیہ پڑھا۔

اس نے قبر پر پانی چھڑکا تو اس کے ساتھ یعقوب ایسی مصیبتوں میں مرہون ہو کر رہ گیا جو رعد کی آواز والی ڈھیر لگی ہوئی ہیں۔ اس نے قیاس کے ساتھ ہمارے لیے نرمی پیدا کی تو اپنے ہمیشہ کے قبیح ہونے کے بعد وہ (نبیذ) حلال ہوگئی۔ پس اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک

موتوں نے اس کا ارادہ کیا ہے اور مزید قیاس کرنے سے پہلے موت نے اس کو جلدی آن لیا ہے۔ تو ضرور وہ رائے کے ساتھ قیاس میں ایسا عمل کرتا کہ شک کرنے والوں پر حرام ناپید ہی ہو جاتا۔

اور یہ اشعار نقل کر کے خطیبؒ نے ابویوسفؒ کا ترجمہ ختم کیا ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ ابویوسفؒ نے شراب کو حلال نہیں کہا اور المدام سے یہی مراد ہے۔ بلکہ شراب کی حرمت کے بارہ میں اس کا اعتقاد وہی ہے جو باقی تمام مسلمانوں کا ہے۔ اور بہرحال شراب کے علاوہ نبیذ کے بارہ میں اس کی رائے علماء عراق کی طرح ہے جیسا کہ اپنے مقام میں وضاحت سے مذکور ہے۔ اور اس جیسا آدمی اگر ہزار سال بھی زندہ رہے تو رای کے ساتھ محرمات کو حلال کرنے کی کوشش نہ کرتا اور وہ تو باقی اہل علم کی بہ نسبت آثار کو زیادہ سختی سے دلیل بنانے والے تھے۔ اور جہاں نص موجود ہو وہاں قیاس سے دور رہنے والے تھے جیسا کہ اس کی تمام اہل علم گواہی دیتے ہیں۔ اور اس کے بارہ میں المزنی نے کہا کہ وہ حدیث کی بہت زیادہ پیروی کرنے والے تھے جیسا کہ خود خطیبؒ نے ص ۲۴۶ ج ۱۴ میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن معینؒ نے کہا کہ وہ حدیث والوں کو پسند کرتے تھے اور ان کی جانب مائل تھے جیسا کہ خطیبؒ نے ص ۲۵۵ ج ۱۴ میں نقل کیا ہے۔ اور پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ بے شک وہ اس کے بارہ میں کہتے تھے کہ وہ صاحب حدیث اور صاحب سنت ہیں اور امام احمد کہتے تھے کہ وہ حدیث میں انصاف کرنے والے تھے۔ جیسا کہ خطیبؒ نے ص ۲۶۰ ج ۱۴ میں ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے حضرات اس کی بہ نسبت قیاس میں زیادہ وسعت رکھتے تھے جیسا کہ اس بات کی گواہی اصول کی کتابیں دیتی ہیں۔ پس اسی لیے واجب ہے کہ اس مجہول شاعر کو ان لوگوں میں شمار کیا جائے جو بہتان اور یاوہ گوئی کی وادی میں حیران و سرگردان پھرتا ہے۔ بشرطیکہ خطیبؒ کی سند اس شاعر تک پہنچ جائے۔ لیکن اس کی سند میں ابن درید ہے اور وہ شراب کا رسیا تھا اور غیر ثقہ تھا۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہ اشعار اسی نے نشہ کی حالت میں گھڑ لیے ہوں۔ اور اس کا شراب کا رسیا ہونا اور جعلی عربی بنانا اور الفاظ نئے پیدا کرنا اور لغت کو تبدیل کرنا اور ان کو اپنے مذہب کے مطابق بنانا بہت سے حضرات نے ذکر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ابوالحسین القدوری کی کلام التجرید میں اور ابو منصور کی کلام التہذیب میں اور نفطویہ اور الدار قطنیؒ اور ابن شاہین۔ اور ابوبکر الابہری کا اس کے بارہ میں

قول المیزان اور اللسان اور بغیہ الوعاۃ وغیرہ میں دیکھیں۔ اور ابن درید کا شیخ السکن بن سعید اور اس کا باپ الاغانی کے رجال میں سے ہیں اور ہشام الکلبی کے بارہ میں ابن عساکر نے کہا کہ وہ رافضی تھا ثقہ نہ تھا اور الدار قطنیؒ نے کہا کہ وہ متروک ہے اور احمد اور ابن السمعانی اور ابوالفرج الاصفہانی وغیرہ کا اس کے بارہ میں قول بہت مشہور ہے اس کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو کیا اس جیسی سند کے ساتھ خطیبؒ جائز سمجھتا ہے کہ ایک مجہول شاعر کی زبانی بہت بڑے امام کے بارہ میں اس قدر توہین آمیز کلمات نقل کرے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر تعجب اس پر ہے جو ابن حجر نے ابویوسفؒ کے ترجمہ میں ابوبکر احمد بن عبد الرحمٰن الشیرازی کی کتاب "الالقاب" سے اللسان میں نقل کیا ہے۔ بے شک اس نے کہا کہ میں نے عبد الملک بن محمد الخرکوشی سے سنا وہ کہتا تھا کہ جب ابویوسفؒ کو دفن کیا گیا تو النظام نے اٹھ کر یہ اشعار پڑھے۔

"اس نے قبر پر پانی چھڑکا تو اس کے ساتھ یعقوب اس بادل کی طرح ہو گیا جو تہ بہ تہ لگا ہوتا ہے اور اس سے موٹی موٹی بارش برستی ہے۔

اس نے ہمارے لیے قیاس میں نرمی کی تو شراب حرام ہونے کے بعد حلال ہو گئی

اور اگر اس کی میعاد پوری نہ ہو جاتی اور اس کو موت جلدی نہ آجاتی

تو وہ قیاس فکری میں ایسا عمل کرتا کہ کنواری لڑکیاں اور لڑکے بھی ہمارے لیے حلال ہو جاتے۔"

اللہ تعالٰی اس بے حیا شاعر کا ستیاناس کرے اور اس کا بھی جس نے اس برے انداز میں اس میں تبدیلی کی ہے جو اس بات کی اطلاع دے رہی ہے کہ اس کا تبدیل کرنے والا انتہائی گھٹیا آدمی ہے۔ اور اس نے ان اشعار کو ذکر کر کے ایسی چیز (حسد اور کینہ) کے ذریعہ سے شفا حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے تندرست آدمی مرض سے تکلیف پانے لگتا ہے۔

اور اس افسانہ میں النظام شاعر کے معنی میں ہے اور اس سے ابراہیم بن سیار النظام مراد نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ بعد زمانہ کا ہے۔ اس نے ابویوسفؒ کی وفات کا زمانہ نہیں پایا۔ اور الشیرازی اور اس کا شیخ دونوں ۴۰۷ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ تو ان دونوں اور ابویوسفؒ کی وفات کے درمیان ایسے بیابان ہیں کہ ان میں سواریوں کی گردنیں ہلاک ہو جاتی

ہیں۔

اور میں نہیں جان سکا کہ ابن حجر نے ان یقینی مقطوع توہین آمیز اشعار کو جن کا سقوط ظاہر ہے کیسے مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام کے ترجمہ میں نقل کرنا گوارا کر لیا۔ اور اس کے ساتھ بہت ہی زیادہ تبدیلی کی تا کہ بہت زیادہ برائی میں اضافہ کرے۔ اور اس کے ساتھ معمولی بھلائی کا معاملہ کیے بغیر اس کے حالات لکھے۔ متعصب کی حالت اسی طرح کی ہوتی ہے۔ متعصب آدمی جب کسی شخص کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ ذلت اسی کی طرف لوٹ آتی ہے پھر وہی ذلیل ہوتا ہے اور وہ ذلیل نہیں ہوتا جس کو ذلیل کرنے کا یہ ارادہ کرتا ہے۔

پانچواں اعتراض کہ ابن المبارک نے امام ابو یوسفؒ کی وفات پر بدبخت یعقوب اور مسکین یعقوب کہا

الجواب: اور یہ بھی عجیب ہے جو خطیبؒ نے ص ۲۵۶ ج ۱۴ اور ص ۲۵۷ میں عبد اللہ ابن المبارکؒ کی طرف منسوب کر کے بات کہی ہے کہ جب ابو یوسف کی وفات ہوئی تو اس نے کہا یعقوب بدبخت۔ اور مسکین یعقوب۔ اس کو اس چیز نے کوئی فائدہ نہ دیا جو اس میں تھی۔ اور یہ عجیب اس لیے ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ ابن المبارکؒ تو ابو یوسفؒ کی وفات سے پورا ایک سال پہلے فوت ہوگئے تھے تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ سال بعد وہ قبر سے اٹھ کر یہ کلام کریں اس شخص کے بارہ میں جس کی وفات بعد میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتان تراشوں کو اسی طرح رسوا کرتا ہے بلکہ ابو یوسف کے ترجمہ میں خطیبؒ کے پاس ایک کلمہ ایسا نہیں جو ابن المبارکؒ کی طرف منسوب کر سکے اور جو باتیں اس نے نقل کی ہیں ان کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ بلکہ وہ غیر ثقہ ہیں جیسا کہ سلم بن سالم اور علی بن مہران۔ وعبیدۃ الخراسانی اور عبد الرزاق بن عمر۔ اور جو ان کے قائم مقام ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی لڑائی اپنے ذمہ لے لی ہے۔ (کہ وہ دشمنوں سے ان کا دفاع کرتا ہے)

چھٹا اعتراض کہ الدار قطنیؒ نے کہا کہ ابو یوسف اندھوں میں کانا تھا

الجواب: اور خطیبؒ کی عجیب باتوں میں سے یہ ہے کہ اس نے الدار قطنیؒ سے روایت کی

کہ اس نے ابویوسفؒ کے بارہ میں کہا کہ وہ اندھوں میں کانا تھا۔ بعد اس کے کہ اس نے البرقانیؒ کی روایت سے اس سے ذکر کیا کہ بے شک وہ محمد بن الحسنؒ سے اقوی ہیں۔ اور الدار قطنیؒ تو وہ ہے جس نے محمد بن الحسنؒ کو ثقہ حفاظ میں شمار کیا ہے کیونکہ اس نے غرائب مالکؒ میں عند الرکوع رفع یدین کی حدیث کے بارہ میں کہا کہ اس حدیث کو بیس ثقہ حفاظ نے بیان کیا ہے۔ ان میں محمد بن الحسنؒ الشیبانی ہیں۔ جیسا کہ آپ اس نقل کی صراحت نصب الرایہ ص ۴۰۸ ج ا میں پائیں گے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور بے شک الدار قطنیؒ نے البرقانی کی روایت میں اعتراف کیا ہے کہ ابویوسفؒ محمد بن الحسنؒ سے اقویٰ ہیں۔ تو ابویوسفؒ اس کے نزدیک حافظ اور ثقہ بلکہ ثقہ سے بھی اوپر ہیں۔ پس جب اس نے کسی مجلس میں اس کے بارہ میں کہا ہو کہ وہ اندھوں میں کانا ہے جیسا کہ خطیبؒ نے نقل کیا ہے تو اس کا قول بالکل بے ہودہ اور بدترین بے وقوفی ہوگی۔ تو اگر ہمارا کوئی ساتھی اس کو مقابلہ میں یوں کہہ دے کہ وہ کانوں میں اندھا ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی بصیرت کو اندھا کر دیا جیسا کہ اس کے ساتھیوں کی بصیرت اندھی ہو گئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں انتہائی احمقانہ نظریہ اپنایا یہاں تک کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں وہ کچھ لکھ دیا جو صرف وہی لکھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتا ہے۔ اور فروع میں وہ بھی ان کے ساتھ ہے تو ثابت ہوگیا کہ وہ اعتقاد میں بصیرت سے عاری ہے جیسا کہ وہ فروع میں بصیرت سے عاری ہے۔ اور جو آدمی دونوں میں بصیرت سے خالی ہو تو وہی اندھا ہے ان لوگوں کے درمیان جو کانے ہیں کہ انہوں نے صرف ایک میں بصیرت کو گم پایا ہے کیونکہ وہ صرف فروع میں بصیرت سے خالی ہیں۔ تفصیل کے لیے وہ بحث دیکھیں جو المحدث البارع الشیخ عبد العزیزؒ پنجابی السندی (خطیب جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ) نے نصب الرایہ ص ۸ ج ۲ کے حاشیہ میں لکھی ہے اور یہ شیخ نبراس الساری علی اطراف البخاری کے مولف ہیں۔ یہ بحث آپ دیکھیں تا کہ آپ کے سامنے ثقاہت اور امانت میں الدار قطنیؒ کا معاملہ منکشف ہو جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

اور بہرحال اگر الدار قطنیؒ کی مراد اس لفظ سے یہ ہے کہ وہ اپنے اہل زمانہ میں زیادہ ممتاز تھے جیسا کہ الفاظ اس معنی میں بعض اہل علم سے ثابت ہیں جیسا کہ ابوالولید بن الفرضی الحافظ کی تاریخ ص ۱۴۴ میں ہے تو اس وقت واجب تھا کہ وہ ایسا کلمہ بولتا کہ اس میں اس کے

زمانہ والوں پر چیخنے والے کی زیادتی نہ ہوتی۔

اور ناقلین کا ابوحنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں زبان درازی کرنا بھی عجیب بات ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے اصحاب کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے ہو (یعنی تعصب کی وجہ سے ہو)

امام ابویوسفؒ کے بارہ میں حماد بن زید کا طرز عمل

اور عجیب باتوں میں سے وہ بھی ہے جو اس بارہ میں حکایت کی گئی ہے جس کو ابوالقاسم بن العوامؒ نے طحاویؒ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ ہمیں عبدة بن سلیمان بن بکر نے ابراہیم بن الجراح سے بیان کیا کہ اس نے کہا کہ جب میں نے بصرہ کی جانب نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے ابویوسفؒ سے پوچھا کہ میں وہاں کس کو لازم پکڑوں تو اس نے مجھ سے کہا حماد بن زید کو۔ اور وہ عظیم مرتبہ ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں بصرہ آیا تو میں نے وہاں حماد کو لازم پکڑ لیا۔ پس اللہ کی قسم وہ جب ابویوسفؒ کا ذکر کرتا یا اس کے پاس اس کا ذکر ہوتا تو وہ اس کی شان میں گستاخی کرتا تو ایک دفعہ میں اس کے پاس تھا کہ ایک عورت آئی۔ اس سے درخواست کر رہی تھی کہ اس کو عہد نامہ لکھ دے تو اس کو جواب دینا مشکل ہوگیا۔ اور یہ بھی دشوار ہوا کہ حدیث والوں کو چھوڑ کر اس عورت کا مسئلہ حل کرے اور اس کے دل میں یہ معاملہ گراں گزرا۔ تو میں نے اس کو کہا اے ابو اسماعیل اس عورت کو حکم دیں کہ وہ اپنے کاغذ مجھے دے دے تا کہ میں اس کے لیے لکھ دوں تو اس نے ایسا ہی کیا اور اتنی دیر حدیث بیان کرنے سے رکا رہا یہاں تک کہ میں لکھنے سے فارغ ہوگیا۔ تو میں نے کہا آپ حدیث بیان کریں آپ کو اس کی ضرورت نہیں ہے تو اس نے ایسا ہی کیا تو جب میں لکھنے سے فارغ ہوا تو میں نے اس کو وہ کاغذ دیا۔ تو اس نے وہ کاغذ لے کر پڑھا تو تعجب کیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ تم نے یہ کس سے سیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ایسی شخصیت سے جس کا ذکر آپ گستاخی کے بغیر نہیں کرتے اور اس نے مجھے تلقین کی تھی کہ مجھ سے جدا ہونے کے بعد آپ کے سوا کسی کو لازم نہ پکڑوں تو اس نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ تو میں نے کہا وہ ابویوسفؒ ہے تو وہ شرمندہ ہوا اور اس کے بعد وہ اس کا ذکر خیر سے ہی کرتا رہا۔ الخ۔ یہ حال تو حماد بن زید جیسے آدمی کا تھا تو ناقلین میں سے لاپرواہی کرنے والوں کا کیا حال ہوگا؟

(امام) محمد بن الحسنؒ الشیبانی

اور یہ بھی مجتہد مطلق اور بہت بڑے امام تھے۔ بڑے بڑے حضرات نے ان سے علم حاصل کیا اور مذاہب میں جو فقہی کتابیں لکھی گئی ہیں' ان کا مدار انہی کی کتابوں پر ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ نے پیچیدہ مسائل کے جوابات دیے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ جوابات کہاں سے لیے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ محمد بن الحسنؒ کی کتابوں سے۔ اور اس محمد بن الحسنؒ سے خطیبؒ کے امام' امام شافعیؒ نے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اور امام ابوعبید قاسم بن سلامؒ نے اور امام اسد بن فراتؒ نے جو کہ امام مالکؒ کے مذہب کو مدون کرنے والا ہے اور ان کے علاوہ دیگر علم کے بادشاہوں نے بھی اسی سے علم حاصل کیا۔ اور الدار قطنیؒ نے غرائب مالکؒ میں کہا کہ بے شک وہ ثقہ حفاظ میں سے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور ابن معینؒ نے کہا کہ میں نے الجامع الصغیر امام محمدؒ سے سنی اور ابن المدینیؒ نے کہا کہ بے شک وہ صدوق تھے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فقہ کے بارہ میں محمد بن الحسنؒ کا احسان باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر ہے۔ اور میں نے ان کے مناقب کا کچھ حصہ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسنؒ الشیبانی میں ذکر کیا ہے۔ اور اس جیسا امام جس نے علم سے جہاں کو بھر دیا اس کے بارہ میں خطیبؒ نے جائز سمجھ لیا کہ ہر کمزور گمنام کی زبانی اس کی شان میں گستاخی کرے۔ حالانکہ خطیبؒ کے امام کی شان اس وقت بلند ہوئی جبکہ اس نے اس سے ایک بختی اونٹ پر لادے جانے والے بوجھ جتنی کتابوں کا علم حاصل کیا۔ اور اس کا اجتہاد کا دعویٰ تو محمد بن الحسنؒ کی وفات کے چھ سال بعد ہوا۔ جیسا کہ خود اس کی اپنی تاریخ اس پر گواہ ہے۔ تو خطیبؒ کا اس پر طعن تو لاشعوری طور پر اپنے امام پر طعن کرنا ہے۔ تو کوئی حرج نہیں کہ میں یہاں بعض ان باتوں کا تذکرہ کروں جو اس عظیم امام کے متعلق خطیبؒ نے ذکر کی ہیں۔ بعد اس کے کہ اس نے پہلے اس کے بعض مناقب کا ذکر کیا ہے۔

امام محمدؒ پر خطیبؒ بغدادی کا اعتراض کہ مناظرہ میں ان کی رگیں غصہ کی وجہ سے پھول جاتی تھیں

پس اس پر اعتراضات میں سے وہ ہے جو اس نے ص ۱۷۷ ج ۲ میں د ملج۔ الابار۔ یونس بن عبد الاعلیٰ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ وہ مناظرہ میں زور زور سے بولتے تھے اور ان کی رگیں پھول جاتی تھیں اور ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ اس کے سارے بٹن ٹوٹ

جاتے۔ اور خطیبؒ کی یہ روایت اس کے خلاف ہے جو صحیح سند کے ساتھ اس کے بارہ میں ابن عبد البرؒ نے الانتقاء ص ۲۴ میں نقل کی ہے۔ اور یہ روایت اس کے بھی خلاف ہے جو اس کے بارہ میں امام شافعیؒ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس کے سوا کسی اور کو نہیں دیکھا جس کی حالت مناظرہ میں تبدیل نہ ہوتی ہو۔ (یعنی وہ اپنی طبعی حالت پر ہی رہتے تھے) اور بے شک پہلے کئی مرتبہ دملج اور الابار کا حال گزر چکا ہے' یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور ہم نے بلوغ الامانی ص ۲۶ اور ص ۲۷ میں خطیبؒ کی اس روایت کی کمزوری پر تفصیلی بحث کی ہے۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے بارہ میں بحث کی روایت)

اور بے شک خطیبؒ نے اسی سند کے ساتھ ص ۱۷۸ ج ۲ میں یونس بن عبد الاعلی کی روایت بھی نقل کی ہے جو کہ امام شافعیؒ کی محمد بن الحسنؒ کے ساتھ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کی شان کے بارہ میں ہے۔ اس میں ہے کہ محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ تمہارا ساتھی مباحثہ کے دوران کلام کرنے کی اور ہمارا ساتھی خاموش ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ سچ بتا کہ کیا تو جانتا ہے کہ بے شک میرا صاحب اللہ کی کتاب کا زیادہ عالم تھا۔ تو اس نے کہا ہاں۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا تو کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو جاننے والا تھا؟ تو اس نے کہا' ہاں۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کیا وہ عقلمند نہ تھا؟ تو اس نے کہا' کیوں نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا تیرا ساتھی کتاب اللہ سے ناواقف تھا؟ تو اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا اور اس سے بھی ناواقف تھا جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے؟ تو اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا کیا وہ عقل مند تھا؟ تو اس نے کہا' ہاں۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میرے ساتھی میں تین عادتیں ایسی ہیں کہ ان کے بغیر کسی کے لیے قاضی بننا درست نہیں ہو سکتا۔ یا اس کے ہم معنی کلام کیا۔

یہ روایت خطیبؒ کی یونس بن عبد الاعلیٰ کے طریق سے نص ہے اور میں نہیں جانتا کہ کب ابو حنیفہؒ یا مالکؒ قاضی بنے تھے یہاں تک کہ قضاء کی شروط کے بارہ میں امام شافعیؒ اور محمد بن الحسنؒ کے درمیان گفتگو ہوئی ہو اور یہ عبارت کسی اور روایت میں بالکل وارد

نہیں ہوئی۔ بلکہ یہ یقیناً خطیبؒ کی طرف سے ہیر پھیر ہے۔ اور بے شک اس نے آخر میں کہا کہ یا اس کے ہم معنی کلام کیا اور اس آخر جملہ کا اضافہ خطیبؒ نے اس لیے کیا کہ اگر کوئی اس بدترین تحریف پر اس کا پیچھا کرے تو اس کے لیے پھسلنے کی گنجائش باقی رہے۔ جبکہ اس کے چہرہ سے پردہ ہٹ جائے۔ بایں طور کہ اس کو کہا جائے کہ ہم نے یونس بن عبد الاعلیٰ کے طریق سے اس حکایت کے جتنے طریق ہیں' ان سب کی چھان بین کی ہے اور ایسی چھان بین کی ہے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ عبارت ان میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی تو لازماً" تو نے ہی یہ عبارت تبدیل کی ہے اور عبارت کو بدلا ہے تو خطیبؒ یہ کہتے ہوئے جواب دے سکے کہ بے شک میں نے جو روایت پہلے ذکر کی ہے اس میں دعویٰ نہیں کیا کہ روایت کی عبارت نص ہے بلکہ یہ اس کے ہم معنی ہے اور ایسے تحریف کرنے والے خوفزدہ کو یہی کہنا کافی ہے کہ کیا تیری روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ تیرا ساتھی کلام نہ کر سکتا تھا اور میرا ساتھی خاموش نہ ہوتا تھا۔ تو کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ محمد بن الحسنؒ اس آدمی کے مطابق کلام اور افتاء کو لازم پکڑلیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ناواقف ہو۔ حالانکہ یہ کاروائی عالم پر حرام قرار دی گئی ہے۔ تو اس خبر کو باطل قرار دینے والی باتیں موجود ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ جس نے محمد بن الحسنؒ کی کتابوں میں سے الحجہ اور الاثار وغیرہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ اس (امام محمدؒ) کا صاحب (ابو حنیفہؒ) اس کے نزدیک کتاب وسنت کو کس قدر جاننے والا تھا تو یہاں ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے جو کہ ہم نے بلوغ الامانی ص ۳۴ میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔

اور الانتقاء ص ۲۴ میں ابن عبد البرؒ کی عبارت ہے اس نے خلف بن قاسم۔ الحسن بن رشیق۔ محمد بن الربیع بن سلیمان۔ محمد بن سفیان بن سعید۔ یونس بن عبد الاعلیٰ کی سند نقل کر کے کہا کہ یونس بن عبد الاعلیٰ نے کہا کہ مجھ سے امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے ایک دن محمد بن الحسنؒ سے گفتگو کی تو میرے اور اس کے درمیان اختلاف چل نکلا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی رگوں کو دیکھا کہ وہ پھول گئی ہیں اور اس کے بٹن ٹوٹ گئے تو اس دن میں نے اس کو جو کہا تھا وہ یہ بات تھی کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تو ہمارے صاحب یعنی مالکؒ کو جانتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کے عالم تھے؟ تو اس نے کہا اللہ گواہ ہے کہ' ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے درمیان اختلاف کو بھی جانتے تھے؟ تو اس نے کہا

اللہ گواہ ہے کہ' ہاں۔ الخ۔ اس عبارت کا خطیبؒ کی ذکر کردہ عبارت سے کتنا فرق ہے؟ حالانکہ یہ دونوں روایتیں یونس بن عبد الاعلی کے طریق سے ہی نقل کی گئی ہیں اور ابن عبد البرؒ کی عبارت میں تو ابو حنیفہؒ کے بارہ میں کتاب و سنت سے ناواقف ہونے کا بالکل ذکر نہیں ہے تو اس کے بارہ میں کہنا کہ وہ تو ان دونوں چیزوں سے ناواقف تھے' یہ خود خطیبؒ کی ہوشیاری کا نتیجہ ہے۔ اور ابن عبد البرؒ کے ہاں ایک اور روایت ص ۲۳ میں جو امام شافعیؒ سے ابن عبد الحکم کے طریق سے ہے اور اس کی سند یہ ہے۔ قاسم بن محمد۔ خالد بن سعد۔ عثمان بن عبد الرحمٰن۔ ابراہیم بن نصر۔ محمد بن عبد اللہ ابن عبد الحکم۔ یہ سند نقل کر کے کہا کہ محمد بن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ ہمارا استاذ تمہارے استاذ سے زیادہ عالم تھا۔ یعنی یہ گفتگو ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے بارہ میں تھی۔ اور تمہارے اصحاب میں تو بولنے کی ہمت نہ تھی اور ہمارا صاحب خاموش ہی نہ ہوتا تھا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ مجھے غصہ آیا اور میں نے کہا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ میں سے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو زیادہ جاننے والے کون تھے؟ تو اس نے کہا کہ مالکؒ تھے لیکن ہمارے صاحب زیادہ قیاس کرنے والے تھے تو میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔ اور مالکؒ کتاب اللہ کے ناسخ اور منسوخ کو اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ابو حنیفہؒ سے زیادہ جاننے والے تھے تو جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو زیادہ جاننے والا ہو وہ کلام کے زیادہ لائق ہے۔ الخ۔ اور اس میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ محمد بن الحسنؒ نے ابو حنیفہؒ کے بارہ میں قطعاً یہ بات نہیں کہی جو خطیبؒ کی روایت میں اس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اور یہ خطیبؒ کے جھوٹ پر دوسری دلیل ہے۔ اور بہرحال الھروی کی ذم الکلام میں جو خبر ذکر کی گئی ہے تو وہ القاسم۔ محمد بن الحسین بن حاتم۔ یعقوب بن اسحاق۔ صالح بن محمد البغدادی الحافظ۔ الربیع بن سلیمان کی سند کے ساتھ ہے کہ الربیع بن سلیمان نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں محمد بن الحسنؒ کے پاس تھا تو ہم نے مالکؒ بن انس کا ذکر کیا تو میں نے اس کی حد درجہ تعریف کی تو محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ بے شک میں نے مالکؒ کو دیکھا اور ان سے چند چیزیں پوچھیں تو ان کے لیے جائز ہی نہ تھا کہ وہ فتویٰ دیتے تو میں نے اس کو کہا کہ میں تجھ سے خدا کے واسطے سے پوچھتا ہوں کہ اگر میں تجھ سے پوچھوں تو تو سچ کہے گا۔ تو اس نے کہا' ہاں ایسا ہی ہوگا۔ میں نے کہا کہ مالکؒ اور ابو حنیفہؒ میں سے

کتاب اللہ کا زیادہ عالم کون تھا؟ تو اس نے کہا، مالکؒ تھے۔ تو میں نے کہا کتاب اللہ کی تفسیر کون زیادہ جانتا تھا؟ تو اس نے کہا، مالکؒ تھے۔ تو میں نے کہا کہ لغت کو کون زیادہ جانتا تھا؟ تو اس نے کہا کہ مالکؒ تو میں نے کہا کہ کس کی روایت زیادہ صحیح ہوتی تھی؟ تو اس نے کہا کہ مالکؒ کی۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی کو کون زیادہ جانتا تھا؟ تو اس نے کہا کہ مالک۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو کون زیادہ جانتا تھا؟ تو اس نے کہا کہ مالک۔ تو میں نے کہا کہ اس کے باوجود ابو حنیفہؒ کے لیے فتویٰ دینا جائز تھا اور مالکؒ کے لیے فتویٰ دینا جائز نہ تھا؟ الخ۔

اور مناقب احمد ص ۴۹۸ میں ابن الجوزی کا قول المحمدان بن ناصر۔ ابن عبد الباقی۔ حمد بن احمد۔ ابو نعیم الحافظ۔ محمد بن عبد الرحمٰن بن سہل۔ محمد بن یحییٰ بن آدم الجوھری۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کی سند کے ساتھ ہے کہ محمد بن عبد اللہ نے کہا کہ میں نے امام شافعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے محمد بن الحسنؒ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہمارا صاحب زیادہ عالم ہے یا تمہارا صاحب۔ تو میں نے کہا کہ تو سینہ زوری کرنا چاہتا ہے یا انصاف؟ تو اس نے کہا کہ انصاف۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا، کتاب اور اجماع اور سنت اور قیاس۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تجھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارا صاحب کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہے یا تمہارا صاحب؟ تو اس نے کہا کہ جب تو نے مجھے قسم دی ہے تو میں کہتا ہوں کہ تمہارا صاحب زیادہ عالم تھا۔ میں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ہمارا صاحب زیادہ جانتا تھا یا تمہارا صاحب؟ تو اس نے کہا تمہارا صاحب۔ میں نے کہا کہ قیاس کے علاوہ کوئی اور چیز باقی رہ گئی ہے؟ تو اس نے کہا نہیں۔ تو میں نے کہا کہ قیاس کا جتنا دعویٰ تم کرتے ہو، ہم اس سے زیادہ دعویٰ کرتے ہیں اس لیے کہ قیاس اصول پر کیا جاتا ہے جو اصول زیادہ جانتا ہے تو وہ قیاس کو بھی اتنا ہی جانتا ہے۔ اس نے کہا کہ امام شافعیؒ کے صاحب سے مراد امام مالکؒ بن انس تھے۔ الخ

اور طبقات الفقہاء ص ۴۲ میں ابو اسحاق الشیرازی کی عبارت سند کے بغیر ہے کہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے محمد بن الحسنؒ نے کہا کہ ہمارا صاحب زیادہ عالم تھا یا تمہارا۔ یعنی یہ گفتگو ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کے بارہ میں تھی (رضی اللہ عنہما) امام شافعیؒ نے کہا کہ میں نے کہا کہ انصاف سے؟ تو اس نے کہا، ہاں۔ میں نے کہا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر

پوچھتا ہوں کہ ہمارے اور تمہارے صاحب میں سے قرآن کا کون زیادہ عالم تھا۔ تو اس نے کہا' اللہ گواہ ہے کہ تمہارا صاحب۔ میں نے کہا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں' ہمارے اور تمہارے صاحب میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا کون تھا تو اس نے کہا کہ تمہارا صاحب۔ میں نے کہا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے متقدمین صحابہ کے اقوال کو کون زیادہ جانتا تھا؟ تو اس نے کہا تمہارا صاحب۔ امام شافعیؒ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر قیاس کے علاوہ اور کوئی چیز باقی نہ رہی تو قیاس بھی صرف وہی معتبر ہوتا ہے جو انہی اشیاء پر ہو تو آپ کس چیز پر قیاس کرتے ہیں؟ الخ۔ پس اے مخص اللہ تعالیٰ تیری رعایت کرے تو غور کر کہ ایک ہی حکایت میں راویوں کا کس قدر اضطراب ہے۔ تو کیا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص دو آدمیوں میں سے ایک کو زیادہ عالم جانتا ہو مگر اس کے مطابق فتویٰ دینا مناسب نہ سمجھتا ہو۔ اور یہاں ان حکایات کے راویوں پر کلام کرنے کی گنجائش نہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ امام مالکؒ کی وفات تک امام شافعیؒ کا ان کو لازم پکڑنا تو صرف منکر راویت سے ثابت ہے۔ اس کا ذکر ہم نے احقاق الحق میں کیا ہے۔ اور مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے صرف اسی وقت تک ان کی صحبت اختیار کی جتنا عرصہ ان سے الموطا کی سماعت کی اور وہ اٹھارہ ماہ کے قریب زمانہ ہے۔ اور بہرحال محمد بن الحسنؒ تو امام مالکؒ کے ساتھ تین سال سے زائد عرصہ رہے۔ تو تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کہ محمد بن الحسنؒ امام شافعیؒ سے ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے علم کے متعلق پوچھیں۔ جیسا کہ الشیرازی کی حکایت میں واقع ہے۔ اس لیے کہ ابوحنیفہؒ کو تو امام شافعیؒ نے پایا ہی نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علم کے بارہ میں ان کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکتے۔ اور اسی طرح امام شافعیؒ نے امام محمد بن الحسنؒ کی بہ نسبت امام مالکؒ کے ساتھ کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزارا۔ تو صاحبنا وصاحبکم کے صیغوں سے دو اماموں کے درمیان برتری ظاہر کرنا تو یہ حالت اس کی گنجائش نہیں رکھتی اور ہو سکتا ہے کہ درست بات وہ ہو جو قاضی ابو عاصم محمد بن احمد العامری نے اپنی مبسوط سے نقل کی ہے۔ اس نے اپنی اس مذکور کتاب میں کہا کہ بے شک امام شافعیؒ نے امام محمدؒ سے پوچھا کہ مالکؒ زیادہ عالم تھے یا ابوحنیفہ؟ تو محمد نے کہا کہ کس چیز میں؟ اس نے کہا کہ کتاب اللہ میں۔ تو اس نے کہا کہ ابوحنیفہؒ زیادہ عالم تھے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت؟ تو اس نے کہا ابوحنیفہؒ زیادہ عالم تھے معانی کے اور مالکؒ الفاظ کو زیادہ جانتے تھے۔ ...... اور محمد

بن الحسنؒ کی زبانی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے' اس لیے کہ بے شک وہ ایسا آدمی نہ تھا کہ جس سے فقہ سیکھی ہے اور جس سے روایات لی ہیں ان میں سے کسی کی ناشکر گزاری کرتا۔ اور نہ ہی ان میں سے کسی کے حق میں کمی کرنے والا تھا۔ اور یہ مقام اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا۔

امام محمد اور امام شافعیؒ کے درمیان رشید کی مجلس میں بحث کی روایت

پھر خطیبؒ نے ص ۱۷۸ ج ۲ میں ابن رزق۔ ابو عمرو بن السماک۔ التمار۔ احمد بن خالد الکرمانی۔ المقدمی کی سند نقل کر کے کہا کہ المقدمی نے کہا کہ امام شافعیؒ نے کہا کہ میرے نزدیک محمد بن الحسنؒ ہمیشہ قابل قدر تھے۔ میں نے اس کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کیے۔ یہاں تک کہ الرشید کی مجلس میں' میں اور وہ جمع ہوئے۔ ...... (اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ کی نظر میں پہلے محمد بن الحسنؒ قابل قدر تھے اور اس مجلس کے بعد امام شافعیؒ کا نظریہ ان کے بارہ میں تبدیل ہوگیا) پس خطیبؒ نے ابن رزق کی مجلس اس وقت اختیار کی جبکہ وہ بوڑھا اور اندھا ہوچکا تھا۔ اور ابو عمرو بن السماک تو امام ذہبیؒ کے نزدیک من گھڑت خبروں کی روایت کرنے میں مطعون ہے۔ اور محمد بن اسماعیل التمار بھی ثقہ نہیں اور الکرمانی تو مجہول ہے اور المقدمیؒ کی عبارت منقطع ہے (اس لیے کہ المقدمی نے یہ نہیں کہا کہ میں نے امام شافعیؒ سے سنا ہے) اور متن میں بھی ایسی کمزوری ہے کہ امام شافعیؒ جیسی جلیل القدر شخصیت وہ بات نہیں کہہ سکتی۔ اس لیے کہ اس روایت کی ابتداء میں ہے کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ الرشید کی مجلس میں محمد بن الحسنؒ نے بات کرنے میں پہل کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر المومنین بے شک اہل مدینہ نے کتاب اللہ کی نص اور رسول اللہ ﷺ کے احکام اور مسلمانوں کے احکام کی مخالفت کی ہے اور وہ ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کرتے ہیں۔ تو مجھے قریب اور دور نے پکڑ لیا۔ (یعنی انتہائی غصہ آیا) تو میں نے کہا کہ بے شک میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو نے نبوت کے گھرانے کی توہین کی ہے۔ اور ایک عبارت میں لبیت النبوۃ کے الفاظ ہیں۔ اور ان لوگوں کی توہین کی ہے جن کے اندر قرآن نازل ہوا اور ان میں احکام پختہ کیے گئے اور ایک عبارت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اپنے دین کو مضبوط کیا اور ان میں رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف ہے اور تو نے ان کی توہین کا ارادہ کیا ہے۔ .... تو انتہائی ظاہر بات ہے کہ محمد بن الحسنؒ کی مراد اہل مدینہ سے صرف امام مالکؒ اور ان کے

اصحاب جو ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے والے ہیں اور یہ بھی اس صورت میں جبکہ یہ حکایت محمد بن الحسنؒ سے ثابت ہو جائے جیسا کہ ابو نعیمؒ کی روایت میں تصریح کی گئی ہے۔ تو یہ اضافت یقیناً معہود پر محمول ہے۔ اور امام شافعیؒ اس سے بے خبر رہے اور اس کی کلام کو نبوت کے گھرانے اور مدینہ منورہ اور اس کے رہنے والوں کی توہین پر محمول کرنے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ محمد بن الحسنؒ سے اہل بیت کی محبت اور ان کی جانب سے دفاع کرنے اور ان کا اس راستہ میں تکلیف اور پریشانی اٹھانا وہ خوب جانتے تھے جیسا کہ ان کی اس دن کی ثابت قدمی سے ظاہر ہے۔ جس دن الطالبی کو امان دلانے میں زبانیں گونگی ہو گئی تھیں جس کی خون ریزی کا الرشید نے ارادہ کر لیا تھا۔ تو اس کی کلام کو اہل بیت وغیرہ کی توہین پر محمول کرنا تو صرف فساد بپا کرنا اور غلط بات منسوب کرنا اور کلام کو ایسی حالت پر محمول کرنا ہوگا جس کا وہ احتمال نہیں رکھتی۔ تو امام شافعیؒ جیسا آدمی جواب دینے کی قوت رکھتا تھا اس حال میں کہ وہ اپنے استاد کے بارہ میں انتہائی ادب واحترام سے پیش آتے اور اپنی گفتگو میں ایسی بات سے پرہیز کرتے جو بات اس کو حجت ظاہر کرنے سے عاجز کر دے تو یہ ایسی چیزیں ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام شافعیؒ اس جیسے کلام سے بالکل بری الذمہ ہیں۔ اور خصوصاً" ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ بے شک امام شافعیؒ کی محمد بن الحسنؒ کے ساتھ القضاء بشاہد ویمین کے بارہ میں گفتگو رقہ کے مقام میں ہوئی تھی۔ پھر معاملہ الرشید کی طرف پہنچ گیا۔ یہ نہیں ہے کہ الرشید کی مجلس میں ان کی آپس میں گفتگو ہوئی تھی۔ تفصیل کے لیے توالی التانیس ص ۷۹ دیکھیں۔ اور ابو نعیم کی سند میں ابوالشیخ ہے جس کو العسال نے ضعیف کہا ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن داؤد مجہول ہے۔ اور عبید بن خلف کا شیخ اسحاق بن عبد الرحمٰن مجہول ہے اور الکرابیسی متکلم فیہ راوی ہے۔ تو التاج ابن السبکی کا سند کو مضبوط کرنے میں تکلف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ تو اس روایت کا حال بھی خطیبؒ کی روایت سے کوئی زیادہ اچھا نہیں ہے لیکن ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ امام شافعیؒ کی گفتگو محمد بن الحسنؒ کے ساتھ اکیلے ہوئی تھی۔ پھر معاملہ الرشید کی جانب پہنچا اور یہ روایت اس کے موافق ہے جو ابن ابی حاتم کی روایت محمد بن ادریس وراق الحمیدی۔ الحمیدی۔ کی سند سے ہے کہ الحمیدی امام شافعیؒ سے نقل کرتا ہے کہ انھوں نے کہا' یہاں تک کہ میں عراق گیا تو وہاں خلیفہ کے ہاں محمد بن الحسنؒ بہت قابل قدر تھے تو میں نے ان کے پاس آمد ورفت رکھی اور میں نے کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بہت

بہتر ہے تو میں نے اس کی صحبت اختیار کر لی اور اس سے لکھا اور ان کے اقوال معلوم کیے۔ اور جب وہ مجلس سے اٹھ جاتے تو میں اس کے اصحاب سے مناظرہ کیا کرتا تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک تو مناظرہ کرتا ہے تو" تو مجھ سے الشاہد والیمین کے مسئلہ پر مناظرہ کر۔ تو میں اس سے باز رہا تو اس نے مجھ پر اصرار کیا تو میں نے اس سے گفتگو کی تو یہ بات الرشید تک پہنچی تو اس کو یہ بات بھلی معلوم ہوئی اور اس نے مجھ سے تعلق قائم کر لیا۔ جیسا کہ توالی التاسیس ص ۴۹ میں ہے تو اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک جو کتاب الام میں ہے کہ امام شافعیؒ بعض لوگوں سے مسائل میں گفتگو کیا کرتے تھے تو اس سے امام شافعیؒ کا محمد بن الحسنؒ سے مناظرہ نہیں بلکہ اس کے بعض اصحاب کے ساتھ مناظرہ مراد ہے۔ اور یہ بالکل اس کے خلاف ہے جس کا بعض لوگوں نے وہم کیا ہے۔ اور اس سے امام شافعیؒ کا محمد بن الحسنؒ کے ساتھ انتہائی ادب و احترام سے پیش آنا بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے اصحاب سے تو مناظرہ کرتے تھے مگر ان سے مناظرہ کرنے سے انکار کرتے تھے اور یہ ان کے ادب و احترام کی وجہ سے تھا۔ پھر جب محمد بن الحسنؒ نے اصرار کیا کہ اس سے مناظرہ کرے تو جو ان کے پاس دلائل تھے ان کو ظاہر کیا۔ اور اس حکایت میں کہا فتکلمت معہ پھر میں نے اس سے گفتگو کی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے شک محمد بن الحسنؒ نے جب امام شافعیؒ کو تعلیم حاصل کرنے اور دلیل کا جواب دینے میں آزما لیا تو ان کی بات الرشید کی طرف پہنچائی اور یہ آزمائش کے دوران اس کے حق میں سفارش کرتے ہوئے بری قرار دیتا تھا۔ پھر الرشید نے ان کو ملا لیا۔ اور ایسا معاملہ استاد کی جانب سے اپنے شاگرد پر انتہائی فضل سمجھا جاتا ہے بعد اس کے کہ اس نے اس پر ہر جانب سے بہت سی خیر برسائی جیسا کہ معروف ہے۔ پس جس نے ان روایات کا مجموعہ پیش نظر رکھا تو وہ دونوں معلول روایتوں میں کمی بیشی کے مقامات کو جان لے گا۔ اور آخری روایت کے راوی ان کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور ان میں کوئی ایسا نہیں جو اس جیسی روایت میں ہمارے نزدیک متہم ہو۔ تو حق ظاہر ہو گیا اور بہتان تراشوں کا بہتان باطل ہو گیا۔

پھر خطیبؒ اپنی روایت میں امام شافعیؒ کی زبانی کہتا ہے کہ آپ کس وجہ سے ایک دایہ عورت کی شہادت پر فیصلہ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خلیفہ ثابت ہو کر دنیا کا بادشاہ اور بہت سارے مال کا وارث بن جاتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میری دلیل حضرت علی بن ابی

طالبؓ ہیں تو میں نے کہا کہ حضرت علیؓ سے تو ایک مجہول راوی یہ روایت کرتا ہے جس کو عبد اللہ بن نجی کہا جاتا ہے اور اس سے جابر الجعفی روایت کرتا ہے اور وہ رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ یہ کلام جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

تو امام شافعیؒ کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ ایسی (بے جوڑ) کلام کریں اس لیے کہ دایہ والی حدیث کو لینے سے القضاء بشاہد و یمین والی حدیث کا لینا بالکل لازم نہیں آتا اس لیے کہ دوسری حدیث یعنی القضاء بشاہد و یمین تو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منافی ہے جبکہ اس کو اموال کے معاملہ میں لیں بخلاف پہلی حدیث کے۔ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی کتاب میں جو شہادات ذکر کی گئی ہیں وہ دینی معاملات اور سفر میں وصیت اور رجوع کرنا یا جدائی ڈالنا اور صرف زنا سے متعلق ہیں۔ اور بہرحال بچے کا آواز کا نکالنا تا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے تو اس کا کوئی ذکر نہیں تو دونوں خبروں کے درمیان فرق واضح ہے۔ پھر عبد اللہ بن نجی الحضرمی کی امام نسائیؒ اور ابن حبانؒ نے توثیق کی ہے اور اس کا باپ حضرت علی کے طہارت خانہ پر مقرر تھا اور بزار نے کہا کہ اس نے بھی اور اس کے باپ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سماعت کی ہے۔ اور اس سے کئی آدمیوں نے روایت کی ہے۔ تو وہ بالکل مجہول نہیں ہے نہ ذات کے لحاظ سے اور نہ وصف کے لحاظ سے بلکہ جب بحث کرنے والا اس کے بارہ میں بحث کرے گا تو اس کو مجہول نہیں پائے گا سوائے اس روایت کے جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے۔ اور اس روایت کی تفصیل آپ نے معلوم کر لی ہے اور اگر امام شافعیؒ نے ان کے بارہ میں کوئی کلام کیا بھی ہے تو وہ کلام ایسا ہی ہو گا جیسا کہ اہل علم رجال کے بارہ میں کرتے ہیں اور وہ نہیں کہتے کہ بے شک وہ مجہول ہے۔ پھر جابر الجعفی سے شعبہ نے اپنے تشدد کے باوجود روایت لی ہے اور ثوریؒ نے اس کی توثیق کی ہے تو کوئی ملامت نہیں ہے۔ محمد بن الحسنؒ پر کہ اس کے نزدیک اس کا ثقہ ہونا راجح ہے۔ اور اس پر لازم نہیں ہے کہ اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو ہی ضروری سمجھیں جو علل الترمذیؒ میں منقول ہے اس لیے کہ محمد بن الحسنؒ بھی اس کی طرح مجتہد ہیں جو توثیق یا تضعیف کر سکتے ہیں۔ ان دلائل کی وجہ سے جو ان کے سامنے ہوں۔ اور جو حدیث عبد الرزاق نے ثوری۔ جابر۔ ابن نجی کی سند سے نقل کی ہے کہ بے شک حضرت علیؓ نے بچے کی پیدائش کے وقت آواز نکالنے کے متعلق ایک دایہ کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے اور اس

کی متابعت کی ہے۔ عطاء بن ابی مروان نے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں' سوید بن عبد العزیز کی روایت میں جو بیہقی میں ہے۔ تو اس روایت کا صرف ابن نجی پر بند کرنا باطل ہوگیا۔ اور سوید اعتبار کے لائق ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا دلیہ کی شہادت کو جائز قرار دینے والی روایت عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں نقل کی ہے اور اس کی سند میں الاسلمی امام شافعیؒ کے نزدیک پسندیدہ راوی ہے۔ اور اس مسئلہ میں محمد بن الحسنؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے اور ابراہیم النخعی کی اتباع کی ہے جیسا کہ الاثار سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس روایت میں اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اور اس کی دلیل وہ ہے جو پہلے بیان ہو چکی۔ اور اس لیے کہ بے شک محمد بن الحسنؒ نے ان معاملات میں جن میں علم صرف اسی عورت کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ ان میں عورت کا قول قبول کرنے کے مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استنباط کیا ہے۔ ولا یحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن کہ عورتوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے۔ اور اس سے دلیل کا طریقہ یہ ہے کہ بچے کا پیدائش کے وقت آواز نکالنا بھی ان چیزوں میں سے ہے جن میں عادتاً عورت حاضر ہوتی ہے' مرد حاضر نہیں ہوتے۔ تو اس کی شہادت کو باطل کرنا منافی ہوگا ان معاملات میں عورت کا قول قبول کرنے میں جن کی پہچان صرف عورت کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت سے یہ مفہوم مستفاد ہے۔ اور بہرحال القضاء بشاہد و یمین والی حدیث کوئی ایسی وارد نہیں ہوئی جو اہل نقد کے ہاں معلل نہ ہو اور مسلم کی حدیث میں انقطاع ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف ہے اس میں اس کی دلالت ظاہر نہیں ہے جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اور اللیث بن سعد نے اپنے رسالہ میں اس بارہ میں امام مالکؒ کی تردید کی ہے۔ جو ابن معین کی تاریخ میں اس سے الدوری کی روایت اس کے جواب سمیت لکھی گئی ہے۔ یہاں تک کہ بے شک یحییٰ اللیثی جو کہ الموطا کے راویوں میں سے ہے اور ابو طاہر الذہلیؒ اور اسماعیل القاضیؒ اور ابو بکر الابہریؒ وغیرہ بڑے بڑے مالکیہ نے اس مسئلہ میں امام مالکؒ سے اختلاف کیا ہے اور کتنے ہی شوافع میں ایسے پائے جاتے ہیں جو مسئلہ میں امام شافعیؒ سے اختلاف کرتے ہیں۔ پس آپ دور حاضر کے قاضیوں سے ہی پوچھ لیں کہ حقوق میں اگر وہ لوگوں کے لیے اسی کے مطابق فیصلہ کریں جس کا وہ مطالبہ کرتے

ہیں جبکہ شہادت کا نصاب مکمل نہ ہو تو اس کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ قطع نظر اس واضح ضعف کے جو اس روایت میں ہے جس کے ساتھ وہ شاہد اور یمین کے ساتھ عمل کرنے میں دلیل پکڑتے ہیں۔

پھر خطیبؒ نے باقی وہ باتیں ذکر کیں جو امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس سے کہا کہ تو قسامت کے بارہ میں کیا کہتا ہے تو اس نے کہا کہ وہ استفہام ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ۔ وہ استفہام ہے تو کیا اس کے ساتھ فیصلہ نہ کیا جائے گا۔

پھر اس نے کہا کہ پھر رشید نے کہا' یہ کیا ہے؟ مجھے تلوار اور چٹائی دو۔ (تا کہ میں اس محمد کو قتل کر دوں) کیا رشید کا معاملہ اس کے ساتھ اس طرح کا تھا۔ اور اس کلام میں کونسی ایسی بات تھی کہ وہ اس کے لیے تلوار مانگتا ہے اور امام محمد بن الحسنؒ نے تو امام شافعیؒ کو رشید کی تلوار سے چھڑایا تھا جیسا کہ ابن عبد البرؒ کی روایت میں ہے اور یہاں خطیبؒ کی روایت یہ بتا رہی ہے کہ امام محمد کو امام شافعیؒ نے قتل کے لیے پیش کر دیا تھا۔ کیا یہ اس پر کیے گئے احسان کا بدلہ تھا؟ اور امام شافعیؒ سے کہاں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اس قسم کی نازیبا کاروائی کریں۔ بلکہ خبر ساری کی ساری بار بار جھوٹ ہے۔ اور من گھڑت قصہ ہے۔ اور محمد بن الحسنؒ کی رائے قسامت کے معاملہ میں وہی ہے جو اس کے اصحاب کی ہے اور یہ مقام ان کے دلائل کی وضاحت کرنے کی گنجائش نہیں رکھتا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اس طریقہ کے ساتھ یہ مناظرہ گھڑا ہے تو اس نے اپنی نادانی سے امام شافعیؒ کو ہی نقصان پہنچایا ہے جبکہ اس کا ارادہ اس کو نفع دینے کا ہوگا۔ اس لیے کہ بے شک اس نے اپنے تیر کا نشانہ جہالت کی وجہ سے اسی کو بنا لیا۔ (کیونکہ اس واقعہ میں امام شافعیؒ کی احسان فراموشی کا کھلا مظاہرہ ہے)

اور خطیبؒ نے کتنی ہی روایات ایسی نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک محمد بن الحسنؒ مرجئہ یا جہمیہ یا لوگوں کی زبان پر کذاب تھے اور یہ اس نے ایسی سندوں سے نقل کیا ہے جن میں ایسے تباہ کن راوی ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ تو ہمیں ان روایات کی تفصیل سے رد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس اعتراف کے بعد کہ بے شک عبد الرحمن بن رستہ متکلم فیہ راوی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے باوجود آپ اس کی مرویات زفرؒ اور محمد بن الحسنؒ وغیرھما کے بارہ میں ابن مھدی سے کرتے ہیں۔

اسماعیل بن عیاش سے کہا گیا کہ یحییٰ بن صالح نے محمد بن الحسنؒ کو سفر میں ساتھی بنایا ہے تو اس نے کہا کہ اگر وہ خنزیر کو ساتھی بنا لیتا تو یہ اس کے لیے بہتر ہوتا۔

اور خطیبؒ کی روایات میں عجائبات میں سے وہ ہے جو اس نے بقیہ تک اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ بے شک اس نے کہا کہ اسماعیل بن عیاش سے کہا گیا' اے ابوعتبہ بے شک کوفہ سے مکہ تک سفر کے لیے یحییٰ بن صالح نے محمد بن الحسنؒ کو ساتھی بنایا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اگر وہ خنزیر کو ساتھی بنا لیتا تو اس کی بہ نسبت یہ اس کے لیے بہتر ہوتا۔ تو بقیہ کی عبارت منقطع ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جب وہ سمعت نہیں کہتا تو اس کی روایت سب کے نزدیک رد کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ بے شک بقیہ کی روایات صاف ستھری نہیں ہیں۔ اور لوگ ان سے بچتے ہی ہیں۔ اور سند میں جو عبد السلام بن محمد ہے اس کے بارہ میں ابوحاتم نے کہا کہ صدوق ہے مگر یہ لفظ اس کے نزدیک خاص اصطلاح اس راوی کے بارہ میں ہے جس کے معاملہ میں نظر ہو۔ تو وہ مردود الروایہ ہے جبکہ اس کا متابع نہ ہو۔ اور یہاں اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ پھر سلیمان بن عبد الحمید البہرانی مختلف فیہ راوی ہے۔ امام نسائی نے اس کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ کذاب ہے ثقہ نہیں ہے۔ اور اسماعیل بن عیاش تو امام محمد بن الحسنؒ کے شیوخ میں سے ہیں' وہ پرہیز گار تھے۔ ان سے تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس جیسی بیہودہ بری بات زبان سے نکالیں۔ خواہ اس نے اپنی کلام میں محمد بن الحسنؒ کو مراد لیا ہو یا یحییٰ بن صالح کو۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی ہے کہ یحییٰ بن صالح الوحاظی تو بخاری کے شیوخ میں سے ہیں اور اسماعیل سے تو شیخین نے روایت نہیں لی۔ اور شاید خطیبؒ نے یہ کلام محمد بن الحسنؒ کے مطاعن میں شمار کر کے اس کو یہاں ذکر کر دیا۔ حالانکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ یحییٰ بن صالح الوحاظی کے بارہ میں ہے جو بخاری کے شیخ ہیں اور یہ سند اسماعیل بن عیاش الحمصی کے دامن کو اس بیہودہ گوئی سے بری کرتی ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

الحسن بن زیادؒ اللؤلؤی الانصاری

یہ جلیل القدر اور عظیم الشان محدث تھے۔ ان کی المجرد اور الامالی اور المقالات اور الآثار کتابیں ہیں۔ اس سے ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی نے اپنی صحیح المسند میں روایات لی ہیں جس کی تخریج صحیح مسلم کی شرط پر کی گئی ہے۔ اور یہ اس کی توثیق کی دلیل ہے اور الحاکمؒ نے بھی اپنی مستدرک میں روایات لی ہیں جو کہ صحیحین کی شرط کے مطابق

ہے۔ اور یہ بھی اس کی توثیق ہے۔ اور مسلمہ بن قاسم الاندلسی نے الصلہ میں اس کی توثیق کی ہے۔ اور یحییٰ بن آدمؒ نے کہا کہ میں نے حفص بن غیاثؒ کے بعد اس سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ اس نے ابن جریج سے ایسی بارہ ہزار حدیثیں روایت کی ہیں جن کی فقہاء کو ضرورت پیش آتی ہے۔ اور احمد بن عبد الحمید الحارثیؒ نے کہا کہ میں نے الحسنؒ بن زیاد سے زیادہ اچھے اخلاق والا تعلیم دینے میں زیادہ قریب کرنے والا اور پہلو کے لحاظ سے انتہائی نرم کوئی نہیں دیکھا۔ اس نے کہا کہ وہ اپنے غلاموں کو بھی وہی لباس پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے۔ اور عبد القادر القرشیؒ نے کہا کہ وہ سنت سے محبت کرنے والا اور اس کی پیروی کرنے والا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے غلاموں کو بھی وہی لباس پہناتا جو خود پہنتا تھا۔ اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کی اتباع تھی کہ تم ان غلاموں کو بھی اپنے جیسا لباس پہناؤ۔ اور جہاں نص موجود ہوتی تو وہاں قیاس میں غور و فکر کرنے سے انکار کرتے تھے جیسا کہ نماز میں آواز کے ساتھ ہنسنے والے کے مسئلہ میں بعض فساویوں کا طریق کار ہے۔ اور جو شخص مرسل روایت کو حجت مانتا ہو وہ تو القہقہہ والی حدیث کو رد کر ہی نہیں سکتا۔ جیسا کہ اس کا ذکر ابن حزم نے کیا ہے۔

اور ابن جریرؒ نے اپنی کتاب اختلاف الفقہاء میں فقہ میں اس کی آراء کا ذکر ائمہ فقہاء کی آراء کے زمرہ میں کیا ہے حالانکہ اس نے امام احمد بن حنبلؒ کی آراء کا ذکر ایک عام فقیہ کے ذکر کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ اور اس سے محمد بن شجاع الثلجیؒ نے فقہ حاصل کی اور اس کو امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں علم کے سمندروں میں شمار کیا ہے۔ اور اسی طرح اس سے اسحاق بن البہلول تنوخی نے فقہ حاصل کی اور وہ ایسا الحافظ الثقہ ہے جس نے چالیس ہزار احادیث سے زائد زبانی بیان کیں جیسا کہ اس کا ذکر خطیبؒ نے ص ۳۶۷ ج ۶ میں کیا ہے۔ اور ابن شجاع اور ابن البہلول کے علاوہ شعیب بن ایوب اور محمد بن سماعہ اور اسماعیل بن الفزاری اور علی الرازی اور عمرو بن مہیر جو کہ الخصاف کا والد ہے اور الفتح بن عمرو وغیرہم نے اس سے علم حاصل کیا۔ مگر اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ خطیبؒ نے اس کا ترجمہ بدترین انداز میں کیا ہے۔ ایسی سند کے ساتھ جو وکیع بن الجراح سے ہے اور جس کی سند مرکب ہے۔ بے شک اس نے کہا کہ سنت پر عیب کیوں نہ لگے گا جبکہ الحسن الولوی اور حماد بن ابی حنیفہؒ جیسے لوگ قاضی ہیں اور اس خبر کا آدھا حصہ دوسرے آدھے کے

جھوٹے ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ بے شک حماد بن ابی حنیفہؒ کی وفات ۱۷۶ھ میں ہوئی اور اللولوی اس کے کئی سال بعد ۱۹۴ میں قاضی بنے۔ تو ان دونوں کی قضاء ایک زمانہ میں نہ تھی بلکہ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ حماد بن ابی حنیفہؒ قاضی بنے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بات کہی جا سکتی، بلکہ الحسن بن زیادؒ بھی قضاء پر صرف تھوڑی ہی مدت رہے کہ اس کے ساتھ ایک سال کی برکت بھی برباد نہیں ہوتی کیونکہ جلد ہی اس نے قضاء سے استعفا دے دیا تھا۔ پھر اس کا استعفا قبول کرلیا گیا۔

اور اسی طرح خطیبؒ نے عبد المومن بن خلف النسفی عن صالح جزرہ کی سند سے روایت کی ہے کہ بے شک وہ لیس بشئی تھا۔ وہ ہمارے اصحاب کے ہاں اور ان کے ہاں کوئی قابل تعریف نہ تھا۔ وہ بری عادت کے ساتھ متہم تھا اور وہ حدیث میں لیس بشئی تھا۔

اور عبد المومن ایسا آدمی ہے کہ اس کے بارہ میں اس کی تصدیق نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ بے شک وہ ظاہری تھا اور اہل قیاس کے خلاف زبان دراز تھا۔ اور جزرہ حدیث میں وسعت علمی کے باوجود بدترین قسم کے ہنسی مذاق میں بدزبان تھا۔ اور ایک آدمی نے دیکھا کہ اس کا ستر کھلا ہوا ہے اس نے جب اس کو توجہ دلائی تو یہ بجائے شرمندہ ہونے اور ستر ڈھانپنے کے اس کو کہتا ہے کہ تیری آنکھیں کبھی خراب نہ ہوں گی۔ اور ایک آدمی نے ایک مرتبہ اس سے ثوریؒ کے بارہ میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ کذاب ہے تو پوچھنے والے نے اس کی بات لکھ لی تو اس کے ہم مجلس لوگوں میں سے کسی نے اس کی یہ کاروائی ناپسند کرتے ہوئے کہا کہ تیرے لیے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ آدمی اس کو حقیقت سمجھ کر آگے اس کو تیری طرف سے بیان کردے گا۔ تو اس نے کہا کہ کیا تجھے اس پر تعجب نہیں ہوا کہ وہ میرے جیسے آدمی سے سفیان ثوریؒ جیسے آدمی کے بارہ میں پوچھتا ہے وہ خود اس میں فکر کرے کہ اس کو آگے نقل کرتا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ خطیبؒ کی تاریخ ص ۳۲۹ اور ص ۳۲۷ ج ۹ میں ہے۔ تو اس کے جواب سے یہ معلوم ہوا کہ بے شک اس کی بات ائمہ کے بارہ میں قبول نہیں کیونکہ اس کی کلام حقیقت اور مذاق میں رنگی ہوئی ہوتی تھی۔ اور تعجب ان پاک صوفیاء پر ہے جو اس طرح کے بدترین قسم کے قذف والے معاملہ کو معمولی سمجھتے ہیں کہ جس میں حجت کے قائم ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ ان کو علم ہے کہ قذف

کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے۔ اور ایسا صرف دین کی کمی اور عقل میں فتور کی وجہ سے ہی ہے۔

امام الحسن پر خطیب ؒ کا طعن کہ وہ امام سے پہلے سر اٹھاتے اور سجدے میں جاتے تھے

اور اسی طرح خطیبؒ نے ابن رزق۔ وعلج۔ الابار کی سند سے روایت کی ہے کہ بے شک وہ امام سے پہلے سر اٹھاتے اور اس سے پہلے سجدہ میں جاتے تھے۔ اور بے شک ان راویوں کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

دوسرا طعن کہ ان کو ایک آدمی نے دیکھا کہ وہ جماعت میں سجدہ کی حالت میں ایک لڑکے کو بوسے دے رہے تھے

اور اسی طرح اس نے محمد بن العباس الخزاز۔ ابوبکر بن ابی داؤد۔ الحلوانی کی سند سے روایت نقل کی کہ الحلوانی نے کہا کہ میں نے الحسن بن زیادؒ اللولوی کو دیکھا کہ وہ ایک لڑکے کو سجدہ کی حالت میں بوسہ دے رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو برباد کرے جس نے مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام کے بارہ میں یہ افسانہ گھڑا اور یہ صراحت کی کہ بے شک وہ جماعت کے صفوں میں تھا جیسا کہ الرھاوی کی عبارت ہے۔ اور افسانہ گھڑنے والے نے اس بہتان تراشی کے ساتھ اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل بھی فراہم کر دی۔ پس شہر اور علاقہ کے بدترین فاسقوں میں سے کون سا فاسق ایسا ہو سکتا ہے جو جامع مسجد میں جماعت کی صفوں میں اس قسم کی کاروائی کرے بغیر اس کے کہ اس کے پاس ہر جانب سے موت آجائے اور جماعت سے ہٹ کر جس نے اس کاروائی کو دیکھ لیا تو وہ اس کا معاملہ قاضی کے حضور پیش کیوں نہیں کرتا؟ اور ایسا کرنے کی بجائے وہ اس طرح غیبت کر کے اس کے خون اور عزت و آبرو میں کتے کی طرح منہ ڈالتا ہے۔

اور محمد بن العباس الخزاز کا ذکر پہلے کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور ابن ابی داؤد النسلق (دیوار پھاندنے) کا افسانہ گھڑنے والا ہے۔

ان افسانوں کا الحسن حسن بن زیادؒ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ بہتان تراشی حضرت علی

ابن ابی طالب کرم اللہ وجہ جیسے آدمی پر بھی کی گئی ہے۔

اور بے شک محمد بن العباس کے باپ نے اور ابن صاعد اور ابن جریر نے اس کی تکذیب کی ہے۔ اور ان تینوں حفاظ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جہاں ہم نے اس کی وضاحت تفصیل سے کی ہے جس کے گرد خباثت جمع ہوتی ہے۔ تو اس کی توثیق صرف وہی کر سکتا ہے جو اس کے حال سے ناواقف ہو یا گمراہی میں گھرا ہوا ہو۔ اور الحلوانی مختلف فیہ راوی ہے اور الخطیبؒ نے تو حیاء کو خیرباد کہہ دیا تھا جب اس نے اپنی کتاب میں اس قسم کی بدترین جھوٹی روایات نقل کیں۔

اور بے شک اس نے اپنی کتاب میں الساجی اور ابن معین اور ابن المدینی اور یعقوب بن سفیان وغیرھم سے بھی الحسن بن زیادؒ کو ضعیف قرار دینے یا اس کی تکذیب کی روایات کی ہیں۔ مگر ان روایات میں محمد بن ابی شیبہ اور محمد بن سعد العوفی اور الادمی اور عبد اللہ البغوی اور عبد اللہ بن جعفر الدرامی اور دعلج اور الاجری اور العقیلی اور ان جیسے راوی ہیں اور ان کا معاملہ ان صفات کے درمیان گھومتا ہے کہ وہ کذاب اور ضعیف اور مردود القول متعصب اور غفلت کا شکار اور مجسم ایسا متعصب کہ اہل السنہ کے بارہ میں اس کی بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ اور جن لوگوں نے الحسن بن زیادؒ کی توثیق کی ہے جس کا ذکر ترجمہ کی ابتداء میں ہوا وہ اس کی توثیق میں ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ اور ابن شمیل تو وہ آدمی ہے جس نے ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو دھو ڈالا تو الحسن بن زیادؒ کی کتابوں میں اس کا شیطان جو چاہے دیکھے۔

تنبیہ: خطیبؒ کی کتاب میں الحسن بن زیادؒ کے ترجمہ کے دوران حاشیہ میں کسی نے لکھا ہے' جہاں اس کی روایت عاصم۔ زر۔ عن عمر کی سند سے ہے بہشتم تطلیقۃ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حاشیہ لکھنے والا فارسی لغت سے کس قدر ناواقف ہے۔

حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ بہشتم میں تاء کا فتحہ اور باء زائدہ ہے اور اس کا معنی سرحت ہے۔ تو یہاں اسم عدد کا کوئی تعلق ہی نہیں جو کہ ہشتم ہے جو کہ تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے جیسا کہ حاشیہ لکھنے والے کو وہم ہوا ہے۔ اور مترس پہلے دو حروف کے فتحہ اور پھر تیسرے حرف کے سکون کے ساتھ ہے جس کا معنی لا تخف ہے کہ خوف نہ کھا تو وہ امان ہوگا۔ اور اگر ہم اس انداز میں ابو حنیفہؒ کے باقی اصحاب کے بارہ میں لکھتے جائیں جن کے بارہ میں خطیبؒ نے لکھا ہے تو ہماری گفتگو طویل ہو جائے گی تو ہم نے بطور نمونہ جو ذکر کر دیا

ہے وہی کافی ہے۔

اور یقیناً قارئین کرام کو اس کتاب کے مندرجات کا علم ہوجانے کے بعد اس بات کا یقین ہوجائے گا کہ بے شک خطیبؒ خواہشات نفسانیہ میں گھرا ہوا ہے۔ ان روایات کو نقل کرنے میں جو اس کے دائیں ہاتھ نے اپنی تاریخ میں لکھی ہیں۔ اور وہ اپنے مخالفین کے بارہ میں اپنے اقوال میں اعتماد کے درجہ سے گرا ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ان ائمہ کی قبروں پر جو اس امت کے چراغ ہیں اپنی رحمت اور رضامندی کی بارشیں برسائے اور جس نے علم اور اخلاق اور دینی خدمت میں ان کے مرتبہ کو نہ جانتے ہوئے نادانی میں ان کے بارہ میں کلام کیا ہے ان سے درگزر کا معاملہ فرمائے۔ اور ان میں سے جس نے خباثت اور فساد نیت کی وجہ سے ان کے بارہ میں طعن کیا ہے تو ان کو ایسا بدلہ دے جو بدلہ خبیث مفسدین کے لیے ہو سکتا ہے۔ اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو بخشے اور ہم سے ان کلمات کو قبول فرمائے جو ابو حنیفہؒ اور اس کے اصحاب کے بارہ میں حق کو اس کے نصاب کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اور اس کتاب جس کا نام تانیب الخطیبؒ علی ما ساقه فی ترجمة ابی حنیفة من الاکاذیب ہے کی تحریر سے فراغت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ گیارہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ عصر کے وقت ہوئی۔ پھر میں نے اپنی تحریر پر نظر ثانی کی اور اس میں کچھ کمی بیشی کی۔ پھر اس کے ساتھ خاتمہ لگایا اور اس تمام کام سے فراغت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ۷ شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ میں قاہرہ شہر میں العباسیہ محلہ میں اپنے گھر میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو فتنوں سے بچائے اور تمام آزمائشوں سے محفوظ رکھے اور میں بارگاہ الٰہی کا فقیر محمد زاہد بن الحسن بن علی الکوثری اصطنبول میں علم کا سابق خادم ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اور ہمارے آباؤ اجداد سے اور ہماری ماؤں اور ہمارے مشائخ اور تمام مسلمانوں سے درگزر کا معاملہ فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سید الخلق محمد و اله وصحبه اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تانیب الخطیبؒ کے ترجمہ سے فراغت بحمد اللہ تعالیٰ
۲۱ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ بروز پیر بعد از نماز عصر ہوئی
احقر عبد القدوس قارن

میرے اساتذہ کرام ادام اللہ فیوضہم

احقر نے اس کتاب کا انتساب اپنے تمام اساتذہ کرام کی طرف کیا ہے، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کرام کے نام اور ان سے حاصل کیے گیے علوم کا ذکر کر دیا جائے۔ ابتدائی دور میں گکھڑ حفظ و ناظرہ کے شعبہ میں وقتاً فوقتاً اساتذہ بدلتے رہے ان میں سے جو احقر کو یاد ہیں۔ ان کا ذکر کیا گیا ہے، نیز بعض کتابیں حضرت والد صاحب دام مجدہم کے حکم کیمطابق دو دو بار پڑھی ہیں اس لیے وہ دو دو بار ہی لکھی گئی ہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدہم

ترجمہ و تفسیر قرآن کریم مکمل، بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف از اول تا کتاب البیوع، شرح نخبۃ الفکر، شرح عقائد، خیالی، سراجی، ہدایۃ النحو، شرح تہذیب، اصول الشاشی، نفحۃ العرب، نور الایضاح، علم الصیغہ، میزان الصرف، تعریف الاشیاء، دستور المبتدی

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید دام مجدہم

مسلم شریف مکمل، ترمذی شریف از کتاب البیوع تا آخر، شمائل ترمذی، نسائی شریف، ابن ماجہ، حجۃ اللہ البالغہ، دیوان حماسہ مقامات حریری، مقامات ہمدانی، کلیلہ و دمنہ، القراۃ الرشیدہ مکمل چار حصے، مبادی القراۃ الرشیدہ، ریاض الصالحین، گلستان سعدی، الیائغوجی

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبد القیوم ہزاروی دام مجدہم

ابو داؤد شریف مکمل، طحاوی شریف، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مشکوۃ شریف اول، ہدایہ مکمل چار حصے، بیضاوی شریف، مطول، مختصر المعانی، حسامی، مسلم الثبوت، توضیح و تلویح، رشیدیہ، قاضی مبارک، اور فاضل عربی امتحان کے لیے کچھ حصہ صدرا شمس البازغہ اور المحیط الدائرہ۔

ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن دام مجدہم

ہدایہ اول، قطبی، ملا حسن، میبذی، شرح مائۃ عامل، نظم مائۃ عامل، کافیہ، شرح ملا جامی، دیوان متنبی، زرادی، مراح الارواح صغری و کبری، مرقات، بوستان۔

حضرت مولانا مفتی جمال احمد دام مجدہم

نفحۃ العرب، شرح تہذیب، قدوری

حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ دام مجدہم

مشکوٰۃ شریف ثانی، مختصر المعانی، شافیہ

حضرت مولانا محمد یوسف کشمیری دام مجدہم

جلالین شریف مکمل، کنز الدقائق، فصول اکبری، نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ

حضرت مولانا عبد العزیز دام مجدہم (فاضل دیوبند)

شرح وقایہ اولین، اصول الشاشی، نور الانوار، قانونچہ کاسری۔

حضرت مولانا غلام علی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمۂ قرآن کریم، ریاض الصالحین، نحو میر، قانونچہ کھیوالی، کریما، نام حق۔ فارسی کا آسان قاعدہ، مالا بد منہ، مفید الطالبین

حضرت مولانا قاری عبد الحلیم دام مجدہم

المقدمۃ الجزریہ، فوائد مکیہ، ہدیۃ الوحید، جمال القرآن، معلم التجوید، حدر مکمل قرآن کریم اور مشق مختلف رکعات بروایت حفص

حضرت قاری محمد انور دام مجدہم

قرآن کریم حفظ مکمل، حضرت قاری صاحب کے گکھڑ تشریف لانے سے پہلے چند پارے یاد کیے ہوئے تھے، مگر حضرت نے دوبارہ ابتداء سے شروع کرایا۔

حضرت قاری اعزاز الحق رحمۃ اللہ علیہ

آخری دو پارے حفظ

حضرت قاری محمد اشرف لائل پوری

ناظرہ قرآن مجید، قاعدہ مکمل

حضرت قاری غلام مصطفےٰ ظہیر امین آبادی (مرحوم)

قاعدہ چند تختیاں

میاں محمد اسلم (مرحوم) یسرنا القرآن مکمل

حضرت مولانا محمد یحییٰ محسن زید مجدہ (حال خطیب نارووال)

قاعدہ کی پہلی تختی۔ یہ گکھڑ حضرت والد صاحب دام مجدہم سے پڑھتے تھے تو اس دوران انہوں نے مجھے قاعدہ کی پہلی تختی پڑھائی۔

محترمہ والدہ (مرحومہ)

ناظرہ قرآن کریم کی کئی دفعہ دہرائی اور حضرت قاری محمد انور صاحب کے گکھڑ تشریف لانے سے پہلے سورۃ ق تا آخر محترمہ والدہ مرحومہ سے حفظ کر چکا تھا۔ پھر حفظ کے بعد اور حفظ کے دوران کئی دفعہ مکمل منزل بھی سنائی۔

سکول کی تعلیم

محترم جناب ماسٹر عبد الکریم صاحب مرحوم، ماسٹر بشیر احمد صاحب مرحوم، ماسٹر محمد عالم صاحب آف کوٹ عنایت خاں، ماسٹر محمد حسین صاحب، ماسٹر احمد دین صاحب مرحوم سے حاصل کی اور میٹرک کے امتحان کے لیے چند اسباق انگریزی کے جناب ماسٹر منصور احمد صاحب حال مدرس تعلیم الاطفال شعبہ مڈل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے پڑھے۔

پھر ایف اے کی تیاری کی اور محکمہ نہر کے ایک آفیسر (نام اس وقت ذہن میں نہیں) جو کہ انگلش میں کافی مہارت رکھتے تھے، ان سے انگلش کی تیاری کی، ایف اے کا امتحان شروع ہوا اس دوران محترمہ والدہ صاحبہ تشریف لائیں تو مجھے فرمانے لگیں، قاری تو بھی حافظ محمود اور حافظ محمد شریف کی طرح کالج اور یونیورسٹی کی طرف دھیان کرنے لگا ہے (یہ دونوں میرے حفظ کے ساتھی ہیں اور ——— بچپن میں ہمارے گھر آتے جاتے تھے۔ ان دونوں حضرات نے کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم میں ماشاء اللہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے) میں تو تجھے مسجد اور مدرسہ کے ماحول میں ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا امی دعا کریں کہ میں ایف اے میں کامیاب ہو جاؤں تو کہنے لگیں، میں تو کہتی ہوں کہ تو نہ ہی کامیاب ہو، تاکہ تیری توجہ دوسری طرف نہ ہو جائے، میں امتحان میں مناسب تیاری سے شریک ہوا۔ اتفاق کی بات کہ ایک دن کسی ضروری کام سے لاہور گیا، خیال تھا کہ پرچہ شروع ہونے سے پہلے واپس پہنچ جاؤں گا۔ مگر واپسی پر گاڑی ایسی جگہ پر خراب ہو گئی کہ متبادل سواری کا ملنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس طرح وہ پرچہ نہ دے سکا۔ اور مزید ایک پرچہ میں کمپارٹ آ گئی بعد میں مصروفیت زیادہ ہونے کی وجہ سے امتحان نہ دے سکا۔ میرا یقین ہے کہ اس ناکامی کے اسباب محترمہ والدہ صاحبہ کے اس بات

کو پسند نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اسی سال سے
مجھے حدیث کے اسباق پڑھانے کا موقعہ مل گیا۔ اور محترمہ والدہ صاحبہ نے اس پر خوش ہو کر نہ جانے
کس قدر دعاؤں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔

قلبی صفائی کے لیے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان سے اسباق لیتا رہا۔ حضرت کی وفات
کے بعد کئی دفعہ استخارے کرنے کے بعد منامی اشارات کے پیش نظر حضرت والد صاحب دام مجدہم کے دست
حق پرست پر بیعت کی اور ان ہی کے بتائے ہوئے وظائف پورے کرنے کی کوشش ہوتی ہے

یہ اساتذہ کرام تو مجھے یاد ہیں ان کے علاوہ بھی جس سے ایک جملہ بھی پڑھا ہے، وہ میرے اساتذہ
میں شامل ہے اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے جو فوت ہو چکے ہیں، اُن کے درجات بلند فرمائے اور
جو زندہ ہیں اُن کا سایہ صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت باکرامت فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین

احقر عبدالقدوس قارن

احسن الکلام

فی

ترک القرأۃ خلف الامام

مصنفہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

اس کتاب

میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف
صالحین سے ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی کیلئے قرآن کریم کے کسی حصہ (فاتحہ وغیرہا) کی
قرأت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور مخالفین کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں
کافی عرصہ کے بعد دوبارہ شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی طبع سوم ۱۷۵/- روپے	**احسن الکلام** مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث طبع پنجم ۱۵۰/- روپے	**تسکین الصدور** مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث طبع ششم ۱۱۰/- روپے	**الکلام المفید** مسئلہ تقلید پر مدلل بحث طبع چہارم ۹۵/-	**ازالۃ الریب** مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث طبع پنجم ۱۳۵ روپے
راہِ سنت ردِ بدعات پر لاجواب کتاب ۸۰/- روپے	**مقام ابی حنیفہ** طبع پنجم ۷۰/- روپے	**سماع الموتیٰ** طبع پنجم ۵۵/- روپے	**طائفہ منصورہ** نجات پانیوالے گروہ کی علامت	**ارشاد الشیعہ** شیعہ نظریات کا مدلل جواب ۴۸/- روپے
آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث ۵۸/- روپے	**عبارات اکابر** اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات ۴۸/- روپے	**صرف ایک اسلام**	**گلدستہ توحید** مسئلہ توحید کی وضاحت ۳۰/- روپے	**دل کا سرور** مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث ۳۲/- روپے
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ ۱۲/- روپے	**آئینہ محمدی** سیرت پر مختصر رسالہ ۸/- روپے	**تبلیغ اسلام** ضروریات دین کی مختصر بحث ۱۹/- روپے	**چراغ کی روشنی** معراج النبی کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات ۱۵/- روپے	**مسئلہ قربانی** قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث ۱۵/- روپے
عیسائیت کا پس منظر عیسائیوں کے عقائد کا رد	**مقالہ ختم نبوت** قرآن و سنت کی روشنی میں ۱۲/- روپے	**بانی دار العلوم دیوبند** مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات [illegible] روپے	**راہِ ہدایت** کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت [illegible] روپے	**تنقید متین** بر تفسیر نعیم الدین
احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث ۳۰/-	**تفریح الخواطر** بجواب تنویر الخواطر	**اتمام البرہان** ردِ توضیح البیان	**حلیۃ المسلمین** داڑھی کا مسئلہ ۱۲/- روپے	**شوق جہاد** ۸/- روپے
ینابیع غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ ۳۰ روپے	**الکلام الحاوی** سادات کیلئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث ۳۰/- روپے	**ملا علی قاری** اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر ۸ روپے	**المسلک المنصور**	**الشہاب المبین** بجواب الشہاب الثاقب
شوقِ حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	**انکارِ حدیث کے نتائج** منکرین حدیث کا رد	**مودودی صاحب کا غلط فتویٰ** ۸/- روپے	**چالیس دعائیں** ۱۰/- روپے	**اخفاء الذکر** ذکر آہستہ کرنا چاہیئے ۱۸/- روپے
حکم الذکر بالجہر ۲۸/- روپے	**باب جنت** بجواب راہ جنت	**اظہار العیب** بجواب اثبات علم الغیب	**الطیب الکلام** ملخص احسن الکلام ۱۵/- روپے	**چہل مسئلہ** حضرات بریلویہ ۸/- روپے
حمیدیہ فن مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ ۲۸/- روپے	**توضیح المرام** فی نزول مسیح علیہ السلام ۲۰/- روپے	**مرزائی کا جنازہ** اور مسلمان ۵/- روپے	**مولانا ارشاد الحق اثری** کا مجذوبانہ واویلا ۶۰/- روپے	**جنت کے نظارے** علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح کا اردو ترجمہ